اُدعُ اِلٰی سَبِیلِ رَبِّکَ بِالحِکمَۃِ وَالمَوعِظَۃِ الحَسَنَۃِ

(مکمل)

خُطباتِ مَوَاعِظَت

مُصنّفہٗ

جناب حضرت مولٰنا الحاج مفتی ابو النصر السفیر فاکر حسین

حنفی، چشتی، مظاہری، مفسرِ قرآنِ کریم، دامت برکاتہم

مؤلف خلاصۃ العقائد و تنویر المصابیح و اشراق المصابیح و التحقیق المفید وغیرہا

ناشر: مُسلم بُک ڈپو نیو مارکٹ بنگلور ۲

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

الحمد للہ کہ بتعمیلِ حکمِ ربِّ جلیل

مجموعۂ خطباتِ جمعہ

موسوم بہ

مکمل خطباتِ موعظت

(جلد اول و دوم)

مصنفہ

جناب حضرت مولنا الحاج المفتی ابو الناصر الشہیر بہ ذاکر حسن عُبیدی

حنفی، پھلتی، مظاہری، مفسر قرآنِ کریم، دامت برکاتہم

مؤلف علم العقائد و تنویر المصابیح و اشراق المصابیح و التحقیق المفید وغیرہ

باجازت مصنف

مُسلم بُک ڈپو ۱۳ سٹی نیو مارکٹ بنگلور ۲

نے ساتویں مرتبہ اپنے اہتمام سے

اقبال پرنٹنگ پریس ۱/25 لیڈی کرزن روڈ بنگلور ۱ میں طبع کرا کر شائع کیا۔

قیمت کامل مجلد: Rs. 20.00 JULY 1978 تعداد: 1050

تقریظ (۱)

صورۃ ما قرظہ العلامۃ الفہامۃ المحدث الحافظ الحاج السید عبد اللطیف دامت برکاتہم الناظم الاعلیٰ بمدرسۃ مظاہر علوم الواقعہ بسہارنفور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً۔ اما بعد خطبات مولفۂ مولنا قاری محمد ذاکر حسن صاحب پھلتی بغرضِ اصلاح و تقریظ میرے پاس پہنچے۔ اگرچہ دل چاہتا تھا کہ تفصیل سے جملہ خطبات دیکھوں مگر کثرۃِ مشاغل اور عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے اجمالی نظر سے دیکھ سکا۔ البتہ جناب مفتی مولوی محمود حسن صاحب کے حوالہ کیا۔ اُنھوں نے توجہ اور محنت سے جملہ خطبات کا ملاحظہ فرمایا اور جہاں مناسب سمجھا اصلاح فرمائی۔ ماشاء اللہ خطبات بہت مفید اور کارآمد خلق اللہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کو منتفع ہونے کی توفیق بخشے اور مؤلف سلمہٗ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ سیّدنا ونبیّنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

کتبہ الاحقر العبد الضعیف عبد اللطیف

ناظم مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور

۱۷ رمضان ۶۵ھ

تقریظ (۲)

صورۃ ما قرظہ استاذ الاساتذہ ورئیس الجہابذۃ الفقیہ النبیہ مخدومنا ومولنا المفتی محمد شفیع لا زالت شموس

فیوضہ طالعۃ علینا الیٰ یوم القیٰمۃ

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

اما بعد احقر نے خطباتِ عربی و مواعظِ اردو مصنفۂ مولٰنا ابوالناصر عبیدی دامت عوارفہٗ کو باستیعاب دیکھا اور مختلف مواضع پر کچھ مشورے بھی پیش کئے۔

میری نظر میں یہ خطبات نہایت جامع اور مفید ہیں اور افراط و تفریط سے پاک ہیں خطبہ میں سنت عربیت کے اتباع اور ضرورۃ وعظ و تذکیر کی جو تدبیر ان میں مذکور ہے وہ بحمد اللہ مفید اور مناسب معلوم ہوتی ہے۔ خطبۂ جمعہ سے پہلے وعظ کے بارے میں احقر کو بھی ایک خلجان رہا کرتا تھا۔ حق تعالیٰ مصنف مدظلہٗ کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے چند روایات اور تعامل سلف سے اس کا ثبوت پیش فرمایا، جو اس سے پہلے میری نظر میں نہ تھا۔ ان خطبات و مواعظ میں تقریباً ضرورۃ کے مہم مسائل سب آ گئے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کو مقبول و مفید بنائے اور حضرتؒ مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ وھو الموفق والمعین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دیوبند ۱۱ رجب ۶۵ھ

تقریظ (۳)

صورۃ ما قرظہ العالم النبیل والفاضل الجلیل مولنا محمود حسن مدت فیوضہ معین المفتی بمدرسۃ مظاھر علوم الواقعہ بسھارنفور

۷۸۶

محترمی زادکم اللہ احتراما وشکر سعیکم فی احیا السنن

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے مرسلہ خطبات کا مطالعہ کیا - بفضلہ تعالیٰ مفید اور نافع مضامین پر مشتمل پایا - اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائے اور مخلوق کو منتفع ہونے کی توفیق دے - واللہ الموفق لما یحب ویرضیٰ

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۲۴ ۸/۶۵

تقریظ

صورۃ ما قرظہ عالم اسرار التاویل والتنزیل شارح الادب المفرد لمحمد بن اسماعیل (البخاریؒ) العارف باللہ مخدومنا ومولٰنا الحاج السید فضل اللہ مدت فیوضہ العالیہ استاذ التفسیر بالجامعۃ العثمانیہ الواقعہ بحیدرآباد (دکن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - خطباتِ مولٰنا ذاکر حسن صاحب پھلتی میں نے پڑھے - اردو میں ایسے بہتر خطبات میری نظر سے نہیں گذرے - چونکہ عرصہ سے پڑھے لکھے لوگوں میں خطابت کا کام انجام دیتے رہے ہیں، اس لئے تقاضائے وقت کو مجھ سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں - میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ وقت کی ضرورت اس قسم کے خطبات ہی کی متقاضی تھی - اس کے لئے میں مؤلف کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انھوں نے خطبات کی عمدہ دی ہے - زبان صاف اختیار کی ہے - ترتیب میں قرآن و سنّت کو پیش نظر رکھا ہے - طرزِ ادا واضح ہے - یوں تو عامۃ المسلمین کو مولٰنا کا ممنون ہونا چاہیئے کہ بڑے کام کی باتیں انھوں نے پیش کی ہیں، لیکن مساجد کے ائمہ و خطیب پر اُن کا

خاص احسان ہے کہ بڑی کاوش و محنت سے ان کو بچا دیا اور وہ ہم خادمان علم کے بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ یہ کام حضرات علماءِ کرام کی طرف سے انجام دے کر مسئولیت سے ایک حد تک سبکدوش کر دیا۔ فجزاہ اللہ عن عامۃ المسلمین وعلمائہم خیر الجزاء۔

کتبہ فضل اللہ غفرلہ اللہ خادم شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ

۹ رجب سنہ ۱۳۷۱ھ

تقریظ (۵)

صورۃ ما قرظہ العالم العارف باللہ التقی النقی الزاہد المجاہد فی سبیل اللہ حامی السنۃ قامع البدعۃ القانع الشاکر مخدومنا ومولانا صفوۃ الرحمٰن صابر لازالت شموس فیوضہ طالعۃ علینا مدیر جریدۃ "الحق" من بلدۃ حیدرآباد (دکن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ خطبہ کا حقیقی مقصد یہی ہے کہ مسلمانوں کو ہر جمعہ ہدایتیں مل جایا کریں۔ ملک کے اکثر حصوں میں جو عربی خطبہ پڑھا جاتا ہے اس کی زبان اس قدر مشکل ہوتی ہے کہ عربی سے ناواقف حضرات اس کو بالکل نہیں سمجھ سکتے۔ خطباتِ موعظت مؤلفہ مولانا ابوالناصر عبیدی صاحب سے یہ کمی پوری ہو سکتی ہے۔ موصوف نے یہ بڑا ہی مفید کام کیا ہے اور خصوصاً کاروباری حضرات کی ضرورتوں کو پیشِ نظر رکھ کر خطبات اردو زبان میں مرتب کئے ہیں۔ خطبے کی زبان آسان ہے۔ طریق بیان واضح ہے۔ کتاب کے مضامین عوام وخواص دونوں کے لئے بے حد مفید ہیں۔ امید کہ ائمہ وخطباء ان خطبوں سے خود بھی فائدہ اٹھائیں گے اور سامعین کو بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائیں گے۔

(از ادارۂ "الحق" جمادی الاول سنہ ۱۳۷۰ھ)

تقریظ (۶)

صورۃ ما قرظہ الشاب الصالح البارعالم الکتاب وسنۃ سید الابرار الفاضل القاری الحافظ لکلام اللہ الکریم۔ مولنا محمد نعیم اعلی اللہ معالیہ۔ مدرس المدرسۃ المسماۃ بدار العلوم الواقعہ بدیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خطباتِ موعظت تالیف کردہ حضرت مولنا ذاکر حسن صاحب عمیدی مظاہری، جس کی پہلی جلد ساڑھے تین سو صفحات پر زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے، ہمارے سامنے ہے۔ جہاں تک مؤلف کی خصوصیت کا تعلق ہے وہ جامعۂ اسلامیہ مظاہر علوم سہارنپور کے مایۂ ناز فضلاء میں سے ہیں۔ امام الہند حضرۃ شاہ ولی اللہ پھلتی ثم الدہلوی کے ہموطن ہیں اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ایک سچے، دردمند، مُصلح، مبلغ اور صحیح معنوں میں کامیاب خطیب ہیں۔ عرصہ تک انھوں نے جنوبی ہند میں منصبِ خطابت و امامت پر کام کیا ہے۔ اس لئے حالات واقعات سے ذاتی طور پر جو تجربہ انھوں نے حاصل کیا ہے، ان خطبات کی شکل میں اس کو پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

کتاب کی خصوصیات کے بارے میں بھی چند کلمات عرض کر دوں۔ ابتداء میں پچاس صفحات کا ایک بیش قیمت علمی مقدمہ ہے، جس میں خطبہ کی شرعی حیثیت اور اس کی زبان کے سلسلہ میں ایک طریقۂ مسنونہ اور سیاسی مصلحت کو پیش کرتے ہوئے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اسی طریقۂ مسنونہ کی رعایت سے ہر ماہ کے لئے احتیاطاً پانچ خطبات کے حساب سے ۶۰ خطبات عربی زبان میں قرآن کی آیات اور احادیثِ صحیحہ سے مرتب کئے گئے ہیں، جن میں تقریباً تمام ضروری مضامین،

عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق سے متعلق مختصر طور پر آگئے ہیں۔
پھر ان خطبات کی کتابت جلی قلم سے زیر زبر کے ساتھ نہایت صاف کرائی
گئی ہے، جس سے کم علم پڑھنے والوں کو بھی سہولت رہے گی۔

پھر ہر خطبہ کے ساتھ اسی مضمون سے متعلق اُردو مواعظ کا سلسلہ بھی
رکھا گیا ہے۔ گویا جتنے خطبات اتنے ہی اردو مواعظ۔ مواعظ کی زبان نہایت
پاکیزہ اور نکھری ہوئی ہے، نہ بالکل عامیانہ اور بازاری اور نہ بالکل ادق اور
مُشکل بلکہ ایک معمولی اردو دان بھی اس سے استفادہ کر سکتا ہے اور ایک ادبی
ذوق رکھنے والا تعلیم یافتہ بھی دلچسپی محسوس کر سکتا ہے۔

طرزِ بیان مدلل اور عالمانہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کو کتاب و سُنّت کی
روشنی میں اس طرح معقول رنگ میں پیش کیا گیا ہے کہ پُرانے طرز کے لوگوں
کے ساتھ نو تعلیم یافتہ گریجویٹوں کے مذاق کی بھی پوری پوری رعایت ہے۔
غرضیکہ مجموعی خوبیوں کے لحاظ سے یہ کتاب اس قابل ہے کہ
ہندوستان، پاکستان کی تمام مساجد بلکہ ہر مُسلم گھرانہ میں دیکھی،
سُنی، پڑھی جائے۔

العبد
محمّد نعیم
خادم دارالعلوم دیوبند

۲۰/۷/۷۱ھ

فہرست مضامین مقدمہ

فہرستِ مضامین خطباتِ موعظت جلد اول

از محرم تا جمادی الثانی

فہرستِ مضامین خُطباتِ موعظت جلدِ دُوم

ازماہِ رجب تا ذی الحجہ

عله کھانے پینے اور سونے جاگنے کی تہذیب کے بیان میں ۱۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

انتساب

مَیں اس ناچیز تالیف کو منبعِ خیر و برکت، مجددِ رشد و ہدایت، خاتمِ نبوۃ و رسالت، فخرِ موجودات، سرورِ کائنات، شفیع المذنبین، رحمۃٌ للعالمین، جناب حضرت احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین کے نام نامی سے منسوب کرتے ہوئے شرف و برکت اور شفاعت حاصل کرنا چاہتا ہوں، جن کے نورِ مطہر کی روشنی سے تمام دُنیا ابتدا سے انتہا تک مستفیض ہوتی رہی اور ہوتی رہے گی اور جن کے دینِ مقدس کی حمایت اور سُننِ حقیقیہ کی اقامت و اشاعت کے جذبہ نے مجھ ناکارۂ خلائق کو اس عظیم الشان اصلاحی خدمت پر آمادہ کیا۔

فَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی نُوۡرٍ   کز وشد نورہا پیدا

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ وَذُرِّیَّاتِهٖ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمَاتِكَ وَمَخْلُوْقَاتِكَ۔ وَارْزُقْنَا بِهٖ شَفَاعَتَهٗ وَوَفِّقْنَا لِمَرْضَاتِكَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۝

ناچیز مؤلف عفی عنہ

شکر و التجا

اے ربِّ کریم! مَیں تیری نوازشوں کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں کہ محض تیری توفیق و اعانت سے یہ عظیم الشان کام اس حقیر و عاجز سے انجام پایا۔ الٰہی! مَیں اس حقیر تالیف کو تیری بارگاہِ قدس میں باعترافِ قصور و عجز پیش کرتا ہُوں۔ تُو اپنے فضل و کرم سے اس ظاہری حسنہ کو حقیقی حسنہ بنا کر قبول فرما اور مفید و مقبول بنا اور اس عمل کی برکت سے مجھے علمِ نافع اور عملِ صالح عطا فرما اور تمام دُنیا و آخرۃ کی بلاؤں سے محفوظ و مامون فرما۔

اے صادق الوعد! مَیں نے تیرے ارشاد انا عند ظن عبدی بی پر کامل اعتماد رکھ کر تجھ سے یہ اُمید قائم رکھی ہے کہ تو اپنی رافت و رحمت سے میری اس ناچیز خدمت کو زندۂ جاوید بنا کر اُس کے نیک ثمرات دارین میں مجھے عطا فرمائے گا۔

اے میرے مولیٰ و منعم! میرے والدین کو جنہوں نے باوجود انتہائی غربت کے میری تعلیم و تربیت میں سعی کی، نیز میرے تمام آبا و اجداد و اقرباء احوات اور شیوخ و اساتذہ اور پھر تمام مسلمین و مسلمات کو میرے اس حقیر عمل کا ثواب پہنچا۔ ہم سب پر رحم فرما۔ ہماری خطائیں معاف فرما اور اپنی مغفرت و رضوان عطا فرما۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

راجی رحمتك یا ذالمنن

عبیدك المدعو بذاکر حسن

عفی عنہ

مُقدّمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

امّا بعد۔ کمترین خلائق ارباب علم و فضل کی خدمت میں عرض رسا ہے کہ اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود تالیفِ "خطبات" کی وجہ محض یہ پیش آئی کہ جب جامع مسجد معسکر بنگلور میں مجھ ضعیف پر بارِ خطابت ڈالا گیا تو فیضانِ حق سے مجھے فرائض امامت کا احساس ہوا اور میں نے اس خدمت کو کما حقہٗ انجام دینے میں اپنی پوری جدوجہد صرف کی۔ الحمد للہ کہ اس نے میری زندگی ہی میں ان حقیر مساعی کو بارآور کیا اور ایک حد تک نتائج بھی دکھلا دئے۔ یہ سعی عرصہ تک صرف تقریری رہی لیکن پھر بعض مخلص احباب نے ان مضامین کو بصورتِ خطبات لکھ دینے کی فرمائش کی، تاکہ دیگر مقامات میں بھی اہلِ شعور ائمہ مساجد و مُصلّیانِ معابد فائدہ اُٹھا سکیں۔ بنا بریں یہ سلسلہ جاری کیا گیا، جو بحمد اللہ تعالیٰ ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔

ان خطبات کی تالیف میں جن کثیر التعداد کتب تفسیر و تذکیر، فقہ و حدیث، تاریخ و سیر سے مدد لی گئی ہے، اس کا ذکر بخوفِ طوالت ترک کرتے ہوئے صرف اہم ماخذ کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں جو صحاح ستّہ، جمع الفوائد، مشکوٰۃ، حجۃ اللہ البالغہ اور احیاء العلوم پر مشتمل ہے۔

فطری کمزوری، اپنی اور متعلقین کی بکثرت بیماری و تیمارداری، نیز دیگر علمی مشاغل، اس پر ضیقِ معاش کی سخت پریشانیاں مجھ پر پوری طرح مُسلّط تھیں۔ ایسی حالت میں کچھ لکھنا اور لغزش سے محفوظ رہنا میرے لئے اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ بنا بریں اگر میں ناظرین و ناقدین سے اپنی زلّات پر عفو کی

درخواست اور اطلاع اصلاحات کی اُمید کروں تو غالباً بے جا نہ ہوگا۔ جو حضرات اطلاع فرمائیں گے بعدِ مراجعت شکریہ کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ طباعت میں درج کی جائیں گی۔

میں اپنے مشفق استاذ، صاحب نظر وسیع سیدی وسندی جناب حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت فیوضہ، و اخی المعظم مخدومی جناب حضرت مولانا الحاج الحکیم سید فضل اللہ صاحب پروفیسر تفسیر عثمانیہ کالج حیدرآباد اور جناب مولانا محمود حسن صاحب گنگوہی نائب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا خصوصیت کے ساتھ شکرگذار ہوں کہ ان حضرات نے اپنی قیمتی اوقات اس حقیر تالیف کے مطالعہ میں صرف فرمائے اور اپنی زریں اصلاحات سے بندہ کو ممنون فرمایا۔

ناچیز

ابوالناصر المدعو بہ ذاکر حسن پھلتی غفرلہ

خادم ادارۂ تفسیر قرآن عظیم بنگلور

مؤلف سے خط وکتابت کا مستقل پتہ :-
مکان ۳۵ بنر گٹہ روڈ
شانتا گارڈن بنگلور - ۳۰

معروضات

بخدمت ائمہ مساجد

حضرات ائمہ مساجد کی خدمات میں چند امور عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

(۱) آپ حضرات قوم کے مقتدا ہیں۔ آپ کے اقوال و افعال کی عوام پیروی کرتے ہیں اس لئے ہمیں اور آپ کو سب سے پہلے اپنی اصلاح کرنا نہایت ضروری ہے۔ جب تک ہم اپنی اصلاح نہ کریں گے دوسروں کی اصلاح ہرگز نہ کرسکیں گے۔ ہمیں اپنے ظاہر اعمال کی درستگی فرائض و واجبات، سنن موکدات پر سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہوئے مستحبات پر بھی مداومت کی کوشش کرنا چاہیئے۔ جب ہم اتنا کریں گے تب کہیں قوم فرائض و واجبات کی پابند بن سکے گی۔ نیز منکرات، حرام، مکروہات تحریمی کے بعد مکروہات تنزیہی اور مشتبہات سے بھی احتراز کرنا چاہیئے۔ تب قوم محرمات و مکروہات سے بچنے کی کچھ عادی ہوسکے گی۔ کتنی افسوسناک حقیقت ہے کہ آج ہمارے مذہبی پیشواؤں اور مقتداؤں میں بکثرت تقویٰ پرہیزگاری اور دین داری مفقود ہے۔ بعض امام ڈاڑھی کتاتے ہیں۔ بعض سگریٹ بیڑی کا استعمال کرتے ہیں۔ بعض سینما اور تھیٹر دیکھتے ہیں اور اکثر ائمہ ذاتی منافع کے لئے امرا کی خوشامد و تملق میں مصروف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض سے قطعاً غافل اور دنیا کمانے میں اس قدر منہمک ہیں کہ نہ حلال کا خیال ہے نہ حرام کا۔ ہر قسم کی بدعات کے حامی ہر قسم کے رسم و رواج کو جائز رکھتے ہیں، کیونکہ ان چیزوں سے ان لوگوں کو آمدنی کی توقع رہتی ہے، مگر میرے معزز دوستو! ہماری اس قسم کی لغزشیں ہی ہمارا وقار گرا دیتی ہیں، جس کی وجہ سے امام مسجد جو دراصل مقتدا اور پیشوا بننے کا مستحق ہوتا ہے، ایک بے عزت نوکر کی حیثیت میں آجاتا ہے۔ پھر اس حیثیت میں آنے کے بعد قوم او

مقتدیوں کی طرف سے جو مصائب اور تکالیف اماموں پر آتی ہیں ان کی ہولناکیوں کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ اگر ہم کم از کم اپنا ظاہر ہی مطابقِ شریعت بنالیں، تو نجاتِ اُخروی کے علاوہ دُنیا میں بھی یہ فائدہ یقینی ہے کہ اس قسم کے اکثر خطرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

(۲) پھر اصلاحِ ظاہر کے بعد ہمیں اپنے باطن کی اصلاح کی طرف بھی ضرور متوجہ ہونا چاہیئے۔ امراضِ قلبی جن کا قدرے بیان خطبات میں بھی آیا ہے، اُن سے اپنے قلب کو پاک کرنا چاہیئے، یہ اصلاح یا تو از خود کرنی چاہیئے، لیکن آج کل یہ صورت بالکل نادر ہے، یا کسی اہلِ دل بزرگ سے کرانی چاہیئے اور یہی طریقہ اقرب الی الحصول ہے۔ یاد رکھیئے باطنی اصلاح کے بغیر نہ تو ظاہر شریعت پر ہی آدمی پوری طرح کاربند ہو سکتا ہے، نہ طاعات و عبادات میں حلاوت و لذت نصیب ہو سکتی ہے اور نہ لوگوں کے قلوب میں ہماری واقعی اور حقیقی عزت قائم ہو سکتی ہے، لہٰذا ائمہ مساجد کے لئے تو بہت ضروری ہے کہ وہ اپنی اصلاحِ قلبی کی طرف ہمیشہ متوجہ رہیں۔

(۳) ساتھ ہی مجھے یہ بھی عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ائمہ مساجد کو اپنی علمی اصلاح سے بھی کسی حالت میں غافل نہ رہنا چاہیئے بلکہ یہ عملی اصلاح سے مقدم اور اس کا مقدمہ ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی چیز قرآن کریم کا صحیح پڑھنا ہے۔ عموماً ائمہ مساجد میں خصوصاً قریوں اور دیہاتوں کے اماموں میں اس طرف سے بڑی زبردست مجرمانہ غفلت پائی جاتی ہے۔ جو لوگ الحمد تک صحیح نہیں پڑھ سکتے برسوں تک امامت کرتے دیکھے جا رہے ہیں۔ بعض لوگ اپنی خوش الحانی پر جہلاء سے تعریفیں سن کر اپنے کو قاری تصور کرنے لگتے ہیں، حالانکہ وہ لحنِ خفی و جلی کی سینکڑوں غلطیوں میں مبتلا ہوتے ہیں، اپنے متعلق قرآن صحیح پڑھنے یا نہ پڑھنے کی

غلط فہمی صرف اسی وقت دُور ہو سکتی ہے جب ہم کسی ماہر قاری کو سنائیں۔ اگر وہ ہماری قرأت عمدہ یا کم از کم ما یجوز بہ الصّلوٰۃ (یعنی جس سے نماز صحیح ہو سکے) ہی کے درجہ میں ہونے کا فیصلہ دے تو خیر، ورنہ پھر ہم پر قرآن کے صحیح پڑھنے کی کوشش کرنا واجب ہے۔ اگر ایسا نہ کریں گے تو ہم سخت گنہ گار ہوں گے اور اس حالت میں امامت کرنا ہمارے لئے ہرگز جائز نہ ہوگا۔

دوسری چیز مسائل کا علم ہے۔ امام کو پانی، طہارت، نماز، روزے، صدقۃ الفطر اور قربانی کے تمام مسائل سے بالتفصیل اور زکوٰۃ و حج کے بقدرِ ضرورت مسائل سے واقف رہنا اشد ضروری ہے اور یہ کچھ مشکل نہیں۔ صرف چھ ماہ کی کوشش سے اتنا علم حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کسی عالم حقانی سے اُردو کی کوئی معتبر کتاب معلوم کر کے خود مطالعہ کریں یا کسی اچھے اُردو جاننے والے سے پڑھ لیں۔ اگر کسی عالم سے پڑھ لیں تو یہ سب سے بہتر ہے۔ آج کل اماموں کی جہالت سے عام مسلمانوں میں سخت گمراہیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ جس قوم کے پیشوا علمی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا ہوں، وہ قوم کیسے راہِ راست پر آ سکتی ہے اور کس طرح ترقی کر سکتی ہے۔ میں تمام ایسے حضرات ائمہ سے جو مذکورۂ بالا علمی یا عملی کوتاہیوں میں مبتلا ہوں باادب گذارش کرتا ہوں کہ خدارا یا تو آپ اپنی علمی اور عملی اصلاح فرمالیں کہ اسی میں آپ کی اور قوم مسلم کی بہبودی ہے، ورنہ اگر آپ بوجہِ ضعف یا دُنیا طلبی اور حرصِ مال و جاہ کے اپنی اصلاح کی کوشش نہیں کر سکتے تو خُدا کے واسطے دین کو بربادی سے بچانے اور دینی پیشواؤں کی عزت قائم رکھنے کے لئے آپ فوراً اپنی امامت کی ملازمت چھوڑ دیں۔ امامت اور پیشوائی کے مقدس منصب کو یورپ کے پوپوں کی طرح اپنی جہالت اور بد عملی سے ذلیل نہ کریں، ورنہ یاد رکھیئے کہ ٹرکی کے ائمہ ضلالت اور علماء سوء کی طرح زمانہ کا انقلاب

آپ کے لئے بھی تختۂ دار اور بندوق کی گولیاں پیش کرے گا اور آخرت میں جو سزا ملے گی وہ سب سے زیادہ ۔ یہ ضرور ہے کہ امامت چھوڑ دینے سے خدلیے معاشی تکلیف ہوگی، لیکن یہ تکلیف اُٹھانی آسان ہے اور اخروی عذابِ شدید کی برداشت ناممکن ہے ۔ اللہ تعالیٰ رزّاق ہے بلکہ رزق کا کفیل و ضامن ہے اگر رزق کا ایک ناجائز دروازہ آپ محض اس کے لئے چھوڑ دیں گے تو وہ حلال رزق کے دس دروازے اپنی قدرتِ کاملہ سے کھول دے گا ۔ کیا لاکھوں انسان جو امامت نہیں کرتے اُن کو رزق نہیں ملتا ؟ یہ محض ایک وسوسۂ شیطانی ہے کہ امامت چھوٹ دینے سے بھوک کے مر جائیں گے ۔ شیطان ہمیشہ اچھی راہ پر چلنے والے کو بھوک اور تنگدستی سے ڈرایا کرتا ہے اور بُرائی کا راستہ بتاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے مغفرت اور اپنے فضل کا وعدہ کرتا ہے[1] ۔ پس ہمیں شیطانی ڈراوے سے خوف نہ کرنا چاہئے اور اللہ کے وعدہ پر کامل بھروسہ رکھنا چاہئے ۔ جب مجھ جیسے نااہل امام امامت چھوڑ دیں گے تو مسلمان خود اس منصب کے لائق آدمیوں کو تلاش کریں گے اور امامت ڈھونڈھتے پھرنے کی مصیبت بھی ختم ہو جائے گی جس میں آج ہر اہل و نااہل امام مبتلا ہے اور قوم کی اصلاح و ترقی کا کام بھی کامیاب طریقے پر انجام پا سکے گا ۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرُ السَّاعَۃَ ۔ یعنی جب (قیادت و امامت کا) کام نا اہلوں کے سپرد کیا جانے لگے تو (بس) قیامت کا انتظار کرو[2] کیونکہ نالائقوں کی قیادت سے فساد پیدا ہو کر قیامت قائم ہونے کا سامان ہو جائے گا ۔

(۴) اُن ائمہ حضرات کی خدمت میں جو علمی حیثیت سے امامت کی اہلیت

---

[1] الشیطان یعدکم الفقر الآیہ ۲، [2] بخاری صـ۱۴ پ ۱

رکھتے ہیں، گزارش ہے کہ محض پیٹ پالنے اور دُنیا خوب کمانے کے لئے امامت کرنا
الذین یشترون بآیات اللہ ثمناً قلیلاً میں داخل اور حرام ہے، اسی لئے
فقہا متقدمین نے اس قسم کی خدمات پر معاوضہ لینا ناجائز کہا ہے اور متاخرین
نے بوجہ لزوم حرج در اقامت جماعت و جمعہ واشاعتِ علوم دینیہ معاوضہ
کو جائز قرار دیا ہے۔ ایسی حالت میں امامت محض کمانے کے لئے کرنا اور اس
پیشہ سے سرمایہ بنا لینے کی نیت رکھنا اور اسی خیال میں محو و مصروف رہنا بڑی
ناپاک جرأت ہے۔ خدا کا خوف کیجئے اور گندہ ذہنیت کو دل سے نکال کر محض
اللہ کے لئے امامت کیجئے۔ معاوضہ اللہ تعالیٰ خود دے گا۔ دُنیا میں بھی اور
آخرت میں بھی۔ جب تک آپ اس ذریعہ سے دُنیا طلبی کے خیال کو دل سے
نہ نکالیں گے عند اللہ مواخذہ کا خطرہ بھی برابر رہے گا اور آپ کے فیضِ امامت
و ہدایت اور علم سے اُمتِ مسلمہ محروم بھی رہے گی، کیونکہ ذاتی نفع و نقصان کا
خطرہ نہ تبلیغِ حق کا موقع دیتا ہے نہ حق پر عمل کا۔ آپ پر علم کا بھی حق ہے اور
امامت کا بھی۔ دونوں کو ادا کرنا آپ کے ذمہ ہے۔ ان کے مشترکہ حقوق کا
مقتضیٰ یہ ہے کہ اُسے لوگوں تک پہنچایا جائے۔

اور ہر امر میں بلا خوف لومۃ لائم حق کا اظہار کیا جائے۔ ہر ممکن طریقہ
پر کتاب و سُنّت سے لوگوں کی جہالت دُور کی جائے۔ ہر سُنّت کو زندہ کیا جائے۔
ہر بدعت اور غلط رسومات و عقائد کو مٹانے کی کوشش کی جائے اور لوگوں میں
دینداری پیدا کی جائے۔ برائے خدا آپ ان پر توجہ فرمائیں اور حتی الامکان ادا
کرنے کی کوشش فرمائیں۔ امامت کرنے کا یہ ڈھنگ کہ صرف پانچ وقت نماز پڑھا
دی، تنخواہ وصول کر لی، باقی اوقات خوش گپیوں میں گزار دیے کسی طرح مناسب
نہیں، یاد رکھئے دُنیا کی ہر راحت آخرت میں ایک زبردست کُلفت ثابت ہوگی

طریقِ اصلاح :- لیکن جب کسی اصلاح کے لئے آپ قدم اٹھائیں تو بطورِ مشورۂ
خیر عرض ہے کہ اس میں تدریجی طریقہ اختیار کریں۔ کسی ایک طرز کی خوگر طبائع
میں دفعۃً انقلاب فطرت کے خلاف ہے۔ احکامِ اسلامی کا تدریجی نزول
اس کا شاہد ہے۔ جلد بازی اور عجلت ہمیشہ خلافِ مقصود نتائج پیدا کیا کرتی ہے۔
جب آپ کوئی اصلاح کرنی چاہیں تو اول دماغوں کی فضا ہموار بنالیں اور اصلاحی آواز
اول نوجوانوں تک پہنچائیں، یا نیک نیت بوڑھوں تک، کیونکہ شاخِ تر کا
سیدھا ہونا آسان ہے اور بڑے بوڑھے لوگوں سے زیادہ تعرض نہ کیجئے کہ خشک
لکڑی اکثر ٹوٹ کر ہی سیدھی ہو سکتی ہے۔ اگر وہ مخالفت پہ ہی اُتر آئیں تو
امرِ خداوندی ان کی باطل آواز کو ختم کر دے گا اور آپ کی بانگِ حق آپ
کے بعد بھی ختم نہ ہوگی، بلکہ آپ کی آواز کسی نہ کسی کی زبان سے دُنیا کی
فضا میں برابر گونجتی ہی رہے گی۔ اصلاحی اقدام پر خطرات کا پیش آنا لازمی چیز
ہے۔ لہٰذا اپنے آپ کو اس کے لئے پہلے ہی سے تیار کر لینا چاہئے۔ اگر آپکا
قلب ضعیف اور ایمان اتنا کمزور ہے کہ کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا
کی حالت طاری ہو جانے کا اندیشہ ہو تو آپ اصلاحی آواز نہایت آہستہ محدود
حلقہ میں صرف مُناسب موقعہ پر اُٹھائیں اور زیادہ وسیع پیمانہ پر کام نہ کریں لیکن
اس کو اپنی کوتاہی سمجھیں اور حق تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں اور اگر اللہ تعالیٰ
نے آپ کو مجاہدانہ جذبات دیئے ہوں، جرأت و ہمت کا جوہر عطا ہوا ہو، متوقع
خطرات و مصائب پر صبر کی طاقت ہو تو پھر توکلاً علی اللہ بلا خوفِ غیر اللہ جرأت
و ہمت سے نتیجہ خیز طریقہ پر کام شروع کر دیں اور ہرگز خاموشی اختیار نہ کریں،
ورنہ یہ مداہنت فی الدین میں شمار ہوگی۔

طریقۂ وعظ :- مجھے جہاں تک کتاب و سُنّت کے مطالعہ اور باہمی تجربات

سے معلوم ہو سکتا ہے وعظ کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ اگر کفار و مشرکین مخاطب ہوں تو نہایت نرم طریقہ پر وعظ و مناظرہ کریں۔ نہایت خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی سے سوال و جواب کریں۔ جب مخاطب مسلمان ہوں تو اگر اُن پر خوفِ خدا غالب ہو جس کی شناخت ان کی کثرتِ عبادت و ریاضت سے ہو سکتی ہے، تو اُن کے لئے ترغیب اور اُمیدِ رحمت کے مضامین زیادہ بیان کئے جائیں تاکہ یاس اُن کی کمر ہمت نہ توڑ دے اور اگر مخاطبین پر اُمیدِ رحمت اتنی غالب ہو کہ گناہوں پر جرأت پیدا ہو جائے، گناہوں کی کثرت ہو، دین داری مفقود ہو، تو ایسے حالات میں رحمت اور شفاعت کے مضامین سے مزید انکال اور غفلت پیدا ہوتی ہے۔ اکثر مقامات پر مُسلمانوں کی عام حالت یہی ہے۔ اس صورت میں اکثر مواعظ کے مضامین میں خوف اور تخویف کا پہلو غالب رہنا چاہئے اور عام وعظوں میں زجر اور توبیخ سے کام لینا چاہئے، مگر نرم عنوان سے۔ ٹھیرے ہوئے پانی کا جمود پتھر مار کر ہی دُور کیا جاتا ہے، لیکن شخصی طور پر کسی مُسلمان کو نصیحت کرتے وقت نہایت نرمی اور حُسنِ اخلاق سے کام لینا چاہئے۔

متولّیانِ مساجد سے گذارش ہے کہ عزّت و وجاہت کے لئے مسجد کا متولّی بننا حرام ہے۔

اگر آپ اس نیّت سے متولّی بنے ہُوئے ہیں تو یاد رکھئے کہ یہ بڑی بَلا ثابت ہو گی، جس سے آخرت میں چھٹکارا پانا ناممکن ہو جائے گا۔ متولّی بننے کے لئے اہلیت ہونا ضروری ہے۔ اگر آپ اس کے اہل ہیں تو فبہا ورنہ اس کام کو اہل کے سپرد کر کے علیحدگی اختیار کر لیجئے۔ متولّی میں مندرجۂ ذیل اوصاف ہونے چاہئیں:

(۱) اس کو حقِ تولیت پہنچتا ہو۔ کسی وقف کی تولیت کا حق دار اوّل خود

واقف ہے۔ پھر اس کا وصی پھر بادشاہِ اسلام یا اس کا مقرر کردہ حاکم پھر قاضی۔ پھر وہ شخص جس کو اہلِ بلدہ یا اہلِ محلہ منتخب کریں۔ (شامی صفحہ ۳۸۴/۵۷ کتاب الوقف) (۲) بالغ و عاقل ہو۔ (۳) مسائل و مصارفِ اوقاف سے واقف ہو۔ (۴) انتظام وقف پر قادر ہو علماً و عملاً (درمختار و شامی) یعنی اتنا جاہل نہ ہو کہ امام اور موذن مقرر کرنے میں اہل اور نااہل کی تمیز نہ کر سکے یا نہ کرا سکے، دوسرے اہلِ علم سے مشورہ بھی نہ لے سکے اور معذور نہ ہو، عدیم الفرصت نہ ہو (۵) امین ہو کہ ایک پائی کی بھی خیانت نہ کرے (۶) کسی ایسے مشغلے میں نہ ہو جس میں عموماً آدمی اپنا مال برباد کر دیتا ہے، جیسے جوا، ریس، کیمیا کا خبط وغیرہ (۷) متقی پرہیزگار ہو، فاسق معلن نہ ہو۔ (مرتکبِ گناہِ کبیرہ فاسق ہے جیسے شرابی، زانی، سُود خوار، ڈاڑھی منڈا بے نمازی، تارکِ جماعت، بطریقِ حرام کسبِ معاش کرنے والا) اگر متولی کا اس قسم کے گناہوں میں مبتلا ہونا ظاہر ہو جائے تو اس سے تولیت لے لینا اور اس کو معزول کرنا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف کا مقرر کیا ہوا ہو۔ درمختار صفحہ ۳۸۵/۵ مع شامی مجتبائی میں ہے۔ وینزع وجوباً ولو الواقف فغیرہ بالاولی (غیر مامون) او عاجزاً او ظہر بہ فسقہ کشرب خمر و نحوہ او کان یصرف مالہ فی الکیمیا الخ (۸) وہ شخص از خود متولی بننے کی خواہش نہ رکھتا ہو۔ قال فی الدر طالب التولیۃ لا یولّٰی صفحہ ۴۱۰/۳ درمختار

یہ اوصاف اگر واقف کے اقارب میں ہوں تو اول ان میں سے کسی کو متولّی بنانا چاہئے۔ اگر اُن میں یہ سب اوصاف نہ ہوں تو ایسے شخصوں کو متولی بننا اور بنانا دونوں ناجائز ہے اور باعثِ گناہ۔

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ متولی مساجد کے فرائض کیا ہیں۔ آمدنی اور املاکِ مسجد کی

ؔ بوجہ طوالت پوری عبارت نہیں لی گئی، ربط کے لئے اصل کتاب محولہ ملاحظہ فرمائیں ۱۲

حفاظت کرنا۔ ضروری اخراجات کرنا، غیر ضروری اخراجات سے مالِ مسجد کا محفوظ رکھنا۔ (آج کل مسجدوں میں عموماً مالِ مسجد کو ایسے امور میں خرچ کیا جا رہا ہے جو شرعاً ضروری نہیں ہیں، لیکن جاہل متولیانِ مساجد نے ان کو ضروری سمجھ رکھا ہے۔ ایسے لوگوں کو خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ قیامت میں ایک ایک پائی کے متعلق حساب دینا پڑے گا۔ متولیانِ مساجد کو چاہیئے کہ وہ اولین فرصت میں مسجد کے ضروری اخراجات اور مصارف کی تفصیل علماءِ کرام سے معلوم کریں) (۲) آمد و خرچ کا حساب باقاعدہ رکھنا (۳) بقدرِ وسعت لائق امام کو مقرر کرنا، لائق کے ہوتے ہوئے کسی نالائق کو بلکہ افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل کو کوئی دینی اور جماعتی خدمت سپرد کرنے پر حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔ ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی کو کسی منصب پر مقرر کیا، حالانکہ اس کے حلقۂ اثر میں اس سے زیادہ لائق آدمی موجود تھے، تو اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ اور سب مسلمانوں کے حق میں خیانت کی۔ (فتح القدیر) (۴) واقفِ اوقات موذن کو مقرر کرنا (۵) عمارتِ مسجد و ضروریاتِ مسجد کو پوری کرنا اور حفاظت کا خیال رکھنا (۶) صفائی، روشنی اور پانی کا انتظام رکھنا (۷) مسجد کو نماز باجماعت اور نمازیوں کی کثرت سے آباد رکھنا وغیرہ، ہر متولّی کو چاہیئے کہ وہ ان وظائف کو پورا کرنے کی کوشش کرتا رہا، عموماً متولّیانِ مساجد اپنی ذمہ داری کو پوری طرح ادا نہیں کرتے، جس سے وہ گنہگار ہوتے ہیں۔ امام کو منتخب کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیں، کیونکہ اس ایک غلطی سے ہزاروں غلطیاں پیدا ہوتی ہیں، جو قومِ مسلم کی گمراہی کا باعث بنتی ہیں۔ جس کا باپ امام تھا، اس کے بیٹے کو امامت کا حق نہیں پہنچتا، امامت کوئی میراث نہیں ہے۔ جو شخص اہل ہو اس کو امام بنایا جائے۔

امام کی اہلیت کا معیار "گذارشات برائے ائمہ" اور خطبہ معیارِ علماءِ حق و سُوء پڑھ کر معلوم کریں۔ اگر آپ کو پھر بھی اس کی صحیح تمیز نہ ہو سکے تو کسی قابل عالِم حقانی سے اس شخص کا امتحان کرالیں[1] جس کو آپ امام بنانا چاہتے ہیں، نیز جب اہل امام مل جائے تو آپ اس کی پوری عزّت کریں۔ اس کو اپنا ذاتی ملازم نہ سمجھیں۔ وہ مقتدا ہے، آپ مقتدی ہیں۔ اس کا ہمیشہ خیال رکھیں۔ تنخواہ ہمیشہ اتنی مقرر کریں کہ وہ متوسط طریقہ پر بہ اطمینان زندگی گزار سکے اور اس بارے میں ہرگز ہرگز بخل سے کام نہ لیں۔ دوسرے خرچ مسجد کے کم کریں، مگر امام اور موذن کی تنخواہ ہرگز کم مقرر نہ کریں، ورنہ یاد رکھئے کہ آدمی ضروریات پوری کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اگر جائز طریقے سے پوری نہ ہوں گے تو اندیشہ ہے کہ وہ غلط طریقہ پر اپنی ضروریات پوری کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی قوم کے لئے اپنے کو پابند بنالے، اس کا نفقہ اس قوم پر واجب ہے۔ نیز جب آپ کا لائق امام قوم کی اصلاح کے لئے کوئی قدم اٹھائے تو آپ پر واجب ہے کہ ہر حق بات میں اس کا ساتھ دیں اور اس کو ان مقاصدِ دینیہ میں کامیاب بنائیں۔ ایسی حالت میں جاہل پبلک کی طرف سے حق گو امام پر اعتراضات کی بوچھار ہوا کرتی ہے۔ آپ کو چاہئے کہ اس کو روکیں۔ اگر اس کی تبلیغِ حق سے لوگ ناراض ہو کر نمازیوں میں کمی ہو جائے تو اول ان کو سمجھائیں اور پھر بھی وہ ضد پر رہیں تو کچھ پرواہ نہ کریں، اس لئے کہ چند متبعِ سُنّت و شریعت نمازیوں کا ہونا غلط رو جماعت کی بھیڑ سے بہتر ہے۔ اگر کوئی امام آپ کے زیرِ انتظام خلافِ شرع اور بے ثبوت بدعات و رسم و رواج کی اشاعت کرے

[1] امام کے انتخاب میں خوش آوازی اور بلند آوازی کو معیار بنالینا خالص جہالت ہے۔ ہاں مذکورہ اوصاف کے ساتھ اگر یہ چیزیں بھی ہوں تو مضائقہ نہیں ورنہ ان کی کوئی پرواہ نہ کریں ۱۲

تو ایسے فاسد امام کو فوراً برطرف کردیں اور اس کی خوشامد و تملق کا بالکل لحاظ نہ کریں - نیز اپنے امام کو تقریر و تحریر کی آزادی دیں - اس کو ہرگز مقید نہ کریں - بعض متولی یہ چاہتے ہیں کہ جو عیوب اور غلطیاں خود ان میں ہیں امام اُن پر وعظ و نصیحت نہ کرے - ایسا کرنا سخت درسخت گناہ ہے اور و یصدون عن سبیل اللہ نیز ومن اظلم ممّن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہٗ کی سخت وعید میں داخل ہے - عبادات و مواعظ اور اس کے دینی کاموں میں ہرگز دخل نہ دیں - شرعاً متولیوں کو ان میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں - ان کا کام صرف مسجد کا انتظام وغیرہ ہے، جیساکہ اُوپر بیان کیا گیا - اگر آپ نے ان مندرجۂ بالا ہدایات کا پوری بیداری کے ساتھ لحاظ رکھا تو قوی اُمید ہے کہ آپ ایک بہترین نیک نام متولی ثابت ہوں گے اور آخرت میں اس بارِ عظیم سے جو آپ نے اپنی گردن پر لے رکھا ہے سبکدوش ہوسکیں گے -

ان خطبات کی چند خصوصیات

ان خطبات کے پورے اور گہرے مطالعے کے بغیر ان کی خوبیوں اور لطافتوں اور جدتوں کا صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا - تاہم میں صرف چند خصوصیات عرض کرتا ہوں تاکہ قدرے بصیرت حاصل ہوجائے۔

(۱) عربی اُردو مخلوط خطبہ کی کراہت وعدم کراہت میں اختلاف ہے اور محققین کے نزدیک کراہت کا قول ہی راجح ہے، اس لئے میں نے اختلاط نہیں کیا بلکہ اول خالص عربی کا خطبہ لکھ کر پھر وعظ کے عنوان سے اسی کے مناسب مضمون درج کیا ہے تاکہ وہ اذانِ خطبہ سے پہلے یا نماز کے بعد سنا دیا جائے اور اردو

مضمون کے آخر میں حاشیہ پر اُس کے مناسب آیتِ کریمہ بھی لکھ دی ہے تاکہ مخلوط پڑھنے والے بھی ان خطبات سے فائدہ اُٹھا سکیں۔

(۲) عربی خطبہ نہایت مختصر رکھا ہے اور اس میں عنوانِ مقررہ پر بطورِ دلائل آیات واحادیث ذکر کی ہیں۔ اختصار میں قارئین کو سہولت ہے اور بفحوائے حدیث: ان طول صلوٰۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقھہ فاطیلوا الصلوٰۃ واقصروا الخطبۃ (مسلم) اتباعِ سُنّتِ سَنیّہ یہی ہے۔

(۳) ہر ماہ کے پانچ خطبات لکھے ہیں تاکہ کسی الٹ پھیر میں قارئین کو مبتلا نہ ہونا پڑے۔

(۴) مضامین میں باہمی ارتباط کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے۔

(۵) سال بھر کے اُردو مواعظ میں تمام ضروریاتِ دین کو ایسے انداز پر جمع کیا گیا ہے کہ اگر ایک ناواقف شخص ہر خطبہ کے مضامین یاد رکھ لے تو ایک حد تک وہ تمام ضروری امور سے واقف ہو جائے گا اور تمام غلط عقائد و رسومات کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔

(۶) موجودہ زمانہ میں مذہب اور مذہبیات کے متعلق جس قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں، اُن کو دُور کیا گیا ہے۔

(۷) ہر امر دینی کی حکمت و مصلحت (یعنی فلسفہ) عقلی طور پر بھی واضح کی گئی ہے۔

(۸) طرزِ بیان ایسا سلیس اور صاف اختیار کیا گیا ہے اور باریک و غور طلب مسائل کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ عوام آسانی سے سمجھ سکتے ہیں بعض جگہ عربی کے عام الفاظ اور کہیں ایسے اصطلاحی الفاظ استعمال میں آگئے ہیں، جن سے گریز نہ ہو سکا، لیکن انشاء اللہ مقصد کو سمجھنے میں وہ مخل نہ ہوں گے

(۹) اسلام کی قدیم و صحیح تعلیمات کو جدید عنوانات اور نئے طرزِ بیان میں پیش کیا گیا ہے تاکہ مغرب زدہ طبائع بھی کچھ متوجہ ہو سکیں۔

(۱۰) اسلامی تہذیب و معاشرت کا اکثر حصہ ان خطبات میں آ گیا ہے اور باہمی معاشرت کے حقوق بھی قدرے تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں، جن کا معلوم ہونا بہت ضروری ہے، لیکن جن سے ناواقفیت عام ہے۔

(۱۱) اُردو مواعظ کے ہر ہر عنوان پر جس قدر ضروری مواد میرے پاس موجود تھا، اگرچہ اُس کا بڑا حصہ بنظرِ اختصار مجھے مجبوراً چھوڑ دینا پڑا ہے، تاہم اشد ضروری امور میں کہیں کمی باقی نہیں رہی۔ اس قدر مختصر سے زیادہ اختصار میرے نزدیک کچھ نہ کہنے کے مُرادف ہے۔

(۱۲) بعض مہینوں کی مخصوص عبادات جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں، اُن کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔

(۱۳) اس زمانہ میں جن غلط عقائد و رسومات کی اصلاح ضروری تھی ان کو چھوڑا نہیں گیا، البتہ وہ امور جو فی ما بین الاحناف مختلف فیہا ہیں، اُن کو متن کی بجائے حواشی میں لکھا گیا ہے تاکہ جہاں ضرورت ہو بیان کر دئے جائیں، ورنہ چھوڑ دئے جائیں۔

(۱۴) مُسلمانوں کی معاشرت میں جو عادات و رسوم ہنود کی مجاورت یا انگریزی تعلیم کی مداخلت سے شامل ہو گئی ہیں، ان کی قباحت نمایاں طور پر بیان کی گئی ہے۔

(۱۵) طریقت، حقیقت، معرفت کی تشریح، ولایت کا مفہوم، عوام کی غلط فہمیوں کا ازالہ، بدعات کی مختصر تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔

(۱۶) احکامِ ظاہر جن کا تعلق اعضا سے ہے اور احکامِ باطن جن کا تعلق

قلب سے ہے، سب کو جمع کیا گیا ہے اور ہر ایک حکم کے دلائل کتاب و سُنّت و اقوالِ سلفِ صالحین سے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۷) قلبی امراض کی قدرے تفصیل اور ان کے طریقۂ علاج کی کافی تشریح کی گئی ہے۔

(۱۸) علماءِ دین کی ضرورت اور علماءِ حق و علماءِ سُوء کا معیار اور ان میں باہمی فرق کی توضیح قرآن و حدیث کی روشنی میں کی گئی ہے، جس کی آج سخت ضرورت ہے۔

(۱۹) خطبات کے ذریعہ صحیح عقائد کی تعلیم اور اوامر و نواہی کے درجات کا باہمی فرق بھی واضح کیا گیا ہے، جس کے نہ جاننے سے عوام سینکڑوں عملی غلطیاں کر رہے ہیں۔

(۲۰) نصبِ امام اور جہاد فی سبیل اللہ کے بھولے ہُوئے سبق کو بھی یاد دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۲۱) آخر میں عیدین کے خطبہ مع وعظ، خطبۂ نکاح اور دعاءِ عقیقہ بھی درج کی گئی ہے تاکہ بوقتِ ضرورت تلاش کرنے کی حاجت نہ پڑے۔

ہدایات متعلق خُطبات

۱۔ تعوذ اور تبریک (یعنی جملۂ متعارفہ بارك الله لنا ولكم ہر خطبہ میں پورا نہیں لکھا گیا ہے ایک مرتبہ یاد کر لیا جائے۔

۲۔ مُناسب ہے کہ جس ترتیب سے جُمعہ وار ماہانہ خطبے لکھے گئے ہیں، اسی ترتیب سے پڑھے جائیں۔ اکثر مہینوں میں چار جُمعہ آتے ہیں، لہٰذا ایسے مہینوں میں خطبات پڑھتے وقت فہرستِ خطبات میں نظر کر کے

یہ ضرور معلوم کرلیا کریں کہ کون کون سے مضامین اس شہر وغیرہ میں ضروری اور زیادہ مفید ہیں - پس جس کی ضرورت نہ سمجھیں اُسے چھوڑ دیں، خواہ وہ کسی جمعہ کا ہو -

۳- پڑھنے سے پہلے ایک بار مطالعہ ضرور کرلیا کریں - اگر وقت کافی ملتا ہو تو پُورا مضمون سُنا دیں - اگر نہ ہوسکے تو جتنا زیادہ ضروری معلوم ہو اتنا پڑھیں - پُورا مضمون پڑھنا کچھ لازم نہیں، اگرچہ مفید ہے -

۴- بعض مہینوں میں پانچواں وعظ مضمون کے اعتبار سے نہایت اہم ہے، لیکن ترتیب میں پانچویں جمعہ کے ذیل میں آگیا ہے، جس کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے - لہٰذا ایسے اہم مضامین کا خاص خیال رکھیں -

۵- اصل خطبہ عربی خطبہ ہی ہے جو نمازِ جمعہ کے لئے شرط ہے، لہٰذا اسے کسی حال میں ترک نہ کیا جائے - ہاں اُردو وعظ ضروری نہیں ہے - وقت ملے تو سنا دیا جائے ورنہ نہیں -

اُردو وعظ سُنانے کا وقت اور بہترین طریقہ

(۶) محققین علماء کے نزدیک چونکہ مخلوط خطبہ پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے جس کی بحث آگے آرہی ہے - لہٰذا ضرورت ہے کہ ائمہ مساجد اس کی اصلاح کی طرف مناسب طریقہ سے قدم اٹھائیں اور اس مکروہ رواج کو دُور کرنے کی کوشش کریں - اگر بالفرض مکروہِ تحریمی نہ بھی ہو تب بھی مکروہِ تنزیہی ضرور رہے گا، جس سے بچنا ثواب ہے - اگر کسی کے نزدیک مکروہِ تنزیہی بھی نہ ہو تب بھی اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ مسئلہ اختلافی ہے - اکثر علماء اس کو بدعت ہی قرار دیتے ہیں اور واقعۃً بھی بدعت ہی ہے، کیوں کہ

کسی دوسری زبان میں خطبہ دیئے جانے کی کوئی اصل صحیح شریعت میں موجود نہیں۔ پس اس تردد کی حالت میں بھی فقہ کا یہ مسلّمہ قاعدہ کہ اذا تردد الامر بین السنة والبدعة فترك السنة اولیٰ (شامی) بھی فیصلہ دیتا ہے کہ خروج عن الاختلاف کے لئے خالص عربی خطبہ ہی پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ اس صورت میں کسی کے نزدیک کوئی کراہت پیدا ہی نہیں ہوتی اور مخلوط پڑھنے میں اکثر کے نزدیک کراہت آجاتی ہے۔ پس اس مخدوش راستے کو کیوں اختیار کیا جائے۔

(۷) اذانِ خطبہ کے بعد ممبر پر تو خالص عربی خطبہ پڑھنا چاہیئے اور عوام کے نہ سمجھنے کا تدارک اس طرح کرنا چاہیئے کہ بعد نمازِ جمعہ اردو وعظ سنا دیا جائے۔ یہ صورت سب سے بہتر ہے، لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو، یعنی لوگ نہ ٹھہریں تو پھر یہ کیا جائے کہ جماعت قائم ہونے کے وقت سے چالیس منٹ قبل حسب موقعہ اُردو وعظ محراب کے پاس ممبر پہ نہیں بلکہ نیچے کھڑے ہو کر شروع کر دیا جائے اور پندرہ[۱۵] بیس[۲۰] منٹ میں بیان ختم کر دیں۔ پھر لوگ نماز سے قبل کی سُنتیں پڑھ لیں، تب امام ممبر پر آجائے اور اذانِ خطبہ کے بعد عربی خطبہ پڑھ لے۔ پھر فوراً ہی نماز قائم کر دی جائے۔ بدعت، کراہتِ تحریمی اور اختلاف سے بچ کر تبلیغِ احکام کی یہ بہترین تدبیر ہے۔ اس پر خود میرا عمل ہے اور میں نے تجربہ سے اس طریقہ کو بہت ہی مفید پایا ہے۔ یہ شُبہ نہ کیا جائے کہ نماز سے قبل دوبار وعظ ہونا بھی ایک بدعت ہے، کیونکہ اس کی اصل صحیح خلفائے راشدین رضؓ کے زمانے میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ جمعہ کے دن خُطبہ سے پہلے ممبر کے پاس کھڑے ہو کر احادیث سنایا کرتے تھے۔ مُستدرکِ حاکم میں ہے:۔ اخبرنا احمد بن سلیمان الفقیہ ثنا اسمٰعیل

بن اسحاق القاضی ثنا احمد بن یونس ثنا عاصم بن محمد بن زید عن ابیہ قال کان ابوہریرۃ یقوم یوم الجمعۃ الیٰ جانب المنبر یقول قال ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الصادق المصدّق صلی اللہ علیہ وسلم ثم یقول فی بعض ذٰلک ویل للعرب من شر قد اقترب فاذا سمع حرکۃ باب المقصورۃ بخروج الامام جلس ہذا حدیث صحیح ولم یخرجاہ - حاکم فرماتے ہیں : انما الغرض فیہ استحباب روایۃ الحدیث عند المنبر قبل خروج الامام - اسی طرح تمیم داری رضؓ بھی حضرت عمر رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کے زمانۂ خلافت میں خُطبہ سے پہلے وعظ فرمایا کرتے تھے - چنانچہ ملّا علی قاری رحؒ نے اپنی موضوعات میں بغیر نکیر اس کو روایت کیا ہے : اخرج ابن عساکر عن حمید بن عبد الرحمٰن ان تمیما الداری استاذن عمر فی القصص سنین فابیٰ ان یأذن لہٗ فاستاذنہٗ فی یوم واحد فلما اکثر علیہ قال لہ ما تقول قال اقرأ علیہم القراٰن وآمرہم بالخیر وانہاہم عن الشر قال عمر ذٰلک الذبح ثم قال عظ قبل ان اخرج فی الجمعۃ فکان یفعل ذٰلک یوماً واحداً فی الجمعۃ ص۱۳ اور حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحؒ نے اقامۃ الحجۃ ص۱۴ میں اس مضمون کو اس طرح ذکر کیا ہے - ذکر عن ابن شہاب قال اوّل من قص فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم تمیم الداریؓ استأذن عمران یذکر الناس فابیٰ علیہ حتیٰ کان اخر ولایتہٖ فاذن لہ[2] ان یذکر فی یوم الجمعۃ قبل ان یخرج عمر فاستاذن تمیم عثمان فاذن لہ ان یذکر یومین فی الجمعۃ فکان تمیم یفعل ذٰلک انتہی یعنی زہری کہتے ہیں کہ سب سے پہلے مسجدِ نبوی میں تمیم داری نے وعظ کیا۔ وہ حضرت عمرؓ سے وعظ کے لئے اجازت مانگتے رہے۔ حضرت عمرؓ انکار فرماتے رہے۔ انکار کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ صحابہ وتابعین کے زمانہ میں عربی خطبہ ہی وعظ کے لئے کافی ہوتا تھا، کیونکہ عربی سمجھتے تھے۔ دوبار وعظ بے ضرورت تھا۔ نیز ضبط ونظم کے لئے بھی انکار مناسب تھا۔ آخر اپنی حکومت کے آخر زمانے میں مان گئے اور اجازت دے دی[2] کہ جمعہ کے دن میرے نکلنے سے پہلے وعظ کیا کریں۔ پھر تمیمؓ نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اجازت چاہی تو انھوں نے ہفتہ میں دو دن کے لئے اجازت دے دی۔ چنانچہ تمیم داریؓ ایسا کرتے رہے۔ اس روایت کو امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند صفحہ ۴۴۹ / ج ۳ میں بیان کیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ صحابہ وخلفائے راشدینؓ کے زمانے میں بھی جمعہ کے خطبہ سے پہلے وعظ کرنا ثابت ہے۔ وللہ الحمد۔ فائدہ :۔ اس روایت میں

---

[1] الداری بالیاء فقط وقد غلط اکثر الناس فی کتبہم فکتبوہ الدارمی مع المیم والیاء وھو غلط محض کما ضبطہ صاحب الاکمال فی اسماء الرجال ۱۲

[2] غالباً مناسب ہونا سمجھ میں آگیا ہوگا ۱۲

تیم داری کے بیان کو تذکیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور امام جو بیان کرے اس کو خطبہ کہا جاتا ہے۔ اس مقابلہ سے یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ خطبہ میں مقصود اصلی ذکر ہے تذکیر بدرجۂ مقصود نہیں۔ اس لئے عدم فہم عوام کو غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنے کا عذر نہیں بنایا جا سکتا۔

اب میں دعا کرتا ہوں کہ خدائے قدوس میری اس محنتِ شاقہ کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنائے اور قبولیتِ عامہ سے مشرف فرمائے۔ آمین یا رب العالمین وصلی اللہ تعالےٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

خاکپائے سلف ناچیز

ابوالنّاصر عبیدی صدیقی حنفی مجدّدی پھلتی

غفرلہٗ ولوالدیہ ولمن احسن الیہ

بحث کراہت خُطبۂ عجمیہ و مخلوطہ

اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم العلماء والفضلاء جناب حضرت استاذی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دام اللہ برکاتہم کا مفصل فتویٰ جو اس بحث کے تمام مالہٗ وما علیہ پر حاوی اور جامع ومانع ہے نقل کر دیا جائے، لیکن افسوس کہ طباعت کی مشکلات کو مدنظر رکھ کر ناگزیر طور پر اس کو مختصر کرنا پڑا، تاہم اُمید ہے کہ اس کے بعد متلاشی حق کو اس مسئلہ میں کوئی تردد باقی نہ رہے گا۔ یہ کاوش محض اس لئے اٹھائی جا رہی ہے تاکہ خطیب حضرات اور متولیانِ مساجد اس مسئلہ پر غور فرمائیں اور اگر ان کی مساجد میں اس سنّتِ سَنِیّہ یعنی خالص عربی خطبہ کو چھوڑ دیا گیا ہے تو اس کا احیاء فرما کر اجرِ عظیم حاصل کریں اور مساجد میں خالص عربی خطبہ جاری کریں اور اُردو وعظ کے لئے جو مناسب وقت اس سے قبل بتایا گیا ہے اُسے اختیار فرمائیں۔

مختصر نقل رسالہ الاعجوبہ باجازت حضرت مصنف مدظلہٗ

استفتاء:- شریعتِ مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے کہ خطبۂ جمعہ عربی کے سوا دوسری ملکی زبانوں میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر خطبہ پڑھ کر اردو وغیرہ میں ترجمہ کر دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔ اگر دونوں صورتیں ناجائز ہوں تو اس مسئلہ کا جواب مفصل عنایت فرمایا جائے کہ جب خطبہ کا مقصود وعظ ہے تو عربی سے ناواقف لوگوں کے سامنے عربی میں پڑھنے سے کیا فائدہ؟

الجواب:- چونکہ مسئلہ عامۃ الورود اور کثیر الوقوع ہے، اس لئے جواب کسی قدر تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ خطبہ کے لئے کچھ تو ارکان ہیں،

جن پر خطبہ کے صحیح ہونے نہ ہونے کا مدار ہے اور کچھ آداب وسنن ہیں، جو اس کے مکمّلات میں سے ہیں۔

خطبہ کے فرض صرف دو ہیں۔ ایک وقتِ جُمعہ یعنی بعدِ زوال۔ دوسرا مطلق ذکر اللہ خواہ کسی لفظ سے ہو بشرطیکہ بقصدِ خطبہ ہو۔ پھر امام صاحب رح کے نزدیک طویل ہو یا مختصر اور صاحبین رح کے مذہب پر ذکرِ طویل جس کو عرفاً خطبہ کہا جاسکے شرط ہے۔ کذا فی الھدایہ والفتح والبحر اور آداب وسنن پندرہ ہیں۔ طہارۃ[1]، کھڑے ہو کر پڑھنا[2]، قوم کی طرف متوجہ ہونا[3]، اعوذ پڑھنا[4]، خطبہ لوگوں کو سنانا[5]، حمد[6] و ثنا[7]، کلمۂ شہادتین[8]، درود[9]، وعظ و نصیحت پر مشتمل ہونا[10]، آیتِ قرآنی[11]، جلسۂ خفیفہ[12]، خطبۂ ثانیہ میں مکرّر ثنا و درود[13]، دعا[14]، خطبتین کا مختصر کرنا[15]، ان سُنّتوں کے خلاف مکروہ ہے، مگر خطبہ ادا ہو جاتا ہے اور نمازِ جُمعہ صحیح ہو جاتی ہے۔

انھی کے ساتھ ایک سولھویں سُنّت اور ہے جو اُنہی دلائل سے ثابت ہے، جن سے مذکورۂ بالا سُنّتیں ثابت ہیں، یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعامل اور مواظبت، اسی تعامل سے یہ بھی ثابت ہے کہ خطبہ صرف عربی زبان میں ہو، غیر عربی میں نہ ہو۔

خطبہ کی اصل حقیقت صرف ذکر اللہ ہے۔ وعظ و تذکیر اس کا رکن نہیں، لقولہ تعالیٰ۔ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ۔ قلتُ[1] وقد صرح عامۃ المفسرین بان المراد من الذکر الخطبہ ویوید ھا مارواہ الشیخان عن ابی ہریرۃ رض فی حدیث طویل فاذا خرج الامام حضرت الملائکۃ یستمعون الذکر (از تفسیر ابنِ کثیر ص۲۵۶ ج۹) وفی مبسوط السرخسی رح ولنا ان الخطبۃ ذکر

[1] عام مفسرین نے اس آیت کے تحت تصریح کی ہے کہ ذکر سے مراد آیت میں خطبہ جمعہ ہے اور بخاری مسلم

والمحدث والجنب لایمنعان من ذکر اللہ (مبسوط صفحہ ۳۶/۲۶) ثم قال بعد ذلک ولان المنصوص علیہ الذکر قال اللہ تعالیٰ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ، وقد بینا ان الذکر بھا ای بالخطبۃ ثبت بالنص والذکر تحصل بقولہ الحمد للہ (مبسوط بصری ص ۳۰ ج ۲) وکذا قال الحلبی فی شرح المنیۃ الکبیر (کبیری لاہوری ص ۵۵۶) اور بدائع میں ہے۔ واما کیفیۃ الخطبۃ ومقدارھا فقد قال ابوحنیفۃ ان الشرط ان یذکر اللہ تعالیٰ علیٰ قصد الخطبۃ کذا نقل عنہ فی الامالی مفسرا ۔ قل الذکر ام کثر حتی لو سبح اوھلل او حمد اللہ تعالیٰ علیٰ قصد الخطبۃ اجزاءہ (فیہ بعد ذلک) والصحیح مذھبنا لان اللہ تعالیٰ امر بالذکر مطلقا عن قید القعدۃ والقرأۃ فلا تجعل شرطاً بخبر واحد لانہ یصیر ناسخا لحکم الکتاب (ص ۲۶۳/۱۲)

یہی مضمون بالفاظ مختلفہ ہدایہ کنز اور ان کی شروح فتح و بحر وغیرہ میں نیز درمختار، شامی، عالمگیری وغیرہ میں بہ تصریح موجود ہے۔ من شاء فلیرجع خلاصہ یہ کہ خطبہ جمعہ کا اصل رکن ہے اور مقصدِ اوّلین اُس کا صرف ذکر اللہ ہے، تبلیغ یا وعظ و تذکیر اس کا رکن اور مقصدِ اصلی نہیں۔ اس مضمون کی مزید شہادت یہ ہے:

(بقیہ حاشیہ ص ۳۸) کی روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ "پس جبکہ امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو ملائکہ ذکر سننے کے لئے اندر آجاتے ہیں"۔ عـه اور مبسوط میں ہے کہ "ہماری دلیل یہ ہے کہ خطبہ ذکر ہے اور بے وضو اور غسل کی حاجت والا ذکر اللہ سے منع نہیں کیا جاتا ہے"۔ پھر کہا ہے کہ منصوص علیہ قرآن میں ذکر ہے جو فقط الحمد للہ کہنے سے ادا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حلبی نے بھی غنیہ میں بیان کیا ہے ملخصاً عـه خلاصہ یہ کہ خطبہ کے متعلق امام ابوحنیفہ کے نزدیک شرط صرف یہ ہے کہ بہ نیت خطبہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔

(۱) قال فی المبسوط والخطبة من شرائط الجمعة لحدیث ابن عمر وعائشة انما قصرت الجمعة لمکان الخطبة والظاهر قوله تعالیٰ فاسعوا الی ذکر الله یعنی الخطبة (ص ۲۴/۲) ونقل ابن العلاء وابن الهمام فی الفتح الاجماع علی اشتراط نفس الخطبة (من البحر ص ۱۵۸/۲) اگر خطبہ کا مقصد اصلی وعظ و تبلیغ ہی ہوتا تو جمعہ کے شرائط میں داخل کرنے کے کوئی معنی نہ تھے کہ ادائے جمعہ اسی پر موقوف ہو جائے۔

(ب) خطبہ جمعہ کے لئے وقتِ ظہر ہونا شرط ہے کما فی عامة الکتب ولفظ البحر انه (یعنی وقت الظهر) شرط حتیٰ لو خطب قبله وصلّیٰ فیه (ای وقت الظهر) لم تصح (بحرالرائق ص ۱۵۸/۲) اگر خطبہ کا مقصد اصلی وعظ و تبلیغ تھا تو وقتِ ظہر کی تخصیص خطبہ کے لئے کیوں کی جاتی۔ اگر زوال سے پہلے کوئی خطبہ پڑھے اور نماز بعدِ زوال پڑھے تو گیا مقصدِ وعظ ادا نہ ہوتا، مگر فقہا اس صورت میں خطبہ کو صحیح قرار نہیں دیتے اور خطبہ صحیح نہ ہونے کی وجہ سے جمعہ کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں۔

(ج) اور خطبہ کے لئے صرف پڑھ دینا کافی ہے۔ کسی کا سننا ضروری نہیں۔ اگر چند بہرے یا سوتے ہوئے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھ دیا گیا اور پھر نمازِ جمعہ پڑھی تو خطبہ ادا ہو گیا اور نمازِ جمعہ صحیح ہو گئی۔ کما فی البحر وان کانوا صماً او نیاماً۔ اگر مقصدِ خطبہ وعظ و نصیحت تھا تو مذکورہ بالا صورت میں جائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

(د) اگر خطبہ پڑھنے کے بعد امام کسی کام میں مشغول ہو گیا اور نمازِ جمعہ میں کوئی معتدبہ فصل ہو گیا تو قولِ مختار کے موافق خطبہ کا اعادہ ضروری ہے۔ اگرچہ سننے

بقیہ حاشیہ گذشتہ ص ۳۹ خواہ ذکر قلیل ہو یا کثیر اگر سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ یا الحمد للہ بہ قصدِ خطبہ کہہ دے تو کافی ہوگا اور ہمارا صحیح مذہب بھی ہے ۱۲ عہ حمد سے شروع کرنا ۱۲

والے وہی ہوں جو پہلے سن چکے ہیں کما فی البحر عن الخلاصة ثم قال وقد صرح فی السراج الوهاج بلزوم الاستیناف وبطلان الخطبة وهذا هو الظاهر (بحر صـ ۱۵۱/۲ج)

(۵) بہت سے فقہا نے خطبہ جمعہ کو دو رکعتوں کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ کما فی البحر و فی البدایع (بحر صـ ۱۰۸/۲ج)

(۶) خطبہ جمعہ کی جو پندرہ سنتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں وہ یہی بتلاتی ہیں کہ خطبہ کا مقصد ذکر اللہ ہے، وعظ و تبلیغ اس کے اصلی مقاصد میں سے نہیں ہے، ورنہ ان آداب و سنن کا وعظ و تذکیر سے کوئی علاقہ نہیں۔ نیز ہدایہ میں ہے فان[ؑ] اقتصر علیٰ ذکر اللہ جاز عند ابی حنیفة رح (الیٰ قوله) لقوله تعالیٰ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ من غیر فصل وعن عثمان رض انه قال الحمد للہ فارتج علیه فنزل وصلی (صـ ۱۵۲/۱ج) اسی طرح کنز میں ہے وکفت تحمیدة او تهلیلة او تسبیحة الخ ظاہر ہے کہ خطبہ کا مقصود اگر وعظ و تذکیر ہوتا تو صرف الحمد للہ یا لا الٰہ الا اللہ سے کیسے خطبہ ادا ہو جاتا اور اگر ادائے خطبہ وعظ پر موقوف کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ واقعہ مذکورہ میں حضرت عثمان رض اور تمام صحابہ کرام رض کی نمازِ جمعہ بوجہ شرطِ خطبہ ادا نہ ہونے کے فاسد ہو، حالانکہ باتفاقِ صحابہ کسی نے بھی اس نماز کو فاسد نہیں کہا۔ مبسوط میں سرخسی رح نے اس واقعہ کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ بر صـ ۳۱/۲ج فقہا کی ان تمام تصریحات سے خوب اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ خطبہ کا مقصد اصلی ذکر اللہ ہے اور یہی حقیقت ہے خطبہ کی۔ وعظ و تذکیر نہ خطبہ کی حقیقت میں داخل ہے نہ اس کی صحت شرط ہے

ؑ یعنی اگر صرف ذکر اللہ پر اختصار کیا جائے خطبہ میں تو امام صاحب کے نزدیک جائز ہے اور حضرت عثمان رض سے مروی ہے کہ انھوں نے خطبہ کے لئے ممبر پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا الحمد للہ۔ پھر شور ہو گیا تو منبر سے اُتر آئے اور نماز پڑھا دی ۱۲

خطبہ غیر عربی میں جائز نہیں

امر دوم یعنی سنن وآدابِ خطبہ کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے تعامل سے ہے، جس کی بنا پر فقہانے ان آداب کی تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ عالمگیری مصری ص ۱۳۷/۱۲ اور بحر الرایق وغیرہ میں ان کو مفصل لکھا ہے۔ عبارت بحر کے الفاظ یہ ہیں: اما الخطبة فتشتمل علی فرض وسنة فاما الفرض فشیئان الوقت وذکر اللہ واما سننها فخمسة عشر (ثم شرحها مفصلا کما ذکرنا) پندرہ سنتوں کی تصریح کتبِ مذکورہ میں ہے۔ سولھویں سنت یعنی خاص عربی زبان میں خطبہ ہونا حضرت امام ابویوسفؒ و امام محمدؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ اور امام نوویؒ ورافعیؒ وغیرہم نے اسی دلیل سے ثابت کیا ہے، جس سے پندرہ سنتیں ثابت ہیں، یعنی عمل اور مواظبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر تعامل صحابہ کرامؓ سے باوجودیکہ جس طرح آج تبلیغِ احکام اور ان کی تعمیم و اشاعت کی حاجت ہے اُس وقت اس سے زیادہ تھی، کیونکہ اب تو کتب و رسائل ہر قوم کی زبان میں ہزارہا موجود ہیں اور اُس وقت سلسلۂ طباعت و تصنیف بالکل نہ تھا، نیز یہ بھی نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ہمیشہ اہلِ عرب ہی ہوں، بلکہ تاریخِ اسلام شاہد ہے کہ رُوم و فارس اور مختلف بلادِ عجم کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ خطبہ میں شریک ہوتے تھے۔

اب اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ مادری زبان عربی ہونے کے دوسری زبان میں خطبہ نہ دیتے تھے تو اگر مقصود خطبہ وعظ و تبلیغ ہی تھا اور تبلیغ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہے کہ تمام اقوامِ عرب وعجم کے لئے عام ہے تو عجمیوں کی رعایت سے ایسا کیا جاسکتا تھا کہ کسی صحابی کو حکم فرماتے جو خطبہ کے بعد ہی

اس کا ترجمہ عجم کی زبان میں سُنا دیتے جیسا کہ بعض وفود وغیرہ کے مکالمے کے وقت ترجمان سے کام لیا جاتا تھا، لیکن تمام عمرِ نبوی میں اس قسم کا ایک بھی واقعہ مروی نہیں۔ آپ کے بعد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ایک سیلِ رواں کی صورت میں بلادِ عجم میں داخل ہوئے اور دُنیا کا کوئی گوشہ نہ چھوڑا جہاں اسلام کا کلمہ نہیں پہنچا دیا اور شعائرِ اسلام نمازِ جُمعہ و اعیاد قائم نہیں کر دیئے۔ ان حضرات کے خطبے تاریخ کی کتابوں میں آج بھی بالالفاظہا مذکور و مدوّن ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی بلادِ عجم میں اپنے مخاطبین کی ملکی زبان میں خطبہ نہیں دیا حالانکہ وہ اسلامی فتوحات اور اس کی تعلیمات کی اشاعت کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا، جبکہ تمام لوگ تبلیغِ احکام کے لئے آج سے کہیں زیادہ محتاج تھے۔ یہاں یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو عجمی زبان سے واقفیت نہ تھی، کیونکہ بہت سے صحابہ کا عجمی زبانیں فارسی یا رومی یا حبشی وغیرہ سے واقف ہونا بلکہ بخوبی تقریر کر سکنا ان کی سوانح اور تذکروں میں بصراحت مذکور ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضؓ کے متعلق مشہور ہے کہ بہت سی مختلف زبانیں جانتے تھے اور حضرت صہیب رضؓ روم کے باشندے تھے۔ اسی طرح بہت سے صحابہ رضؓ ہیں، جن کی مادری زبانیں عربی کے علاوہ دوسری تھیں۔ اس کے علاوہ اگر معانیٔ خُطبہ کو عجمیوں کے علم میں لانا بوقتِ خُطبہ ہی ضروری سمجھا جاتا اور خُطبہ کا مقصد اگر تبلیغ ہی ہوتی تو جو سوال آج کیا جاتا ہے کہ خُطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اُردو یا کسی ملکی زبان میں کر دیا جائے کیا یہ اس وقت ممکن نہ تھا؟ جبکہ دوسری ملکی و سیاسی ضرورتوں کے لئے ہر صوبہ میں عمالِ حکومت اپنے پاس ترجمان رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے ایک مستقل ترجمان انہیں ضرورتوں کے لئے اپنے پاس رکھا تھا۔ (رواہ البخاری فی الوفود) لیکن

اس کے باوجود نہ حضرت ابن عباسؓ سے نہ کسی دوسرے صحابی سے غیر عربی زبان میں خطبہ دینا یا خطبہ کا ترجمہ کرانا یا خود کرنا بالکل منقول نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ خطبہ کے لئے سُنّت یہی ہے کہ وہ صرف عربی زبان میں پڑھا جاوے اور بوقتِ خطبہ کوئی ترجمہ وغیرہ اس کا نہ کیا جائے۔ عباراتِ ذیل اس مقصد کی دلیل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ اپنی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں کہ

ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وخلفائہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وھلم جرا فنقحنا وجود اشیاء منہا الحمد والشہادتین والصلوٰۃ علی النبی والامر بالتقویٰ وتلاوۃ اٰیۃ والدعاء للمسلمین والمسلمات وکون الخطبۃ عربیۃ (الی قولہ) واما کونہا عربیۃ فلاستمرار المسلمین فی المشارق والمغارب بہ مع ان فی کثیر من الاقالیم کان المخاطبون اعجمیین وقال النودی فی کتاب الاذکار فی کتاب حمد اللہ تعالیٰ ویشترط کونہا (ای الخطبۃ الجمعۃ وغیرھا) بالعربیۃ

خُطبہ کی زبان عربی ہونے پر تصریحاتِ فقہاءؒ

نماز میں تکبیرِ تحریمہ[1]، قرأتِ قرآن[2]، تشہد[3] اور ادعیۂ[4] ماثورہ اور خطبۂ جمعہ[5] اذان[6] واقامت ان سب کو عربی عبارت میں پڑھنا ضروری ہے یا ان کا ترجمہ کسی زبان میں پڑھنا کافی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ اس مسئلہ میں امام اعظمؒ اور صاحبینؒ میں باہم اختلاف ہے۔ امام صاحب جائز قرار دیتے ہیں اور صاحبین ناجائز و ناکافی فرماتے ہیں۔ پھر امام صاحب جو جائز فرماتے ہیں اس کا مطلب فقہا کے نزدیک یہ ہے کہ فرض و واجب ادا ہو جائے گا لیکن سنّتِ متوارثہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے کراہت رہے گی۔ قرأۃ

قرآن بالفارسیہ اور تکبیرِ تحریمہ بالفارسیہ میں اس کی کراہت کی تصریح بھی منقول ہے اس کا حاصل یہ ہُوا کہ اگر ان اذکارِ مذکورہ کا ترجمہ پڑھ لیا تو امام صاحب کے نزدیک شرطِ خطبہ وغیرہ پوری ہوگئی۔ لہٰذا جمعہ ادا ہوگیا، مگر غیر عربی میں پڑھنے کی کراہت اور گناہ اس کے ذمّہ رہا اور صاحبینؒ کے نزدیک شرطِ خطبہ ادا نہ ہُوئی اور خُطبہ شرطِ جمعہ ہے، لہٰذا جمعہ بھی ادا نہ ہوا۔

پھر امام اعظمؒ نے اپنے قول سے رجوع فرما کر صاحبین کا قول اختیار کرلیا اور اسی لئے جمہور حنفیہ کا متفقہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جیساکہ ہدایہ وغیرہ عامہ متون و شروح میں مذکور ہے۔ یہ رجوع اور مذہب صاحبینؒ کا اختیار کرنا قرأۃ بالفارسیہ میں تو اس کی تصریح عامہ کتب میں موجود ہے۔ باقی اشیاء تکبیرِ تحریمہ اور خطبہ و تشہد وغیرہ میں رجوع کی تصریح نہیں۔ اسی طرح فقہا متاخرین میں سے بعض نے مسئلہ قرأۃ میں رجوع کو تمام مسائلِ مذکورہ میں رجوع کی علامت سمجھا اور بعض نے اس رجوع کو صرف قرأۃ بالفارسیہ کے ساتھ مخصوص کیا۔ علامہ عینی کے کلام سے رجوع کا عموم معلوم ہوتا ہے۔ کما فی حاشیہ تبیین الحقائق للزیلعی ص 111/17۔ اسی طرح علامہ حسن شرنبلالی نے اپنے رسالہ النفحۃ القدسیہ میں بھی رجوع کو عام قرار دیا ہے اور شامیؒ وغیرہ کے کلام سے صرف قرأۃ کے ساتھ مخصوص ہونا اور بقیہ مسائل میں اختلاف باقی رہنا معلوم ہوتا ہے۔ پس اگر خطبہ جمعہ میں بھی امام صاحب کا رجوع مذہبِ صاحبینؒ کی طرف ثابت قرار دیا جاتا ہے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پورا خطبۂ جمعہ اردو فارسی وغیرہ میں پڑھنے سے باتفاق ائمۂ ثلاثہ نمازِ جمعہ بکراہت یا بلا کراہت کسی طرح بھی ادا نہ ہوگی اور اگر حسبِ قولِ شامیؒ وغیرہ خُطبہ جمعہ وغیرہ میں یہ رجوع تسلیم نہ کیا جائے تو اصل اختلاف علیٰ حالہٖ باقی رہ کر مسئلہ یہ

ہوگا کہ صاحبین کے نزدیک خطبہ اُردو وغیرہ میں پڑھ کر نمازِ جمعہ ادا نہ ہوگی یا جمعہ کا اعادہ کریں یا بعد میں ظہر قضا پڑھیں اور امام صاحب کے نزدیک [illegible] کا فرض تو ذمہ سے ساقط ہو جائے گا، لیکن سنتِ متوارثہ کے خلاف کرنے کا گناہ [illegible] رہے گا

امور مذکورۂ بالا کی تصریحات (۱) مبسوط شمس الائمہ سرخسی کی کتب شروع فی الصلوٰۃ صہ $\frac{۳۷}{۱۲}$ اور (۲) ہدایہ بحث شروع فی الصلوٰۃ صہ $\frac{۹۵}{۱۲}$ اور (۳) بدایع صہ $\frac{۱۱۳}{۱۲}$ اور (۴) در المختار صہ $\frac{۴۵۱}{۱۲}$ (۵) رد المختار صہ $\frac{۴۸۶}{۱۲}$ میں موجود ہے۔

(عبارات بوجہ خوفِ طوالت حذف کی گئیں اصل رسالہ میں موجود ہیں۔ من شاء فلیرجع الی الکتب المذکورۃ او الی رسالہ الاعجوبہ فی خطبۃ العربیہ)

(۶)[عہ] وفی شرح احیاء العلوم للزبیدی الحنفی عن الرافعی الشافی وھل یشترط کون الخطبۃ کلھا بالعربیۃ وجھان الصحیح اشتراطہ فان لم یکن منھم من یحسن العربیۃ خطب بغیرھا و یجب علیھم التعلم والا عصوا ولا جمعۃ لھم الخ

اور علامہ زبیدی حنفی کی شرح احیاء العلوم میں امام رافعیؒ سے نقل فرمایا ہے (سوال) کیا یہ شرط ہے کہ پورا خطبۂ جمعہ عربی زبان میں ہو؟ اس میں دونوں باتیں متحمل ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ پورے خطبہ کا عربی ہونا شرط ہے، البتہ اگر کوئی ایسا شخص اُن میں موجود عربی پڑھنے پر قادر ہو تو غیر عربی میں پڑھ سکتا ہے اور ان کے ذمہ لازم ہے کہ عربی پڑھنا سیکھیں ورنہ گنہگار ہوں گے اور ان کا عذر نہ سنا جائیگا ۱۲

(۷) علامہ حسن شرنبلانی صاحب نور الایضاح نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ النفحۃ القدسیۃ فی احکام قرأۃ القرآن وکتابتہ بالفارسیۃ تحریر فرمایا ہے۔ اس میں ایک مستقل باب حکم الخطبۃ والتشھد بالفارسیۃ بھی رکھا ہے۔ اس میں تکبیر تحریمہ بالفارسیہ میں بھی امام صاحب کا رجوع تسلیم کیا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ مرجوع عنہ، روایت اور مذہب کا مقتضی بھی یہ مطلق جواز نہیں

[عہ] پانچ تصریحات کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ چھٹی تصریح ہے ۱۲

بلکہ یہ ہے کہ شروع ہو گیا، مگر ترکِ واجب کا گناہ رہا۔ ولفظه هو يقول الذكر المفيد للتعظيم يحصل بخدا بزرگ است يعني على الرواية اللتي رجع عنها كما يحصل بقوله الله اكبر الواجب يعني للذى يجب اختصاص التحريمة به فتكون وجوبًا بلفظ الله اكبر وان صح الشروع بغير تكبير ص۱۶ طبع مصر

الغرض عباراتِ مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ خطبہ جمعہ عربی کے بارہ میں امام صاحب اور صاحبین رح کا اختلاف ہے۔ امام صاحب رح جائز اور صاحبین ناجائز فرماتے ہیں نیز مبسوط سرخسی ہدایہ اور شامی رح کی عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ امام صاحب رح کے نزدیک جواز کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی کراہت اور گناہ بھی ان کے نزدیک نہیں ہے بلکہ حسبِ تصریح ہدایہ و مبسوط وغیرہ امام صاحب رح کے نزدیک بھی قرأۃ بالفارسیہ مکروہ ہے اور جواز کا صرف یہ مطلب ہے کہ فریضہ ساقط ہو گیا۔ اگرچہ ایسا کرنے والا گنہگار ہوا۔ شاید اسی لئے خلاصۃ الفتاویٰ میں لفظ جواز کو بھی اس جگہ چھوڑ دیا گیا، جس سے مطلق جواز کا شبہ ہو سکتا ہے بلکہ عبارۃ خلاصہ کی اس طرح ہے: لو كبر بالفارسية فقال خدائے بزرگ است او قال خدائے بزرگ او قال بنام خدائے بزرگ يصير شارعًا في الصلوٰة پھر مبسوط و ہدایہ میں یہ کراہت کی تصریح اگرچہ اصل مسئلہ قرأۃ بالفارسیہ میں مذکور ہے، لیکن جبکہ اس کے بعد ہی یہ بھی مذکور ہے کہ والخطبة والتشهد على الخلاف تو ظاہر اس سے یہی ہے کہ اس میں بھی اختلاف اقوال اسی کیفیت سے ہے، جو کیفیت اس مسئلہ میں ہے یعنی امام صاحب جائز مع الکراہت فرماتے ہیں اور صاحبین مطلقاً ناجائز کہتے ہیں۔ نیز صاحب ہدایہ نے اصل مسئلہ یعنی قرأۃ بالفارسیہ میں جو علت کراہت بیان فرمائی ہے یعنے سنتِ متوارثہ کے خلاف ہونا یہ علت جس طرح قرأۃ بالفارسیہ میں پائی جاتی ہے اسی طرح خطبہ میں بھی بلا کم و کاست

موجود ہے جس سے لازم ہے کہ جس طرح امام صاحب کے نزدیک قرأۃ بالفارسیہ مکروہ وگناہ ہے اسی طرح خُطبہ وتشہد بھی غیر عربی میں مکروہ وگناہ ہے۔ خلاف اس میں ہے کہ امام صاحب کے نزدیک جمعہ ادا ہوگیا اور صاحبین کے نزدیک جمعہ ہی ادا نہ ہُوا۔

امام صاحبؒ کے نزدیک کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی

ہدایہ میں جو وجہ کراہت بیان کی گئی ہے، اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہو۔ کیونکہ سنّتِ متوارثہ کے خلاف کرنا گناہ ہے کما صرح بہ فی البحر والفتح ومثلہ فی رد المحتار اور مبسوط میں جو کراہت کی تصریح علی الاطلاق کی گئی ہے۔ حسبِ قاعدۂ فقہا اس کا مقتضا بھی کراہتِ تحریمی ہے۔

البتہ علامہ شامی نے اذکار صلوٰۃ بالفارسیہ کے تحت لولوٗ الجبیہ سے کراہت کی جو وجہ نقل کی ہے اُس سے بظاہر کراہت تنزیہی معلوم ہوتی ہے اس لئے خود انھوں نے یہی نتیجہ اس سے نکال کر فرمادیا کہ فظاہر التعلیل ان الدعاء بغیر العربیۃ خلاف الاولی الخ لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اُس وجہ کا مقتضیٰ کراہت تنزیہی ہونا اس امر کے منافی نہیں ہے کہ کسی دوسری وجہ سے اس میں کراہتِ تحریمی بھی موجود ہو جیساکہ قرأۃ بالفارسیہ اور خطبہ وغیرہ میں ایک دوسری وجہ کراہت کی یہ بھی ہے کہ سنّتِ متوارثہ کے خلاف ہے اور مقتضیٰ اس کا کراہتِ تحریم ہے کما مرّ۔ اسی وجہ سے خود علامہ شامیؒ نے اس کے بعد لکھا ہے ولایبعد ان یکون الدعاء بالفارسیۃ مکروھا تحریمًا فی الصلوٰۃ وتنزیھا خارجھا (شامی ج ۱ ص ۴۰۷) جس کا حاصل یہ ہے کہ ادعیہ نماز کو غیر عربی میں پڑھنا علاوہ وجہ مذکورہ کے چونکہ سنّتِ متوارثہ کے خلاف بھی ہے اس لئے مکروہِ تحریمی ہوگی اور ظاہر ہے کہ خُطبہ میں بھی یہی وجہ کراہتِ تحریمی کی بدرجۂ اولیٰ موجود ہے اور بحر الرائق میں کراہت تحریمی ہی کو ترجیح

دی ہے جیساکہ عنقریب بحر کی عبارت آتی ہے۔ بناءً علیہ مقتضیٰ اقوالِ فقہا اور دلائلِ مذکورہ کا یہ ہے کہ خطبہ غیر عربی میں پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ

بعض حضرات نے فتح المعین ملا مسکین شرح کنز کے حوالہ سے یہ بیان کیا ہے کہ اس میں سرخسی سے عدم کراہت منقول ہے اور عبارۃ ملا مسکین کی اس طرح نقل کی ہے۔ وعلیٰ ھذا الخلاف الخطبۃ والقنوت (الیٰ ان قال) من غیر کراھۃ فی الاصح علیٰ ما ذکرہ السرخسی۔ لیکن اصل کتاب فتح المعین دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مغالطہ اس کتاب کی ناتمام عبارت نقل کرنے سے پیدا ہوا۔ پوری عبارت اس کی یہ ہے: قولہ (سواء کان یحسن التکبیر اولا) وعلیٰ ھذا الخلاف الخطبۃ والقنوت والتشھد والتعوذ وتسبیحات الرکوع والسجود والصلوٰۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غیر کراھۃ فی الاصح علیٰ ما ذکرہ السرخسی ولفظ التکبیر اولیٰ فقط ورجح غیرہ اثباتھا و ھوالاولیٰ (الیٰ ان قال) لکن فی الفتح الثابت بالخبر اللہ اکبر فیجب العمل بہ حتیٰ یکرہ بمن یحسنہ وھو یفید وجوبہ ظاھرا اذا ھوالمقتضی للمواظبۃ التی لم تقترن بترک فینبغی ان یعول علیہ نھر (فتح المعین ص ۱۸۲/۱۲)

اس پوری عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ کراہت وعدم کراہت کا اختلاف صاحب ذخیرہ وتحفہ سرخسی کے درمیان مسئلہ زیرِ بحث میں نہیں یعنی قرأت بالفارسیہ یا خطبہ فارسیہ یا تکبیرِ تحریمہ در فارسیہ کے متعلق سرخسی عدم کراہت کے قائل نہیں بلکہ اس کا تعلق ایک دوسرے مسئلہ سے ہے جو تکبیرِ تحریمہ میں ائمہ مجتہدین میں زیرِ اختلاف ہے۔ وہ یہ کہ صرف لفظ اللہ اکبر (تکبیر تحریمہ میں)

کہنا ضروری ہے یا کوئی دوسرا کلمہ عربی زبان ہی کا مثل سُبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ وغیرہ بھی تکبیر تحریمہ کے لئے کافی ہوسکتا ہے کہ اس میں مذہب امام اعظم کا یہ ہو کہ دوسرا کلمہ بھی کافی ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ دوسرے کلمہ کا کافی ہونا مع الکراہت ہے یا بلا کراہت، صاحب ذخیرہ وتحفہ وغیرہ تو اس میں بھی مع الکراہت جائز قرار دیتے ہیں اور سرخسی جائز بلا کراہت کے قایل ہیں۔ بعینہٖ یہی مضمون تبیین الحقائق للزیلعی شرح کنز میں بھی بالفاظِ ذیل مذکور ہے۔

واما الافتتاح فالمذکور ھٰھنا قول ابی حنیفۃ ولٰکن الاولٰی ان یشرع بالتکبیر وھل یکرہ الشروع بغیرہ ام لا۔ ذکر صاحب الذخیرۃ انہ یکرہ فی الاصح وقال السرخسی الاصح انہ لایکرہ (زیلعی صـ ۱۰۹/۱۲)

الغرض شمس الائمہ سرخسی نے ہرگز یہ نہیں فرمایا کہ قرأۃ بغیر العربیہ یا خطبہ بغیر العربیہ بلا کراہت جائز ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ مبسوط میں وہ خود کراہت کی تصریح فرمارہے ہیں۔ مبسوط کی عبارت یہ ہے واصل المسئلۃ اذا قرء فی صلاتہٖ بالفارسیۃ جاز عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ ویکرہ وعندھما لایجوز اذا کان یحسن العربیۃ واذا کان لایحسنھا یجوز وعند الشافعی رح لاتجوز القرأۃ بالفارسیۃ بحال ولکنہ ان کان لایحسن العربیۃ وھو امی یصلی بغیر قرأۃ وکذالک الخلاف فیما اذا تشھد اوخطب الامام یوم الجمعۃ بالفارسیۃ الخ (مبسوط صـ ۳۷/۱۲)

علاوہ ازیں خود فتح المعین میں مُلّا مسکین نے سرخسی کے اس قول کو اختیار نہیں کیا بلکہ کراہت کا قول اختیار کیا اور پھر نہر و فتح وغیرہ کی عبارتوں سے اس کی تائید نقل کی۔ الغرض اول تو فتح المعین میں خطبہ بالفارسیہ کے متعلق سرخسی کا قول عدم کراہت نقل ہی نہیں کیا گیا اور حسب تصریح مبسوط ان کی

طرف عدم کراہت منسوب کرنا غلطی ہے اور اگر بالفرض سرخسی کا قول اسی بارہ میں مان لیا جائے تو دوسرے فقہا کے اقوال میں کراہت کی تصریح ہے اور وہی قواعد کا مقتضیٰ بھی ہے اور اسی لئے عامۂ فقہا نے سرخسی کا یہ قول اس بارہ میں اختیار نہیں کیا۔ اس لئے سرخسی کا یہ قول اس بارہ میں ضعیف اور غیر مقبول ہوگا۔ چنانچہ بحر میں ہے: فعلیٰ ھذا ما ذکر فی التحفة والذخیرة و النہایة من ان الاصح انہ یکرہ الافتتاح بغیر اللہ اکبر عند ابی حنیفة (غور کیجئے کہ مسئلہ زیرِ بحث کیا ہے) فالمراد کراھة التحریم لانہ فی رتبة الواجب من جھة الترک فعلیٰ ھٰذا الضعیف[2] ما صححہ السرخسی من ان الاصح انہ لا یکرہ (بحر ص ۲۲۳/۱۲)

ایک شبہ کا جواب جب یہ ثابت ہو گیا کہ خطبہ کا مقصود اصلی صرف وعظ و تذکیر نہیں بلکہ ذکر اللہ اور ایک عبادت ہے اور فقہا کی ایک جماعت اسی وجہ سے اس کو دو رکعت کا قائم مقام کہتی ہے تو اب یہ سوال سرے سے منقطع ہو گیا کہ جب مخاطب عربی عبارت کو سمجھتے ہی نہیں تو عربی میں پڑھنے سے کیا فائدہ، کیونکہ یہ سوال جس طرح خطبہ پہ عاید ہوگا، اسی طرح قرأتِ قرآن، اذان واقامت اور تکبیراتِ نماز وغیرہ پر بھی عائد ہوگا بلکہ قرآن کی قرأت پر بہ نسبت خطبہ کے زیادہ چسپاں ہوگا، کیونکہ قرآن کی غرض و غایت از اول تا آخر ہدایت ہی ہے۔ وہ تبلیغ احکامِ الٰہیہ ہی کے لئے نازل ہوا ہے اور پھر اذان واقامت وتکبیرات جن کا مقصد صرف لوگوں کو جمع کرنا یا کسی خاص عمل کا اعلان کرنا ہے۔ یہاں بھی یہ سوال بہ نسبت خطبہ کے زیادہ وضاحت کے ساتھ عاید ہوگا۔

---

[1] وھو ان یفتتح الصلوٰة بغیر لفظ اللہ اکبر کقولہ لا الٰہ الا اللہ وغیرھا ۱۲ [2] معلوم ہوا کہ سرخسی کا یہ قول ضعیف صلوٰة بغیر لفظ اللہ اکبر میں ہے نہ تحریمہ در غیر زبان عربی میں ۱۲

کہ حی علی الصلوٰۃ کو کون جانتا ہے "نماز کو چلو" کی آواز دینی چاہیئے یا کم از کم ترجمہ کر دینا چاہیئے۔ اگر یہ شبہ کیا جائے کہ اذان میں تو کلماتِ مقررہ ہیں جو ایک اصطلاح سی ہو گئی ہے، جس سے مقصدِ اعلان حاصل ہو جاتا ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ نفسِ اعلان واصطلاح کے لئے تو چند کلماتِ تکبیر و شہادتین بھی کافی تھے لہذا باقی کلمات کا کہنا فضول ہو گا۔ غالباً کوئی سمجھدار مسلمان اس کو تجویز نہ کرے گا کہ نمازِ مع تکبیرات کے تمام شعائرِ اسلامیہ اذان و اقامت وغیرہ کو اردو یا غیر عربی زبان میں پڑھا جائے بلکہ سب جانتے ہیں کہ قرآنِ مجید کی اصلی غرض اگرچہ تبلیغِ احکام ہی ہے، لیکن نماز میں اس کے پڑھنے سے غرضِ اصلی یہ نہیں ہے بلکہ وہاں صرف ادائے عبادت اور ذکر اللہ مقصود ہے اور نماز میں اسی حیثیت سے قرأۃِ قرآن کی جاتی ہے۔ تبلیغ و وعظ مقصود نہیں ہوتا۔ اگر حاصل ہو جائے تو وہ ضمناً ہے۔ ٹھیک اسی طرح خطبۂ جمعہ کو سمجھنا چاہیئے کہ اس کا مقصد اصلی ذکر و عبادت ہے اور وعظ و پند جو اس میں ہے اگر تبعاً حاصل ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ کوئی حرج نہیں۔ اس لئے قرأۃِ قرآن، تکبیرات اذان وغیرہ کی طرح خطبۂ جمعہ کو بھی خالص عربی میں پڑھنا چاہیئے۔ دوسری زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر ترجمہ کرنا خلافِ سُنّت بلکہ بدعت و ناجائز ہے اور صاحبین کے قول پہ نمازِ جمعہ ہی ادا نہ ہو گی۔

اب عربی پڑھ کر ترجمہ کرنے میں علاوہ مخالفتِ سنتِ متوارثہ و تعامل خلفائے راشدین و صحابۂ کرام و قرون مشہود لہا بالخیر کے ایک اور خرابی و قباحت بھی لازم آتی ہے۔ وہ یہ کہ خطبہ کا مختصر ہونا اور اختصار کے ساتھ دس امورِ مذکورہ بالا پر مشتمل ہونا سُنّت ہے۔ اب اگر اس طرح کا خطبہ مسنونہ عربی میں پڑھ کر ترجمہ بھی کیا جائے گا تو مجموعی مقدار خطبہ کی خطبہ مسنونہ سے دوگنی بلکہ کچھ زیادہ ہو جائے گی اور اگر امورِ مذکورہ مسنونہ میں سے کچھ کم کیا تو دوسری طرح خلافِ

سُنت ہوجائے گا۔ بہرحال ترجمہ اردو پڑھنے میں تطویلِ خُطبہ لازم آئیگی جو نبص حدیث ممنوع ہے۔ موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے قرن صحابہ کے خصوصی فضائل میں اختصارِ خطبہ کو اور آخرامت کے فتن و مفاسد میں تطویلِ خطبہ کو شمار فرمایا ہے (موطا مجتبائی ص۶۱) جس سے معلوم ہُوا کہ خطبہ طویل ہونا بھی اس امت کا ایک فتنہ و فساد ہے۔ اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ اگر خطبہ کا مقصد وعظ و نصیحت نہیں تو قوم کی طرف خطیب کو متوجہ ہوکر خطبہ دینا اور کلماتِ وعظ پر خطبہ کا مشتمل ہونا کیوں مسنون ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ احکامِ الٰہیہ اور تشریحاتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، لیکن سرسری نظر میں جو بات سامنے ہے وہ بھی ایک عظیم الشان حکمت پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ

زبان کا اثر معاشرت اور اخلاق و دین پر

روزمرہ کے تجربات اور عقلاء کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ہر قوم کی زبان اور لغت کو طرزِ معاشرت اور عقل و اخلاق و دین میں نہایت قوی دخل ہے اور ہر لغت اور زبان کے کچھ مخصوص اثرات ہیں کہ جس کسی قوم و ملک میں وہ زبان پھیلتی ہے تو وہ اثرات بھی ساتھ ساتھ عالمگیر ہوجاتے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ حالت کو اگر اب سے پچاس برس قبل کی حالت سے موازنہ کیا جائے تو اس کی تصدیق آنکھوں کے سامنے آجائے گی کہ جب تک ہند میں انگریزی زبان کی یہ کثرت نہ تھی اس دہریت انگریزیت اور آزادی و بے قیدی کی بھی یہ کثرت نہ تھی۔ سرکاری اسکولوں کے ذریعہ اس زبان کو عام کیا گیا تو ایسا ہوگیا کہ گویا ہندوستان کے طرزِ معاشرت اور اخلاق و تدیّن سب پر ہی ڈاکہ ڈال دیا گیا۔ زبان کی عمومیت واشاعت کے ساتھ ہی انگریزی معاشرت یورپین خیالات و آزادی و دہریت وبا کی طرح پھیل گئی۔ یہ غرض نہیں کہ انگریزی کی تعلیم ناجائز ہے بلکہ ایک

مشاہدہ کا بتلانا مقصود ہے۔ اگر انگریزی زبان ان مفاسد سے بچ کر حاصل کی جا سکے تو بلاشبہ جائز اور نیک نیت ہو تو ثواب ہے) اس سے قبل جب مسلمانوں کی قسمت میں ترقی لکھی تھی تو ان کے لئے بھی زبانِ عربی کی اشاعت نے وہی کام کیا تھا جو آج انگریزی زبان کر رہی ہے بلکہ اگر تاریخ دیکھی جائے تو بلا شائبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ عربی زبان نے تمام دنیا کو ایسا مفتوح کیا تھا کہ کوئی دوسری زبان اس کی نظیر پیش کرنے سے یقیناً عاجز ہے۔ شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہؒ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں عرب و عجم کی زبان پر مفصل کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ واعلم ان اعتیاد اللغة موثرة فی العقل والخلق والدین تاثیراً قویا (یعنی سمجھ لو کہ کسی خاص زبان کی عادت ڈالنا عقل و اخلاق اور دین میں بہت بڑی قوی تاثیر رکھتا ہے جو بالکل ظاہر ہے) یہی وجہ ہے کہ ہر بادشاہ اپنی قومی زبان کو اپنی مملکت میں رائج کرنے کے لئے طرح طرح کی کوشش کرتا ہے۔

ہندوستان میں انگریزی رائج کرنے کا سیاسی مقصد

انگریز نے کروڑوں روپے خرچ کر کے اپنی خاص قومی زبان کو ہندوستان کی معاشرت کا جزوِ اعظم بنانے کی کوشش کی، جس سے یہاں یہ زبان بہت کافی شائع ہو چکی ہے لیکن اب بھی مجموعی حیثیت سے مردم شماری پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کل ہندوستانی قلمرو میں شاید ۵ فی صدی اشخاص بھی انگریزی جاننے والے نہ نکلیں گے مگر اس کے باوجود حکومت کی طرف سے جو کاغذ کا پرزہ چلتا ہے تو انگریزی زبان کے سکے کے ساتھ چلتا ہے۔ ڈاک خانے کے تمام کاغذات ریلوے کے ٹکٹ بلٹیاں تمام عدالتی کاغذات جو خاص طور پر ہندوستانیوں کی اطلاع اور کاروبار کے لئے جاری کئے جاتے ہیں وہ سب انگریزی میں لکھے جاتے ہیں۔ خلق اللہ اس غیر زبان کی وجہ سے پریشان ہوتی ہے۔ کاروباری لوگوں کو محض اس زبان کی وجہ سے ترجمانی

وغیرہ میں دوگنا خرچ کرنا پڑتا ہے مگر حکومت اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا اس کے سیکھنے پر مجبور ہو گئی۔ سوچیے کہ اس میں اہلِ ملک کی کیا مصلحت تھی؟ ہرگز کچھ نہ تھی۔ محض سیاسی غرض تھی وہ یہ کہ اپنے حلقۂ اثر کو وسیع کرنا، اپنی طرزِ معاشرت و تمدن اور اپنی تہذیب کو دنیا میں رواج دینا۔ ہمارے روشن خیال بھائی! جو علماء سے یہ سوال کرتے ہیں کہ عربی خطبہ سے کیا فائدہ؟ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ انگریزی زبان میں ڈاک تار، ریل کے ٹکٹ اور بلٹی وغیرہ چھاپنے سے کیا فائدہ؟ اگر وہ اس سوال پر غور فرماتے تو انھیں خطبہ غیر عربی ہونے کی حکمت خود بخود معلوم ہو جاتی۔

عربی زبان کی بعض خصوصیات

اس کے بعد غور کیجیے کہ یہی وہ بات ہے جس کو یورپ سے بہت پہلے مسلمانوں نے سمجھا تھا اور چونکہ یہ ایک فطری اور طبعی طریقہ اسلامی شعائر کی اشاعت کا تھا، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے طرزِ عمل سے اس کو اتنا مؤکد کر دیا کہ تمام عمر اس کے خلاف کی ایک نظیر بھی ظاہر نہیں ہوتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں عربی زبان نے تمام عالم کو فتح کر لیا اور اس طرح فتح کیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، کیونکہ یہ تاریخِ اقوام پر نظر ڈالنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ جس وقت عربی زبان ممالکِ عجم میں مسلمانوں کی فاتحانہ مداخلت کے ساتھ داخل ہوئی تو بغیر کسی ایسے ناجائز جبر و تشدد کے جو آج ہم پر روا رکھا جا رہا ہے، عربی زبان کی جاذبانہ محبوبیت نے اس طرح لوگوں کے قلوب میں جگہ کر لی کہ تھوڑی ہی مدت میں بہت سے ممالکِ عجم کی اپنی اصلی زبانیں بالکلیہ متروک ہو کر عربی زبان ہی اُن کی ملکی زبان ہو گئی۔

مصر اور شام میں اسلام سے پہلے رومی زبان رائج تھی۔ مسلمانوں کے داخل

ہوتے ہی عربی زبان نے ملکی زبان کی جگہ لے لی۔ اسی طرح عراق و خراسان کی وطنی زبان فارسی تھی کچھ عرصہ کے بعد متروک ہو کر عربی رائج ہوگئی۔ چنانچہ عراق کا ایک بہت بڑا حصہ آج تک عربی زبان کا پابند ہے جس کو عراق عرب ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ البتہ خراسان میں انقلاب و حوادث کی بنا پر پھر فارسیت غالب ہوگئی۔ ممالکِ مغربی یورپ وغیرہ میں بربری زبان رائج تھی، وہاں بھی عربی زبان نے اپنا سکہ جما دیا تھا۔ کما صرح بہ ابن تیمیہ فی الاقتضاء

اور اگرچہ آج مدتِ مدیدہ کے بعد اب عربیت وہاں باقی نہیں رہی لیکن عربی لغت کے بہت سے آثار آج بھی انگریزی، جرمنی اور فرانسیسی زبان میں موجود ہیں، جیسا کہ انگریز مؤرخوں اور بعض مصنفوں نے اس کا اقرار کیا ہے۔

نماز اذان اور خطبہ وغیرہ کو خاص عربی زبان میں رکھنے کا ایک اہم اور سیاسی مقصد ہے

الغرض شعائرِ اسلامیہ نماز اذان تکبیرات اور خطبے جو مشاہد عامہ میں پڑھے جاتے ہیں، ان کو عربی زبان میں ادا کرنے کا سیاسی مقصد ہی یہ تھا کہ لوگ نہ سمجھیں گے اور ہر وقت اس سے سابقہ پڑے گا تو خواہ نخواہ عربی زبان سیکھنے کی طرف توجہ ہوگی جو کہ قرآن و حدیث اور علوم شرعیہ کی ترجمانی زبان ہے اور جس کا سیکھنا مسلمانوں پر فرضِ کفایہ ہے۔ چنانچہ یہی ہوا اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ زبان کا اثر اخلاق و عادات اور معاشرت و معاملات پر بہت گہرا ہوتا ہے عربی زبان کے بھی آثار بخصوصہ اس کے ساتھ ہی ساتھ عالمگیر ہوگئے۔ الغرض ان شعائرِ اسلامیہ کو عربی زبان میں رکھنے کی حکمت ایک سیاسی غرض ہے اور خطبۂ جمعہ میں خصوصیت سے سیاست کا بھی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ دار الاسلام میں خطبۂ جمعہ کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ ان ممالک میں جو جہاد و جنگ کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں خطبہ کے وقت خطیب تلوار باندھ کر خطبہ دے۔ کما صرح بہ فی الدر المختار والشامی ص ۵۵۳/ج ۱ اور سنن

ابوداؤد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تلوار لے کر خطبہ دینا روایت کیا گیا ہے اور اسی حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی باوجودیکہ مسلمان مذہب اور علومِ مذہبی سے کوسوں دُور جا پڑے ہیں، لیکن ہنوز ان میں قرآنی زبان کے ساتھ ایک خاص تعلق باقی ہے کہ ادنیٰ اشارہ سے مطلب سمجھ لیتے ہیں اور اسی طرح عام مسلمان اپنے مرکز کے ساتھ مربوط ہیں۔ تعجب ہے کہ مسلمان اس حکمت کو نہیں سمجھتے بلکہ اعتراضات کرتے ہیں اور دوسری قومیں اس کا احساس کرتی ہیں اور اقرار کرتی ہیں۔

یورپین مؤرخوں کا اعتراف ڈاکٹر گستاؤلی بان کہتا ہے کہ زبان عربی کی نسبت ہم کو وہی کہنا ہے جو ہم نے عربی کی نسبت کہا ہے، یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کرسکتے تھے عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کر لیا۔ یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیلی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی، یونانی، قبطی، بربری وغیرہ کی جگہ لے لی۔ ایران میں ایک مدت تک عربی زبان قائم رہی اور اگرچہ اس کے بعد فارسی کی تجدید ہوگئی، لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اُسی زبان میں ہوتی ہیں۔ ایران کے کُل علوم و مذہب کی کتابیں عربی میں لکھی گئی ہیں۔ ایشیا کے اس خطہ میں زبان عربی کی وہی حالت ہے جو زمنۂ وسطیٰ میں لاطینی زبان کی حالت یورپ میں تھی۔ ترکوں نے ممالکِ عرب فتح کرنے کے بعد انھیں کی طرزِ تحریر اختیار کر لی۔ وہاں کے کم استعداد لوگ بھی قرآن کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔ یورپ کی لاطینی اقوام میں بھی عربوں نے اپنے تسلط کے بیّن آثار چھوڑے ہیں۔ موسیو ڈوزی اور موسیو انگلمین نے مل کر زبانِ اندلس و پرتگال کے ان الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہیں، ایک لغت تیار کر لی ہے۔ فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے۔ موسیو سدی لکھتا ہے کہ "اووَرن اور لیموزین کی زبان بھی عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہوگئی ہے اور ان

کے ناموں کی صورت بالکل عربی ہے" (منقول از تحقیق الخطبہ للعلامہ عثمانی رح)

دیکھیے اگر اگلے زمانہ کے مسلمان بھی ہماری طرح رائے رکھتے کہ خطبات تکبیرات وغیرہ شعائرِ اسلامیہ کو ملکی زبان میں کر دیا جائے تو آج عربی زبان کی وہ امتیازی خصوصیات جن کا سکہ دوسری اقوام کو بھی ماننا پڑا ہے کس طرح محفوظ رہ سکتیں۔ پس عقلاً و نقلاً یہ بات منقح اور صاف ہو گئی کہ خطبات کو اور بالخصوص خطبۂ جمعہ کو عربی زبان ہی میں رکھنا چاہیے۔ اس کا ترجمہ کرنا بھی مناسب نہیں۔

خطبۂ جمعہ وعیدین میں فرق

خطبۂ جمعہ وعیدین ونکاح قولِ مختار کے موافق اس بات میں سب شریک ہیں کہ جب خطیب خطبہ پڑھے تو کلام و سلام حتیٰ کہ ذکر و تسبیح وغیرہ سب ناجائز ہوتے ہیں بلکہ خاموش بیٹھنا اور خطبہ سننا ضروری ہو جاتا ہے۔ قال فی الدر المختار وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبۃ نکاح وخطبۃ عیدین وختم وخطبۃ الاستقاء

لیکن چند امور میں خطبۂ جمعہ و عیدین میں فرق ہے۔ (۱) خطبۂ عیدین خطبۂ جمعہ کی طرح نماز کے لئے شرط نہیں۔ (۲) خطبۂ عیدین فرض وواجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ (۳) خطبۂ عیدین بعد نمازِ عید پڑھا جائے۔ پہلے نہیں۔ کما قال الشامی باب العیدین منہ ۵۵/۱ امورِ مذکورہ پر نظر کرتے ہوئے اگر خطبۂ عیدین میں عربی پڑھ کر ترجمہ کیا جائے تو مضائقہ نہیں، کیونکہ اول تو اس خطبہ کی وہ شان نہیں کہ شرطِ صلوٰۃ اور قائم مقام رکعتین ہو، ثانیاً چونکہ یہ بعد نمازِ عید ہوتا ہے تو جب خطبہ عربی سے فراغت ہو گئی تو نمازِ عید اور اس کی سنت ادا ہو گئی اب خالی وقت ہے۔ اس میں بطورِ تبلیغ احکام کا ترجمہ سنا دیں تو مضائقہ نہیں اور تطویل خطبہ بھی لازم نہیں آتا، کیونکہ ترجمہ کے وقت اگر کوئی جانا چاہے تو شرعاً کوئی حرج نہیں بخلاف خطبہ جمعہ کے وہاں ابھی تک نماز نہیں ہوتی۔ نماز کا انتظار لامحالہ ضروری ہے

لیکن اس میں بھی مناسب یہ ہے کہ منبر سے نیچے اُتر کر ترجمہ سنایا جائے تاکہ خطبہ اور اُردو ترجمہ میں فرق ظاہر ہو جائے۔ واللہ سبحانہٗ و تعالیٰ اعلم۔

اب ہم وہ تقریظ درج کرتے ہیں جو رسالہ الاعجوبہ پر حضرت مجدّد الملّت حکیم الامّت سیّدنا و سندنا حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرّہ الاقدس نے تحریر فرمائی ہے اور اس مسئلہ میں مختصر مگر بہت مفید ہے۔

بعد الحمد والصلوٰۃ میں نے یہ رسالہ مولفہٗ جامع الکمالات العلمیۃ والعملیۃ مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند دام فیضہٗ نہایت شوق و رغبت سے دیکھا بے حد پسند کیا۔ بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع میں بے نظیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور شبہات کا دافع فرمائے۔ بطورِ تذنیب میں بھی بعض فوائد مناسبہ اس کے ساتھ ملحق کرنا چاہتا ہوں (۱) بڑی بناء عقلی غیر عربی میں خطبہ جائز رکھنے والوں کی یہ ہے کہ یہ تذکیر ہے اور تذکیر مخاطبین کی زبان میں ہونا چاہیئے ورنہ عبث ہے۔ اس کا ایک جواب تحقیقی ہے اور ایک الزامی۔ تحقیقی یہ ہے کہ اس کا تذکیر ہونا مُسلّم نہیں۔ خود قرآن مجید میں اس کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ قال تعالیٰ: فاسعوا الیٰ ذِکرِ اللہ (الآیہ) بالخصوص مذہب حنفی کی اس تصریح پر (کفت تسبیحۃ او تحمیدۃ) اور تسبیح و تحمید کا تذکیر نہ ہونا ظاہر ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ صرف ذکر ہے تذکیر نہیں الا تبعا۔ اور الزامی یہ ہے کہ قرآن مجید بنصِ قرآنی تذکیر ہے۔ قال تعالیٰ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ تو چاہیئے کہ اس کو بھی نماز میں حاضرین کی زبان میں پڑھا کریں۔ پس جس طرح اس کا عربی زبان میں پڑھنا امر تعبدی ہے۔ اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا (۲) اور بڑی بنا نقلی دعویٰ مذکورہ کی یہ ہے کہ امام صاحب نے نماز میں قرأت فارسی کو جائز فرمایا ہے۔ اس کا ایک جواب نقلی ہے ایک عقلی۔ نقلی تو یہ ہے کہ امام صاحب نے اس قول سے رجوع فرما لیا ہے۔

پس اس سے استدلال کرنا ایسا ہے جیسا آیۂ منسوخہ یا حدیثِ منسوخ سے استدلال کرنا اور عقلی یہ ہے کہ امام صاحب کے اس قول مرجوع عنہ کی بنا یہ نہ تھی کہ قرآن تذکیر ہے، اس لئے غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے۔ اگر یہ بنا ہوتی تو جزئیہ کفایت تسبیح و تحمید کا اس سے تعارض ہوتا وھو باطل۔ پس اس سے استدلال کرنا تاویل القول بمالا یرضیٰ بہ القائل کے قبیل سے ہے۔ (۳) رسالہ میں عیدین کے خطبہ عربی کے بعد اس کے ترجمہ وغیرہ کی اجازت دی ہے۔ اس میں ہیئت اوفق بالسنۃ یہ ہے کہ خطبہ سے فارغ ہو کر منبر سے نیچے اتر کر بیان کرے۔ اس کی دلیل اپنے ایک رسالہ سے بلفظہا نقل کرتا ہوں وھو ھٰذا: تقریر المرام انہٗ روی مسلم عن جابرؓ فی قصہ یوم الفطر ثم خطب النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم فلما فرغ نزل فاتی النساء فذکرھن الحدیث وروی البخاری عن ابن عباس بعد وعظ النساء ثم انطلق ھو وبلال الیٰ بیتہٖ فقولہ فرغ ونزل وانطلق الیٰ بیتہٖ نص فی کون ھذا التذکیر بعد الخطبۃ وانہ لم یکن علی المنبر وانہ لم یعد الیٰ المنبر ولما کان ھٰذا الکلام غیر الخطبۃ لخلوہٖ عن الخطاب العام الذی ھو من خواص الخطبۃ ثبت بہ ان غیر الخطبۃ لا ینبغی ان یکون فی اثناء الخطبۃ و لا علیٰ ھیئۃ الخطبۃ ولاشک ان التذکیر بالھندیۃ لیس من الخطبۃ المسنونہ فی شیءٍ لان من خواصہا المقصودۃ کونہا بالعربیۃ لعدم نقل خلافہا عن صاحب الوحی او السلف فلما لم یکن ھٰذا التذکیر الھندی خطبۃ مسنونۃ کان الاوفق بالسنۃ کونہا بعد الفراغ عن الخطبۃ وتحت المنبر وھو المرام

کتبہٗ اشرف علی التھانوی عفی عنہٗ

ذنبہ الجلی والخفی لمنتصف شوال المکرم سنۃ ۱۳۵۰ھ

نوٹ:- مسئلہ کراہت خطبہ عجمیہ و مخلوطہ پر جو کچھ لکھا جا چکا وہ اگرچہ بالکل کافی وافی اور شافی ہے

تاہم اس خیال سے کہ احیاءِ سنّتِ سنیہ کے اجرِ عظیم سے اس ناکارہ کو بھی کچھ حاصل ہوسکے چند امور بطور خلاصہ تذییل کے عنوان سے درج کرنا اپنے لئے مایۂ سعادت سمجھا۔

تذییل

(از احقر مولفِ خطبات)

مسئلہ خطبۂ مخلوطہ یا عجمیہ میں چند امور قابلِ غور ہیں جو نہایت اختصار کے ساتھ درج ہیں۔ اُمید کہ حضرات علماءِ کرام نہایت عمیق نظر سے ملاحظہ فرماکر اس مسئلہ میں صحیح رائے قائم فرماسکیں گے۔

(۱) جب کہ خطبۂ جمعہ کی عربیت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین بلکہ تمام سلفِ صالحین کی مواظبت ثابت ہے، تو اس کے سنّتِ موکدہ ہونے سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے۔

(۲) جب بلادِ عجم کے مفتوح ہوجانے کے بعد باوجود ضرورتِ تبلیغ زبانِ خطبہ نہیں بدلی گئی تو پھر خطبہ کی عربیت کو سننِ عادیہ میں کیسے شمار کیا جاسکتا ہے؟

(۳) جب توارثِ مسلمین بھی قابلِ اتباع بلکہ واجب الاتباع مانا گیا ہے تو پھر عربی خُطبہ کے سُنّتِ موکدہ قویہ ہونے میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے۔ قال فی الدر ان المسلمین توارثوا فوجب اتباعھم الخ ای ثبت وتاکد

(۴) جبکہ سنّتِ موکدہ قویہ کے ترک سے کراہتِ تحریمہ پیدا ہوجانا فقہاؒ نے تسلیم کیا ہے۔ کما فی الشامی عن البحر $\frac{439}{1}$ مجتبائی اور ترک السنة الموکدة قریب من الحرام (شامیؒ از بحر $\frac{319}{1}$) کہا ہے تو پھر اس سنّتِ موکدہ متوارثہ کے ترک پر کیسے جرأت کی جاسکتی ہے اور ایسی سُنّت کے ترک پر کراہتِ تحریمہ پیدا ہوجانے سے کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے، جبکہ کراہتِ تحریمہ کا مفہوم بھی یہی

ع‌ل یعنی وہ حضرات جو کراہتِ تحریمہ میں متردد ہیں ۱۲

بتایا گیا ہے۔ (شامی ص ۹۸/۱)

(۵) جب کتبِ فقہ احناف میں صحّ - جاز - اجزأ (بروایت امام محمد در مسئلہ قرأۃ بالفارسیہ) کا مطلب عموماً سقوط عن الذمہ بیان کر دیا گیا ہے تو صاحبِ ہدایہ وغیرہ کی ایسی عبارتوں سے جائز بلاکراہت کیسے مُراد لیا جاتا ہے۔ قال الشامی والظاہر ان الصحۃ عندہٗ لا تنفی الکراھۃ ص ۴۸۶/۱ خصوصاً مسئلہ صحت الشروع بالفارسیہ میں جبکہ اس میں کراہت کی تصریح تمام فقہا نے نقل کی ہے اور مسئلہ خطبہ بالفارسیہ کو اسی پر محول کیا ہے۔

(۶) جب مسئلہ شروع بغیر لفظ التکبیر و قراۃ بالفارسیۃ میں وجہ کراہت واساءۃ مخالفت سُنّتِ متوارثہ ہی ہے۔ (کما قال فی الھدایۃ ص ۸۶/۱ الا انہ یصیر مسیئاً لمخالفۃ السنۃ المتوارثہ ام) تو پھر خطبۂ عجمیہ یا مخلوط میں اس کراہت واساءۃ سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے، حالانکہ وہی علت یہاں بھی موجود ہے۔

(۷) جب تمام فقہاء احناف اصل مسئلہ میں جواز مع کراہتِ تحریمہ کا حکم امام صاحب سے نقل کر کے وکذا الخلاف وعلیٰ ھٰذا الخلاف کہہ کر تشہد و خطبہ اور جمیع اذکارِ صلوٰۃ کا وہی حکم بتلاتے ہیں تو پھر غیر عربی خطبہ میں کراہتِ تحریمہ کیوں تسلیم نہ کی جائے۔ اگر جواز بلاکراہت یا عدم جواز کا اختلاف ان مسائلِ متفرعہ محولہ میں ہوتا تو فقہا اس کی ضرور تصریح فرماتے کما ھو دأبھم فی التفاصیل

(۸) جب مخلوط خطبہ میں علاوہ مخالفت سنّتِ متوارثہ مؤکدہ کے خطبۂ مسنونہ کی جگہ خطبۂ مکروہہ بن جاتا ہے اور امر باقصار الخطبہ (کما رواہ ابوداؤد عن عمارؓ) کی مخالفت لازم آتی ہے تو پھر اس کے مکروہِ تحریمی ہونے سے انکار کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

(۹) جب سرخسیؒ نے اپنی مبسوط میں اصل مسئلہ کے اندر کراہت تحریمہ ثابت کر کے ان مسایل متفرعہ میں وکذا الخلاف کہہ کر ان کا حکم اصل مسئلہ پر محول کر دیا ہے تو اب ابو السعودؒ کی عبارت فتح المعین پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عبارت میں اختلاط ہو گیا ہے۔ فلیتأمل با معان النظر۔

(۱۰) جب اصل مسئلہ یعنی قرأت بالفارسیہ میں (جس کے حکم پر ان سب اذکار و خطبہ وغیرہ کا حکم محول ہے) امام صاحبؒ سے رجوع ثابت ہے۔ کما صرح بہ فی رد المختار تو اب خطبۂ عجمیہ کا جواز بھی ثابت نہ رہا چہ جائیکہ عدم کراہت

(۱۱) اگر ان تمام وجوہ سے کوئی آنکھ ہی بند کر لے تب بھی سوائے مجنون کے اور کوئی شخص اس مسئلہ فقیہہ کے مختلف فیہا ہونے سے انکار نہیں کر سکتا اور یہ اختلاف قائلین بالکراھۃ یا مانعین عن العجمیۃ احناف سے گذر کر شوافع سے بھی ہے کہ ان کے یہاں عربیت نہ صرف سنّت بلکہ شرطِ صحتِ خطبہ ہی عربیت ہے کما صرح بہ النوویؒ والرافعیؒ (اس کی تفصیل الاجوبہ میں ہے) ایسی حالت میں کیا خروج عن الاختلاف احسن و اولیٰ نہ ہوگا ؟ اور کیا بقاعدۂ فقیہہ اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ اولیٰ ص۴۳۱ ج۱ شامی ۔ خطبہ عجمیہ یا مخلوطہ سے احتراز بہتر نہ ہوگا ؟ (تردد بخیال مجوزین کہا گیا ہے، ورنہ در اصل تردد بھی نہیں ہے) اور بفحوائے حدیث دع ما یریبک الیٰ ما لا یریبک ۔ خطبہ مخلوطہ کا رواج ترک کرنا اور خالص عربی خطبہ دینا کیا مناسب نہ ہوگا ؟ کہ اس میں نہ کراہت کا اختلاف ہے نہ جواز و عدم جواز کا اور مخلوطہ یا عجمیہ میں یہ سب اختلاف ہیں ۔ اگر انصاف سے بلا لحاظ عادت قوم و رواج غور کیا جائے تو شاید ناظرین کو سلامتیٔ دین کا یہ طریق سمجھ میں آجائے ۔ انی رأیت احد عشر کوکبًا فی ھٰذہ المسئلۃ فاستفدت منھا واخترت

سبیل السالفین رجاء ان یلحقنی ربی بالصالحین وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین ط

ایک اور تازہ مصیبت عربی اردو مخلوط خطبہ میں یہ پیدا ہو گئی ہے کہ قابل اور مستند علماء کی نقل اتارتے ہوئے غیر مستند اماموں نے کتابی خطبہ پڑھنے کی بجائے تقریر کرنا یا اردو کے مختلف رسالوں سے مضامین نقل کر کے بیان کرنا شروع کر دیا ہے اور اس طرح اماموں کو اپنے غلط یا صحیح خیالات و جذبات بیان کرنے میں آزادی مل گئی ہے۔ اس لئے جو جس کے جی میں آرہا ہے الٹا سیدھا کہہ رہا ہے۔ چونکہ یہ صرف نقال ہیں اور علم صحیح کی روشنی میں کسی تحریر کو جانچنے کی قابلیت نہیں رکھتے، اس لئے ضعیف اور موضوع روایات غلط احکام نادانستہ طور پر بیان کر دیتے ہیں، جس سے بجائے فائدہ کے اور گمراہی بڑھ رہی ہے۔ اس مصیبت کی روک تھام بھی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ خالص عربی خطبہ پڑھنے پر ان کو مجبور کیا جاوے۔ دوسری ایک زبردست خرابی یہ پیدا ہو رہی ہے کہ تقریر میں پبلک کے خلاف ایسا طرزِ بیان بعض دفعہ بے اختیار یا بالقصد آجاتا ہے کہ عوام اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے اثناء خطبہ میں ہی امام کو برا بھلا کہنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جس سے اس عظیم الشان عبادت خطبہ یا ذکر اللہ کی توہین لازم آتی ہے۔ شریعت کی نگاہ میں خطبہ کا اس قدر بڑا مرتبہ ہے کہ فقہاء نے اثناءِ خطبہ میں زبان سے درود شریف پڑھنے کو بھی ناجائز کہا ہے۔ (کمافی ردالمختار) اور بات کرنے سے بھی منع کیا ہے حتیٰ کہ کسی دوسرے بات کرنے والے کو منع کرنا بھی بحالتِ خطبہ جائز نہیں۔ حدیث میں ہے کہ:

اذا قلت لصاحبك یوم الجمعۃ انصت والامام یخطب فقد لغوت (للستۃ جمع الفوائد ص ۱۱/۱۲) مگر ہمارے اردو خطبہ کے رواج سے اس زبردست عبادت کی توہین ہو رہی ہے۔ جنوبی ہند کی

مساجد میں بعض جگہ اس قسم کے واقعات پیش آچکے ہیں اور آئندہ آتے رہیں گے کیونکہ بے دینی اور بے ادبی بڑھتی جا رہی ہے اور غلط قسم کی آزادی کی زد سب سے زیادہ مذہب اور مذہبیات پر پڑ رہی ہے، اس لئے مستند اور غیر مستند امام و علماء سب ہی کو اس کی روک تھام کے لئے اردو خطبہ ترک کر دینا چاہیئے۔ وعظ میں پبلک سے ایسے افعالِ شنیعہ کا صدور اتنا مضر نہیں جتنا کہ اثناءِ خطبہ میں مضر ہے۔ سمجھ دارو! اب بھی سمجھ لو، دُور تک نظر دوڑاؤ، ورنہ یاد رکھو کچھ عرصہ میں تمھاری ہر عبادت کھیل اور فساد کا اکھاڑا بن جائے گی۔ وعظ و تبلیغ و تعلیم دین کے دوسرے طریقے اختیار کرو، جن سے بغیر کسی مضرت کے فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں احیاءِ سنن کی توفیق دے۔

خالص اُردو اور اُردو عربی مخلوط خُطبہ کے متعلق

حُکمِ شرعی

استفتاء:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ابقاہم اللہ تعالیٰ الیٰ یوم الدین مسائلِ ذیل میں (۱) کہ نمازِ جمعہ کا خطبہ خالص اردو وغیرہ زبان میں یا اردو عربی مخلوط خطبہ کا دینا شرعاً کیسا ہے۔ (۲) اذانِ خطبہ سے قبل ممبر سے نیچے اذانِ جمعہ کے بعد اس طرح تعلیم احکام کے لئے وعظ کرنا کہ وعظ کے بعد لوگ سُنتیں پڑھ لیں۔ پھر اذانِ خُطبہ ہو، جس کے بعد خالص عربی خطبہ پڑھا جائے، عند الشرع کیسا ہے۔ اس طرح کرنے سے لوگوں کو نفلیں، تلاوۃِ قرآن و سورۂ کہف وغیرہ کا موقعہ نہیں ملتا۔ صرف سُنتوں کا وقت ملتا ہے: کیا مندرجۂ بالا طریقہ پر وعظ کہنا بدعت ہوسکتا ہے، بیان فرما کر اجر دارین حاصل کریں۔

المستفتی : مسکین عبدالمنین عفی عنہٗ

جواباتِ مستند علمائے کرام

(نوٹ) اس استفتاء کے جوابات بہت سے علمائے کرام نے نہایت مدلل اور مفصل تحریر فرمائے ہیں۔ تمام کا مفصل طبع کرانا بوجہ کمی خرچ مشکل ہوا۔ لہٰذا ایک جواب ملخصاً نقل کر کے بقیہ حضرات کے دستخط مع اضافاتِ خاصہ درج کئے گئے ہیں، جن کی اصل ہمارے پاس محفوظ ہے:-

جواب از شیخ العلماء والمحققین، زبدۃ الاصفیاء و المتقین مولانا سید عبد اللطیف صاحب ناظمِ اعلیٰ مدت فیوضہ و دیگر علماءِ مدرسہ مشہورہ معتمدہ مظاہرِ علوم سہارنپور

الجواب :- بعد حمد و صلوٰۃ (۱) تمام خطبہ عربی ہی میں ہونا سنتِ مؤکدہ متوارثہ ہے۔ اردو یا اردو عربی میں پڑھنا بدعتِ سیئہ اور مکروہِ تحریمی ہے۔ یہی مفتی بہ اور قابلِ عمل ہے۔ اس کے خلاف کرنا مکروہِ تحریمی ہے جو گناہ سے خالی نہیں۔ قال العلامۃ عبد الحی لکھنوی رح

ومن ذالك الخطبة يوم الجمعة و في العيدين بغير اللسان العربي او ترجمتها بالعجمي احدثوا ذالك بعد قرون الخير بلا اشارة علم (الى ان قال) والصحابة رضى الله عنهم مع توفر دواعيهم على تعليم الخلق والنصيحة لم كان فيهم العجمي من لا يعرف العربي وكثرت الاعاجم حين فتحوا بلادهم

ترجمہ :- اور (بدعات میں) سے خطبہ جمعہ و عیدین کا غیر عربی زبان میں عجمی زبان میں ترجمہ کیا جانا (بھی) ہے۔ لوگوں نے زمانۂ خیر القرون کے بعد ایجاد کر لیا ہے حالانکہ اس زمانہ میں مخلوق کی تعلیم اور نصیحت کے لئے ترجمہ وغیرہ کیا جانا بہت ضروری تھا اُن میں عربی نہ جاننے والے عجمیوں کی کثرۃ تھی جبکہ انھوں نے فارس و رُوم کے بہت سے

الفارس والروم لم يعهد منهم الخطبة
بغير اللسان العربي ولم يوثر منهم ترجمتها
لافهام المخاطبين ولا امروا بذالك
احدًا فاذا كان لا يخطب احد منهم
بالعجمي ولا يترجمها ولا يأمر بذالك
كان ترك هٰذه المصلحة والفضل
الموهوم مستلزمًا لعدم علم الرسول
صلى الله عليه وسلم وخير القرون
بطريقة ابلاغ الدين اولكتمانهم من
بعض عباد الله وتقصيرهم في الابلاغ
والتذكير المقصود الاصلي في الخطبة
(كما زعموا) وكل واحد من اللوازم
منتف بالشرع والعادة مع وجود
المقتضى وهو تعميم الابلاغ وتعليم
جميع المخاطبين من عجمي وعربي
وعدم المانع من ذالك مما منعهم
الاكراهة ان يتعود الرجل بغير
العربية التي هي شعار الاسلام و
لغة القرآن (الى ان قال) فكان هٰذا
لاجرم من سنة الخطب ومن شرائطها
في السنة والادب - وترجمتها بغير

شہر فتح کر لئے تھے۔ باوجود اس کے اُن سے
عجمی زبان میں خطبہ دینا یا ترجمہ کرنا بالکل ثابت
نہیں۔ نہ خود انھوں نے ایسا کیا، نہ کسی کو
ایسا کرنے کا حکم دیا۔ پس کسی نے عوام کو
سمجھانے کی مصلحت موہومہ کی وجہ سے
نہ خود عجمی خطبہ یا ترجمہ اختیار کیا اور نہ کسی
کو ایسا حکم دیا تو اگر یہ مصلحت واقعی قابل
اعتبار ہے تو لازم آتا ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اور خیر القرون کے خلفاء
صحابہ و تابعین یا تو اس مصلحت کو سمجھے نہ
تھے (جس کو آج کے بدعتین سمجھے ہیں) اور
یا انھوں نے قصداً اس نفع بخش طریقہ کو
چھوڑ کر تبلیغ احکام میں کوتاہی کی اور خطبہ
سے جو مقصود بتایا جاتا ہے (یعنی تبلیغ و
نصیحت وغیرہ) اس کو ادا نہ کیا اور اللہ کے
بندوں سے جان بوجھ کر حق کو چھپایا۔
(نعوذ باللہ من ذالک) حالانکہ دونوں باتیں
غلط ہیں۔ وہ نہ طریق تبلیغ سے ناواقف تھے
نہ انھوں نے تبلیغ میں کوئی کوتاہی کی۔ اس
کے باوجود عجمی یا ترجمہ محض اس لئے اختیار
نہیں کیا کہ صحابہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم

العربیة من شر الامور محدثاتھا لا یرضی بہ اللہ ولا رسولہ ولاجل ذالک جعل اھل العلم کون الخطبة بالعربیة شرطاً لصحة الخطبة واداء السنة

نے یہ مکروہ سمجھا کہ لوگ غیر عربیت کے عادی ہوجائیں، حالانکہ عربیت اسلام کا شعار اور قرآنِ کریم کی زبان ہے۔ پس لامحالہ خطبہ کے آداب اور سنن و شرائط میں سے خطبہ کا عربی میں ہونا ثابت ہوا اور

اس کا ترجمہ ان بُرے کاموں میں سے ہے جو دین میں ایجاد کئے گئے ہیں، جن سے اللہ اور اس کا رسول ہرگز راضی نہیں اور اسی لئے اہلِ علم نے خطبہ عربی ہونے کو صحتِ خُطبہ کی شرائط میں سے شمار کیا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ خُطبہ کے صحیح ہونے کے لئے عربی میں ہونا شرط ہے الیٰ آخرہ۔ قال الامام النووی فی الاذکار فی کتاب حمہ اللہ تعالیٰ ویشترط کونھا یعنی الخطبة الجمعة وغیرھا بالعربیة مجموعۂ فتاویٰ صـ ۲۵۷/۲۶ اور ہدایہ میں جو علیٰ ھذا الخلاف الخطبة والتشھد سے جواز نکلتا ہے وہ مع الکراھة ہے خاص کر جب کہ امام اعظمؒ سے اصل مسئلہ میں رجوع بھی ثابت ہے۔ لان الاصح رجوعہ الیھما وعلیہ الفتویٰ درمختار صـ ۵۰۵/۱۶ والاصح رجوع الامام الیٰ قولھما مجمع الانھر صـ ۱۳/۲ کبر بالفارسیة صح فی الکل مع کراھة التحریم علی الراجح کما حررہ فی البحر وکذا الوقرء بھا عاجزا عن العربیة بشرط ان لا یخل بالمعنیٰ وھذا قولھما وبہ قالت الثلاثة والیہ صح رجوع الامام وعلیہ الفتویٰ قالہ العینی وغیرہ اھ درمنتقی صـ ۹۳/۱۶ وروی ابوبکر الرازی ان ابا حنیفةؒ رجع الیٰ قولھما وعلیہ الاعتماد لتنزلہ منزلة الاجماع اھ عنایة صـ ۲۰۱/۱۶

(۲) طریقۂ مذکورہ میں کوئی چیز خلافِ سُنّت نہیں فقط

حررہ العبد محمود گنگوھی عفا اللہ عنہ،
معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۶۱/۲/۲۴

جوابات درست ہیں۔
سید احمد مفتی مدرسۂ مظاہر علوم
صحیح
عبد اللطیف عفا اللہ عنہٗ۔ ناظم اعلیٰ مدرسۂ مظاہر علوم

از سراج الملۃ حکیم الامۃ مولانا شاہ اشرف علی قدس اللہ سرہ الاقدس
بقلم مفتی صاحب خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون

(۱) بعد حمد و صلوٰۃ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت خطبہ بالعربیہ پر ظاہر ہے اور عربیت کی مقصودیت حضرات صحابہ رضؓ کے طرزِ عمل سے ثابت ہے۔ جب عربیت مقصود بالمواظبۃ ہوئی تو اس کی قید کی رعایت سنتِ مؤکدہ ہوگی اور ترکِ سنتِ مؤکدہ کو فقہا نے موجب اثم اور بعض جزئیات میں موجب فسق قرار دیا ہے جو کراہتِ تحریمہ پر دلالت کے لئے کافی ہے۔ کما فی الدر المختار ص ۴۰۸ ج ۱ (ملخصاً) (۲) بطریقِ مذکور وعظ میں کوئی حرج نہیں۔ نوافل و تلاوۃِ قرآن وغیرہ سے عوام کا وعظ و احکام سننا افضل ہے۔ طلب العلم والفقہ اذا صحت النیۃ افضل من قراۃ قل ھو اللہ احد خمسۃ الاف مرۃ (عالمگیریہ ص ۲۵۰ ج ۶) وفی التتارخانیہ وتعلم الفقہ اولیٰ من تمام القرآن الخ ملخصاً

ترجمہ:۔ صحیح نیت کے ساتھ علم و فقہ طلب کرنا پانچ ہزار بار قل ہو اللہ پڑھنے سے افضل ہے اور تتارخانیہ میں ہے کہ مسائل طلب کرنا پورا قرآن (بغیر سمجھے) پڑھنے سے افضل ہے۔

کتبہ احقر جمیل احمد تھانوی
مفتی خانقاہِ اشرفیہ، تھانہ بھون، ۲۶ر صفر سنہ ۶۱ھ

خطبہ جمعہ اولی ماہِ محرم در تردیدِ بدعات

فضائلِ عاشوراء اور بدعاتِ محرم کے احکام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَدَارَ عَلَیْنَا السِّنِیْنَ وَالشُّھُوْرَ وَالْاَیَّامَ ۝ بَدَءَ السَّنَۃَ بِالْمُحَرَّمِ وَخَتَمَ بِذِی الْحَجَّۃِ الْحَرَامِ ۝ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ الْمَلِکُ الْعَلَّامُ ۝ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ الَّذِیْ بُعِثَ اِلٰی کَافَّۃِ الْاَنَامِ ۝ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْکِرَامِ ۝ اَمَّا بَعْدُ فَیَا اَیُّھَا النَّاسُ اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِیْ

بِتَقْوَى اللّٰهِ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ○ ثُمَّ
اعْلَمُوا اَنْ قَدْ اَظَلَّ عَلَيْكُمْ شَهْرُ مُحَرَّمِ الْحَرَامِ ○
اَلَّذِي اسْتُحِبَّ فِيْهِ الصِّيَامُ ○ فَقَدْ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ○ صِيَامُ
يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُكَفِّرَ
السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ ○ صُوْمُوا التَّاسِعَ وَالْعَاشِرَ ○ صُوْمُوْا
عَاشُوْرَاءَ ○ وَخَالِفُوْا فِيْهِ الْيَهُوْدَ صُوْمُوْا
قَبْلَهُ يَوْمًا وَّبَعْدَهُ يَوْمًا وَقَالَ عَلَيْهِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ○ مَنْ وَسَّعَ عَلٰى عِيَالِهِ
فِي النَّفَقَةِ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

[1] جمع الفوائد ١٢ [2] جمع الفوائد ١٢ [3] جمع الفوائد ١٢ [4] جمع الفوائد

سَائِرِ سَنَتِهٖ ۝ وَاحْذَرُوْا اَيُّهَا النَّاسُ مِنَ
الْمُنْكَرَاتِ فِيْهَا فَاِنَّهَا ظَلَامٌ ۝ لَا تَجْعَلُوْهُ
عِيْدًا وَّلَا مَاْتَمًا ۝ وَلَا تَتَّخِذُوْا فِيْهِ
الضَّرَائِحَ وَالْاَعْلَامَ ۝ وَمَا يَلِيْهَا مِنَ
الْبِدْعَاتِ وَالْمَلَاهِيْ وَالْاٰثَامِ ۝ اَعُوْذُ
بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ
ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ بَارَكَ[؏] اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ
فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ
وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ
كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَّءُوْفٌ الرَّحِيْمُ ۝

؏ یہ جملہ حفظ کرلیں۔ ہر جگہ نہیں لکھا جائیگا ۱۲ **نوٹ** : خطبۂ ثانیہ حصۂ دوم کے آخر میں دیکھیں۔

وعظِ جمعہ اول ماہِ محرّم دربیانِ فضائلِ عاشوراء وبدعاتِ محرّم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْدُ۔ برادرانِ ملّت! اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سالِ گزشتہ ختم ہوکر نیا سال اپنی تمام برکتوں کے ساتھ ہمارے لئے آپہنچا۔ یہ ماہِ مبارک اور اس کی دسویں تاریخ کا دن بارگاہِ قدس میں بڑی فضیلت رکھتا ہے۔

لہٰذا ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیئے۔ ماہِ محرّم کی صحیح عزّت وقدر یہ ہے کہ اس میں جن کاموں کا انجام دینا باعثِ برکت وثواب ہے ان کو خیال سے کیا جائے اور جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا گیا، اُن سے پرہیز کیا جائے۔ بزرگو! اس ماہ میں خصوصیت کے ساتھ جو کام کرنے چاہئیں وہ دو ہیں۔ ایک یہ کہ فرائض وواجبات سننِ موکدات کو انجام دیتے ہوئے نویں اور دسویں تاریخ کا روزہ رکھا جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزۂ رمضان کے علاوہ تمام روزوں میں افضل روزہ عاشوراء کا ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا، مجھے اُمید ہے اللہ تعالیٰ سے کہ عاشوراء کا روزہ گذشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے، یعنی گذشتہ سال جس قدر بھی صغیرہ گناہ ہوئے ہوں اس روزے کی برکت سے معاف ہوجائیں گے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ "تم عاشورا کا روزہ رکھو اور اس روزہ کے رکھنے میں یہود کی مخالفت کرو۔ (اس طرح کہ) عاشورا سے ایک دن پہلے کا یا ایک دن بعد کا روزہ رکھو"۔ ہمارے فقہاء احناف کا بھی یہی مسلک رہا ہے کہ تنہا عاشوراء کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ دوسرا کام یہ ہے کہ اس روز اپنے اہل وعیال کے لئے کھانا وغیرہ اچھا اور زیادہ پکائے اور اس دن اس بارہ میں فراخ دلی سے کام لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عاشورا کے دن اپنے اہل و عیال پر نفقہ میں وسعت کرے اللہ تعالیٰ پورے سال اس پر نفقہ میں وسعت فرمائے گا۔ اب رہے وہ کام جن سے بچنا ضروری ہے ان کے متعلق عرض ہے کہ ہر کام جو عام دنوں میں گناہ ہے، اس کا خاص فضیلت والے ماہ یا دن یا وقت میں کرنا اور زیادہ بُرا ہے۔ اس لئے اس ماہ کی صحیح تعظیم یہ ہے کہ اس میں خصوصیت کے ساتھ تمام گناہوں سے سخت پرہیز کا اہتمام کیا جائے۔ بزرگو! بدعت کے کام تمام دنوں میں حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں، لہٰذا ماہِ محرم میں ان کا کرنا بہت بُرا اور بڑا گناہ ہے۔ یاد رکھئے کہ اہلِ بیتِ اطہار سے محبت رکھنا اور اُن پر گذرے ہوئے مصائب سے دل میں رنج و افسوس محسوس کرنا ہر مسلمان کی سعادت ہے۔ تقاضائے ایمان یہی ہے۔ لیکن ان کے مصائب پر ہر سال غم کا دن منانا اور ماتم کرنا بدعت ہے۔ ہمارے اہلِ سُنّت والجماعت کے مذہب میں یہ سب باتیں ناجائز ہیں۔ نوحہ و ماتم کرنا زمانۂ جاہلیت کی رسم ہے۔ اسلام نے ان تمام رسومات کو مٹا دیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض تین شخص ہیں۔ ایک[1] وہ جو حرم شریف میں گناہ کرے۔ دوسرے[2] وہ جو مسلمان ہو کر جاہلیت کی رسومات اختیار کرے۔ تیسرے[3] وہ جو بلا وجہ شرعی کسی مسلمان کے خون کا پیاسا ہو" (بخاری) تاریخ عرب سے ثابت ہے کہ نوحہ و ماتم کا کفار و مشرکین میں بڑا رواج تھا اور ہمارے حضور صلعم نے عاشورا کا روزہ رکھنے میں بھی یہودیوں کے طرزِ عمل کی مخالفت کرنے کا حکم دیا ہے تو بھلا مشرکین اور کفار کی رسوم حضورؐ کو کیسے گوارا ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا یہ عمل جس طرح ایک مسلمان کو اللہ کے غضب کا مستحق بناتا ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ناراضگی کا بھی باعث ہے۔ اظہارِ غم کے سلسلہ میں دوسرے کام مثلاً زیور اُتار ڈالنا، سیاہ لباس

پہننا، گوشت کھانا چھوڑ دینا وغیرہ یہ سب کام ناجائز ہیں۔ تعزیہ بنانا، اس میں چندہ دینا، علم، پنجے، شدے وغیرہ بنانا، ان کی تعظیم کرنا، اُن پر چڑھاوے چڑھانا، ہار پھول ڈالنا، ان کو متبرک چیز سمجھ کر اُن کے ذریعہ امام حسینؓ سے مُرادیں مانگنا، ان کا جلوس نکالنا، ڈھول بجانا، کھیلنا کودنا، وجد لانا، لنگر پنڈارم چندہ نکالنا، شربت کی گھڑیاں سنوارنا، جوگی یا فقیر بننا، باگھ، شیر، ریچھ اور لنگور بننا اور تماشا دکھاتے پھرنا اور بخشش مانگنا، اور ایسے لوگوں کو دینا، ایسے جلوس کو دیکھنا یہ سب کام بعض ناجائز بعض حرام اور بڑے گناہ ہیں۔ یہ سب امور جاہلیت میں داخل ہیں اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ: اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مِّنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمِيَّ مَوْضُوْعٌ (جمع الفوائد) یعنی یاد رکھو کہ تمام جاہلیت کے کام میرے قدم کے نیچے ہیں۔ مطلب یہ کہ میں نے ان سب کو مٹا دیا ہے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جن چیزوں کے مٹانے میں ہمارے حضورؐ نے تیئیس ۲۳ برس تک لگاتار کوشش فرمائی آج ہم مسلمان ہی ان کو زندہ اور قائم کر رہے ہیں۔

مسلمانو! خدا کے غضب سے ڈرو، ان کاموں سے توبہ کرو اور حضورؐ کے منشا کے مطابق تم بھی ان بدعات و رسوم کے مٹانے میں جان توڑ کوشش کرو۔ بزرگو! ان بدعات کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں جب کفر کی تمام طاقتیں شکست کھا گئیں اور دشمنانِ اسلام کو کھلم کھلا مقابلہ میں کامیابی نہ ہو سکی تو انھوں نے منافق بن کر خفیہ طور پر فتنہ پردازی شروع کی تاکہ اسلامی حکومت کی طاقت کو کم ور کر دیں۔ ان کا سب سے پہلا فتنہ وہ تھا جو حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے زمانے میں پیدا ہوا۔ اس فساد کا بانی ایک یہودی عبداللہ بن سبا تھا، جو بزمانہ خلافتِ عثمانی مدینہ آکر بظاہر مسلمان ہو گیا، مگر اس کے دل میں ترقیٔ اسلام سے حسد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ یہ کچھ دن مدینہ ٹھہر کر فتنہ کی

تدابیر سوچتا رہا۔ پھر یہاں سے بصرہ پہنچا۔ وہاں حکیم بن جبلہ ایک ڈاکو سے سازباز کی اور پھر محبتِ علیؓ کا دعویٰ کرتے ہوئے آپ کے فضائل بکثرت بیان کرکے لوگوں کو گرویدہ کرلیا۔ پھر حضرت علیؓ کے وصیِ رسول اور خلیفۂ بلافصل ہونے کا خیال پھیلایا۔ جب کافی لوگ ہم نوا ہوگئے تو اب عاملینِ خلافتِ عثمانی کے خلاف شکایات کا جال بچھایا اور پھر آپ کو خلافت سے معزول کرنے کی تحریک کی جس کے نتیجہ میں حضرت عثمان غنی رضؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ پھر اس فتنہ سے جنگِ جمل واقع ہوئی، جس میں چالیس ہزار مسلمان مقتول ہوئے۔ پھر اسی تحریک کے اثر سے جنگِ صفین ہوئی جس میں صرف تیس ۳۰ گھنٹے کے اندر ستر ہزار مسلمان مقتول ہوئے۔ اسی دوران میں اس نے خلفاءِ ثلاثہ کو نعوذ باللہ غاصبِ خلافت اور کافر قرار دیا اور پھر آخر میں حضرت علیؓ میں خدائی طاقت و قوت ہونے کا خیال پھیلایا اور اس میں اتنا غلو پیدا کیا کہ حضرت علیؓ میں خود خدا حلول کر آیا ہے۔ نعوذ باللہ یہیں سے اُن کے متعلق خدا ہونے کا عقیدہ پیدا ہوا۔ ابنِ سبا کے یہ تمام خیالات کم علم عام مسلمانوں، قریوں اور جنگلوں کے رہنے والے بدوؤں نے زیادہ تر قبول کئے اور پھر بڑھتے بڑھتے یہی خیالات ان کے عقائد بن گئے اور اس طرح اسلام کی ملتِ واحدہ میں مختلف فرقے پیدا ہوگئے۔ ابنِ سبا کے یہ باطل خیالات عقیدوں کی حیثیت سے آج تک شیعوں کے بعض فرقوں میں بدستور چلے آرہے ہیں، جن کی بنا وہی حُبِّ اہلِ بیت میں غلو اختیار کرنا ہے۔ انھیں سبائیوں میں سے ایک جماعت نے حضرت علیؓ سے اس بنا پر کہ آپ نے مصالحت کے لئے چند اشخاص کو حَکَم تسلیم کرلیا تھا، آپ سے بغاوت اختیار کی اور تقریباً ۵ ہزار فوج کو گمراہ کرکے کسی دوسرے مقام میں حکومت قائم کرلی۔ انھیں کو خوارج کہا جاتا ہے۔ سبائیوں کی اس

جماعت نے سازش کر کے خفیہ طور پر مسجدِ کوفہ میں امیر المومنین حضرت علیؓ کو شہید کرایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مسلمانو! یہ ہے وہ تباہ ناک اسلام دشمنی جو حُبِّ اہلِ بیتِ اطہار کی آڑ لے کر اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ برتی گئی۔ اس مختصر بیان کی تفصیل کے لیئے تاریخ اسلام مصنفۂ اکبر شاہ خاں مرحوم ملاحظہ فرمائیں۔ اس سلسلہ میں چند اور ضروری معلومات انشاءاللہ آئندہ جمعہ میں بیان ہوں گی۔ الغرض محرّم کی تمام رسومات دراصل اُس سبائی تحریک سے اپنا معنوی تعلق رکھتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس ناپاک تحریک کے تمام نشانات صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میرے، آپ کے، مولفِ خطبات اور تمام مسلمانوں کے گناہ معاف فرمائے اور اپنے دین کی، اپنے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیتِ اطہار کی سچی محبّت عطا فرمائے۔ سبائی تحریک کی شرکت وحمایت اور رسومِ جاہلیت وبدعات سے بچائے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلیٰ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ؕ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَہٗ ؕ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ دوم ماہِ محرم الحرام در تردیدِ بدعات

بدعاتِ محرم کی ابتدائی تاریخ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی

وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

وَلَوْكَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ

اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَحْنُ لَهٗ

مُسْلِمُوْنَ ط وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا

مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِىْ بَشَّرَبِهٖ

الْمُرْسَلُوْنَ ط صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ

وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ فَازُوْا كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○

اَمَّا بَعْدُ فَيَا اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِالسُّنَّةِ

فَاِنَّ السُّنَّةَ تَهْدِىْ اِلَى الْاِطَاعَةِ ○ وَمَنْ

اَطَاعَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰى ○

وَاِيَّاكُمْ وَالْبِدْعَةِ ط فَاِنَّ الْبِدْعَةَ تَهْدِىْ

إِلَى الْمَعْصِيَةِ ○ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰى ○ وَقَدْ عَلِمْتُمُ الْمَعْرُوْفَ

فِيْ هٰذَا الشَّهْرِ فَاتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَسَمِعْتُمُ

الْمُنْكَرَاتِ فَاحْذَرُوْهَا اَنْ تُذِلَّكُمْ تَذْلِيْلًا ○

وَاعْلَمُوْا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ ○ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ

اللّٰهِ ○ وَخَيْرُ الْهُدٰى هَدْيُ مُحَمَّدٍ ○ وَشَرُّ

الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا ○ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ○

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ○ وَمَنْ

يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ

الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ

نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ

مَصِيْرًا ۔ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ

الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَ

الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ

كَرِيْمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

وعظِ جمعہ دوم از ماہِ محرم الحرام دربیانِ مذمت و تاریخ بدعات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ برادرانِ ملت! اللہ کا حکم ہمارے لئے یہ ہے کہ مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا یعنی رسولِ محترم صلّی اللہ علیہ وسلم جو تعلیمات تمہارے پاس لائے ہیں ان کو اختیار کرو اور جن کاموں سے انھوں نے منع فرمایا ہے اُن سے رک جاؤ۔" جن کاموں سے حضورؐ نے ہم کو روکا ہے، اُن میں سے ایک چیز بدعت بھی ہے جس کی آپؐ نے بہت زیادہ مذمت فرمائی ہے۔ محرم کے سلسلہ میں جس قدر خرافات کئے جاتے ہیں، یہ سب بھی بدعات میں داخل ہیں۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے دُور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ یہ کام دراصل اسی یہودی ابنِ سبا کی تحریک کے نشانات ہیں، جس کا ذکر پہلے جمعہ میں کیا گیا تھا اور شہادتِ سیدنا حضرت علی رضؓ

علہ یہ جملے ہر خطبہ کے آخر میں پڑھے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کو حفظ کر لینا چاہیئے ۔ باقی خطبوں میں صرف اشارہ کر دیا گیا ہے ۱۲

تک مختصر واقعات گوش گذار کئے گئے تھے۔ اب آگے سنئے کہ حضرت علی رضؓ کے بعد امام حسن رضؓ خلیفہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ بھی وہی سبائی جماعت کے فریب خوردہ لوگ تھے لیکن چونکہ امام حسن رضؓ کا رجحانِ طبع صلح کی طرف تھا۔ نیز آپ کو اہلِ کوفہ کی بے وفائی کا متعدد بار تجربہ ہو گیا تھا، اس لئے آپ نے اہلِ شام سے مصالحت کر لی اور سبائی لوگ آپ کو جنگ پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ البتہ آپ کے بعد حضرت امام حسین رضؓ کو حصولِ خلافت کے لئے اُبھارا اور اپنی امداد کے متعلق خطوط کی بھرمار کر دی، دوسری طرف چونکہ یزید فسق و فجور میں مبتلا تھا اور فاسق کو امام بنانا جائز نہیں، لہٰذا آپ کو مجبوراً خروج کرنا پڑا۔ اہلِ شام کے وہ سبائی جنہوں نے قصاصِ عثمان رضؓ کی آگ لگائی تھی، یزید کی طرف رہے اور کوفے کے سبائی حضرت امام کے ساتھ ہوئے جس کے نتیجہ میں کربلا کے خونی واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ اگرچہ ان میں تعصباتِ خاندانی کو بھی دخل تھا، تاہم سبائی تحریک کی ریشہ دوانیوں سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قاتلانِ امام حسین رضؓ دراصل کوفہ کے یہی سبائی شیعانِ علی رضؓ تھے اور امام ہمام رضؓ کو خطوط لکھنے والے ہی میدانِ کربلا میں دشمن کی فوج کے سردار تھے جو امام رضؓ کے مقابلے میں فوجوں کی کمان کر رہے تھے۔ الغرض امام ہمام رضؓ شہید ہوئے جس کے دو سال بعد یزید بھی ۶۳ھ میں اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا، لیکن سبائی فتنہ اب بھی ختم نہ ہوا۔ سبائیوں کی خارجی پارٹی جنہوں نے حضرت علی رضؓ سے بغاوت کی تھی، ان میں سے ایک شخص مختار بن عُبید ثقفی بھی تھا۔ یزید کے بعد موقعہ پا کر سبائی شیعہ پارٹی میں آ ملا۔ اور شہادتِ امام حسین رضؓ پر بہت غم و غصّہ کا اظہار کیا اور عوام میں مقبولیت حاصل کر لی۔ پھر محمد بن الحنفیہ کے مہدی موعود ہونے کا پروپیگنڈا کیا اور اپنے کو ان کا داعی و مبلغ ظاہر کیا۔ جب لوگ خوب گرویدہ ہو گئے تو انتقامِ خونِ حسین رضؓ کے نام پر ان کو جمع کر کے ۶۶ھ میں کوفے پر قابض ہو گیا اور غمِ حسین رضؓ کی بائیسی کو خوب رواج دیا۔ اس سلسلے میں

ف تاریخ اسلام ۱۲ ۔ تاریخ اسلام ۱۲ ۔ ۳ تاریخ اسلام ۱۲ ۔ ۴ تاریخ اسلام ۱۲

بہت سی بدعات ایجاد کیں۔ جاہلیت کی رسوم مثلاً سوگ منانا، ماتم کرنا، سینہ کوبی کرنا وغیرہ کو خوب پھیلایا کیونکہ اس پالیسی سے اس کو حکومت ملی تھی۔ پھر ۶۵ھ میں اس نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ سرکاری کاغذات میں خود کو مختار رسول اللہ لکھنے لگا۔ اس اثنا میں ایک شخص طفیل بن جعدہ کو جب تنگدستی نے ستایا تو ایک تیلی کی پرانی کرسی کو بنا سنوار کر مختار کے سامنے پیش کی اور کہہ دیا کہ یہ حضرت علی رضؓ کی کرسی ہے۔ مختار نے اظہارِ محبتِ علی رضؓ کی پالیسی کے ماتحت ان کو بہت انعام دیا اور اس کرسی کا نام تابوتِ سکینہ رکھ کر مشہور کیا کہ یہ خدا نے تمہارے لیے نازل کی ہے۔ پھر اس کا جلوس بڑی دھوم دھام سے نکالا اور لوگوں کا اس سے ایسا عقیدہ قائم کر دیا کہ وہ اس کرسی پر منّتیں ماننے لگے۔ طفیل خود کہتے ہیں کہ مجھے اپنی اس حرکت پر بہت افسوس ہوا کہ میری ذرا سی حرکت سے کتنا بڑا فتنہ اور گمراہی پھیل گئی۔ اعمش ہمدانی جو اسی زمانے کے بزرگ ہیں اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ "میں حلفاً کہتا ہوں کہ تمہاری کرسی ہرگز تابوتِ سکینہ نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم عبداللہ بن سبا کی امت ہو"۔ مورخین نے لکھا ہے کہ مختار ہی نے شیعانِ علی رضؓ میں رسمِ تعزیہ داری جاری کی تھی، جس سے یقین ہوتا ہے کہ یہی کرسی تعزیہ داری اور کاغذی تابوت سازی کی اصل بنا ہو گی[1]

ماتم و نوحہ کی ایجاد: جلاء العیون ص ۵۲۴ میں ہے کہ اہلِ بیت کا قافلہ جب یزید کے محل میں داخل ہوا تو یزید کی گھر والیوں نے زیور اتار کر لباسِ ماتم پہن کر صدائے نوحہ و گریہ بلند کی۔ تین دن تک اس کے گھر میں ماتم برپا رہا۔ امام حسین رضؓ پر نوحہ و ماتم کا یہ پہلا دن تھا جو بحکمِ یزید اس کے گھر میں محرم ۶۱ھ میں ہوا۔ پھر مختار مذکور نے محرم ۶۴ھ میں یہ رسم بد نکالی۔ پھر معز الدولہ (کٹر شیعہ و سبائی) نے جو مطیع للہ خلیفہ کا وزیر اعظم تھا، بغداد میں بزورِ حکومت عشرۂ محرم میں نہایت دھوم دھام سے

[1] یہاں تک کے واقعات تاریخ اسلام وابن خلدون و ذکائی سے لیے گئے ۱۲

رسمِ ماتم جاری کی اور تبرا کا اضافہ کیا۔ (تاریخ ابنِ خلدون ص ۵۲۵) ۱۸ ذی الحجہ ۳۵۱ھ
کو اس نے بغداد میں عید منانے کا حکم دیا جس کا نام عید خم غدیر رکھا، جس میں خوب
ڈھول بجائے گئے۔ خوشیاں منائی گئیں کیونکہ اس تاریخ میں حضرت عثمان غنیؓ کو
شہید کیا گیا تھا۔ ۳۵۲ھ کے شروع میں اس نے حکم دیا کہ ۱۰ محرم کو غم شہادت حسینؓ
منانے کے لئے تمام دکانیں بند کی جائیں۔ شہر و دیہات کے تمام لوگ ماتمی لباس پہنیں
اور علانیہ نوحہ کریں۔ عورتیں بال کھولے، چہرے سیاہ کر کے کپڑے پھاڑے ہوئے
سڑکوں بازاروں میں مرثیہ پڑھتی ہوئی نکلیں۔ شیعوں نے اس حکم کی بخوشی
تعمیل کی، مگر اہل سنت دم بخود خاموش رہے۔ پھر ۳۵۳ھ میں سنیوں کو بھی بالجبر
حکم دیا کہ وہ بھی شریک ہوں، جس پر فساد اور خوں ریزی ہوئی۔ اس کے بعد
شیعوں نے ہر سال اس حکم کو بجا لانا شروع کر دیا[1]۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کام جو
مختار مذکور اور معز الدولہ نے کئے یا کرائے اسی یہودی تحریک سے تعلق رکھتے ہیں۔
پھر ابنِ سبا کی تحریک پر چلنے والوں میں بڑے بڑے ملحد، زندیق اور بے دین لیڈر
پیدا ہوئے، جنھوں نے لاکھوں سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کیا، لاکھوں کو قتل
کیا، جس سے اسلام اور مسلمانوں کو سخت جانی، مالی اور دینی نقصان پہنچا۔ یہ فتنے
عراق عرب میں پھیلے جس کی سرحد ایران سے ملتی ہے، لہٰذا بعد میں سرزمینِ ایران ہی
ان کا گہوارہ بن گئی اور آذربائجان، اصفہان، طوس، قلعہ الموت، خراسان ان
فتنوں کے مرکز رہے۔ سبائیت کی شاخ اسماعیلیہ و اثنا عشریہ کا فتنہ ایران میں
سب سے زیادہ پھیلا۔ ایران ان بدمذہب سلطنتوں کا ایک ہزار برس تک پایۂ تخت
رہنے کی وجہ سے سبائیت کا عظیم الشان مرکز بن چکا تھا[2]۔

ایران سے یہ بلا ہندوستان بھی آئی۔ یہاں ۱۴۲ھ میں منصور عباسی نے عمرو
بن حفص کو سندھ کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔ ہندوستان میں یہ پہلا شخص ہے جو سبائیت

[1] ابن خلدون ۱۲ [2] تاریخ سندھ ذکائی ۱۲

کی نجاست اپنے دماغ میں لئے ہوئے یہاں آیا[1]۔ اسی کے زمانے میں عبداللہ اشتر، محمد بن عبداللہ کی طرف سے داعی بن کر سندھ آیا۔ گورنر مذکور نے اس کی دعوت کی پوری تائید کی۔ پھر ۲۵۸ھ میں سبائیت کی ایک شاخ قرامطہ جب عراق میں کامیاب نہ ہو سکی تو ایران و ہندوستان کی طرف رخ کیا۔ حتی کہ ۳۶۵ھ میں ان کی حکومت ملتان میں قائم ہو گئی تھی[2]۔ اور کشمیر میں ایک سبائی شاہ میر قلندری لباس میں سہنیہ دیو کے راجدھانی کے زمانہ میں آکر مقیم ہوا جس نے اس تحریک کو خوب پھیلایا[3]۔ نیز بابر بادشاہ کی مدد کے لئے ایران سے جو سترہ ہزار فوج ہندوستان آئی تھی وہ سب سبائی تحریک سے متاثر تھی۔ پھر ہمایوں نے جب شاہِ ایران سے مدد طلب کی تو اس میں بھی سب کے سب شیعہ تھے[4]۔ گجرات اور دکن میں تقریباً چھ بادشاہ ایسے ہوئے ہیں جو پوری طرح سبائی تحریک کے علم بردار تھے۔ جنوبی ہند میں ایک عرصہ تک سبائیوں کا اجتماع رہا ہے۔ ۱۰۱۶ھ میں مغل پردیسی تمام جنوبی ہند سے جمع ہو کر حیدرآباد میں آکر بسے[5] تھے۔ یہ سب شیعہ یعنی سبائی تھے۔

لکھنؤ بھی عرصہ تک سبائیت کا مرکز رہا ہے۔ امین الدین خاں نیشاپوری کا پورا خاندان سبائی تھا جو عرصہ تک یہاں حکومت کرتا رہا۔ ان سبائیوں نے بدعات میں مزید اضافہ کیا۔ سب سے پہلے آصف الدولہ نے لکھنؤ میں امام باڑہ ۱۲۱۳ھ میں بنوایا۔ اور غازی الدین حیدر کی بیگم نے امام العصر کی چھٹی منانا ایجاد کیا اور موتی محل کے قریب نجف اشرف یعنی حضرت علیؓ کا فرضی مزار بنوایا۔ پھر اس کے بیٹے نے سب سے اول کربلا بنوائی۔ پھر محمد علی شاہ و امجد علی شاہ نے امام باڑے بنوائے۔ پھر واجد علی شاہ نے مرثیہ خوانی کو خوب ترقی دی۔ یہ سب کٹر سبائی عیش پرست امراء تھے[6]۔

مرثیہ خوانی دراصل کوفہ سے سبائی تحریکات کے سلسلہ میں ایران آئی جہاں سلاطین صفویہ کے

---

[1] آئینہ حقیقت نما ص ۱۱۸/۱۲ [2] آئینہ حقیقت نما ص ۱۲۲/۱۲ [3] تاریخ ہند ذکائی ص ۱۶۸/۱۲ [5] تاریخ ہند ذکائی ص ۳۳۰ [6] گذشتہ لکھنؤ از عبدالحلیم شرر

زمانہ سے اس کو فروغ ہوا۔ پھر لکھنؤ کے بادشاہوں نے ایران کی جانشینی کا حق ادا کیا۔

سوز خوانی ہندوستان میں خاص شیعوں سے شروع ہوئی۔ چونکہ یہ موسیقی کی ایک شاخ ہے، اس لئے جلد رائج ہوگئی حتیٰ کہ ہندو بھی تعزیہ داری کر کے سوز خوانی کا لطف اُٹھانے لگے [1]۔

محرم کا لباس بھی اس سلسلہ میں لکھنؤ میں ایجاد ہوا۔ سیاہ اور نیلے رنگ کے کپڑے غم و سوگواری کے لئے مناسب سمجھے گئے، اس لئے ان کو اختیار کیا گیا [2]۔

غرض ان نہایت مختصر تاریخی حالات سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ محرم کی اکثر بدعات کا تعلق دراصل ابنِ سبا یہودی کی تحریک سے ہے، جس نے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔

بدعاتِ ولادت و وفات: بدعاتِ محرم کی اصل حقیقت واضح ہونے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ولادت و وفات کی رسوم کا سرچشمہ بھی بتلا دیا جائے۔ لہٰذا گذارش ہے کہ مسلمانوں میں موت و حیات کی اکثر رسومات کا سرچشمہ ہندوؤں سے اختلاط اور میل جول کا نتیجہ ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو مسلمان مغل بادشاہوں نے ہندوستان پر حکومت کرنے اور اس کو مضبوط بنانے کے لئے ہندوؤں سے اختلاط اور میل جول کی پالیسی اختیار کی اور راجپوت قوم میں خصوصاً اپنے نکاحی تعلقات قائم کئے۔ ہندوؤں میں بکثرت شادیاں کیں۔ اُن سے رشتہ داری کے تعلقات بڑھالئے۔ اس ہندو نواز پالیسی کا یہ نتیجہ نکلا کہ رفتہ رفتہ نامعلوم طریقہ پر ہندوانہ رسم و رواج ان کا تمدّن اور تہذیب ہند و اصولِ معاشرت مسلمانوں میں پھیلتے چلے گئے۔ اوّل بادشاہوں اور امراءِ سلطنت کے گھرانوں میں ان کا دخل ہوا۔ پھر ان بڑوں کی دیکھا دیکھی عوام نے بھی اس کا اثر لیا، یہاں تک کہ اب مسلمانوں میں سینکڑوں رسومات و رواج ایسے راسخ ہوگئے جن کو اسلامی تعلیمات سے دُور کا بھی واسطہ

[1] گذشتہ لکھنؤ [2] گذشتہ لکھنؤ

نہیں۔ اس انقلاب کی مفصل کیفیت "تاریخِ ہند ملا عبدالقادر بدایونی" اور "علماءِ ہند کی شاندار ماضی" میں ملاحظہ فرمائیے۔

بزرگو اور دوستو! یہ ہے ان بدعاتِ محرم اور رسوماتِ موت وحیات کی اصل حقیقت کہ یہ چیزیں فاسق وفاجر اور بے دین لوگوں کی ایجاد کردہ ہیں، جن کو زبردستی مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے ورنہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے ان کا کچھ بھی لگاؤ نہیں، اس لئے ہمیں ضروری ہے کہ ہم اپنے خاندانوں، گھروں اور شہروں سے ان غلط رسومات کو مٹانے کی کوشش کریں۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ان لغویات سے پاک صاف کرے اور دینِ اسلام کے صراطِ مستقیم پر قائم رکھے۔ ہماری گذشتہ غلطیوں گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ بَارَکَ الخ

خطبہ جمعہ سوم ماہِ محرم الحرام در تردیدِ بدعات وترغیبِ اتباعِ سنّت وتقبیحِ بدعت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۚ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ اَشْھَدُ اَنْ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ الْقَوِيُّ

الْمَتِيْنُ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ ○ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ○ اَمَّا بَعْدُ

فَيَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى

فصل لنا اصول الدين ○ فى كتابه المبين ○

وَكَمَّلَ لَنَا الْفُرُوْعَ بِلِسَانِ رَسُوْلِهِ الصَّادِقِ

الْاَمِيْنِ ○ وَاسْتَنْبَطَ لَنَا الْجُزْئِيَّاتِ مِنْهُمَا

اَرْبَعَةٌ مِنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ ○ فَتَمَامُ الدِّيْنِ

كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ رَسُوْلِهٖ وَمَا اسْتُخْرِجَ مِنْهُمَا

بِالْفِقْهِ الْمَتِيْنِ ○ وَمَا يُرٰى فِيْكُمْ غَيْرُهَا

بِدْعَاتٌ مُخْتَرَعَاتٌ ○ وَهِيَ مِنْ اَعْظَمِ
السَّيِّاٰتِ ○ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا رُفِعَ
مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ ○ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ
مِّنْ اِحْدَاثِ بِدْعَةٍ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ ○ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَ
الطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبْشِيًّا ○ فَاِنَّهٗ مَنْ
يَّعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ
بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ
تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ
وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ ○ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ

بِدْعَةٌ ۝ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ؕ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ

مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ

فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

الْعِقَابِ ؕ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ سوم ماہِ محرم دربیانِ اتباعِ سُنّت و اجتناب از بِدعت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ اَمَّا بَعْدُ

بزرگانِ ملت! دینِ اسلام خدائی دین ہے۔ اس کے قوانین و ضوابط کسی انسان کے بنائے ہوئے نہیں بلکہ صرف خدائے وحدہٗ لاشریک کے بنائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی متلو یا غیر متلو الہام یا کشف کے ذریعہ جو احکامات اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجے انھیں کا نام شریعتِ اسلام ہے۔ پس تمام کاموں کے دین ہونے یا نہ ہونے کا دار و مدار قرآن و حدیث پر ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کے تمام اصول کو مکمل طور پر قرآنِ کریم میں بیان فرمایا ہے اور ہم کو بتا بھی دیا ہے کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ میں نے آج تمہارا دین مکمل کر دیا ہے جس میں کوئی کمی باقی نہیں اور ان اصول کی تشریح و توضیح زبانِ فیض ترجمانِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ مکمل کرادی ہے جس میں مزید کسی اضافے کی گنجائش نہیں اور تغیرِ حالات و انقلاباتِ زمانہ کی وجہ سے جس قدر جزئی سوالات پیدا ہو سکتے تھے اللہ تعالیٰ نے

ائمہ مجتہدین کے ذریعہ ان کے جوابات منضبط کرا دیئے جنھوں نے فیضانِ الٰہی سے مستفیض ہو کر قرآن و حدیث سے احکامِ جزئیہ استنباط کر کے بالتفصیل بیان کر دیئے ہیں اور اس طرح دینِ الٰہی کے تمام اصول تمام فروع اور تمام جزئیات مکمل ہو چکے ہیں۔ اب اس دین میں جس کا دار و مدار صرف قرآن و حدیث یا فقہ صحیح پر ہے کسی اضافے کی قطعاً گنجائش نہیں، لہٰذا جن کاموں کا ثبوت وجدان میں ہے وہ دینی کام ہے اور جس کا ثبوت وجدان میں نہیں ہے وہ ہرگز دین میں داخل نہیں اور ایسے خارج از دین کام کو اگر دین میں داخل اور موجبِ ثواب سمجھا جائے گا تو وہ بدعت میں شمار ہوگا۔

لغت میں بدعت ہر نئی چیز کو کہتے ہیں خواہ وہ عبادت کی قسم سے ہو یا عادت سے اس لحاظ سے ہر چیز کو بدعت کہہ سکتے ہیں۔ ہماری شریعتِ محمدیہ سے پہلے شریعتِ عیسوی تھی تو اس لحاظ سے اس شریعت کو بھی بدعت کہہ سکتے ہیں، کیونکہ یہ نئی شریعت پہلے نہ تھی، پھر ظاہر ہوئی۔ اسی اعتبار سے حضرت عمرؓ نے تراویح کی جماعت خاصہ کو نعمت البدعۃ فرمایا تھا کہ بہت اچھی بدعت ہے، یعنی نئی چیز اور اسی لغوی معنی کے لحاظ سے فقہاء نے بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی ہیں۔ بدعتِ واجبہ جیسے علمِ نحو پڑھنا کلامِ خدا اور رسولؐ سمجھنے کے لئے۔ بدعتِ مستحبہ جیسے مدارس کا قیام۔ بدعتِ مباحہ جیسے کھانے پینے میں وسعت اختیار کرنا۔ بدعتِ مکروہہ جیسے مخصوص اوقات میں مصافحہ کرنا اور بدعتِ محرمہ جیسے تعزیہ داری وغیرہ، مگر یہ سب قسمیں معنئ لغوی کے اعتبار سے ہیں اور جہاں بدعت کی مذمت مذکور ہے وہاں لغوی بدعت مراد نہیں ہوتی بلکہ اصطلاحِ شریعت میں بدعت صرف اُن کاموں پر بولا جاتا ہے، جن کو دین میں داخل سمجھا جائے اور کسی دلیلِ شرعی سے اس کا ثبوت نہ ہو۔ دلیلِ شرعی جن سے احکامِ شریعت

ثابت ہوتے ہیں صرف چار ہیں : ایکؔ کتاب اللہ ، دوسریؔ حدیث ، تیسریؔ اجماع ، چوتھےؔ قیاسِ شرعی ۔ جو ان چاروں میں سے کسی سے بھی ثابت نہ ہو ، شریعت میں اس کو بدعت کہتے ہیں اور یہ بدعت ہمیشہ سَیِّئَہ یعنی بُری ہوتی ہے ۔ حَسَنَہ کبھی نہیں ہوتی ۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بدعت اصطلاحِ شریعت میں صرف مذمومہ اور سَیِّئَہ ہی ہے اور اسی معنیٰ کے لحاظ سے احادیث میں بدعت کی سخت مذمّت آئی ہے اور کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَة ہر بدعت گمراہی ہے کا جملہ اسی معنی کے اعتبار سے کہا گیا ہے ۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ "تم لازم پکڑو میری اور میرے خلفائے راشدین کی سُنّت کو اور نئے کاموں سے بچتے رہو ۔ اس لئے کہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت (با صطلاحِ شرعی گمراہی ہے" ۔ (ترمذی) ایک نیک مسلمان کی طبیعت میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر نیا کام اچھا ہے تو اس سے کیوں منع کیا جاتا ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب کاشتکار اپنے کھیت میں دانہ ڈال کر پانی دیتا ہے اور گیہوں یا ایکھ (نیشکر) وغیرہ کے درخت زمین سے اُگتے ہیں تو اس کے ساتھ مختلف قسم کی گھاس بھی پیدا ہو جاتی ہے ۔ لیکن کسان اپنی گرہ سے پیسے خرچ کر کے مزدور لگا کر اس گھاس کو اکھڑواتا ہے ، حالانکہ بظاہر گھاس بھی فائدہ ہی کی چیز ہے ۔ جانوروں کی خوراک وغیرہ اس سے مہیّا ہوتی ہے ۔ غور فرمائیے کہ آخر وہ اس مفید چیز کو کیوں اکھڑواتا ہے ؟ وجہ یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ زمین کی قوتِ روئیدگی اس گھاس میں بھی خرچ ہوتی ہے اور اس قوت کا دوسری چیز میں خرچ ہو جانا ، اس کی کھیتی کو مُضر ہے کہ مطلوب کھیتی کے درخت عُمدہ اور مضبوط طور پر نشوونما نہیں پاتے جس سے اس کھیت کی پیداوار میں کمی آجائے گی اسی طرح سمجھئے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیاوی زندگی کے کھیت میں انسان کو نیکیوں کے بیج بونے کا حکم دیا اور جس جس قسم کی نیکیاں کرانی مقصود تھیں

ان کو مفصل طور پر بتلادیا۔ اب اگر انسان ان کے ساتھ اپنی طرف سے ایجاد کردہ کاموں کی کاشت بھی کرنے لگے تو اس زمین کی قوتِ عمل اُن میں بھی صرف ہوگی، جس سے اس کے اعمالِ صالحہ کی روئیدگی، بالیدگی اور پرورش میں ضرور نقص و کمزوری پیدا ہوگی، اس لئے آپ نے مُسلمان کو بدعات کے ارتکاب کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا تاکہ اُس کی قوتِ عمل پوری کی پوری تعمیلِ احکامِ خُدا و رسولؐ ہی میں صرف ہو۔ چنانچہ آپ نے خود بھی ان زوائدات یا بدعات سے پیدا ہونے والے نقص و ضعف کی طرف ایک حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ "جب بھی کسی قوم نے کوئی بدعت ایجاد کی (نتیجہ یہ ہُوا کہ) اس کے مثل کوئی سُنّت ان میں سے اُٹھ گئی۔ پس سُنّت کو مضبوط پکڑے رہنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔" (احمدؒ) واقعہ یہ ہے کہ بدعات کی وجہ سے سُنّت تو رفع ہو ہی جاتی ہے، مگر غضب یہ ہے کہ اب تو فرائض تک میں کوتاہی پیدا ہو رہی ہے۔ گو اس غفلت کے اسباب اور بھی ہیں، مگر ان میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ مسلمان کی قوتِ عمل ان ایجادات و بدعات میں زیادہ صرف ہو رہی ہے۔

آپ کے باغ کی روشیں اور خوبصورت کیاریاں اسی وقت تک قائم رہتی ہیں، جب تک کہ آپ زائد گھاس کو کٹواتے رہیں، لیکن اگر آپ نے کچھ دنوں یونہی چھوڑ دیا کہ گھاس جس طرح چاہے بڑھتی رہے تو پھر ان روشوں اور کیاریوں کی وہ خوبصورتی باقی نہیں رہ سکتی جو آپ نے ان کے بناتے وقت پیدا کرنی چاہی تھی یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ یہ زائد گھاس ان کی امتیازی حدوں، راستوں اور مناسب خموں کو مٹا دیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح دینِ اسلام حیوٰۃِ مُسلم کے لئے ایک عُمدہ باغ ہے جس میں عُمدہ عُمدہ نیکیوں کی کیاریاں، روشیں اور خُدا تک پہنچنے کے راستے مناسب وضع قطع کے ساتھ بنائے گئے ہیں اور خُدا و رسولؐ کی طرف سے ہر نیکی کے لئے مناسب حدود قائم کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ تِلْكَ حُدُوْدُ اللهِ

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ۔ یہ اللہ کی حدود ہیں، جو ان سے آگے بڑھا، اُس نے اپنے اُوپر ظلم کیا۔ اب اگر اس دینی باغ میں ہر قسم کی ایجادات کو بڑھنے دیا جائے اور اس سے روکا نہ جائے تو یقیناً دینِ اسلام کے اس عمدہ باغ کی اصلی صورت و شکل اور خوبصورتی ہرگز باقی نہ رہے گی۔ جس طرح دینِ موسوی اور عیسوی کی اصلی شکل اسی قسم کی ایجادات سے یہودیوں اور عیسائیوں نے بگاڑ دی ہے، یہی حال دینِ اسلام کا ہو جائے گا۔ اس لئے رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بہت سختی کے ساتھ بدعات کو قبول کرنے سے منع فرمایا اور ہر بدعت کو مردود اور گمراہی قرار دیا اور جو شخص بدعتی کی عزّت کرے اگرچہ خود بدعت ایجاد نہ کرے اس کو بھی دشمنِ اسلام قرار دیا۔ ارشاد ہے کہ جس نے کسی بدعتی کی عزّت کی اس نے اسلام کو برباد کرنے میں دشمنانِ اسلام کو مدد دی"[1]۔ مسلمانو! خوب یاد رکھو کہ بدعتیوں نے اکثر باتیں مسلمانوں میں ایجاد کر کے دین میں داخل کر دی ہیں اور نہایت ضعیف کم زور بلکہ گھڑی ہُوئی حدیثوں کا سہارا لے کر عوام کو گمراہ کیا ہے۔ محدثین نے جب تحقیق کی تو معلوم ہُوا کہ کئی ہزار حدیثیں فتنہ پردازوں نے گھڑ کر لوگوں میں اپنی طرف سے پھیلادی ہیں۔ ہمارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنہ کی طرف بھی ایک حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنے اصحاب سے آپ نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ایسے دجّال اور کذّاب جھوٹے پیدا ہوں گے جو تم سے ایسی احادیث بیان کریں گے جو تم نے اور تمھارے آباء نے نہیں سنیں۔ پس ایسے لوگوں سے بچتے رہنا کہ وہ تم کو (ایسی حدیثیں سُنا کر) فتنہ اور گمراہی میں نہ ڈال دیں۔" (مسلم) پیارے آقا نے ہمیں سب کچھ بتا دیا ہے، لیکن افسوس کہ ہم علمِ دین سے جاہل رہ کر سینکڑوں بدعات میں مبتلا ہو گئے اور ایسی گمراہیوں سے اپنے آپ کو بچا نہ سکے۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حق اور دین کی پوری پوری پہچان بھی بتا دی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ "وہ تمام حالات و واقعات

[1] رواہ احمد ۱۲

جو بنی اسرائیل میں گزر چکے ہیں ہو بہو بالکل ویسے ہی میری امت میں بھی پیش آئیں گے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں کوئی ایسا شخص ہُوا ہو گا جو اپنی ماں سے کھلم کھلا زنا کرے تو ضرور میری اُمّت میں بھی ایسا شخص ہو گا جو ایسا فعلِ بد کرے گا۔ بنی اسرائیل میں ۷۱ فرقے ہو گئے اور میری اُمّت میں ۷۳ فرقے ہو جائیں گے۔ یہ فرقے دوزخ میں جائیں گے، سوائے ایک فرقہ کے۔ صحابہؓ نے عرض کیا وہ کونسا فرقہ ہو گا یا رسول اللہؐ؟ فرمایا وہ فرقہ جو ان عقائد و اعمال پر قائم ہو جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔ اور عنقریب میری اُمّت میں ایسی قومیں پیدا ہوں گی کہ ان میں یہ بدعات اس طرح سرایت کر جائیں گی، جیسے کُتّے کے کاٹنے کا اثر کسی کے بدن میں سرایت کر جاتا ہے کہ کوئی جوڑ اور کوئی رگ ایسی باقی نہیں رہتی جس میں نہ پہنچے (مشکوٰۃ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدعت اور سُنّت کی پہچان یہ ہے کہ وہ کام حضورؐ یا صحابہ کے طرزِ عمل میں اگر تھا تو سُنّت ہے اور نہیں تھا تو وہ بدعت اور خارج از دین ہے۔ مَا اَنَا عَلَیْہِ میں قرآن و حدیث داخل ہیں اور اَصْحَابِیْ میں اجماع و قیاسِ شرعی داخل ہے۔ لہٰذا مطلب یہ نکلا کہ اگر دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے تو صحیح ہے اور اگر ثابت نہیں تو بدعت ہے۔ اب آپ جتنے کام ثواب سمجھ کر کر رہے ہیں اُن سب کو اس کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کریں۔ اگر صحیح ثابت ہوں تو ایک انچ اس سے نہ ہٹیں۔ اگر ثابت نہ ہوں تو فوراً اس سے بچیں اور ترک کریں، کیونکہ اب اس کا کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہو گا، اس لئے کہ بدعت باصطلاحِ شرع حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اتباعِ سُنّت کی توفیق عطا فرمائے اور تمام گناہوں اور بدعتوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِہٖ جَھَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

ضمیمہ

(اگر موقع اور وقت ہو تو اس ضمیمہ کو بھی پڑھا جائے)

ماہِ محرم کی طرح ربیع الاول وثانی میں بھی بعض بدعات رائج ہیں، ان کا حکم یہ ہے کہ ذکرِ ولادت سادہ طور پر بلا تعین ماہ وتاریخ بلا تداعی واہتمام کے صحیح روایات کے ساتھ کرنا جائز ہے اور بشرطِ خلوصِ نیت ثواب بھی ہوگا، لیکن ذکرِ میلاد خاص ربیع الاول یا بارھویں تاریخ میں اس عقیدہ سے کرنا کہ اسی ماہ ووقت میں ثواب ہوگا، تو یہ خیال یا عقیدہ بدعت ہے۔ ذکرِ میلاد کے لئے لوگوں کو خاص طور پر بلانا، اشتہارات دینا اور غیر معمولی اہتمام کرنا بدعت ہے۔

ذکرِ میلاد کے لئے چندہ کرنا ناجائز ہے، کیونکہ یہ ضرورتِ شرعیہ نہیں، خصوصاً رعب وداب سے وصول کرنا قطعاً ناجائز ہے۔ جلسہ میں جھنڈیاں لگانا، پھول کی چادریں لٹکانا، پھول کے ہار مقرروں کو پہنانا، شیرینی چندہ کرکے تقسیم کرنا یہ سب ناجائز بلکہ بوجہ اسراف ہونے کے حرام ہے۔ اسی طرح اس موقعہ پر خصوصیت کے ساتھ چندہ سے کھانا پکا کر دعوتِ عام دینا ناجائز ہے اور اس کو دین کا کام سمجھ کر کرنا بدعت ہے، مسلمانوں کا کثیر روپیہ اس طرح بے فائدہ ضائع ہو رہا ہے۔ اگر ایصالِ ثواب مقصود ہے تو اس کی عمدہ صورت یہ ہے کہ ہر ہر شخص فرداً فرداً جو کچھ ہو سکے فی سبیل اللہ خرچ کرکے ثواب پہنچائے یا بغیر اہتمام کے اگر لوگ خود بخود کوئی رقم جمع کرلیں اور مشترکہ طور پر کسی کارِ خیر میں صرف کی جائے تو اس میں بھی حرج نہیں، لیکن اس موقع پر یہ ضرور غور کرنا چاہئے کہ کونسے مصرف میں خرچ کرنے سے ثواب زیادہ ہوگا؟ اور مسلمانوں کی کونسی ضرورت کو پورا کرنا سب سے مقدم ہے۔ جو کام سب سے زیادہ مفید اور ضروری ہو اس میں یہ روپیہ بہ نیت ایصالِ ثواب خرچ کیا جائے، مثلاً مسلمانوں میں فاقہ کشی اس وقت زیادہ ہو تو صرف ایسے محتاج فاقہ کشوں کو کھانا کھلائیں، لیکن

اگر کپڑے کی سخت تنگی ہو تو اس سے کپڑا تقسیم کریں اور اگر عام طور پر فاقہ کشی وغیرہ نہ ہو لیکن بستی میں بعض مسلمان غریب نادار یتیم بیوہ وغیرہ ہوں تو یہ روپیہ ان کی ضروریات کے لئے تقسیم کریں۔ اگر کوئی نوجوان دین دار مرد و عورت بوجہ افلاس شادی کرنے سے مجبور ہو تو اس میں خرچ کر کے شادی کر دیں۔ کوئی بہت مقروض ہو تو اس کا قرض ادا کر دیں۔ کوئی کمانے سے معذور ہو تو اس کے کھانے کپڑے کا مستقل انتظام کر دیں۔ اگر تعلیمِ دین کا کوئی مدرسہ نہ ہو یا ہو لیکن بوجہ قلتِ آمد تعلیم عُمدہ نہ ہوتی ہو تو اس میں خرچ کریں۔ غرض سوچ سمجھ کر جو ضرورۃً سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہو اس میں خرچ کریں۔ اصل یہ ہے کہ عموماً یہ مجلسیں آج کل نہ حضورؐ کی محبت سے کی جاتی ہیں اور نہ ایصالِ ثواب کے لئے یہ دعوتیں ہوتی ہیں بلکہ چونکہ اس قسم کے کام کرنے والوں کی تعریف کی جاتی ہے جس سے نفس خوش ہوتا ہے، اس لئے ایسے لوگ بہت بہت محنتیں اٹھا کر زیادہ سے زیادہ رونق کے ساتھ یہ مجالس دعوتیں وغیرہ کرتے ہیں۔ ہاں نام ایصالِ ثواب کا ہوتا ہے ورنہ کوئی چندہ نہیں دیتا۔ پس اس نیت سے یہ تمام روپیہ اور محنتیں محض ضائع اور برباد جاتی ہیں اور کوئی ثواب قطعاً نہیں ہوتا کیونکہ ثواب کا مدار خلوص و للّٰہیت پر ہے۔ خدا مُسلمانوں کو عقل اور دین کی سمجھ دے تاکہ وہ اپنی دولت کو بیکار صَرف نہ کریں اور شریعت کے مُطابق اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کر کے آخرت میں کامیاب ہوں۔

بزرگو! ماہ ربیع الاول و ثانی دونوں میں گیارھویں، بارھویں کی ضیافت اور مجالس کی دعوت کی بدعتیں رائج ہیں۔ دونوں کا یہی حکم ہے جو آپ سُن چکے ہیں۔ ایصالِ ثواب انبیاء و اولیاءِ کرام و عام مومنین کی ارواح کو بلا شک و شُبہ جائز ہے، لیکن ان کے لئے دینی طور پر ماہ و تاریخ کا تعین کرنا، اہتمام کرنا، فضول خرچی کرنا، بے موقعہ روپیہ خرچ کرنا اور ضرورت کے مواقع پر اس روپیہ کو صَرف نہ کرنا، اس کے لئے چندہ کرنا اور زبردستی وصول کرنا یہ باتیں وہ ہیں جو اس قسم کے ایصالِ ثواب کو بے کار اور

ناجائز بنادیتی ہے۔ آپ محنت سے کمائے ہوئے روپیہ کو خرچ کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں اور صحیح طریقہ پر خرچ کریں جس سے خدا اور رسولؐ راضی ہوں۔

دوستو! ان دونوں مہینوں میں ایک اور بدعت اکثر جگہ رائج ہے۔ وہ یہ کہ جنوبی ہند کے اکثر شہروں میں آثارِ شریف کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آثارِ شریف کی زیارت کرنا مستحسن ہے اور بڑی برکت کا کام ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، لیکن ان کی زیارت کرتے وقت تین باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ جو لوگ زیارت کراتے ہیں ان سے دریافت کیجیے کہ کیا واقعی یہ چیز حضورؐ کے آثار میں سے ہے؟ اگر وہ کہے کہ ہاں تو اس سے سند طلب کیجیے کہ کس کو کس کس کے ذریعہ سے وہ چیز پہنچی ہے۔ اگر اس کی سند حضورؐ تک صحیح طور پر پہنچتی ہے تو ضرور زیارت سے برکت حاصل کیجیے، لیکن اگر سند نہیں ہے تو پھر اس کی زیارت سے کیا برکت حاصل ہو سکتی ہے۔ میں اپنی ڈاڑھی کا بال لے کر اگر اہتمام سے پیش کرتے ہوئے کہہ دوں کہ حضورؐ کا آثارِ شریف ہے تو میرے کہہ دینے سے وہ بال حضورؐ کا آثار نہیں ہو سکتا۔ یہ تحقیق اس لئے کرنی چاہیے کہ جنوبی ہند کے اکثر شہروں اور شہر کے اکثر گھروں میں جہاں دیکھیے آثارِ شریف کی دھوم ہے۔ ہر شخص حتیٰ کہ فاسق و فاجر لوگ بھی اس کے دعویدار ہیں اور عقلاً یہ امر بعید ہے اس لئے تحقیق کرنی چاہیے۔ اسی طرح قدم شریف، جبہ شریف وغیرہ کے متعلق تحقیق کرنی چاہیے۔ بلا تحقیق اگر آپ ان چیزوں کو قبول کرتے رہیں گے تو دنیا آپ کو احمق بنا دے گی۔ جس طرح مزار پرستوں کو بہت سے مصنوعی فقیروں نے گدھے گھوڑے اور مجنوں قسم کے انسانوں کی قبریں بنا کر احمق بنا دیا ہے اور نذر و نیازیں چڑھاؤوں سے اپنے پیٹ کا اُلّو سیدھا کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زیارت کرانے میں اہتمام و انتظام دعوت و اشتہار بازی سے کام نہ لیا جاوے، کیونکہ یہ محض بدعت ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ زیارت کے معنی ہیں عقیدت و محبت کے ساتھ کسی چیز کو دیکھ لینا۔ آپ زیارت میں صرف اتنا ہی کریں۔ نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر نہ کھڑے ہوں اس کے سامنے سجدہ یا رکوع نہ کریں۔ زیارت کے وقت خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کو وہاں حاضر و ناظر نہ سمجھیں۔ اگر آثارِ شریف مستند ہوں تو ان کو پانی میں ڈال کر بطورِ تبرّک پینا جائز ہے۔ کچھ حرج نہیں۔ بعض مساجد میں آثارِ شریف کی زیارت کے لئے اشتہارات اور شربت پھول خوشبو وغیرہ مسجد کے مالِ وقف سے کئے جاتے ہیں۔ یہ قطعًا ناجائز ہے۔ مسجد کا مال اس میں خرچ کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بس اب میں اپنے بیان کو ختم کرتے ہوئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مذہب اہل السنّۃ والجماعۃ کو سمجھنے کی توفیق دے اور اس پر موت تک قائم رکھے۔ آمین وصلّی اللہ تعالیٰ الخ اَعُوْذُ بِاللہِ الخ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ۰ بارك اللہ الخ

خطبہ جمعہ چہارم ماہِ محرم الحرام در تعلیمِ ضروریاتِ دین

علمِ دین کی اہمیت اور فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۰ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَہُ الْبَیَانَ ۰ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ

خَالِقُ الْاِنْسِ وَالْجَانِّ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا
وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْمَبْعُوْثُ
بِالْهُدٰى وَالْقُرْاٰنِ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى
اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مَا دَارَاتِ الْقَمَرَانِ ○ اَمَّا بَعْدُ
فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ عَلَيْكُمْ بِالْعِلْمِ فَاِنَّهٗ
اَسَاسُ الْعَمَلِ وَالتَّقْوٰى ○ مَنْ تَعَلَّمَ الَّذِيْنَ
فَقَدْ رَشَدَ وَاهْتَدٰى وَمَنْ تَجَاهَلَ عَنْهُ فَقَدْ
ضَلَّ وَغَوٰى ○ وَقَدْ قَالَ[1] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ○ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا
يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ ○ وَقَالَ[2] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

[1] متفق علیہ ۱۲ [2] ابن ماجہ ۱۲

وَمُسْلِمَةٍ ۝ وَاعْلَمُوْا اَنَّ قَدْرَ الْفَرْضِ مِنَ

الْعِلْمِ عِلْمُ الْعَقَائِدِ وَالطَّهَارَةِ وَالصَّلٰوةِ

وَالزَّكٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالْحَجِّ عَلٰى حَسْبِ

الضَّرُوْرَةِ ۝ وَعِلْمُ حُقُوْقِ الْوَاجِبَةِ عَلَى

الذِّمَّةِ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَتَعَلَّمْ قَدْرَ الْفَرْضِ

يُسْاَلُ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝ وَمَنْ لَّمْ

يُعَلِّمْ اَوْلَادَهٗ يُؤْخَذُ فِيْهِ وَقَالَ عَلَيْهِ[1]

الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى

اَهْلِ بَيْتِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُمْ ۝

وَقَالَ[2] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فَقِيْهٌ

وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ

[1] متفق علیہ ۱۲ [2] مشکوٰۃ ۱۲

عَابِدِہٖ ۝ فَیَا عِبَادَ اللّٰہِ اُوْصِیْکُمْ وَنَفْسِیْ

بِتَقْوَی اللّٰہِ ۝ وَاُحُثُّکُمْ وَاِیَّایَ عَلٰی طَاعَۃِ

اللّٰہِ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ

یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

وعظِ جمعہ چہارم ماہِ محرم الحرام در تعلیم ضروریاتِ دین

علمِ دین کی اہمیت و فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ اسلام! کسی کام میں غلطی ہو جانا ہمیں اس کے نتیجے سے محروم کر دیتا ہے۔ غلطی سے ہماری محنت وقت اور روپیہ سب برباد ہو جاتا ہے۔ حساب میں ادنیٰ سی غلطی آدمی کو بڑا پریشان کر دیتی ہے۔ کسی ملازم سے آقا کے کام میں اگر غلطی ہو جائے تو محنت برباد ہونے کے علاوہ سزا بھی بھگتنی پڑ جاتی ہے اور افسرِ بالا کی ناراضگی سے ہمارے لئے صدہا خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔ غلطی اکثر و بیشتر کسی کام کو اچھی طرح نہ جاننے کی وجہ سے پیش آجاتی ہے۔ اسی لئے ہم جب تک کسی کام کے تمام نشیب و فراز کو اچھی طرح نہیں جان لیتے اس کو شروع نہیں کرتے اور اگر شروع بھی کیا تو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان جب مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے تمام کاموں کے

کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے گویا وہ نفس و شیطان کی غلامی چھوڑ کر اب خدا کی غلامی اختیار کرتا ہے اور اپنی آخرت کو سنوارنے کے لئے قدم اُٹھاتا ہے۔ پس ایسے انسان کو جس نے تجارتِ آخرت کا ارادہ کیا ہے ضروری ہے کہ وہ اس تجارت کے تمام ذرائع و وسائل اور تمام نشیب و فراز کو جانے اور انھیں خوب سوچے اور سمجھے۔ ایسے ہی علم کو جس سے آخرت دُرست کی جائے علمِ دین کہا جاتا ہے۔ ایک تاجرِ آخرت کے لئے علمِ دین حاصل کرنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ مچھلی کے لئے پانی۔ جس نے علومِ دین حاصل کر کے عمل شروع کیا وہ کامیاب ہُوا اور جس نے بغیر جانے عمل شروع کر دیا ممکن ہے کہ اس کی محنت برباد ہو جائے۔ اسی لئے حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے علمِ دین حاصل کرنے کی بہت تاکید اور فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ علم حاصل کرنا (یعنی ضروریات دین کا) ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے (ابنِ ماجہ) دوستو! یاد رکھو کہ اسلام کے عقائد مطابق مذہب اہلِ سُنّت والجماعۃ کا علم حاصل کرنا اور پاکی کے تمام مسائل، نماز کے اکثر پیش آنے والے مسائل، صاحبِ نصاب ہو تو زکوٰۃ کے مسائل، جب حج فرض ہو تو اس کے مسائل کا علم حاصل کرنا فرضِ عین ہے جس طرح کہ نماز فرض ہے۔ نیز والدین کے حقوق، اولاد کے حقوق، شوہر اور بیوی کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، مسلمانوں کے حقوق کا علم حاصل کرنا ہر مُسلمان کو ضروری ہے۔ اسی طرح بقدرِ ضرورت حلال و حرام کے مسائل جاننا بھی ضروری ہے۔ اب اس کے بعد قرآن و حدیث سمجھنے کی قابلیت پیدا کرنا، یہ فرضِ کفایہ ہے اور جو لوگ اس فرضِ کفایہ کو ادا کریں گے وہ زبردست اجر و ثواب اور اعلیٰ درجات پائیں گے۔ اگر آپ کو ضروریاتِ دین کا کافی علم ہے تو خیر اور اگر یہ علم حاصل نہیں تو آپ کو اولین فرصت میں اس کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیئے، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان ہو کر جو آپ آخرت کی تجارت کر رہے ہیں اس میں محنت ضائع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں وہی عمل مقبول ہو سکتا ہے جو اس کی منشا کے مُطابق ہو

نیز آپ غور فرمائیے کہ آپ کی اولاد اور بیوی وغیرہ نے علم فرض کی مقدار تک دینی تعلیم حاصل کرلی ہے یا نہیں۔ اگر نہیں کی تو جلد از جلد ان کی بھی دینی تعلیم کا بندوبست کیجئے ورنہ قیامت کے دن ان کی جہالت کے آپ ذمہ دار ہوں گے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ آدمی اپنے گھر والوں کا راعی (محافظ) ہے اور وہ ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ (بخاری)
یاد رکھئے کہ بچوں کو ابتدا ہی سے دنیوی تعلیم میں ڈال دینا بڑی بھاری غلطی ہے، کیونکہ اس طرح اکثر دینی ضروری تعلیم کا ایسے بچوں کو موقعہ نہیں ملتا اور بالآخر وہ ضروریاتِ دین سے جاہل رہ جاتے ہیں۔ سب سے پہلے بچوں کو قرآنِ شریف اور ضروریاتِ دین کی تعلیم مکمل طور پر دی جائے، کیونکہ بالغ ہوتے ہی ان پر تمام احکامِ اسلام کا ادا کرنا فرض ہو جائے گا، جن کو جہالت کی وجہ سے وہ ادا نہ کرسکیں گے اور وہ اور آپ یعنی والدین دونوں گنہ گار ہوں گے۔ ہاں اگر یہ صورت ممکن ہو کر دونوں تعلیم ایک ساتھ جاری رکھ سکیں تو مضائقہ نہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ والدین اور بچوں کا رجحان دنیوی تعلیم کی طرف زیادہ اور غالب نہ ہو، مگر تجربہ یہ ہے کہ اکثر اس صورت میں دینی تعلیم سے بے رغبتی اور دنیوی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ ہو ہی جاتی ہے، اس لئے دونوں تعلیم کا ایک ساتھ جاری کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ آج کل عموماً نوجوان تعلیم یافتہ دینی تعلیم سے اکثر اس لئے جاہل رہ جاتے ہیں کہ ان کو دونوں قسم کی تعلیم ایک ساتھ شروع کرادی جاتی ہے اور بچوں کو الٹا سیدھا ناظرہ قرآن ختم کرا کے قدرے وضو نماز سکھا کر یہ سمجھ لینا کہ بس فرض ادا ہو گیا، زبردست غلط فہمی ہے۔ یاد رکھئے کہ صرف ایسی اور اتنی تعلیم سے ہرگز دینی تعلیم کا فرض ادا نہیں ہوتا اور قیامت کے روز والدین اور بچوں کی دینی جہالت ہمیں بڑی بڑی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کرے گی۔
بزرگو! دینی تعلیم سے غفلت بھی ہماری موجودہ جہالت اور بدعملی کا باعث ہے۔ دین کی فرض تعلیم بھی پوری نہیں کی جاتی جو فرض عین ہے۔ مکمل دینی تعلیم جو

فرضِ کفایہ ہے اس کا تو ذکر و فکر ہی نہیں۔ علمِ دین سے ہماری غفلت کا یہ حال ہے کہ سو مسلمان بچوں میں پانچ بھی علمِ دین کی اعلیٰ تعلیم کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ پھر اگر کہیں ۵ فیصدی نے توجہ بھی کی تو ان میں سے دو چار حوادثات کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ بہ مشکل ایک دو لڑکے علمِ صحیح کے معیاری درجہ تک پہنچتے ہیں۔ ایسی صورت میں علمِ دین کے ضائع اور برباد ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے اور جب علمِ دین نہ رہے گا تو دینِ اسلام ہی کہاں رہ سکتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قربِ قیامت میں علم اُٹھ جائے گا اور جہل پھیل جائے گا اور فرمایا کہ علم اس طرح نہیں اٹھے گا کہ سینوں سے نکال لیا جائے بلکہ علمائے دین کو اُٹھا لیا جائے گا حتیٰ کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے اور ان سے دینی مسائل پوچھے جائیں گے۔ وہ بغیر جانے بوجھے فتویٰ دیں گے اور خود گمراہ ہو کر دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے (متفق علیہ)

مسلمانو! ہماری غفلت سے یہ صورت پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ علماءِ حقانی وفات پا رہے ہیں۔ نئی نسلوں میں علمِ دین کی طرف توجہ کیا نفرت پھیل رہی ہے اور پھیلائی جا رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ علمِ دین دنیا سے ختم ہو جائے گا۔ اب جو کچھ تھوڑی سی تعلیم دین کی ہو رہی ہے وہ صرف غریبوں کے دم سے، ورنہ مالدار لڑکے تو اس طرف قطعاً متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ یہ قصور لڑکوں کا نہیں والدین کا ہے۔ اگر متمول لڑکے عربی دینیات کی تعلیم حاصل کرتے تو وہ غریب لڑکوں سے زیادہ دین اور مسلمانوں کی خدمت کر سکتے تھے، مگر ہائے افسوس کہ وہ تو مُردار دُنیا کی ظاہری رونق پر مرے جا رہے ہیں۔ انھیں اس کا ہوش ہی نہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور ہمیں کیا کرنا چاہئے تھا۔ دوستو! اگر تم کو خدا کی صحیح طور پر عبادت کرنی ہے۔ اگر تم اسلام کا کلمہ بلند کرنا چاہتے ہو۔ اگر تمہیں اسلام کی ترقی کی خواہش اور تڑپ ہے تو اسلامی تعلیمات کا مکمل علم حاصل کرکے دُنیا کے دوسرے انسانوں کو اسلام کا پیغام پہنچاؤ۔ گم کردۂ راہ مسلمانوں

کو راستہ دکھاؤ اور آخرت میں بڑے بڑے درجات حاصل کرو۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو طالبِ علمِ دین ہو کر کسی راستے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنّت کے راستہ پر لے جائے گا (کیونکہ علم ہی کے ذریعہ جنّت کا راستہ ملتا ہے) اور فرشتے اپنے پر اس کے لئے فرشِ راہ کر دیتے ہیں اور اُس کے لئے آسمان و زمین کی تمام مخلوق حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں استغفار کرتی ہیں اور عالمِ دین کی فضیلت (بغیر علم دین کے) عبادت کرنے والے پر ایسی ہے جیسے کہ چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر اور علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں کیونکہ انھوں نے ترکہ میں روپے اشرفیاں نہیں چھوڑیں بلکہ علم ہی اپنا ورثہ چھوڑا ہے۔ پس جس نے علم حاصل کیا، اُس نے پورا حصّہ پایا۔ (ابوداؤد) حضورؐ کے سامنے دو شخصوں کا ذکر کیا گیا، جن میں ایک عالم تھا دوسرا عابد تو آپ نے فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص پر۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے اور تمام آسمان و زمین والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی (دریا میں) رحمت کی دُعا کرتے ہیں، اس پر جو لوگوں کو خیر یعنی علم کی تعلیم دے۔ (ترمذی) اور فرمایا کہ شیطان کو ایک عالِم کا بہکانا زیادہ بھاری ہے ہزار عبادت کرنے والوں کو بہکانے سے (ترمذی) ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا، جن میں سے ایک عالم تھا جو فرض نماز پڑھ کر لوگوں کو علمِ دین کی تعلیم دیا کرتا تھا اور دوسرا ہمیشہ دن کو روزے رکھتا تھا اور رات بھر (عبادت میں) کھڑا رہتا تو آپ نے فرمایا کہ اُس عالِم کی فضیلت اس عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر (دارمی) ایک بار حضور صلّی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں تشریف لائے (دیکھا کہ) دو مجلسیں ہو رہی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دونوں خیر پر ہیں۔ یہ لوگ یعنی عبادت کی مجلس والے تو اللہ کو پکار رہے ہیں اور اس کی طرف رغبت کر رہے ہیں۔ پس اگر اللہ چاہے تو دے دے اور اگر چاہے تو

منع کر دے اور یہ دوسرے لوگ یہ تو علم اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور دوسروں کو تعلیم دے رہے ہیں۔ یہ ان سے افضل ہیں اور میں بھی معلم بنا کر ہی بھیجا گیا ہوں پھر انھیں میں خود بھی تشریف فرما ہوئے (دارمی) حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ عام مومنین سے علماء کے سات سو درجات زیادہ ہوں گے کہ ہر ایک درجہ میں پانچ سو برس کی راہ کا فاصلہ ہوگا (احیاء) اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالِم کی سیاہی شہدا کے خون کے ساتھ وزن کی جائے گی۔ پس سیاہی وزن میں بڑھ جائے گی۔ (کنز الاعمال) نیز حضورؐ نے فرمایا کہ جب پُل صراط پر عالِم اور عابد لوگ پہنچیں گے تو عابد سے کہا جائیگا کہ اپنی عبادت کی وجہ سے جنت میں چلا جا اور عالِم سے کہا جائے گا کہ ٹھہر اور جس کی چاہے سفارش کر، تُو جس کی سفارش کرے گا قبول کی جائے گی۔ (کنز) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عالِم کی مجلس میں آنا ہزار رکعت نماز سے، ہزار مریضوں کی عیادت سے اور ہزار جنازوں میں شریک ہونے سے بہتر ہے (احیاء) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک عالِم کا تکیہ لگائے ہوئے بیٹھ کر اپنے علم میں غور کرنا عابد کی ستر سالہ عبادت سے بہتر ہے (کنز) حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا ہے کہ ایک ساعت علم پڑھنا پڑھانا پوری رات جاگنے سے بہتر ہے (دارمی) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ (متفق علیہ) معلوم ہوا کہ جو دین کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ بڑی زبردست بھلائی اور خیر سے محروم ہیں۔ غرض یہ علمِ دین اتنی اہم چیز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک پہلو سے اپنی اُمت کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔ اس پر بھی اگر اُمت کے لوگ علمِ دین سے غفلت برتیں تو اس کو بد قسمتی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ علمِ دین کی اہمیت اور علماءِ دین کی عزت وعظمت قرآن وحدیث میں صاف صاف اور بہت اہم طریقہ پر بیان کی گئی ہے جس کے معلوم ہونے کے بعد علمِ دین اور علماء کی توہین اور

برائیاں عام طور پر بیان کرنا بڑا زبردست گناہ ہے اور بعض دفعہ ایسی حرکات سے کُفر تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے، کیونکہ جن لوگوں کی اور جس علم کی خُدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر تعریف اور اہمیت بیان کی ہو ان کی توہین کرنا گویا خُدا اور رسول کی تکذیب کرنا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس بارے میں بہت احتیاط برتیں۔ ہاں بیشک عُلماءِ سُوء کسی فضیلت کے مستحق نہیں، لیکن عوام نہیں جانتے کہ علماءِ سُوء میں سے کون ہے اور علماءِ حق کون؟ ہماری مرضی اور ہمارے خیال کے خلاف جو عالم کچھ کہے ہم اس کو علماءِ سُوء میں سے سمجھ لیتے ہیں۔ یہ بڑی زبردست غلطی ہے۔ قرآن و حدیث میں علماءِ حق اور علماءِ سُوء کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں، ہمیں چاہیئے کہ پہلے ہم اس فرق کو سمجھیں، جس کا بیان انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں کیا جائے گا اور پھر اگر کوئی شخص علماءِ سُوء میں سے معلوم ہو تو اس کا نام لے کر کچھ کہنا چاہیئے بشرطیکہ کہنا جائز ہو۔ عام طور پر تمام علماء کو بدنام کرتے رہنا، یہ دین کی توہین اور عوام کے دل میں مذہب اور مذہبیات سے نفرت پیدا کرتا ہے، جس کا آخری نتیجہ کُفر ہی نکلتا ہے۔ پس آپ سمجھ دار ہو کر کوئی ایسا کام نہ کریں، جس سے دینِ اسلام برباد ہونے کا اندیشہ ہو۔ اب دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو علمِ دین پڑھنے پڑھانے کی توفیق دے اور اس پر عمل کرنے میں مدد فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

خطبہ جمعہ پنجم ماہِ محرم در تعلیمِ ضروریاتِ دین

اقامتِ علماء اور علماءِ حق و سوء کا معیار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَ الْعِلْمَ وَالْعُلَمَاءَ ○

وَجَعَلَ التَّقْوٰی مِعْیَارَ الْمُقَرَّبِیْنَ وَالْفُضَلَاءَ ○

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ +

ذُو الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْكِبْرِیَاءِ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ

سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

سَیِّدُ الْاَنْبِیَاءِ ○ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰٓی اٰلِهٖ

وَاَصْحَابِهٖ وَمَنِ اقْتَدٰی بِهٖ مِنَ الْاَتْقِیَاءِ ○

اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ

مُحْتَاجُوْنَ اِلَی الْعُلَمَاءِ فِیْ اِصْلَاحِ دِیْنِكُمْ ○

فَانْصِبُوْهُمْ عَلَى الْمَسَافَةِ الْعَدْوِيَّةِ مِنْ بِلَادِكُمْ [1]

وَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِيْنَكُمْ ○ وَقَدْ قَالَ [2]

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ + اِذَا وُسِّدَ

الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ ○ فَلَا بُدَّ

مِنَ التَّمْيِيْزِ بَيْنَ عُلَمَاءِ الْحَقِّ وَالرَّبَّانِيِّيْنَ ○

وَبَيْنَ عُلَمَاءِ السُّوْءِ وَالْمُتَلَبِّسِيْنَ ○ وَقَدْ قَالَ

اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ○ وَ

قَالَ [3] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + اَلَا اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ

شِرَارُ الْعُلَمَاءِ ○ وَخَيْرُ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ ○ وَقَالَ [4]

عُمَرُ [رض] اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ

---

[1] قال المحقق الدوانی فی شرح العقائد ویجب اقامة عالم للمسافة العدویة لیرجع الناس فی امور دینهم والافهم اثمون ۱۲ [2] رواه البخاری ۱۲ [3] رواه البخاری ۱۲ [4] فی الاحیاء والمشکوٰة ۱۲

اَلْمُنَافِقُ الْعَلِیْمُ ۝ فَقَالُوْا کَیْفَ یَکُوْنُ مُنَافِقًا عَلِیْمًا ۔ قَالَ عَلِیْمُ اللِّسَانِ جَاهِلُ الْقَلْبِ وَالْعَمَلِ وَعَنِ ابْنِ سِیْرِیْنَ اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِیْنٌ فَانْظُرُوْا عَمَّنْ تَاْخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا الخ

عہ مسلم ۱۲

وعظِ جمعہ پنجم ماہِ محرم الحرام در بیانِ ضروریاتِ دین اقامتِ علماء و معیارِ علماءِ حق و علماءِ سوء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْد ۔

برادرانِ ملت ! آج کا عنوان ہے علماءِ سوء اور علماءِ حق کا معیار ۔ یہ ظاہر ہے کہ علماء اپنی قوم و ملت کا دماغ ہوتے ہیں اور انھیں کا قول و عمل تعمیرِ ملت کا سنگِ بنیاد ہوتا ہے ۔ افراد مذہبی معاملات کو علماء کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں ۔ علماء کے کانوں سے سنتے ہیں اور علماء ہی کے دماغ سے سوچتے ہیں اور ان کے ہر قول و فعل کو شریعت کا نمونہ سمجھتے ہیں ۔ شریعتِ اسلامیہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے علماء کا وجود ضروری قرار دیا گیا ہے اور علماءِ اسلام کو مسلمانوں میں بہت بلند اور عظیم الشان مقام دیا گیا ہے

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ اور طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ اور فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اور احادیث میں فضائلِ علماء کی تصریحات ان کے درجات اُن کی ضرورت ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کوئی مسلمان علماء کی ضرورت یا ان کی جلالت شان سے انکار نہیں کرسکتا۔ البتہ وہ ملحد اور بے دین لوگ ہی انکار کرسکتے ہیں جن کا دماغ یورپ کی تقلید میں مذہب سے باغی ہو چکا ہو۔ شریعت میں تو علماء کا وجود اتنا ضروری ہے کہ محقق دوّانی شرحِ عقائد میں فرماتے ہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ ہر ایسے مقام پر جہاں سے ایک شخص صبح کو جاکر شام تک واپس آسکے ایک (مستند) عالمِ دین کا مقرر کرنا واجب ہے تاکہ ضرورت مند جاکر مسئلہ دریافت کرکے واپس آسکے۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو گنہ گار ہوں گے، لیکن اس پر عمل کرنے سے پہلے علماءِ حق و علماءِ سُوء کا معیار جاننا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ جس طرح ہر جماعت، ہر پیشہ، ہر قوم کے لوگوں میں اچھے بُرے افراد کا پایا جانا قدرتی امر ہے، اسی طرح جماعتِ علماء میں بھی علماءِ حق و علماءِ سُوء پایا جانا کوئی تعجب خیز چیز نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہم علماءِ حق و علماءِ سُوء کا شرعی معیار معلوم کریں اور پھر اس کے مطابق علماءِ حق کی حمایت کرتے ہوئے اُن سے فائدہ اُٹھائیں اور علماءِ سُوء سے نفرت کرتے ہوئے ان کے شر سے خود بچیں اور دوسروں کو بچائیں۔ لہٰذا کتاب اللہ و احادیثِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روشنی میں علماءِ حق و سُوء کا معیار پیش کرتا ہوں۔

علماءِ حق و علماءِ سُوء کا معیار یہ ہے کہ جن علماء میں وہ صفات پائی جائیں جو شریعت کے نزدیک علماء میں ہونی چاہئیں تو وہ علماءِ حق ہیں اور جن علماء میں یہ صفات نہ ہوں، یا جن میں وہ صفات ہوں جو کفّار و فسّاق کی ہیں تو وہ علماءِ سُوء

ہیں ۔ علماءِ حق کی صفات وعلامات جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کی تشریح یہ ہے :۔ علماء حق کی پہلی علامت یہ ہے کہ ان میں نیک دلی ہو، یعنی ان کا دل ہمیشہ یا اکثر بطور پر نیکی کی طرف مائل ہو، جیساکہ ابنِ مسعودؓ نے صحابہؓ کی اقتدا کی ترغیب دیتے ہوئے ان کے خصوصی اوصاف میں فرمایا ہے کہ وَاَبَرُّھَا قُلُوبًا (رواہ رزین از مشکوٰۃ ص۳۲) دوسری علامت یہ ہے کہ ان کو فقہ و قرآن وحدیث اور اُن کے متعلقات کا علم ہو جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ الرحمن علم القرآن ۔ خلق انسان پر تعلیمِ قرآن کو بلا حرفِ عطف مقدم کرنے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی انسانیت کا مدار ہی دراصل تعلیم قرآن پر ہے ۔ (از امام راغب اصفہانی) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ "بہترین[1] بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت ہے"۔ پس عالمِ قرآن وحدیث ہی عالمِ حقانی ہے، قابلِ تعظیم ہے، اسی سے دین کے مسایل دریافت کئے جائیں ۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اس کا علم صرف سطحی نہ ہو جیساکہ عموماً عالم نما واعظین کی حالت ہے بلکہ علمِ حدیث و قرآن میں تعمق حاصل ہو اور وہ اس کی گہرائیوں تک پہنچا ہو جیساکہ صحابہؓ کے اوصاف میں ابنِ مسعودؓ نے فرمایا ۔ وَاَعْمَقُھَا عِلْمًا (مشکوٰۃ) تیسری علامت یہ ہے کہ وہ مسائل بتانے، فتویٰ دینے، تفسیرِ قرآن وحدیث بیان کرنے میں جلدبازی سے کام نہ لیتا ہو، اپنی رائے سے تفسیر نہ کرتا ہو، بلکہ تفسیر مستند طریقے پر کرے ۔ فتویٰ دینے میں احتیاط برتے، غلط روایات بیان نہ کرے ۔ چنانچہ حضور[2] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علم کو بندوں کے سینوں سے نہیں اُٹھائے گا بلکہ علماء کو دُنیا سے اُٹھا کر علم کو اُٹھائے گا ۔

---

[1] خیر الحدیث کتاب اللہ الخ ۱۲ [2] ابن عمر ۔ مشکوٰۃ ص۳۳ ۱۲

یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ چھوڑا جائے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا قائد و سردار بنا لیں گے جن سے مسائل پوچھے جائیں گے تو بغیر علم کے فتویٰ دیں گے۔ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے نیز آپ نے فرمایا کہ[۱] میری طرف سے کسی بات کی نسبت کرکے بیان کرنے سے بچو سوائے ان باتوں کے جن کو تم نے (صحیح طریقہ پر) جان لیا ہے پس جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا اُسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے نیز آپ نے فرمایا کہ جس نے قرآن (کی تفسیر) میں اپنی رائے سے (کچھ) کہا، اسے چاہیئے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنالے (بحوالۂ مذکورہ) آج کل لوگ اپنی تائید میں عموماً کہہ دیا کرتے ہیں کہ حضورؐ نے یوں فرمایا ہے۔ قرآن میں ایسا آیا ہے۔ اکثر واعظین اور میلاد خواں بڑی کثرت سے غلط روایات بیان کیا کرتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ ایسا بولنا اور بیان کرنا سخت گناہ ہے۔ عوام کو ہرگز ایسی جرأت نہ کرنی چاہیئے اور ابنِ مسعودؓ نے فرمایا[۲]۔ اے لوگو جو جانے وہ کہہ دے اور جو نہیں جانتا، اسے چاہیئے کہ وہ کہہ دے کہ (مجھے معلوم نہیں) اللہ زیادہ جانتا ہے۔ چوتھی علامت یہ ہے کہ خود عامل ہو یعنی فرائض، واجبات، سنن مؤکدات پر پابند ہو اور حرام، مکروہ تحریمی اور کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو۔ یہ عالم کے باعمل ہونے کا کم سے کم درجہ ہے۔ اگر کسی عالم میں اتنا بھی عمل نہ ہو تو یقیناً وہ علماءِ سُوء میں داخل ہوگا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ الآیہ یعنی تم میں سب سے بزرگ وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کی ہلاکت (کا باعث) فاجر عالِم اور جاہل عابد ہے اور سب بُرے لوگوں سے زیادہ بُرے علماءِ سُوء ہیں، اور تمام اچھوں میں سب سے اچھے علماءِ حق ہیں۔ (احیاء ص ۳۷/۱۲) پانچویں علامت یہ ہے کہ وہ علم و تبلیغ کی اشاعت کرتا ہو۔ بعض لوگ اور بعض پیر صاحبان جس قوم میں اپنا سکہ جما لیتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ اس قوم میں علم و تصوف پھیلے۔ اس خوف سے کہ اگر

[۱] از ابن عباس رضہ مشکوٰۃ ص ۳۵ [۲] مشکوٰۃ ص ۳۷

کوئی دوسرا ان میں سے عالم و واقف ہوگیا تو پھر اپنی قدر نہ رہے گی اور لوگوں کی جہالت سے فائدہ اٹھانے کا دیر تک موقعہ نہ مل سکے گا' اس لئے وہ کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کو دوسرے کاموں میں لگائے رکھیں تاکہ علم کی طرف ان کی توجہ نہ ہوسکے۔ ایسے تمام علماءٗ پیر' مُلّا اور امام صاحبان یہ سب علماءِ سُوء میں سے ہیں۔ عالم حقانی وہ ہے جو زیادہ سے زیادہ قوم میں علم کی روشنی پھیلائے۔ قوم کے دماغ کو منوّر کرے۔ اپنی کوشش علمِ دین کے پھیلانے میں برابر مصروف رکھے۔ ابو امامہ رضؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحمت نازل کرتا ہے اور اسکے فرشتے اور تمام آسمان و زمین والے یہانتک کہ چیونٹی اپنی سوراخ میں اور مچھلی پانی میں (سب) دُعائے خیر کرتے ہیں (ایسے شخص پر جو) لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہو۔ (ترمذی) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے (علم حاصل کرکے) پہنچاؤ۔ اگرچہ ایک آیت ہی ہوسکے (بخاری) نیز حضورؐ نے فرمایا کہ بروزِ قیامت خُدا کے نزدیک سب سے ذلیل درجہ کا وہ عالم ہوگا' جس کے علم سے فائدہ نہ اُٹھایا جاسکے، یعنی لوگوں کو اس کے علم سے فائدہ نہ پہنچے (دارمی) چھٹی علامت یہ ہے کہ متورع ہو، یعنی حرام کاموں' حرام چیزوں سے بچنے کے علاوہ ایسی چیزوں اور ایسے کاموں سے بھی بچتا ہو، جن کے ناجائز ہونے کا شُبہ ہو، کیونکہ آپؐ نے فرمایا کہ دین کی اصل بنیاد ورع ہے۔ (بیہقی) ساتویں علامت یہ ہے کہ اسے خوفِ خدا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ" اس کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ (تعالیٰ) سے خوف کھاتے ہیں"۔ آٹھویں علامت یہ ہے کہ سلفِ صالحین کا متبع ہو۔ سادگی پسند ہو، جیساکہ ابنِ مسعودؓ اقتداءِ صحابہ کی ترغیب دیتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ وہ تمام اُمّت سے افضل تھے۔ قلب کی نیکی، علم کی گہرائی، معاشی سادگی کے اعتبار سے۔ نویں علامت یہ ہے کہ مخلص ہو، ریاکار اور طالبِ شہرت نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بروزِ قیامت سب سے

عله انما یخشی اللہ الخ عله ماخوذ از حدیث ابنِ مسعودؓ رواہ رزین ونقلہ صاحب المشکوٰۃ ص۳۲

پہلے ایک شخص کا فیصلہ کیا جائے گا، جس نے علم سیکھا اور سکھلایا اور قرآن پڑھا۔ اس کو پیش کیا جائے گا اور دُنیا میں اس کو دی ہوئی نعمتوں کو جتلایا جائے گا۔ وہ ان کو پہچان لے گا۔ تب اس سے کہا جائے گا کہ پھر تُو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے علم سیکھا اور سکھلایا اور تیری یاد میں قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تُو نے جھوٹ کہا۔ تُو نے علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ تو عالم کہلائے اور قُرآن پڑھا تھا تاکہ تجھ کو قاری کہا جائے اور تجھ کو عالم و قاری کہا جاچکا (یعنی جس نیت سے کیا تھا وہ حاصل ہو چکی) پھر اس کو مُنہ کے بل کھینچا جائے گا، یہاں تک کہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (الحدیث رواہ مسلم) حاضرین! آج ہم نے جن کو علماءِ حق سمجھ رکھا ہے، ان کی بالکل یہی حالت ہے کہ وہ اپنی شہرت کے زیادہ سے زیادہ طالب ہیں۔ اپنے نام کے ساتھ بڑے القابات اور کافر حکومت سے ملے ہوئے خطابات اور ڈگریوں کا دُم چھلّا ضرور لگاتے ہیں۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ وہ مسلمان جو کُفر کو مٹانے آیا تھا آج کافر سے عزّت و شہرت اور القاب و خطاب کا طالب ہے، حال آں کہ جب کافر کو عزّت دینا جائز نہیں تو پھر اُن سے عزّت کی بھیک مانگنا کب جائز ہو سکتا ہے؟ قرآنِ کریم میں یہ حال منافقوں کا بتلایا گیا ہے۔ ارشاد ہے: اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ الآیہ یعنی کیا یہ (منافقین) کافروں کے پاس سے عزّت چاہتے ہیں. (لیکن) یقیناً تمام عزّت اللہ ہی کے لئے ہے۔ الغرض ریاکار طالبِ شہرت لوگ علماءِ حق سے بہت دُور اور پکّے علماءِ سُوء ہیں۔ دسویں علامت یہ ہے کہ وہ طالبِ دُنیا اور حریص نہ ہو۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے دین کا علم حاصل کیا، تاکہ اس کے ذریعہ دُنیا کا کوئی سامان حاصل کرے وہ جنّت کی خوشبو (بھی) نہ پائے گا (ابوداؤد) اور اللہ تعالیٰ نے علماءِ حق کی تعریف میں فرمایا ہے کہ

اہلِ کتاب[1] میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ پر اور اُس (کتاب) پر جو اُن پر اور اُس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی ایمان لاتے ہیں۔ وہ اللہ کے لئے خاشع ہیں۔ وہ اللہ کی آیات کی عوض میں کم قیمت (دُنیا) کو نہیں خریدتے۔ یہی لوگ ہیں، جن کے لئے ان کے رب کے پاس (بڑا) اجر ہے اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ "جب تم کسی عالِم کو دیکھو کہ وہ دنیا سے محبّت رکھتا ہے تو دین داری میں اس پر شُبہ کرو"۔ (احیاء) یعنی ایسے عالِم کے قول وفعل کا کوئی اعتبار نہیں"۔ گیارھویں علامت یہ ہے کہ عالِم مجادل نہ ہو، یعنی بلا وجہِ شرعی دوسرے علماء کی غلطیاں پکڑنا، اُن سے علمیت جتانے کے لئے مباحثہ کرنا، لفظی جھگڑے کرنا، یہ بھی علماءِ سُوء کی نشانی ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جس نے علم اس لئے حاصل کیا تاکہ علماء سے مقابلہ کرے یا جاہلوں سے جھگڑے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ اپنے علم کو بنائے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل فرمائے گا۔ (ترمذی) بارھویں علامت یہ ہے کہ اپنے علم پر گھمنڈ اور فخر نہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ[2] متکبّر اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ یہ مرض عموماً علماءِ سُوء میں اکثر موجود رہتا ہے بلکہ یہ تو ہر شخص میں کچھ نہ کچھ پایا ہی جاتا ہے کہ ہر شخص یوں سمجھتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کوئی نہیں۔ ہر مولوی سمجھتا ہے کہ بس مجھ سے بڑھ کر کوئی نہیں حال آں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر جاننے والے سے زیادہ جاننے والا موجود ہے (قرآن) تیرھویں علامت یہ کہ اُمراء اور ظالم حاکموں سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک علماء[3] میں سب سے زیادہ مبغوض وہ ہے جو ظالِم حاکموں کے پاس آتا جاتا ہو (مشکوٰۃ) نیز آپؐ نے فرمایا کہ علماء رسولوں کے

[1] وان من اھل الکتاب لمن یومن باللہ الایہ [2] ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا

[3] ترجمہ لفظ قراء کے معنیٰ علماء ہیں کہ عہدِ نبویؐ میں عالِم کو قاری بولا جاتا تھا ۱۲

امین ہیں اللہ کے بندوں پر جب تک کہ وہ بادشاہوں سے میل نہ کریں اور جب وہ ایسا کرنے لگیں تو اب ضرور وہ رسولوں کی امانت میں خیانت کریں گے۔ پس ان سے بچو۔" (احیاء) جو علماء حکام رس ہیں یا مالداروں سے اپنے تعلقات بڑھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں وہ ضرور علماءِ سُوء ہیں، جن سے بچنا لازم ہے ہاں شرعی ضرورتوں کے لئے ان سے ملنے میں مضائقہ نہیں جبکہ خود کو کسی گناہ میں مبتلا ہونا نہ پڑے۔ چودھویں علامت یہ ہے کہ عالم متشاعر نہ ہو یعنی بہ تکلف شاعر بننے کی کوشش نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ (الآیہ) " اور ہم نے اپنے رسول کو شاعری نہیں سکھلائی اور شاعری رسول کی شانِ عالی کے مناسب بھی نہیں"۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ٥ اور شعراء (چونکہ خود گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں، لہٰذا) ان کی پیروی بھی گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں"۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم ایک مقام عرج میں تشریف لے جا رہے تھے کہ اتنے میں ایک شاعر شعر پڑھتا ہوا سامنے آیا تو حضورؐ نے فرمایا" اس شیطان کو پکڑو۔ کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جانا بہتر ہے اس سے کہ اس کا پیٹ شعر سے بھرے"۔ (مسلم) ان تصریحات پر غور کرنے کے بعد اب آپ مسلمانوں کے طرزِ عمل پر نظر کیجئے کہ شعر خوانی اور مشاعرہ بازی کس قدر کثرت کے ساتھ رائج ہوگئی ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ اس قسم کے مشغلوں میں جس قدر روپیہ آپ خرچ کرتے کراتے ہیں، یہ سب اسراف میں داخل اور حرام میں صرف ہو رہا ہے۔ پھر غضب یہ کہ آج تو علماء بھی ان بیہودگیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ بھی بڑے فخر کے ساتھ مشاعروں میں حصّہ لیتے ہیں۔ اشعار سناتے ہیں اور داد لیتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ نفس اپنی عزّت اور شہرت اور تعریف کئے جانے کی خواہش رکھتا ہے، ورنہ سوچئے تو کہ

خدا سے ڈرنے والے متقی پرہیزگار خدمتِ دین میں مصروف رہنے والے عالِم کو ان خرافات سے کیا نسبت ہے؟ بلا شبہ حمایتِ دین کے لئے شعر پڑھ لینا یا بنا لینا جائز ہے، لیکن اس اجازت کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اس میں انہماک اور پوری مشغولیت اختیار کی جائے۔ قرآن و حدیث میں جو ممانعت و مذمت ہے وہ زیادہ مشغولیت ہی کی ہے۔ الغرض شعر و شاعری میں انہماک رکھنے والا عالِم علماءِ سُوء میں داخل ہے۔ پندرھویں علامت یہ ہے کہ بدعتی اور بدعت کا حامی نہ ہو کہ جو مسلمانوں کو نئی نئی بدعات میں مبتلا کر کے اپنا پیٹ بھرنے کی کوشش کرے اللہ تعالیٰ نے خود اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ "مسلمانو! اہلِ کتاب کے اکثر عالِم اور مشائخ (یعنی پیر لوگ) لوگوں کے مال ناحق ڈکارتے اور راہِ خدا سے لوگوں کو روکتے ہیں" یہی حال اکثر علماء اور مشائخ کا ہے کہ انھوں نے کمانے کے لئے دین کے نام پر ایسی ایسی چیزیں ایجاد کر دی ہیں، جن کے ذریعہ بیٹے پوتے تک اپنا دوزخ بھرتے ہیں، حالانکہ[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں کوئی ایسی چیز پیدا کی جو در اصل دین کی بات نہیں پس وہ رد ہے (متفق علیہ) اور جب وہ بدعت رد ہے تو بدعت کا موجد بھی مردود ہے، لہٰذا وہ علماءِ سوء میں داخل ہے جن کے دامِ مکر سے بچنا ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے بدعتی شخص کی تعظیم و تکریم کی تو اس نے دین کو برباد کرنے پر مدد دی (مشکوٰۃ) سولھویں علامت یہ ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین و ہنود کی تہذیب و تمدن کا متبع اور پسند کرنے والا نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہود و نصاریٰ کے طور و طریق کو حدیث میں مغضوب علیہم اور ضالین کی راہ بتایا گیا ہے اور مشرکین کی مذمت سے تو سارا قرآن پُر ہے۔ پس ان چیزوں کو اختیار کرنے والا عالِم خواہ وہ مکہ مدینہ کا ہو یا مصر و شام اور بغداد و عراق کا، ہرگز علماءِ حق میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ سترھویں علامت یہ ہے کہ وہ صابر و مستقیم ہو۔ جب علماءِ ربانی انبیاء علیہم السلام کی طرح تقویٰ شعاری، پرہیزگاری

---

[1] رواہ الترمذی عن ابن عمر رضؓ والمسلم عن ابی سعید الخدری رضؓ ۱۲

اختیار کرکے اپنے علم کے ساتھ عمل کو لازم قرار دے لیتے ہیں اور اس راہ میں جو مصائب پڑیں ان میں صبر و استقامت کا امتحان دیتے ہیں تو وہ اس بات کے مستحق ہوتے ہیں کہ لوگوں کے پیشوا اور امام بنیں۔ اللہ تعالیٰ اماموں اور پیشواؤں کی تعریف میں فرماتے ہیں[له] کہ "اور ہم نے ان میں سے دین کے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم کے موافق لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور یہ منصب امامت ان کو اس وقت ملا جب کہ انھوں نے لوگوں کی ایذا رسانی پر صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔" معلوم ہوا کہ جو علماء ایذا و نقصان کے خیال کی وجہ سے حمایتِ حق نہ کریں اور لوگوں کی خواہشات کے موافق طریقہ اختیار کرلیں اور "چلو تم اُدھر کو جدھر کی ہوا ہو" پر عمل کرنے لگیں تو وہ ہرگز علماءِ حق نہیں ہیں۔ اٹھارھویں علامت یہ ہے کہ ان میں دیانت داری ہو۔ یاد رکھئے کسی کا وعظ سُن کر یا کسی پیر کا حلقۂ ذکر ہوتا دیکھ کر جال میں نہ پھنسیے اور اپنا دین ان کے حوالے نہ کیجئے۔ جب تک کہ اس کی امانت داری کو آزما نہ لیجئے۔ اکثر ہر ہر شہر میں یہ واقعات پیش آتے ہیں کہ ایک چور، ڈاکو، عالم یا پیر کی صورت و سیرت سی بنا کر باہر سے آتا ہے۔ پُر زور وعظ کہتا ہے۔ لوگوں پر تصوف کا رنگ جماتا ہے اور لوگ جب اچھی طرح گرویدہ ہو جاتے ہیں تو اب ہماری بہو، بیٹی پر یا مال و دولت پر یا دین و ایمان پر ڈاکہ ڈال کر چلا دیتا ہے اور ہم غصہ میں کفِ افسوس ملتے ہوئے علماء اور پیروں کو بلا امتیاز گالیاں دینی شروع کر دیتے ہیں، حال آں کہ نہ سب علماء ایسے ہیں نہ سب پیر ایسے۔ یہ ہماری غلطی تھی کہ ہم بغیر امتحان کئے ان کے گرویدہ ہو گئے۔ انیسویں علامت یہ ہے کہ اس میں ایثار و قربانی کا مادّہ ہو، کیونکہ اگر کسی عالم میں یہ صفت نہ ہوگی، تو حمایتِ حق میں جب اپنی عزت و دولت یا جان قربان کرنے کی ضرورت

له وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا الآيہ ۱۲

پڑے گی تو وہ فوراً رنگ بدل لے گا، مگر اپنی ایثار و قربانی سے دین کی حمایت نہ کر سکے گا۔ آج اکثر علماء، ائمہ مساجد، واعظین، مشائخین کی یہی حالت ہے کہ وہ اپنی جان کو کسی خطرہ میں نہیں ڈال سکتے۔ مسلمان جنّت میں جائیں یا جہنّم میں، دین آباد ہو یا برباد ان کو اپنے حلوے مانڈے اور راحت و آرام سے کام ہے۔ وہ کوئی ایسا مسئلہ بیان نہیں کر سکتے جو بعض مقتدیوں کے خلاف ہو۔ اسی طرح وہ کسی کو دینا نہیں جانتے صرف لینے سے کام ہے۔ غرض اس قسم کے علماء بھی علماءِ سوء میں داخل ہیں۔ بیسویں علامت یہ ہے کہ وہ ترفہ وتنعم میں منہمک نہ ہو، یعنی عُمدہ کھانے اور عُمدہ سے عُمدہ لباس پہننے کی کوشش میں مصروف نہ رہتا ہو بلکہ جو مل جائے کھائے۔ جو میسّر ہو جائے وہ پہن لے۔ خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا۔ عُمدہ ہو یا خراب کیونکہ جو شخص ناز و نعمت میں مصروف رہے گا، وہ احکامِ الٰہی پر عمل اور حمایتِ دین میں پوری طرح مصروف نہیں ہو سکتا۔ حضرات سامعین، علماءِ حق اور علماءِ سوء میں فرق کرنے والی علامات ابھی اور بہت سی ہیں۔ تمام کی تفصیل نہیں کی جا سکتی، تاہم جتنی بیان ہو چکی ہے وہ اس مقصد میں بالکل کافی ہے۔ اگر آپ ان ہی علامات کو دیکھ کر کسی کو عالمِ حق سمجھ کر اُس سے اپنا دینی تعلق قائم کریں گے تو انشاء اللہ کبھی دھوکہ نہ کھائیں گے اور گمراہ نہ ہوں گے۔ اس معیار کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اس معیار پر علماء کو پرکھیں اور پھر جو عالم اس کے مطابق عالمِ حقانی ثابت ہو اسی کو اپنا امام مقتدا بنائیں۔ اس سے مسائل پوچھیں اور فتویٰ لیں۔ ایسے ہی علماء کو مساجد کے امام، مدرسوں کے مدرس وغیرہ بنائیں۔ انھیں کو دینی جمعیت کے لئے منتخب کریں۔ انھیں کی حمایت میں اپنی جان و مال خرچ کریں اور ان کے دینی کاموں میں ہر قسم کی اعانت کریں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کی بہت جلد اصلاح ہو جائے گی۔ تمام دینی خدمتوں کے

اہل، در اصل یہی مقدس حضرات ہیں۔ علماءِ حق و علماءِ سُوء میں تمیز نہ کرنا، سب کو بُرا بھلا کہنا یا ہر ایک عالم نما ڈاکو کو عزت دینا، بڑی زبردست غلطی ہے اور اسی کی وجہ سے بڑی بڑی خرابیاں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ اسلام کی عزت و فضیلت کو برباد کرنے والی چیز عالم کی لغزش اور منافق (یعنی بد عمل) کا کتاب اللہ کے ساتھ جدال اور گمراہ سرداروں کا فیصلہ ہے (دارمی) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آجائے جس میں اسلام کا صرف نام باقی رہ جائے (یعنی عمل نہ رہے) اور قرآن کے صرف نقوش باقی رہ جائیں، یعنی اس کے فیصلہ پر عمل نہ کیا جاوے اور ان کی مسجدیں خوب آباد ہوں، یعنی عمدہ عمدہ بلڈنگیں جھاڑ فانوس پنکھے وغیرہ سب کچھ سامانِ آرائش ہو، لیکن وہ ہدایت کے لحاظ سے برباد ہوں۔ (یعنی ان میں صحیح مسائل و عقائد اور ضروری ہدایات کا بیان نہ ہو) ان کے علماء تمام مخلوق سے بدتر ہوں گے، انھیں سے فتنے نکلیں گے اور انھیں میں لوٹیں گے (بیہقی) مسلمانو! سوچو کہ کیا آج ہماری مسجدوں کی، ہمارے اسلام کی حالت بالکل یہی نہیں ہے؟ اور علماءِ حق کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس علم (دین) کو ہر پچھلے آنے والے لوگوں میں سے عادل لوگ حاصل کریں گے (یعنی جو اعتدال اور درمیانی راستے کو اختیار کرنے والے ہوں گے۔ نہ افراط کریں گے نہ تفریط) وہ اس علم سے غلو کو اور دروغ گو لوگوں کی جھوٹی نسبت کو اور جاہلوں کی تاویل کو دفع کریں گے۔ (بیہقی) مطلب یہ کہ اعتدال پسند علماء غلو کرنے والوں کے غلو کو دُور کریں گے۔ جھوٹی، غلط اور گھڑی ہُوئی روایات بیان کرنے والوں کے جھوٹ کو ظاہر کریں گے۔ یہی جماعت علماءِ حقانی کی ہے، جس کی پیشین گوئی اس حدیث میں بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا ہمیں تمیز کرنا چاہیئے۔ محمد بن سیرین تابعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ علمِ دین ہے۔ (معمولی چیز نہیں) ہے

پس (خوب) غور کرلو کہ تم کس سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو (مسلم) پس اندھا دھند ہر زبان دراز کو مولوی سمجھ لینا اور پھر ہر مولوی کو بلا پرکھے ہوئے دینی خدمات سپرد کر دینا اور پھر ناگوار واقعات پیش آنے پر تمام علماء کو برا بھلا کہہ دینا یہ سب مسلمان قوم کی بڑی بھاری اور زبردست غلطیاں ہیں، جن سے بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ اگر تمام علامتیں کسی شخص میں نہ پائی جائیں تو پھر دیکھنا چاہیے کہ علماءِ حق کی علامتیں غالب ہیں یا علماءِ سُوء کی۔ جونسی زیادہ ہوں انہی پر حکم لگایا جائے۔ نیز کسی کی اتفاقی غلطی یا معمولی غلطی پر کسی کو علماءِ سُوء میں سے قرار دے دینا غلط ہوگا۔ بعض اوقات آدمی کو خود غلط فہمی ہو جاتی ہے، جس سے وہ دوسرے کو غلط کار سمجھ لیتا ہے، حالانکہ وہ ایسا نہیں ہوتا۔ غرضیکہ علماءِ سُوء میں ہونے کا فیصلہ بھی سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔ اب دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں علماءِ حق اور صالحین سے بنا دے اور ہم سب کو دینی عقل اور تمیز دے اور اپنا مطیع و فرماں بردار بنائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

؎ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا الخ

خطبہ جمعہ اول ماہِ صفر در تعلیم ضروریاتِ دین

بدشگونی، بدفالی، نحوست اور توہمات کی تردید

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ الْخَلْقَ وَقَدَّرَ ۝ لَا مَانِعَ

لِقَضَائِهٖ وَلَا دَافِعَ لِمَا قَدَّرَ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ صَاحِبُ

الْقُوٰى وَالْقَدَرِ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْهَادِىْ اِلَى الدِّيْنِ الْمُطَهَّرِ ○

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مَادَارَتِ الشَّمْسُ

وَالْقَمَرُ اَمَّا بَعْدُ فَيَا اَيُّهَا النَّاسُ ○ اِغْتَنِمُوْا

الْفُرْصَةَ فَقَدْ ذَهَبَ عَنْكُمُ الْمُحَرَّمُ وَجَاءَ اِلَيْكُمُ

الصَّفَرُ ○ وَمَا هٰذَا اِلَّا عَلَامَاتُ الرَّحِيْلِ وَالسَّفَرِ ○

فَتَزَوَّدُوْا مِنَ الصَّفَرِ لِلظَّفَرِ ○ وَتَوَكَّلُوْا عَلٰى خَالِقِ

الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ ○ وَسُدُّوا الظُّنُوْنَ عَنْ نُحُوْسَةِ

الصَّفَرِ ○ فَقَدْ قَالَ[عه] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ + لَا عَدْوٰى

عہ ۔ بخاری ۱۲

وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ (الحديث) وَفِي رِوَايَةٍ[1]

وَلَا نَوْءَ وَفِي رِوَايَةٍ[2] وَلَا غُوْلَ ○ وَقَالَ[3] عَلَيْهِ

الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَاَلَهٗ عَنْ شَيْءٍ

لَا يُقْبَلُ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ○ وَمَارُوِيَ[4] عَنْهُ

عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + اَنَّهٗ قَالَ الشُّؤْمُ فِي الْمَرْاَةِ

وَالدَّارِ وَالْفَرَسِ ○ فَهُوَ عَلٰى سَبِيْلِ الْفَرْضِ ○ لِاَنَّهٗ

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِي رِوَايَةٍ اُخْرٰى[5] وَ

اِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِي شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَ

الْمَرْاَةِ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ

قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

[1] رواہا مسلم ۱۲ [2] مسلم ۱۲ [3] بخاری ۱۲ [4] ابوداؤد ۱۲

وعظِ جمعہ اول ماہِ صفر در تعلیمِ ضروریاتِ دین

بدشگونی، بدفالی، نحوست اور توہمات کی تردید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔

برادرانِ ملت! یہ بات تو مُسلّم ہے کہ تمام عالم کا تربیت دینے والا، پرورش کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے اپنی مصلحتِ کاملہ سے عُمدہ پرورش کے لئے سامان مہیّا کئے اور قوانین ایجاد فرمائے اور اپنے کرم سے انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام کو اپنا خلیفہ بنایا، جن کی پوری زندگی ہماری تربیت اور تعلیم میں صرف ہوئی۔ بچوں کی تربیت کے لئے کبھی ان کو خوف دلانے اور کبھی اُن میں بے خوفی پیدا کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز بے جگہ استعمال کی جائے تو تربیت اچھی نہیں ہوسکتی اور ایسے بچہ میں اعتدالِ مزاج پیدا نہیں ہوتا۔ تجربہ ہے کہ جو مائیں اپنے بچوں کو ڈراتی رہتی ہیں ان کی اولاد بہادر اور دلیر نہیں ہوتی، حالانکہ جوانمردی انسان کا ایک خاص وصف ہے، جس کے بغیر مشکل کام انجام نہیں پاتے۔ اسی طرح جو لوگ اپنی اولاد کو ڈراتے دھمکاتے نہیں ان میں جرأتِ بیجا پیدا ہو جاتی ہے جو ظلم و جور کی جڑ ہے۔ پہلے طریقۂ تربیت کی مثال خود ہمارا غلامانہ وجود ہے کہ ہمیں پہلے ہوّا کہتے سے پھر سپاہی اور داروغہ سے پھر ڈپٹی اور کلکٹر سے، پھر حکومت اور اس کی فوج و لشکر سے ڈرایا جاتا رہا، یہاں تک کہ اب ہم اتنے خوف زدہ ہو چکے ہیں کہ آزادی حاصل کرنا اور غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالنا تو کجا حق بات بھی کسی افسرِ بالا کے سامنے کہتے ہوئے بدن میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ سانس پھول جاتا ہے اور مارے خوف کے زبان بند ہو جاتی ہے۔ اس قدر بزدلی، پست ہمتی اور خوف و

ہراس پیدا ہو جانے کی ایک بڑی وجہ بھی غلط طریقۂ تربیت ہے۔ دوسرے طریقۂ تربیت کی مثال ہلاکو خاں، چنگیز خاں، ہٹلر و ہملر جیسے ظالم و جابر سلاطین ہیں، جن کو ادنیٰ سی بات پر انسانی جان کا لے لینا اور ان کی لاشوں کو تڑپتا دیکھنا بھی متاثر نہیں کر سکتا۔ یہ ظلم و جور اور سنگ دلی کہاں سے پیدا ہوئی۔ غلط طریقۂ تربیت سے، جس میں اپنے مقاصد کے لئے دوسروں کی تمنّاؤں کو کچلنے کی بیجا جرأت سکھائی گئی اور تخویف و تہدید کو مطلق دخل نہیں دیا گیا۔

الغرض خوف و جرأت دونوں ضروری اصول ہیں۔ ایک دوسرے کے بغیر کام نہیں دیتے اور انسان کی تربیت کما حقہٗ نہیں ہو سکتی۔ اعتدالِ مزاج تربیت میں اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ ان دونوں اصول سے اپنے اپنے وقت پر کام لیا جائے۔ ترقی کے لئے اسی اعتدال کی ضرورت ہے اور بغیر اس کے ترقی کا حصول و قرار محال ہے، کیونکہ خوف مانعِ ترقی ہے اور ظلم باعثِ زوالِ ترقی ہے۔

ابتدائے اسلام میں کم سے کم مدّت کے اندر ایک چھوٹی سی جماعت کی یہ ترقی کہ جس کو دیکھ کر دشمنانِ اسلام آج بھی انگشت بدنداں ہیں۔ اس کا راز یہی ہے کہ اللہ کے خلیفۂ اعظم سرورِ دو عالم نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں اصولوں سے اس قلیل جماعت کی تربیت فرما کر اعتدالِ مزاج پیدا فرما دیا تھا۔ یہی اعتدالِ مزاج ان کو لے کر اٹھا اور ایسا اُٹھا کہ تمام دُنیا پر چھا گیا۔ اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کے قلوب سے بزدلی کی تمام جڑیں اُکھیڑ دیں اور جرأتِ بیجا کے تمام سُوت نکال کر پھینک دئے۔ وہ نڈر اور ہر چیز سے بے خوف تھے۔ البتہ صرف اللہ کا ڈر ان کے دل و دماغ پر مسلّط رہا۔ ان کے خیال میں دیوی، دیوتا، جن، بھوت پریت، شیطان اور غولِ بیابانی کوئی چیز بھی مؤثر بالذّات نہ تھی۔ ان کے اعتقاد میں دن اور مہینے، دریا اور پہاڑ، ستارے اور چاند سُورج میں کوئی ذاتی طاقت نہ تھی بلکہ خود انسانی افعال میں

بھی ذاتی طور پر ان کے نزدیک کوئی اثر نہیں تھا۔ اس لیے ان کی ترقی کا راستہ روکنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ ہر ما سوی اللہ سے وہ نہایت بے خوف، بے باک اور نڈر تھے۔ ساتھ ہی وہ بہت خوف زدہ بھی تھے۔ بہت ڈرنے والے بھی تھے، مگر کس سے؟ صرف ایک خدائے وحدہٗ لا شریک سے۔ پس اُس کے حُکم کے خلاف ایک قدم نہ رکھ سکتے تھے اور اس کی رضامندی کے بعد پھر کوئی طاقت، کوئی قوت کوئی نحوست ان کی سدِ راہ نہ ہوسکتی تھی۔ اعتدال کی یہی وہ کیفیت ہے، جس نے ان کو آن کی آن میں بامِ ترقی پر پہنچا دیا۔

شجاعانِ اسلام کے مقابلہ پر تثلیث مغلوب رہی۔ یہودیت ذلیل ہوئی اور قوتِ ہنود تارِ عنکبوت ثابت ہوئی۔ ان اقوام کی ہزیمت کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ مقابلہ کے وقت ان کے باطل عقیدے اور توہّمات ہی شکست کا سامان پیدا کر دیتے تھے۔ جس قوم کے اعتقادات میں تیلی، تنبولی، بہشتی، دُھنیا، بھنگی، دھوبی کا سامنے آجانا منحوس ہو۔ چھینک آنا، چھپکلی گرنا منحوس ہو، دن اور رات میں کئی ساعتیں نحس ہوں، کئی ستارے اور تاریخیں اور مہینے منحوس شمار کئے جاتے ہوں اور نحوست کا خوف ان کے دماغ پر اس قدر طاری ہو کہ قدم باہر نکلتے نکلتے رُک جائے۔ وہ قوم کیا فتح پا سکتی ہے۔ اتفاقات سے تو کوئی وقت خالی نہیں۔ لہٰذا کسی منحوس شگون کے پیش آجانے سے ایسی قوم کی نصف طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ ایسی قوم صرف خوف و ہراس کے اصول پر تربیت پاتی ہے، جس کی وجہ سے اس میں جراُت و ہمّت اور شجاعت و بہادری کے اوصاف مفقود ہو جاتے ہیں۔ حکماء نے لکھا ہے کہ یقین الفتح نصف الظّفر اپنی فتح کا یقین ہونا، آدھی فتح حاصل کرنا ہے۔ امیر تیمور سے جمنا عبور کرتے وقت نجومیوں نے کہا کہ حضور اس وقت ساعت موافق نہیں توقف مناسب ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ

اَهْلُ التَّنْزِیْهِ وَالتَّقْدِیْسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالتَّثْلِیْثِ وَالتَّنْدِیْسِ (تاریخ ہند ذکاء)

سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جماعتِ مسلمہ کو اس طرح تربیت دی تھی کہ اس قسم کی تمام توہمات کی جن سے بزدلی اور نامردی پیدا ہو جڑ کاٹ دی اور قلوبِ صحابہ سے تمام بدفالیوں، بدشگونیوں اور اوہام پرستی کو نکال دیا۔ آپؐ نے دُنیا کو مخلوق کے رعب و خوف سے نکال کر ان میں صرف خالق کا رعب و خوف قائم فرمایا۔ کافر سورج سے مرعوب، چاند تاروں سے مرعوب، دریا پہاڑ سے مرعوب، پتھروں کی سختی اور آگ کی روشنی سے مرعوب، لیکن مسلمان سوائے خُدا کے اور کسی سے خوف نہیں کھاتا۔

اب مَیں آپ کو وہ احادیث سنانا چاہتا ہُوں جن میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان توہّمات کا قلع قمع فرمایا ہے۔ فرمایا: لَا عَدْوٰی یعنی چھوت کُچھ نہیں۔ مطلب یہ کہ چھوت کوئی ذاتی اثر نہیں رکھتی۔ ایک دفعہ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ حضورؐ اچھے اونٹوں میں ایک خارشتی اُونٹ مل جائے تو سب خارشتی ہو جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ بھلا پہلے اونٹ کو کس نے خارشتی بنایا؟ جواب ظاہر ہے کہ خدا نے بنایا تو سب کی خارشت کو بھی خُدا ہی کی طرف سے منسوب کرو۔ اُونٹ اور عدوٰی کی طرف کیوں منسوب کرتے ہو اور طاعونی مقام میں نہ جانے کا حُکم اس لئے دیا گیا کہ اگر کوئی طاعونی مقام میں جا کر مر گیا تو ضعیف الایمان لوگ یوں کہیں گے کہ طاعون کی چھوت سے مر گیا، جس سے ان کے ایمان باللہ میں ضعف پیدا ہو گا۔

اور چھوت چھات کی نفی اس مصلحت سے کی گئی تاکہ خوف و ہراس نہ پیدا ہو۔ یہاں تک کہ ایسے مریضوں کی تیمارداری کرنے والا کوئی نہ رہے۔ چنانچہ توکّل کی تعلیم دی تاکہ دِل قوی ہو جائیں۔ آگے فرمایا: وَلَا طِیَرَۃَ "بدفالی بھی کوئی چیز نہیں"۔ وہم پرستوں کا خیال ہے کہ اگر سامنے سے بلّی یا عورت یا کانا آدمی

نکل جائے تو کام نہ ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ یاد رکھئے کہ فالِ نیک تو جائز ہے، لیکن بُری فال لینا جائز نہیں کیونکہ فالِ نیک سے بلند ہمتی پیدا ہوتی ہے اور بد فالی سے پست ہمتی۔ اسی سلسلہ میں یہ عرض کر دینا بے موقعہ نہ ہوگا کہ ہمارے بہت سے جاہل بھائی اور بہنیں ایسے لوگوں کے پاس جایا کرتے ہیں جنھوں نے غیبی حالات بتانے کا ڈھونگ اختیار کر رکھا ہے تاکہ بذریعۂ فال اپنی خوش قسمتی اور بدقسمتی کا حال معلوم کریں یا مرض جادو آسیب وغیرہ کا پتہ لگائیں اور یہ جاہل قسم کے لوگ اپنی لال کتاب میں انگلی رکھوا کر بعض حالات گول مول طریقہ سے بتلا دیا کرتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ آئندہ کے حالات کسی کو غیب دان سمجھ کر پوچھنا حرام ہے اور ان دھوکہ بازوں کے فالنامے ہمیشہ فرضی خانوں یا شکلوں سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ فالنامے غلط، جھوٹ اور من گھڑت ہوتے ہیں۔ ان کا کبھی اعتقاد نہ رکھنا چاہئے۔ بعض اوقات ایسی فالوں سے گھروں میں بڑے بڑے فسادات ہو جایا کرتے ہیں یہ فالنامے قرآن و حدیث سے کہیں ثابت نہیں۔ خوب سن لو کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ قَالَہٗ ثَلٰثًا" یعنی بد فالی شرک ہے، بد فالی شرک ہے، بد فالی شرک ہے۔ حضورؐ نے تین بار فرمایا تاکہ آپ کو پوری طرح اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔ آگے آپؐ نے فرمایا وَلَا ھَامَّۃَ یعنی اُلّو کی نحوست کوئی چیز نہیں۔ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ آدمی کی رُوح اُلّو میں حلول کر آتی ہے اور جہاں یہ بولتا ہے وہ گھر برباد ہو جاتا ہے۔ آپؐ نے اس عقیدہ کو صاف طور پر باطل کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا وَلَا صَفَرَ۔ صفر کی نحوست بھی کوئی چیز نہیں۔ مشرکین ماہِ صفر کو ۱۳ تاریخ تک منحوس سمجھتے تھے اور آج ہنود میں بھی یہ عقیدہ قائم ہے۔ حضورؐ نے اس عقیدے کو باطل قرار دیا، لیکن افسوس کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس قسم کی تمام بدعقیدگی اور توہمات میں مبتلا ہیں جو در اصل مشرکین اور

ہنود کے میل جول سے ہم میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ایک روایت میں آپ نے فرمایا: وَلَا نَوْءَ۔ یعنی کارتی و پچھتر (جو جنتریوں میں لکھی رہتی ہے) بھی کوئی چیز نہیں یعنی بارش کے برسانے میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ حضورؐ نے اس کی بھی نفی فرمائی کہ پچھتر و کارتی بارش نہیں برساتا بلکہ خُدا برساتا ہے۔ چنانچہ زیدؓ بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ ایک بار حضورؐ نے ہمیں حدیبیہ کے میدان میں صبح کی نماز پڑھائی۔ شب میں بارش ہو چکی تھی۔ بعد نماز جب ہماری طرف متوجہ ہُوئے تو فرمایا کہ کیا تُم کو معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اللّٰہ ورسولہ اعلم۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد کیا ہے کہ میرے بندوں میں کوئی مومن ہو کر صُبح کو اُٹھتا ہے اور کوئی کافر ہو کر۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہم پر اللہ کی رحمت اور فضل سے بارش ہُوئی وہ مومن ہے اور جو کہتا ہے کہ ہم پر نوء ستارے کی وجہ سے بارش ہُوئی تو وہ میرا مُنکر اور ستاروں پر ایمان لانے والا ہے۔ اس حدیثِ قدسی سے معلوم ہُوا کہ کواکب میں بالذّات کوئی تاثیر نہیں اور جبکہ تاثیرات کواکب بالذّات کا اعتقاد غلط ہُوا تو تاثیراتِ نجوم پر جو احکام مرتّب کئے جاتے ہیں جس کو علمِ نجوم کہتے ہیں وہ بھی قابلِ اعتماد نہیں رہا، اسی لئے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے نجومیوں سے حالات دریافت کرنے کو منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی عرّاف کے پاس آیا تاکہ اس سے کچھ پوچھے تو چالیس روز تک اس کی نماز مقبول نہ ہوگی۔ (مُسلم) غیبی حالات بتانے کا جو دعویٰ کرتا ہو اسے عرّاف کہتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ جس نے علمِ نجوم کا ایک باب بھی سیکھا اس نے جادو سیکھا۔[1] (اور جادو سیکھنا اور سکھانا حرام ہے، تو گویا اس نے حرام کام کیا۔) پھر آپؐ نے فرمایا کہ نجومی کاہن کے حُکم میں اور کاہن جادوگر

[1] جمع الفوائد ۱۲

کے حکم میں ہیں اور جادوگر کافر ہے تو معلوم ہوا علمِ نجوم حاصل کرنا کافر بن جانے کے حکم میں ہے نعوذباللہ من ذٰلک۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کفر سے بچائے۔
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ "جو شخص کسی غیبی حالات بتانے والے کے پاس آیا (تاکہ حالات دریافت کرے) تو وہ تعلیماتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہے" اور تعلیماتِ حضورؐ کا منکر کافر ہے۔ لہٰذا نتیجہ ظاہر ہے۔

اسی طرح کسی چیز میں بدبختی اور نحوست کا عقیدہ رکھنا بھی باطل ہے اور عورت گھوڑے اور گھر کی نحوست کے جو بعض لوگ قائل ہیں وہ بھی غلط ہے۔ حدیثِ شریف میں جو اس نحوست کا ذکر ہے وہ باعتبار فرض کر لینے کے ہیں۔ ابوداؤد اور بخاری شریف کی احادیث کو ملا کر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو وہ عورت گھوڑے اور گھر میں ہوتی۔ ان الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نحوست کسی چیز میں نہیں۔ لہٰذا اس قسم کے اعتقادات رکھنا محض توہم پرستی ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بزرگانِ محترم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی وہ پختہ اور ٹھوس تعلیمات ہیں، جن سے قوم کی صحیح تربیت ہو سکتی ہے اور اُن میں عالی ہمتی اور بلند حوصلگی پیدا ہو سکتی ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ اپنے فاسد توہمات اور ایسے اعتقادات کو قلب سے دور کریں، تاکہ ہم میں اور ہماری ہونہار نسلوں میں جرأت، بہادری اور بلند ہمتی پیدا ہو اور ہم مسلمان ہو کر کچھ ترقی کر سکیں۔ حق تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیقِ عمل عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔[۱]

---

[۱] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ قَالُوْا طَآئِرُکُمْ مَّعَکُمْ اَئِنْ ذُکِّرْتُمْ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا الخ

خُطبہ جُمعہ دُوم ماہِ صفر در تعلیمِ ضروریاتِ دین

عقائدِ اسلام کی مختصر توضیح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰینَا اِلَی الْاِیْمَانِ وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدٰینَا اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ اَرْسَلَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَعَلَّمَنَا مُحْکَمَاتِ الْاِسْلَامِ وَالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ سَبَقُوْا اِلَی الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا اَیُّھَا النَّاسُ + اِنَّ اَھَمَّ الْاُمُوْرِ لِلْمُسْلِمِ تَصْحِیْحُ الْعَقَائِدِ ○ فَاِنَّھَا لِلدِّیْنِ

عَقَائِدُ ○ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ + وَهُوَ تَصْدِيْقٌ بِالْقَلْبِ

وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ ○ بِاَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ

لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِيْ ذَاتِهٖ وَلَا فِيْ صِفَاتِهٖ + وَهُوَ

الْمُسْتَجْمِعُ بِجَمِيْعِ صِفَاتِ الْكَمَالِ ○ وَالْمُنَزَّهُ

عَنْ كُلِّ نُقْصَانٍ وَّزَوَالٍ ○ وَلَهُ الْاَسْمَآءُ

الْحُسْنٰى ○ وَبِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ الدُّنْيَا وَالْعُقْبٰى ○

وَتَصَدَّقُوْا بِاَنَّ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

وَهُوَ صَادِقٌ فِيْ جَمِيْعِ مَا جَآءَ بِهٖ مِنَ الْاَخْبَارِ

وَالْاَحْكَامِ ○ وَاَنَّ الْقُرْاٰنَ كَلَامُ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلَّامِ ○

وَاَنَّ كُلًّا مِّنَ الْكُتُبِ وَالرُّسُلِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ حَقٌّ ○

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتَابِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

وعظِ جمعہ دوم ماہِ صفر در بیانِ تعلیم ضروریاتِ دین

عقائدِ اسلام کی مختصر توضیح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

برادرانِ ملت! اعمال کی بنیاد ایمان پر ہے اور ایمان نام ہے عقائد کا۔ اگر کسی مسلمان کے عقائد صحیح نہ ہوں گے تو اس کا ایمان درست نہ ہوگا اور جب ایمان درست نہ ہوگا تو اس کے اعمالِ خیر آخرت میں بے نتیجہ ہوں گے اور ان کا کوئی ثواب اور بہترین بدلہ حاصل نہ ہوگا۔ اس بات کا ثبوت خود قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَلَوْ اَشْرَکُوْا لَحَبِطَ عَنْھُمْ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ اگر وہ شرک کریں تو ان کے اعمالِ خیر ضائع کر دیئے جائیں گے۔ نیز ارشاد ہے وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ ؕ یعنی وہ لوگ جنھوں نے ہماری آیات (تعلیماتِ قرآن) اور عالمِ آخرت کو جھٹلایا، اُن کے اعمال برباد کر دیئے گئے۔ مطلب یہ ہے کہ صحیح عقیدہ کے بغیر ہر عمل کالعدم ہوگا اس لئے ہر مسلمان کو ضروری ہے

کہ سب سے پہلے اپنے عقیدے درست کرے۔ مسلمانوں میں مذہب سے جہالت بہت ہے اور بڑھتی جارہی ہے۔ خطبات کے ذریعہ عقائد کی تعلیم دینا تبلیغ کا ایک آسان طریقہ ہے نیز اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہندوستان میں آریوں، جینیوں، ہندوؤں، عیسائیوں اور انگریزی تعلیم یافتہ دہریوں نیز اسلام کے اندرونی بدمذہب فرقوں کے ساتھ اہل السنّۃ والجماعۃ مسلمانوں کی صحبت نے ان کے عقیدے اور ایمان کی باتوں پر بہت بُرا اور گہرا اثر ڈالا ہے۔ ماحول کا اثر انسانی دماغوں پر پڑنا فطری امر ہے، اس لئے مسلمانوں کا متاثر ہو جانا کچھ بعید نہیں۔ رسوم متعلقۂ محرم و رسوم متعلقۂ حیات و ممات و معتقدات متعلق ماہِ صفر و نجوم وغیرہ اسی صحبت اور اسی ماحول کے نتائج ہیں۔ لہٰذا علماء کا آپ کو اس طرف متوجہ کرنا بے موقعہ نہ ہوگا۔ ہاں آپ کا توجہ نہ فرمانا ضرور بے جا ہوگا۔ اس مختصر وقت میں یہ تو مشکل ہے کہ تمام عقائد اہل السنّۃ[1] والجماعت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاسکے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ بالاجمال عقائدِ اسلام بیان کروں اور اس ذیل میں بعض اہم باتوں کی طرف آپ کی توجہات مبذول کراؤں، چنانچہ عرض ہے کہ اوّل ہمیں لفظ عقیدہ اور ایمان کا مطلب سمجھ لینا چاہئے۔ لفظ عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک پختہ اور ٹھوس رائے یا نظریہ اور کسی بات کا ایسا پختہ یقین کہ جس کے خلاف کسی بات کو آپ مان ہی نہ سکیں، مثلاً آپ کو یقین ہے کہ اس وقت دن ہے۔ یہ یقین اس وقت آپ کے دل میں اس قدر پختہ ہے کہ اگر کوئی شخص آج کے دن کو رات کہے اور ایک ہزار دلیلیں پیش کرے اور کہے کہ اس وقت کا رات ہونا تسلیم کرو تو ہرگز آپ دن کو رات ہونے کا یقین نہ کریں گے بلکہ دن کو دن ہی کہے جائیں گے۔ اس طرح کے یقین کو عقیدہ کہتے ہیں اور ایمان میں بھی ایسا ہی یقین ہونا چاہئے۔ اب اس قسم کا پختہ یقین آپ کو چاہے جس طرح بھی حاصل ہو، کبھی آدمی کو ایسا یقین ماں باپ، اُستاد،

---

[1] عقائد کی تفصیل ہمارے رسالہ "علم العقائد" میں دیکھئے جو بہت عمدہ آسان اور جدید طرز پر لکھا گیا ہے۔ اپنے بچوں اور عورتوں کو بھی پڑھائیے۔ بہت مفید ہے۔ ملنے کا پتہ: مسلم بک ڈپو، سٹی نیو مارکٹ، بنگلور ۲

وغیرہ کی تعلیم و تربیت سے حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی بزرگوں کی صحبت و تلقین سے اور کبھی دینی کتابوں کے پڑھنے سے اور کبھی معجزاتِ انبیاء دیکھ کر اور کبھی خود اپنی عقل و خرد سے نظامِ کائناتِ الٰہیہ پر غور کرنے سے کبھی دلائل و براہین سے، غرض جس طرح بھی حاصل ہو سکے حاصل ہونا چاہیئے۔ اگر کسی مسلمان کو عقائدِ اسلام کا ایسا یقین حاصل نہ ہو تو اس کا ایمان ناقص ہے۔ انسانی دل و دماغ کے مختلف و متفرق درجات ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے دل و دماغ کے مناسب جس طریقہ پر بھی عقائد پر ایسا پختہ اور پائدار یقین حاصل ہو سکتا ہو حاصل کرنا چاہیئے۔ پھر اس قسم کا یقین ایمان کے ہر چھوٹے اور بڑے عقیدے پر ہونا نہایت ضروری ہے اور اگر کسی ایک عقیدے میں بھی شک و شبہ رہے گا تو ایمان کامل نہ ہوگا۔ ایسے شخص پر واجب ہے کہ وہ اپنے تھوڑے سے شک کو بھی فوراً دُور کرنے کی کوشش کرے اور کسی محقق عالمِ باعمل سے پوچھ کر یا اس کی صحبت میں رہ کر یقینِ کامل حاصل کرے۔ اس کے بعد سمجھئے کہ دل سے اس قسم کے یقین کے ساتھ عقائدِ اسلام کی تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ اسلام کا پہلا نظریہ یعنی عقیدہ ایمان باللہ ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ میں ایک ایسی ذات کے موجود ہونے کا یقینِ کامل رکھتا ہوں جس میں تمام اچھی صفتیں کامل طور پر موجود ہیں اور تمام عیوب و نقصانات سے پاک ہے۔ اس کی طاقت و قوت تمام مخلوق سے بڑھ کر ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ وہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ حکومت اور فیصلہ کا حق اسی کو ہے۔ اسلام کا دوسرا عقیدہ توحید ہے یعنی اللہ کے سوا اور کوئی معبود، رب، مالک اور حاکم نہیں اور وہ اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صفات میں سے کوئی ایک صفت بھی کسی کے لئے ذاتی طور پر تسلیم کرنا یا کوئی صفت غیر اللہ میں خدا کی برابر ماننا شرک ہے۔

اللہ کے سوا اور کوئی مخلوق خواہ وہ عام مخلوقات میں سے ہو، جیسے جن، بھوت، شیطان، دیوی، دیوتا، رشی، منی، چیلے، تعزیے یا اللہ کے مقبول اور برگزیدہ بندے ہوں، جیسے نبی، رسول، ولی، قطب، ابدال، اوتاد وغیرہ۔ ان میں سے کسی کو بھی الٰہی صفات نہ بالذات حاصل ہیں اور نہ خدا کے برابر یا مساوی درجہ میں حاصل ہیں۔ اسلام کا تیسرا عقیدہ ایمان بالملائکۃ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو کامل یقین ہونا چاہیئے کہ فرشتے بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی ایک مخلوق ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا کیا ہے۔ وہ پروردگار کے ہر حکم کو ٹھیک ٹھیک طریقہ پر بجا لاتے ہیں اور کبھی بھی قطعاً اُن سے حکمِ الٰہی میں نافرمانی نہیں ہوتی۔ وہ خدا کی خدائی میں نہ شریک ہیں اور نہ وہ نعوذ باللہ اس کی اولاد ہیں۔ یہ غلط ہے کہ فرشتے اور جنات کا وجود نہیں، کیونکہ ہر موجود چیز کا نظر آنا ضروری نہیں۔ بہت سی ایسی چیزوں کے پائے جانے پر ہم یقین رکھتے ہیں جو نظر نہیں آتیں مثلاً ایتھر کے ذرات یا اجزائے دیمقراطیسیہ کا مشاہدہ آج تک کسی نے نہیں کیا۔ حتیٰ کہ خود اس نظریہ کے موجد نے بھی اس کو نہیں دیکھا۔ ہاں عقلاً اس کا اعتبار کیا ہے۔ پس فرشتوں کے اور جنات کے وجود کے انکار پر آج تک کوئی قطعی عقلی دلیل قائم نہیں اور نقلِ صحیح ان کا وجود بتلا رہی ہے۔ لہٰذا اس کا یقین کرنا نہایت ضروری ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ قرآنِ کریم کلام اللہ ہے جو کبھی غلط نہیں ہوسکتا۔ اس کے اندر صاف طور پر فرشتوں کا ذکر آیا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ماننا پڑے گا کہ ان کا وجود ہے اور پھر حضورِ انور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے ہونے کی خبر دی ہے اور ایسے سچے انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر کبھی غلط نہیں ہوسکتی، اسی لئے ملائکہ کے وجود پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی اصول میں سے ہے، لہٰذا مسلمان کو کسی طرح بھی فرشتوں کے وجود سے

انکار کرنے کی گنجائش نہیں مل سکتی۔ اسلام کا چوتھا عقیدہ اللہ کی کتابوں پر ایمان لانا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں اپنے انبیاء پر نازل فرمائیں مسلمانوں کو ان کے متعلق کامل یقین ہونا چاہیئے کہ وہ واقعی اللہ ہی کی طرف سے اتاری گئی تھیں۔ کسی رسول یا نبی نے خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب نہیں کیا۔ توریت، زبور، انجیل بھی دراصل اللہ تعالیٰ نے ہی نازل فرمائی ہیں، لیکن اُن اُمتوں نے جن کی ہدایت کے لیئے یہ کتابیں نازل کی گئی تھیں، ان کی پوری حفاظت نہیں کی اور مفسدوں اور منافقوں نے موقع پاکر ان میں سے اکثر جگہ عبارۃ اور مضامین کو اپنی مرضی اور خیال کے مطابق بدل دیا اور اب یہ کتابیں اصلی موجود نہیں ہیں، اس لیئے ان کا کوئی مضمون اور قانون قابلِ اعتبار و عمل نہیں رہا۔ موجودہ زمانہ میں اِنجیل (کتابِ مقدس) کا اُردو یا انگریزی ترجمہ عیسائی مشنریوں اور چرچوں سے شائع ہو کر ہمارے ہاں لایا جاتا ہے اس کا کوئی مضمون قابلِ بھروسہ نہیں، بلکہ اسلام کے خلاف جو کچھ بھی ہوگا تمام کا تمام رد کردینے کے قابل ہے اور قرآن شریف اپنی اصلی عبارۃ اور مضامین کے ساتھ بعینہٖ موجود ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے اور نہ قیامت تک انشاء اللہ ہو سکتی ہے اور قرآن نے گذشتہ تمام الہامی کتب اور شریعتوں کو منسوخ کردیا ہے۔ اب سوائے قرآن کے اور کسی آسمانی کتاب پر عمل کرنا جائز نہیں اور بعض لوگوں[1] نے جو یہ لکھ دیا ہے کہ اگر سچائی سے ہر صاحبِ مذہب اپنے مذہب پر عمل کرے تو نجات کا مستحق ہوگا۔ یہ خیال نہایت غلط اور قرآنی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔ اسی طرح بعض مُسلم نما منافقوں نے اپنے رسالوں میں ایسے مضامین شائع کیئے ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کلام اللہ نہیں بلکہ نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاحی جذبات کے جوش میں جو تقریریں فرمائی ہیں، اسی کا خلاصہ قرآن ہے اور عبارت و کلمات

[1] کما ھفی بہ صاحب ترجمان القرآن ۱۲

اللہ کے نہیں بلکہ خود آپؐ کے ہیں تو یہ خیال اور عقیدہ بھی قطعاً غلط اور رسول اللہ صلعم پر جھوٹ باندھنا ہے۔ اس قسم کا عقیدہ رکھنے والا کھلے بندوں کافر اور مرتد ہے، اس لئے کہ قرآن کا خدا کی طرف سے بذریعۂ وحی بوساطت جبرئیل علیہ السلام نازل ہونا بہت سی کھلی آیاتؔ اور احادیث سے ثابت ہے۔ نیز قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں جو کچھ احکام اور قوانین ہیں، وہ سب کے سب اللہ کی طرف سے ہیں اور جن کاموں کو فرض یا حلال و حرام بتلایا ہے، اس کی حکمت ہماری ناقص فہم میں آئے یا نہ آئے وہ بہر حال فرض ہیں اور حلال یا حرام ہیں، ان پر عمل ضروری ہے۔ ان میں سے کسی ایک فرض کا انکار یا کسی حلال کا حرام تصوّر کرنا صریحاً کفر ہے۔ بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اجی قادیانی اور شیعہ اور اسی قسم کے مُسلم نُما جبکہ کلمہ گو ہیں، لہٰذا مسلمان ہیں۔ عقیدہ میں فرق ہُوا تو کیا ہُوا۔ اس قسم کی باتیں کرنا سخت غلطی ہے۔ اس لئے کہ کلمہ پڑھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ بندہ ہر بات میں خُدا کا تابعدار بن گیا ہے۔ پھر جب وہ خُدا کے کسی فیصلہ یا حُکم کو تسلیم نہ کرے تو اب وہ تابعدار کہاں رہا بلکہ وہ تو گویا خُدا کا دشمن بن گیا۔ ایسا شخص مُسلمان کیسے رہ سکتا ہے۔ اسی طرح قرآن میں جن چیزوں کے ہونے یا گذر جانے یا آئندہ پائے جانے کا ذکر ہے، ان سب کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہی در اصل مُسلمان ہونا ہے، مثلاً جنّت اور اس کی نعمتیں، جہنّم اور اس کی کلفتیں، مرنے کے بعد کی زندگی، حساب و کتاب، اعمالِ خیر و شر کا تولا جانا، سات آسمانوں اور رُوح کا ہونا، اگلی اُمتوں اور انبیاء کرام کے واقعات وغیرہ وغیرہ۔ غرض تمام اخبار اور احکام کو صحیح ماننا ہی در اصل قرآن اور کتاب اللہ پر ایمان لانا ہے۔ قرآن کے کھلے مطلب کا انکار کرنا بھی بد دینی ہے اور قرآن کی کسی بات یا اس کے کسی حُکم کا مذاق اُڑانا کُفر ہے اور ایسا کرنے والا کافر و مُرتد ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ان سب

ؔ انا انزلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون ۱۲

عقائد و مسائل کو سن کر اپنے قلبی یقین اور دلی نظریات میں غور کریں گے اور اگر دل کے کسی گوشہ میں قرآنی احکام و مسایل سے متعلق کوئی شک ہو تو اسے فورًا دفع کر دیں۔ اگر اپنے غور و فکر سے دُور نہ ہوسکے تو علماءِ حقانی سے دریافت کر کے یا ان کی صحبت میں رہ کر اس شبہ کو زایل کریں اور اس قسم کے غلط شُبہات کو قائم نہ رہنے دیں کہ ایمان برباد ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام حاضرین کو عقائدِ اسلام پر قائم و دائم رکھے اور کفریات و بدعات سے محفوظ رکھ کر دینِ اسلام پر خاتمہ فرمائے۔ آمین ثم آمین یا الٰہ العالمین وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین ؏[1]

؏[1] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبہ جمعہ سُوم ماہِ صفر در تعلیم ضروریاتِ دین

عقائدِ اسلام کی مختصر توضیح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْنَا الْاَنْبِیَاءَ لِتَصْحِیْحِ الْعَقَائِدِ وَالْاَعْمَالِ ۝ وَلِلْھِدَایَۃِ اِلٰی طَرِیْقِ الْوَسْطِ وَالْاِعْتِدَالِ ۝ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ۝ وَاَشْھَدُ اَنَّ

سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ ○

اَمَّا بَعْدُ فَيَا اَيُّهَا النَّاسُ اِعْلَمُوْا اَنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِ

الدِّيْنِ ○ تَصْحِيْحُ الْعَقَائِدِ وَتَكْمِيْلُ

الْيَقِيْنِ ○ قَدْ ذَكَرْنَا نُبْذَةً مِّنْهَا ○ وَالْاٰنَ

نُتِمُّ بَقِيَّتَهَا ○ فَنَقُوْلُ مِنْهَا الْاِيْمَانُ

بِالرُّسُلِ خُصُوْصًا بِخَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ ○

لَا تُفْرِطُوْا فِيْهِ فَاِنَّهٗ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْاَمِيْنُ

وَلَا تَنْقُصُوْا فِيْ شَانِهٖ فَاِنَّهٗ مُقَدَّسٌ مَّعْصُوْمٌ

عَصَمَهٗ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ○ وَمِنْهَا الْاِيْمَانُ

بِيَوْمِ الدِّيْنِ ○ وَالْاِيْمَانُ بِالْقَدْرِ وَالْبَعْثِ

بَعْدَ الْمَوْتِ ○ وَالْحَشْرِ اِلٰى مَالِكِ يَوْمِ
الدِّيْنِ ○ وَتَصَدَّقُوْا بِاَنَّ الْمِعْرَاجَ حَقٌّ
وَّكَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ حَقٌّ ○ وَالصَّحَابَةُ
كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ وَ اَفْضَلُهُمُ الْاَرْبَعَةُ عَلٰى تَرْتِيْبِ
الْخِلَافَةِ ○ وَاعْتَقِدُوْا فِى التَّفَاصِيْلِ بِكُلِّ
مَا اَجْمَعَ عَلَيْهِ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ ○
وَاجْتَنِبُوا الْغُلُوَّ وَالضَّلَالَةَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ
قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ
غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا اَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ
ضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاءِ
السَّبِيْلِ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ سوم از ماہِ صفر در تعلیم ضروریاتِ دین

عقائدِ اسلام کی مختصر توضیح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! اسلام کا پانچواں اُصولی عقیدہ ایمان بالرسل ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کامل یقین کرے اس پر کہ اللہ کی طرف سے جس قدر نبی اور رسول آئے، وہ سب حق اور سچے تھے۔ تمام گناہوں سے پاک اور معصوم تھے۔ اُنھوں نے جو کچھ احکام بیان کئے وہ سب اللہ کی طرف سے تھے۔ اُن سے معجزات صادر ہونا حق ہے۔ تمام انبیاء کی تعظیم واجب اور ان کی نبوت سے انکار اور ان کی توہین کفر ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں اور جنوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپؐ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ آپ کے بعد قیامت تو آئے گی، مگر کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ ختمِ نبوت قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اس سے انکار کرنا یا آپ کے بعد کسی کو نبی اور رسول ماننا کفر ہے۔ تمام انبیاء اور رُسُل علیہم الصلوٰۃ والسلام خُدا کے بندے اور بشر یعنی انسان تھے۔ کسی نبی کے جسمِ پاک میں خدا اتر کر نہیں آیا۔ ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

چھٹا اصولی عقیدہ اسلام کا یومِ آخرۃ پر ایمان لانا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اچھے بُرے اعمال کی جانچ پڑتال اور ان کا بہتر بدلہ یا سزا دینے کے لئے ایک دن مقرر کیا ہے جس کو یومِ آخرۃ (آخرۃ کا دِن) کہا جاتا ہے۔ یہ دن ضرور آنے والا ہے جو ساری

دُنیا کے فنا ہونے کے بعد آئے گا۔ دُنیا ہمیشہ یونہی نہ رہے گی بلکہ ضرور فنا ہوگی۔ قیامت آنے کی تمام نشانیاں جو قرآن اور صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں، یقیناً ظہور پذیر ہوں گی۔ قیامت کے قریب صُور پھونکا جائے گا، جس کی آواز سے آسمان و زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ تمام مخلوق مر جائے گی اور جو مر چکے ہیں، اُن کی رُوحیں بے ہوش ہو جائیں گی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ تمام عالَم پیدا ہو جائے تو دوسری بار صُور پھونکا جائے گا، جس سے تمام عالَم خُدا کی قُدرت سے پیدا ہو جائے گا۔ مُردے سب زندہ ہوں گے اور میدانِ حشر میں جمع کئے جائیں گے۔ نفخِ صُور ہونا، تمام دُنیا کا فنا ہو جانا اور پھر پیدا ہونا، یہ کوئی فرضی بات نہیں ہے بلکہ قرآنِ کریم کے صاف و صریح الفاظ سے ثابت شدہ ہے لہٰذا اس سے انکار کرنا کُفر ہے اور عقلاً بھی کسی خوفناک آواز سے مر جانا کچھ مستبعد نہیں ہے۔ ایسے واقعات اکثر پیش آیا کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ تمام عالَم کسی زبردست مہیب آواز سے تباہ ہو جائے۔ رہا دوبارہ زندہ ہو جانا، عقلاً یہ بھی بعید نہیں، کیونکہ کسی چیز کا ایجاد کرنا مُشکل ہوا کرتا ہے، لیکن جب کسی موجد نے کوئی چیز کامیابی کے ساتھ ایجاد کر لی تو اس کو بگاڑنا اور دوبارہ بنا دینا کچھ بھی مُشکل نہیں۔ دُنیا میں سینکڑوں کاریگروں کے یہاں اس کا مشاہدہ کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح جب آپ کو یہ تسلیم ہے کہ انسان کا خالق و موجد خُدا ہے تو اب اُسی خُدا کو انسان کا دوبارہ بنانا یا پیدا کرنا کیا مُشکل ہو سکتا ہے۔ جس طرح مرنے کے بعد معدوم ہو جاتا ہے اسی طرح پیدا ہونے سے پہلے بھی معدوم تھا۔ عدم کی ان دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا جب پہلی حالت سے وجود میں آنا ثابت ہے تو دوسری حالت سے بھی وجود میں آنا ممکن ہے۔ پس مسلمان کو قیامت اور حشر و نشر سے انکار کرنا یا اس میں شک کرنا کُفر بھی ہے اور حماقت بھی۔ اعمال کا حساب

ہونا، ان کا وزن کیا جانا بھی حق ہے۔ اس ضمن میں دوزخ و جنت کا عقیدہ بھی ہے، جن کے وجود کا یقین کرنا مسلمان کے لیئے فرض ہے۔ بد قسمتی سے آج مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو جنت اور اس کی نعمتوں کا مذاق اڑانے لگے ہیں اور دوزخ کی تکالیف کو ایک خیالی چیز تصور کرتے ہیں مگر آپ یاد رکھیں کہ جنت دوزخ کے متعلق قرآنِ کریم کا نظریہ یہ ہے کہ ان دونوں کا حقیقتاً وجود ہے اور فی الحال عالمِ غیب میں موجود ہیں۔ چنانچہ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ (متقی لوگوں کے لیئے جنت تیار کر دی گئی ہے) اور اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ (کافروں کے لیئے دوزخ تیار کی جا چکی ہے) سے ان کا وجود اور فی الحال موجود ہونا بصراحت ثابت ہے۔ لہٰذا ان کے وجود سے انکار کرنا کُفرِ صریح ہے۔ یہ لوگ جنت و دوزخ کا انکار اس لیئے کرتے ہیں کہ یہ نظر نہیں آتیں۔ حالانکہ کسی چیز کا نظر نہ آنا، اس کے عدمِ وجود کو مستلزم نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز موجود ہو، مگر نظر نہ آئے، جیسا کہ اجزاء دیمقراطیسیہ موجود مانے جاتے ہیں، مگر آج تک کسی کو نظر نہیں آئے۔ اسی طرح یہ بات ممکن ہے کہ جنت و دوزخ موجود ہوں، لیکن ہم کو نظر نہ آئیں۔ بعض لوگ جنت کے معنی آرام اور دوزخ کے معنی تکلیف کے بتلا کر کہتے ہیں کہ ہر شخص کی جنت و دوزخ دُنیا ہی میں ہے۔ اگر آرام ہے تو اس کی جنت یہی ہے۔ تکلیف ہے تو اس کی دوزخ یہی ہے، لیکن یہ خیال محض غلط ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات سے بصراحت ثابت ہوتا ہے کہ جنت ایک مستقل آرام کی جگہ ہے اور دوزخ ایک مستقل تکلیف کی جگہ ہے، لہٰذا ان الفاظ کے صاف و صریح مطلب کو نہ تسلیم کرنا اور ان کے معنی اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کرنا نہایت بد دینی کی بات ہے اور قرآن کریم کی تکذیب کرنا ہے۔ تمام اہل السنۃ والجماعت سلف سے لے کر خلف تک اس بات پر اتفاق کر چکے ہیں کہ جنت و دوزخ دو مستقل مقامات کا نام ہے،

جن کا مستقل وجود ہے۔ حدیث میں ہے کہ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ جو جماعت سے علیحدہ ہُوا وہ تنہا دوزخ میں بھیجا گیا۔ لہٰذا ہمیں اجماعِ اہل السنۃ والجماعۃ سے علیحدہ ہوکر کوئی خیال قائم نہیں کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی بد دینی اور بدعقیدگی سے تمام مسلمانوں کو محفوظ فرمائے۔ اسی طرح مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی خبر دی ہے وہ سب صحیح ہیں، مثلاً قبر میں سوال ہونا، حوضِ کوثر ہونا، آپؐ کا شفاعت کرنا، حق تعالیٰ کا دیدار ہونا، پلصراط سے گذرنا، آپؐ کو معراج ہونا، یہ امورحق ہیں۔ ان پر کامل یقین رکھنا چاہیئے۔

اِسلام کا ساتواں عقیدہ ایمان بالقدر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مُسلمان کو اس بات کا یقینِ کامل رکھنا چاہیئے کہ ہر اچھی یا بُری چیز کا ایک اندازہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر ہے اور وہ ہر چیز کے پیدا کرنے سے پہلے اُسے جانتا ہے۔ خُدا کے علم و اندازہ کو تقدیر کہتے ہیں۔ کوئی اچھائی یا بُرائی اس کے اندازہ سے باہر نہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اچھے یا بُرے کام کرسکنے کی طاقت اور اس کا اختیار دیا ہے۔ پس آدمی جو کچھ کرتا ہے اُسی دیئے ہوئے اختیار سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے لیئے مجبور نہیں کیا۔ ہاں اُسے ہر وقت ہر شخص کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ ایسے اچھے یا بُرے کام کرے گا، اور اُس کا یہ علم و اندازہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ بندہ جب اپنے ارادہ اور اختیار سے بُرے کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سزا دیتا ہے اور جب اچھے کام کرتا ہے تو انعام اور بہتر بدلہ دیتا ہے اور بعض اوقات محض اپنے فضل وکرم سے بھی اپنی نعمتیں دیتا ہے۔ یاد رکھیئے کہ تقدیرِ الٰہی سے انکار کرنا کُفر ہے اور چونکہ تقدیر کا ہمیں علم نہیں، لہٰذا تدبیر ہم پر فرض ہے اور تدبیر چھوڑ دینا غلطی ہے اور مسئلۂ تقدیر پر بحث و مباحثہ کرنا منع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے

سخت منع فرمایا ہے، کیونکہ انسان کا علم حواسِ خمسہ ظاہری و باطنی تک محدود ہے اور اس کے حواس سے باہر کے علوم سے وہ جاہلِ محض ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں بحث و مباحثہ بوجہ اُس جہالت کے آدمی کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اگر کسی کو مسئلہ تقدیر سمجھ میں نہ آئے تو اس کو اپنے دل میں اس مسئلہ پر یقین حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ وہ یہ سمجھے کہ مسئلہ تقدیر قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور قرآن کا فیصلہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد غلط ہونا ناممکن ہے۔ لہٰذا تقدیرِ الٰہی یقیناً ثابت ہے۔ آدمی بہت سے ایسے لوگوں کی باتوں کا بھی یقین کرلیتا ہے، جو معمولی طبقے کے ہوتے ہیں، جن کا جھوٹ بولنا ممکن ہے تو پھر اُس بات کا کیوں نہ یقین کرے، جس کی ایسی ذات نے خبر دی ہے، جس کا کذب محال ہے۔ یقین پیدا کرنے کے لئے یہ بات کافی ہے۔ حضورؐ کو معراج ہونا حق ہے۔ انبیاء سے معجزات، اولیاء سے کرامات صادر ہونا حق ہے۔ اہل السنۃ کا اجماع ہے اس پر کہ حضورؐ کے تمام صحابہ عادل ہیں اور ان سب میں خلفاءِ اربعہ افضل ہیں اور جس ترتیب سے وہ خلیفہ ہوئے اسی ترتیب سے وہ مستحقِ خلافت تھے۔ جو شخص ان تمام عقائد کو تسلیم کرے گا وہی اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہے اور جو اُن سے اختلاف کرے گا وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہر قسم کے الحاد و بے دینی سے بچائے اور کافروں اور مشرکوں کی بُری صحبت کے اثر سے محفوظ رکھے اور دینِ اسلام پر قائم و مستقل رکھے اور خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین یارب العالمین، بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین علٰی۔

عہ اعوذ باللہ الخ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۔ بارک اللہ الخ

خطبہ جمعہ چہارم ماہِ صفر در تعلیم ضروریات دین و تکمیل ایمان بالرسول

مختصر تعارف بہ شمائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ○ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَلَا نِدِّیْدًا ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰینَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ الَّذِیْ وُلِدَ مَجِیْدًا وَّتُوُفِّیَ حَمِیْدًا ○ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ رَشِیْدًا ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ

إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ○

وَقَالَ فِيْهِ - إِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا

وَّنَذِيْرًا ○ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ

وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ وَخَتَمَ

بِهِ النُّبُوَّةَ وَالرِّسَالَةَ - فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ

بِسِتٍّ - اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ

بِالرُّعْبِ - وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ

لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا ○ وَاُرْسِلْتُ

إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ ○

عہ رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ رض ۱۲

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ - اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ[1] دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ قَرِيْبًا مِّنْ ثَلٰثِيْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ وَّ اَنَا خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ○ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

وعظِ جمعہ چہارم ماہِ صفر در ضروریاتِ دین تکمیل ایمان بالرسول

ذکرِ ولادۃ وخصائص وشمائلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى - اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! دینِ اسلام جیسی عظیم الشان نعمت، جس ذاتِ گرامی کے ذریعہ سے

---

[1] رواہ احمد، ابوداؤد ومسلم والترمذی وابن ماجہ ۱۲ [2] ای فی روایۃ البخاری ۱۲

ہم کو حاصل ہوئی اور معاش و معاد کے بہترین عقائد و نظریات معاشرۂ انسانی کے بہترین قواعد و ضوابط کی تعلیم جس معلم اول کی ذاتِ مقدس سے ہمیں ملی، اُس کو جاننا پہچاننا ہر مسلمان کو ضروری ہے۔ برادرانِ اسلام۔ خدا کے پیغامات انسانوں تک پہنچانے والے رسولوں میں سب سے آخری رسول جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جن کے والد کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالمطلب ہے۔ آپ مکہ میں بنی ہاشم کے خاندان میں پیدا ہوئے، لیکن آپ کا نورِ مبارک[1] اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کی پیدائش سے پہلے ہی پیدا فرمالیا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اور مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اُس نور کے چار حصے کئے اور ایک سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش پیدا کیا اور عرش پر لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ مکتوب کیا، جس سے معلوم ہوا کہ آپ کا نامِ نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کا رسول ہونا اُسی وقت مقرر کیا جا چکا تھا۔ پھر آپؐ کا نورِ مبارک حضرت آدم علیہ السلام کی صُلبِ مبارک میں ودیعت رکھا گیا اور پھر ان سے دوسرے اصلابِ طاہرہ و ارحامِ طیبہ میں منتقل ہوتا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے ظہور و بعثت کی دُعا فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کے عنقریب ظاہر ہونے کی بشارت دی۔ تمام آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ظہور و آمد اور اوصاف کی خبر دی۔ جب وہ نورِ مبارک حضرت عبدالمطلب کو ملا تو ان کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ اس لئے لوگ ان کے وسیلہ سے بارش کے لئے دُعا کرتے تھے۔ پھر جب یہ نورِ مبارک حضرت عبداللہ کو حاصل ہُوا تو اس وقت بھی بہت سی برکتیں ظاہر ہوئیں اور جب یہ نور حضرت آمنہ آپؐ کی والدہ ماجدہ کو ملا تو خواب میں بشارۃ دی گئی کہ تم کو سردارِ اُمت ملا۔ یہاں تک کہ جب وہ وقتِ سعید آیا،

[1] رواہ عبدالرزاق فی مسندہ من المواہب ۱۲ نوٹ:- وقت کم ہو تو مناسب جگہ تک پڑھ کر ختم کر دیں ۱۲

جس میں یہ مخفی نور ظاہر ہو کر دنیا کو روشن کرنے والا تھا اور وضعِ حملِ مبارک ہُوا
تو خانۂ کعبہ نور سے معمور ہو گیا۔ ستارے زمین سے قریب ہو گئے اور آپ کے
ساتھ ہی ایسا نور نکلا، جس سے مشرق و مغرب کے درمیان سب روشن ہو گیا،
جس میں آپ کی والدہ نے شام کے محل دیکھے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ
ایک یہودی مکّہ آ رہا تھا۔ جس شب میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم پیدا ہوئے۔ اس نے
کہا اے گروہِ قریش۔ کیا تم میں آج کی شب کوئی بچّہ پیدا ہُوا ہے۔ انھوں نے کہا۔
ہم کو معلوم نہیں۔ کہنے لگا دیکھو! کیوں کہ آج کی شب اس اُمّت کا نبی پیدا
ہُوا ہے۔ اُس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشانی ہے (جس کو مہرِ نبوّت
کہا جاتا ہے) چنانچہ قریش نے تحقیق کی تو خبر ملی کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے
یہاں ایک لڑکا پیدا ہُوا ہے۔ وہ یہودی آپ کی والدہ کے پاس آیا۔ انھوں نے
آپؐ کو اس کے سامنے کر دیا۔ جب اس یہودی نے وہ نشانی دیکھی تو بے ہوش
ہو کر گر پڑا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل سے نبوّت رخصت ہو چکی۔ اے گروہِ قریش
سُن رکھو۔ واللہ یہ تم پر ایسا غلبہ حاصل کر لیں گے کہ مشرق و مغرب سے اس کی
خبر شائع ہو گی۔ سب کا اتفاق ہے کہ یوم ولادت دوشنبہ تھا۔ تاریخ میں اختلاف
ہے۔ آٹھویں یا نویں یا بارھویں تھی۔ ماہ بالاتفاق ربیع الاول تھا اور سنہ
عام الفیل تھا۔ وقتِ ولادت بعض کے نزدیک شب، بعض کے نزدیک صُبح
صادق کا وقت تھا۔ تولّد کے کچھ دنوں بعد آپ کی رضاعت کا شرف حلیمہ سعدیہؓ
کو حاصل ہُوا۔ دو سال بعد حلیمہ کی زیرِ تربیت رہتے ہوئے فرشتوں نے آپ کا سینۂ
مبارک چاک کیا اور پھر کچھ نکال کر پھر درست کر دیا۔ پھر دس برس کی عُمر میں،
پھر نبوۃ ملتے وقت غارِ حرا میں، پھر شبِ معراج میں آپ کا سینہ چاک کیا گیا اور
قلبِ اطہر کو دھو کر حکمت و نُور سے پُر کیا گیا۔ زمانۂ حمل میں آپؐ کے والدِ ماجد

انتقال فرما گئے تھے اور چھ سال کی عمر شریف میں آپ کی والدۂ ماجدہ نے انتقال فرمایا
آٹھ سال کی عمر میں دادا نے انتقال فرمایا اور اب آپ اپنے چچا ابو طالب کی تربیت
میں رہے۔ جب چودہ ۱۴، پندرہ ۱۵ یا بیس ۲۰ سال کے ہوئے تو پہلی بار قریش وقیس غیلان
کی جنگ میں شریک ہوئے۔ پچیس ۲۵ سال کی عمر میں تجارۃ کے لئے شام کا سفر کیا
اور واپسی پر حضرۃ خدیجہ رض کی درخواست پر آپ کا پہلا نکاح ہوا۔ ۳۵ سال
کی عمر میں خانۂ کعبہ کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ چالیس ۴۰ برس کی عمر شریف ہوئی تو
تنہائی کی رغبت بڑھ گئی۔ غارِ حرا میں کئی کئی روز عبادۃِ الٰہی میں رہتے۔ نبوۃ ملنے
سے چھ ماہ قبل سے آپ نہایت سچے اور واضح خواب دیکھنے لگے۔ ایک دفعہ اچانک
۸ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو حضرت جبرئیلؑ آئے اور سورۂ اقراء کی ابتدائی
آیتیں آپ پر لائے اور اب آپ کو نبوۃ عطا ہوئی۔ ایک عرصہ کے بعد سورۂ مدثر
کی آیتیں نازل ہوئیں اور تبلیغ توحید کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا۔ آپ نے
تبلیغ شروع فرمائی۔ پھر فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرْ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے علی الاعلان
دعوۃِ اسلام شروع کی۔ چونکہ اہلِ مکہ کے قلوب میں بتوں کی عظمت اور ان کی عبادۃ راسخ
ہو چکی تھی، اس لئے انھوں نے مخالفت شروع کر دی۔ یہاں تک کہ آپ کے قتل کا مصمم
ارادہ کر لیا۔ آپ کے چچا تمام بنی ہاشم و بنی عبدالمطلب کو لے کر ایک گھاٹی میں جا ٹھہرے
تاکہ دشمنوں سے حفاظت ہو اور کفار نے ان حضرات سے برادری کے تعلقات قطع
کر لئے اور مقاطعہ کا عہدنامہ کعبہ پر لٹکا دیا۔ تین سال بعد جب کہ اس عہدنامہ
کو دیمک نے کھا لیا تھا اور بوحی الٰہی آپ نے اس کی اطلاع دی تھی تو کفار نے اپنا
عہدنامہ چاک کر دیا۔ تب یہ حضرات واپس مکہ آئے اور آپ دعوۃ اِلَی اللہ میں مصروف
ہوئے۔ اسی سال ابو طالب کا آٹھ ماہ بعد انتقال ہو گیا اور اُن کے تین دن بعد
اُم المومنین حضرت خدیجہ رض انتقال فرما گئیں۔ پھر آپ کا نکاح حضرۃ عائشہ رض

اور حضرت سودہ بنتِ زمعہؓ سے ہوا۔ نبوۃ کے دسویں سال آپ بغرضِ تبلیغ طائف گئے، لیکن وہاں کے سفلہ لوگوں نے آپ کو بہت تکلیف دی۔ آپ پھر مکہ کو واپس ہوئے راہ میں بطنِ نخلہ پر جب کہ آپ قرآنِ کریم نماز میں پڑھ رہے تھے، قریۂ نینویٰ کے سات یا نو جن وہاں پہنچے اور کلام اللہ سن کر آپؐ کی دعوۃ پر مسلمان ہوگئے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوۃ دی۔ مکہ آکر آپ تبلیغ میں برابر مصروف رہے اور سنہ ۱۱ نبویؐ میں مدینہ کے چھ اشخاص جو حج کے لئے مکہ آئے تھے، آپ کی خُفیہ تبلیغ پر مُسلمان ہُوئے۔ پھر سنہ ۱۲ نبویؐ میں بارہ اشخاص مدینہ کے مزید آکر مُسلمان ہُوئے۔ آپ نے مُصعب بن عمیرؓ کو ان کے ساتھ مدینہ بھیجا تاکہ وہ احکامِ اسلام سکھائیں۔ تقریبًا اسی سنہ میں آپ کو معراج ہُوئی جس میں نماز فرض کی گئی۔ جمہور اہل السنّۃ والجماعۃ کے نزدیک معراج بیداری میں جسمِ شریف کے ساتھ ہُوئی۔ جس کی دلیل اُمّت کا اجماع ہے۔ سنہ ۱۳ نبویؐ میں ستّر اشخاص شرفائے انصار آکر مسلمان ہوئے۔ اسی سنہ میں آپ کو ہجرۃ کی اجازت ملی۔ آپؐ نے اصحاب کو اجازت دی۔ پھر عین اس شب میں جبکہ سردارانِ کفار نے آپ کے شہید کرنے کا مکمل ارادہ کرلیا تھا آپ کو ہجرۃ کا حکم ہُوا اور آپؐ معہ ابوبکرؓ رات کو روانہ ہوکر غارِ ثور میں جا چھپے۔ تین روز قیام فرماکر پھر مدینہ کو روانہ ہوئے۔ اہلِ مدینہ ہر روز استقبال کے لئے باہر آتے۔ آخر ایک روز آفتابِ نبوّت مدینہ پر طلوع ہُوا اور آپ مدینہ طیبہ پہنچے۔ اہلِ مدینہ کی اس روز کی خوشی کا اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔ یہاں آپ نے مسجدِ قبا اور مسجدِ نبویؐ بنائی۔ سنہ ۱ھ میں جہاد فرض ہوا۔ اسی سال نماز کے لئے اذان شروع ہوئی۔ سنہ ۲ھ میں غزوۂ بواط ہُوا۔ پھر غزوۂ بدر واقع ہُوا۔ جس میں ۳۱۳ غیر مسلّح اسلامی بہادروں نے ایک ہزار لشکرِ کفّار کو شکست فاش دی۔ اسی سال زکوٰۃ فرض ہوئی اور آخر شعبان میں روزے

فرض ہوئے اور آخر رمضان میں صدقۂ فطر واجب ہُوا اور عید کی نماز اور قُربانی مقرر ہوئی۔ جمعہ اس سے پہلے سال میں فرض ہو چکا تھا۔ ۳ھ میں غزوۂ اُحد غزوۂ حمراء الاسد ہوئے۔ نیز اور بہت سے غزوات ہوئے۔ ۴ھ میں غزوۂ بدر ثانی ہوا۔ ۵ھ میں کئی غزوات ہوئے۔ ۶ھ میں قصۂ صلح حدیبیہ اور غزوۂ خیبر ہوا۔ ۷ھ میں عمرۃ القضا ہوا۔ ۸ھ میں غزوۂ موتہ اور دیگر غزوات ہُوئے۔ پھر اس سال رمضان میں فتحِ مکہ کا واقع ہوا جو باطل کے مقابل اسلام کی کامل فتح ہے۔ ۹ھ میں آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو امیر الحاج مقرر فرماکر مسلمانوں کو حج کے لئے روانہ کیا۔ ۱۰ھ میں آپ خود حج کو تشریف لے گئے اور یہی آپ کا آخری حج تھا، اس لئے اس کا نام حجۃ الوداع ہے۔ دورانِ قیام مدینہ میں آپؐ نے بہت سے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے فرامین روانہ کئے۔ ہرقل شاہِ روم کو، کسریٰ شاہِ فارس کو، نجاشی شاہِ حبشہ کو، مقوقس شاہِ مصر کو، منذر بن ساوی شاہِ بحرین کو، عمان کے دو بادشاہوں کو، حاکمِ یمامہ کو، حاکمِ غوطہ و دمشق کو، شاہِ غسان کو، جن میں سے بعض نے دعوۃِ اسلام کو قبول کیا اور بعض نے انکار کیا۔ بالآخر ان کی سلطنتیں تباہ و برباد ہُوئیں اور بعض حکام و ملوک نے غائبانہ مسلمان ہوکر خود اپنی اطلاعی عرضیاں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں روانہ کیں، جن کی تعداد تقریباً ۱۵ ہے۔ آپ کے حلیۂ مبارک کے متعلق حضرت حسن بن علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنے ماموں ہندِ بن ابی ہالہ سے حضور صلعم کا حُلیہ دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں عظیم تھے، نظروں میں معظم تھے۔ چہرۂ مبارک چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا، میانہ قد سے ذرا نکلے ہوئے، مگر دراز قد سے کم تھے۔ سرِ مبارک ذرا بڑا۔ سر کے بالِ مبارک سیدھے قدرے بلدار تھے، کان کی لَو تک بعض وقت

ذرا نکلے ہوئے رہتے۔ رنگِ مبارک چمکدار، پیشانی چوڑی، ابرو خمدار، بالوں سے پُر تھے، لیکن باہم ملے ہوئے نہ تھے۔ دونوں ابرو کے درمیان ایک رگ تھی، جو غصّہ کے وقت اُبھر جاتی تھی۔ بینی مُبارک پر ایک نور نمایاں تھا۔ بلا غور دیکھنے سے دراز معلوم ہوتی۔ آپ کی داڑھی مبارک بھری ہوئی خوب سیاہ اور پتلی تھی۔ دہنِ مُبارک نہ تنگ تھا نہ زیادہ فراخ۔ دندانِ مبارک باریک آبدار اور قدرے ریخدار تھے۔ سینے سے ناف تک بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ گردنِ مبارک ایسی خوبصورت تھی، جیسی تصویر کی گردن، صفائی میں چاند کی طرح تھی۔ جسم مبارک معتدل، پُر گوشت اور کسا ہُوا تھا۔ شکم اور سینہ ہموار تھا، لیکن سینہ قدرے اُبھرا ہُوا تھا۔ دونوں شانوں کے درمیان قدرے (اوروں سے) زائد فاصلہ تھا۔ جوڑ کی ہڈیاں کلاں تھیں۔ کپڑے اُتارنے کی حالت میں آپ کا بدن روشن تھا۔ چھاتی پر بال نہ تھے۔ البتہ دونوں بازو اور شانوں کے بالائی حصّے پر قدرے بال تھے، اور دونوں شانوں کے درمیان ایک سُرخ اور قدرے اُبھرا ہوا گوشت مثل بیضۂ کبوتر کے تھا۔ (بروایت جابر) جس میں کچھ بال بھی تھے۔ (بروایتِ عمرو بن اخطب) یہی مہرِ نبوت تھی۔ کلائیاں دراز، ہتیلی فراخ پُر گوشت، قدمین بھی قدرے پُر گوشت تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں ذرا لمبی تھیں۔ تلوے قدرے گہرے تھے کہ چلنے میں زمین کو نہ لگتے تھے۔ قدم مبارک ہموار اور ایسے صاف تھے کہ پانی اُن پر سے ڈھل جاتا۔ جب قدم چلنے کے لئے اٹھاتے تو قُوت سے اُکھڑتا تھا اور قدم اس طرح رکھتے کہ آگے جھک پڑتا۔ تواضع کے ساتھ قدم بڑھا کر چلتے، گویا جیسے بلندی سے نیچے کی طرف آتے ہیں۔ جب کروٹ کی طرف کوئی چیز دیکھتے تو پوری طرح پھر کر دیکھتے، یعنے کن انکھیوں سے نہ دیکھتے، نگاہ نیچی زیادہ رہتی، آسمان کی طرف کم، عموماً گوشۂ چشم سے دیکھتے، یعنے

شرمیلی نظروں سے، چلنے میں صحابہؓ کو آگے کر دیتے، جس سے ملتے خود پہلے سلام کرتے۔ ہر وقت آخرۃ کے غم میں اور امورِ آخرت کی سوچ میں رہتے، جس کی فکر سے کسی وقت آپ کو چین نہ ہوتا تھا۔ بِلا ضرورت نہ بولتے، خاموشی طویل ہوتی۔ گفتگو اول سے آخر تک صاف ہوتی، الفاظ مختصر مگر پُر مغز ہوتے۔ کلام فیصلہ کُن ہوتا۔ آپ کا مزاجِ مبارک نہایت نرم تھا۔ مخاطب کی توہین نہ کرتے، قلیل نعمت کو بھی بڑا خیال فرماتے، کسی نعمت کی مذمّت نہ کرتے اور کھانے کی چیز کی نہ تعریف فرماتے نہ بُرائی۔ حق بات کی اگر کوئی مخالفت کرتا تو ایسا غصّہ فرماتے کہ کوئی تاب نہ لا سکتا تھا، جب تک کہ اُس حق کو غالب نہ کر لیتے۔ اپنی ذات کے لئے نہ غصّہ ہوتے نہ انتقام لیتے۔ اشارہ پورے ہاتھ سے فرماتے۔ (بعض اوقات) جب بات کرتے تو داہنے انگوٹھے کو بائیں ہتیلی پر مارتے۔ جب غصّہ آتا تو اُدھر سے مُنہ پھیر لیتے۔ کبھی کروٹ بدل لیتے۔ اور جب خوش ہوتے تو نظر نیچی کر لیتے۔ (شفاء قاضیؒ)

طرزِ معاشرت:۔ امام حسینؓ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گھر میں رہنے کے وقت کو آپ تین حصّوں میں تقسیم فرماتے، ایک حصّہ عبادت کے لئے، ایک حصّہ اہل و عیال کے حقوق یعنی ان سے تفریح وغیرہ کے لئے اور ایک حصّہ آرام فرمانے کے لئے۔ پھر اس حصّہ کو بھی اکثر اُمّت کے کاموں میں تقسیم فرما دیتے۔ اس طرح کہ خاص حضرات حاضر ہوتے اور دین کی باتیں آپ سے معلوم کر کے عوام تک پہنچاتے اور لوگوں سے کسی چیز میں دریغ نہ فرماتے بلکہ ہر طرح دینی و دنیوی فائدہ عوام کو بِلا دریغ پہنچاتے۔ وقت کے اُس حصّہ میں آپ اہلِ فضل (علم و عمل) کو اوروں پر ترجیح دیتے، یعنی ان کو مسایل بتلاتے اور فرماتے کہ مجلس سے غائب لوگوں کو خبر کر دینا اور فرماتے کہ جو لوگ

کسی وجہ سے مجھ تک دینی حاجتیں نہ لا سکیں تو تم لوگ اُن کی حاجت مجھ تک پہنچا دیا کرو، کیونکہ جو شخص ایسے لوگوں کی حاجت کسی بااختیار شخص تک پہنچا وے وہ پُلصراط پر ثابت قدم رہے گا۔ آپ کی خدمت میں یہی باتیں ہوتیں۔ اس کے خلاف دوسری باتوں کو قبول نہ فرماتے۔ لوگ آپ کے پاس طالبِ دین ہوکر آتے اور کچھ نہ کچھ کھا کر واپس جاتے۔ باہر کے حالات حضرت علیؓ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ آپ لایعنی بات نہ فرماتے، لوگوں کی دلداری فرماتے۔ سردارِ قوم کی عزّت فرماتے اور اسی کو سردار مقرر کرتے۔ لوگوں کے شر سے بچنے کی تاکید فرماتے اور خود بھی اپنا بچاؤ رکھتے، مگر کُشادہ رُوئی اور خوش خوئی میں کمی نہ کرتے۔ اصحاب کی حالت پُوچھتے، لوگوں میں جو واقعات ہوتے ان کی تحقیق فرماتے تاکہ مظلوم کی مدد اور ظلم کا انسداد کریں۔ ہر کام میں اعتدال ہوتا۔ ہر نشست و برخاست ذکر اللہ کے ساتھ ہوتی۔ ہر شخص کی طرف خصوصی توجہ فرماتے۔ آپ سب کے لئے بجائے باپ کے تھے۔ آپ کی مجلس میں آواز بلند نہ کی جاتی۔ کسی کی عزّت پر کوئی داغ نہ لگایا جاتا۔ کسی کی غلطیوں کو مشہور نہ کیا جاتا۔ قُدرتی طور پر آپ کے جسمِ مبارک سے خوشبو آتی تھی۔ اس قدر کہ گلیاں مہک جاتیں۔ اگر کسی سے مصافحہ کرتے تو تمام دن اس شخص کو مصافحہ کی خوشبو آتی تھی۔ (انسؓ) آپ کی بصیرت و عقل کامل اعلیٰ درجہ کی تھی اور نظر مبارک اتنی تیز کہ آپؐ تاریکی میں بھی ایسا ہی دیکھتے تھے، جس طرح روشنی میں دیکھتے تھے۔ (بروایت عائشہؓ) آپؐ کی جسمانی قوت کی یہ حالت تھی کہ عرب کے بہت قوی اور مشہور پہلوان ابو رکانہ کو تین بار کشتی میں پچھاڑا اور چھ خصوصیتیں آپ کو یہ عطا ہوئیں آپ کو کلماتِ جامعہ دئے گئے۔ رعب بہت دیا گیا۔ مالِ غنیمت آپ کو حلال کیا گیا۔ تمام زمین مسجد اور ذریعۂ طہارت قرار دی گئی۔ تمام

مخلوق کی طرف آپؐ کو نبیؐ بنا کر بھیجا گیا اور آپؐ پر نبوّت ختم کردی گئی۔ نیز مقامِ محمود اور شفاعتِ کبریٰ آپ کو عطا کی گئی۔ آپ میں تمام عمدہ اخلاق عادات صفات پورے طور پر موجود تھیں اور تمام انسانی عیوب و نقائص سے پاک تھے۔ آپؐ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ ہمیشہ معشیت کی تنگی کو پسند فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتے تھے۔ نمازِ نفل اس قدر پڑھتے تھے کہ قدمِ مبارک ورم کر جاتے تھے۔ نبوۃ کے بعد تیرہ ۱۳ برس مکّہ میں رہے۔ دس برس مدینہ میں قیام فرمایا اور جب خُدا کا دین غالب ہوگیا اور احکامِ اسلام پر پوری طرح عمل ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا اور آپ نے دوشنبہ کے روز وفات پائی۔ آپؐ کے جسمِ مبارک پر بعض عوارضاتِ بشری بھی طاری ہوئے۔ آپؐ کو مرض بھی ہوا۔ درد وغیرہ کی شکایت بھی ہوئی۔ گرمی سردی کا اثر بھی ہوا۔ بھوک پیاس بھی لگی۔ آپ کو موقعہ پر غصّہ بھی آیا۔ انقباض بھی ہوا۔ ماندگی اور خستگی بھی ہوئی۔ کمزوری اور پیری بھی لاحق ہوئی۔ جنگِ اُحد میں کفّار کے ہاتھ سے چہرہ اور سرِ مبارک میں زخم بھی ہُوا۔ آپ کو زہر بھی کھلایا گیا۔ آپ نے دوا بھی استعمال کی اور اپنا وقت پورا کر کے عالمِ بالا میں رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہُوئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بہت مواقع پر آپ کی جسمانی حفاظت بھی فرمائی، جس سے آپ کے شرف کا اظہار ہُوا اور معمولی عوارضات بھی لاحق ہُوئے تاکہ معجزات و عجائبات ظاہر فرمانے کے سبب لوگ آپ کو خدائی کے درجہ پر نہ پہنچا دیں جیسا کہ حضرۃ عیسیٰؑ اور حضرۃ عزیرؑ کے متعلق لوگ گمراہی میں مبتلا ہوگئے، لیکن آپ کی رُوح شریف پر ان عوارضات کا کبھی کچھ اثر نہیں ہُوا۔ آپ کا قلب ہمیشہ ماسوی اللہ کے تعلق سے منزہ اور مشاہدۂ حق میں مشغول تھا۔ نبوۃ اور رسالت کے ثبوت کے لئے سب سے بڑا معجزہ

تو قرآنِ کریم کا معجزہ ہے جو سات ہزار سات سو معجزات پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دیگر معجزات تین ہزار سے زائد صادر ہوئے ہیں۔ یہ دس ہزار سے زائد معجزات آپؐ کی نبوّۃ و رسالت کا قطعی ثبوت ہے۔ جو شخص آپ کی نبوّت میں شک لائے وہ کافر ہے اور جو آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ باطل ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ " میری اُمّت میں تیس۳۰ کے قریب کذّاب اور دجال لوگ پیدا ہوں گے جو نبوّۃ کا دعویٰ کریں گے، حال آں کہ مَیں خاتم النّبیّین ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا" (مشکوٰۃ) ہندوستان میں قادیانی فرقہ کے بانی نے بھی اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ بھی انہیں کذاب و دجال لوگوں میں سے ہے، جن کی اطلاع حضور پُر نورؐ نے دی ہے۔ لہٰذا باجماعِ علماءِ عرب وعجم وہ کافر ہے اور جو باوجود اُس کے دعویٰ معلوم ہونے کے اس کو کافر نہ سمجھے، وہ بھی کافر ہے۔ مسلمانوں کو اس گمراہ فرقہ کے حال سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیئے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا، آپ کی عزّت دل میں رکھنا، ہر مسلمان پر فرض ہے۔ محبّت کا تقاضا ہے کہ محبوب کا ذکر کیا جائے۔ سُنا جائے۔ پڑھا جائے۔ اس لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ بطورِ وظیفہ مقررہ کے حضورؐ کے صحیح حالات کی کوئی کتاب اپنے مطالعہ میں ضرور رکھے، جسے روزانہ تھوڑا تھوڑا پڑھتا رہے۔ اس وظیفہ سے ایمان و اعتقاد قوی ہوگا۔ حضورؐ کی محبّت بڑھے گی اور یاد رکھو کہ تمام تقویٰ پرہیزگاری، نیکی اور بھلائی کا دار و مدار اسی ایمان و اعتقاد کی قوّت پر ہے، جس کا اعتقاد جس قدر زیادہ قوی ہوگا، اسی قدر اس میں نیکی اور پرہیزگاری پیدا ہوگی۔ یہ بھی یاد رہے کہ حضورؐ اگرچہ اس دارِ فانی سے پردہ فرما گئے ہیں، لیکن آپ قبرِ شریف میں اسی جسدِ عنصری کے ساتھ زندہ ہیں۔ اس پر اکثر اہل السنّۃ والجماعۃ علماء کا اتفاق ہے اور یہ

اعتقاد بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اُمت کے اعمال ہر روز صبح و شام آپؐ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ (مواہب از ابنِ مبارک) ہر اُمتی پر آپؐ کے چند حقوق ہیں، جن کا ادا کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ حقوق یہ ہیں:- آپؐ سے محبت رکھنا، آپؐ کی ہر طرح تعظیم کرنا، آپؐ کے تمام طریقوں، سُنتوں کو پسند کرنا، آپ کی پوری اتباع کرنا، آپ کا نامِ نامی جب لیا جائے تو درودِ شریف پڑھنا، مجلس میں پہلی بار اسمِ مبارک لیا جائے تو اکثر علماء کے نزدیک درود پڑھنا واجب ہے اور اس کے بعد مستحب ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس خُطبہ میں جس قدر حالات و اوصاف بیان کیے گئے ہیں، وہ محض ایک قطرہ ہے بحرِ کمالاتِ نبوۃ میں سے جو نہایت مختصر ہے اور جس سے عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تسکین نہیں ہو سکتی۔ ایسے حضرات کو بلکہ ہر مسلمان کو پورے حالات کا دیکھتے اور پڑھتے رہنا ضروری ہے۔ مَیں نے محض تیمناً و تبرکاً اس مختصر وقت میں ایک شمہ بھر بیان کیا ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ ناواقفِ محض کو قدرے تعارف حاصل ہو جائے اور اس کو سن کر مزید تحقیقِ حالات کا جذبہ پیدا ہو۔ اب دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی اور اپنے حبیبؐ کی محبت عطا فرمائے اور آپؐ کی شفاعت نصیب کرے۔ آمین بحرمۃ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین[۱]۔

---

[۱] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعۂ پنجم ماہِ صفر در تعلیم ضروریاتِ دین و تکمیل ایمان بکتاب اللہ تعالیٰ

تعلیمِ قرآن کی اہمیت و فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَ يُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصَّالِحَاتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۝ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۝ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۝ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى

اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا
مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِنَّ اَهَمَّ الْكُتُبِ كِتَابُ
اللّٰهِ الدَّيَّانِ ○ عَلَيْهِ مَدَارُ الْهِدَايَةِ
وَالْاِيْمَانِ ○ فَاهْتَمُّوْا بِتَعَلُّمِهٖ وَتَعْلِيْمِهٖ ○
وَحِفْظِهٖ وَفَهْمِهٖ فَاِنَّهٗ هُوَ الْفُرْقَانُ ○
بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ فَيَا اَيُّهَا الْخُلَّانُ ○
عَلَيْكُمْ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ ○ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ + خَيْرُكُمْ مَّنْ
تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ وَقَالَ[۲] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ + يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اِقْرَءْ
وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِى الدُّنْيَا

[۱] رواہ البخاری ۱۲ [۲] رواہ ابوداؤد والترمذی ۱۲

فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَأُهَا وَ

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + مَنْ قَرَءَ

الْقُرْاٰنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ

حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ

عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ

لَهُمُ النَّارُ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ

الرَّجِيْمِ ۝ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ

عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا

مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ

نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

عله رواه الترمذی والدارمی ١٢

وعظ جمعہ پنجم ماہِ صفر در تعلیمِ ضروریاتِ دین و تکمیلِ ایمان بکتاب اللہ

تعلیمِ قرآن کی اہمیت و فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملت! دُنیا کی تاریخ میں ہزاروں خود ساختہ مصلحین پیدا ہوئے، جنھوں نے اصلاح کا ڈھنڈورا پیٹا، غُل مچایا، شور و غُل بلند کیا، مقنّن بنے، قانون بنائے اور اصلاح کی آڑ میں قوموں کو اپنی خود غرضیوں کا شکار بنایا اور کبھی قدرے کامیاب، کبھی ناکام و نامُراد ہو کر ملکِ عدم کو اس طرح پہنچ گئے کہ آج ان کا نام و نشان باقی نہیں رہا - اُن کا قانون ان کے ساتھ دفن ہو گیا اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ انسانی قوانین کبھی بھی اس کے لئے تشفی بخش ثابت نہ ہوئے اور نہ ہو سکتے تھے - اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص نمائندوں کے ذریعہ قوانینِ الٰہیہ کی کتابیں نازل کیں، لیکن جن قوموں کو وہ کتابیں دی گئیں انھوں نے ان مقدس کتابوں کو تحریف و تغیّر سے برباد کر دیا۔ آج اُن اصلی کتابوں کا کہیں نام و نشان باقی نہیں رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک ایسے رسولؐ کو بھیجا جن کی اصلاح کا دائرہ تمام دنیا کی قوموں کے لئے وسیع ہے اور ان کے ذریعہ مکمل قانون کی ایک ایسی کتاب بھیجی جو قیامت تک ہونے والے تغیّرات و انقلابات میں انسان کی صحیح راہ نمائی کا سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔ اس کتابِ مقدس کی ہدایات میں اک ایسی وسعت اور لچک رکھی گئی ہے کہ زمانہ خواہ کتنی ہی کروٹیں بدلے، مگر ہر زمانہ اور ہر وقت میں اس کے قوانین انسان کے لئے مفید ہی ثابت ہوں گے۔ اس برکت والی کتاب کا نام قرآنِ مجید ہے۔ چونکہ یہ کتاب قیامت تک کے لئے

ہدایت نامہ بنا کر نازل کی گئی ہے۔ اس لئے اس کا دُنیا کے آخر تک محفوظ رہنا ضروری ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ "ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔ چنانچہ قدرتی طور پر اس کی حفاظت کا سامان اس طرح مہیّا کیا گیا کہ اوّل تو خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اُس کے پڑھنے، سمجھنے، تلاوۃ کرنے کی ترغیب دی اور پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس بارہ میں بکثرت ترغیب فرمائی اور اس کی تلاوۃ حفاظت، فہم و تدبّر کا اجر و ثواب خوب کھول کر بیان فرمایا۔ ناممکن تھا کہ ان ترغیبات کو معلوم کرکے اُمّتِ مُسلمہ اُس کے یاد کرنے اور تفسیر میں لکھنے کی طرف متوجہ نہ ہوتی۔ چنانچہ سچّے مسلمانوں نے اپنے چھوٹے چھوٹے بچّوں کو قرآن حِفظ کرایا اور کرا رہے ہیں۔ عربی زبان کی تعلیم دی اور دلا رہے ہیں۔ یہ تمام کام دراصل خدا کی منشا کے مطابق قدرتاً انجام پا رہے ہیں تاکہ قرآنِ کریم کی پوری حفاظت ہو اور یہ ہر طرح اغیار کی دست بُرد سے محفوظ رہے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ قرآن بِلا سمجھے پڑھانا یا طوطے کی طرح رٹانا فضول ہے۔ یہ ان کی تنگ نظری کا بیّن ثبوت ہے۔ فضول وہ کام ہے جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ ان قرآنی کاموں کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ ثواب ملتا ہے، جس کی عالمِ آخرۃ میں ضرورۃ ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اس کی تعلیم کا بکثرۃ رواج ہونے سے، حفظ کرانے میں، قرآنِ کریم کے الفاظ، آیات، سورتوں وغیرہ کی کامل حفاظت ہو رہی ہے۔ اگر آج دُنیا کے تمام پریس کسی موقعہ پر طباعت میں غلطی کر جائیں یا چھاپنا بند کر دیں، تب بھی وہ قرآن کو ضائع کرنے کی ناپاک کوشش میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ پھر بھلا دیندار مُسلمانوں کی یہ سعی فضول کیسے ہو سکتی ہے۔ اب قرآن کے متعلق چند ضروری امور گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلی بات تعلیمِ قرآن کے متعلق ہے،

عله انا نحن نزلنا الذکر الخ ۱۲

دُنیا میں یوں تو ہزاروں کتابوں کی تعلیم دی جاتی ہے لیکن قرآن کی تعلیم دینا اور حاصل کرنا یہ سب سے اعلیٰ قسم کی تعلیم ہے، کیونکہ دوسری کتابیں' ان کی عبارتیں، ان کے مضامین انسانی دماغوں سے تراشیدہ ہیں، جس کا علم ہمیشہ محدود اور ناقص رہا اور آئندہ بھی ناقص ہی رہے گا اور قرآن اُس ذاتِ مقدس کے ارشاداتِ گرامی ہیں، جس کا علم غیر محدود اور اتنا وسیع ہے کہ نہ صرف انسانیت بلکہ آسمان و زمین اور تمام کائنات کے ہر ہر جُز کو حاوی و شامل ہے۔ لہٰذا اس کا علم اس کی تعلیم سب تعلیموں سے افضل ہوگی اور اس کے معلمین و متعلمین تمام دُنیا کے اساتذہ و طلبہ سے اعلیٰ و اشرف قرار دیئے جائیں گے۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں بہترین شخص ہے وہ ہے، جو قرآن کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور تعلیم دیتا ہے۔ (بخاری)۔ افسوس کہ اس بہترین تعلیم کے ساتھ ہم نے انتہائی غفلت برت رکھی ہے۔ تخمیناً پچاس فیصدی مسلمان ایسے ہیں، جنھوں نے ناظرہ بھی قرآن نہیں پڑھا۔ بچوں کی تعلیم کا یہ طریقہ کہ ہوش آتے ہی پہلے اُردو، انگریزی کی تعلیم میں لگا دینا اور قرآن کی تعلیم کو آخر میں ڈال دینا یا ضمناً تعلیم دینا انتہائی غلط طریقہ ہے۔ اس طرح نہ بچوں کی دینی تعلیم مکمل ہوسکتی ہے اور نہ بچوں کے دل میں اس مذہبی تعلیم کی کوئی اہمیت باقی رہتی ہے بلکہ وہ بھی ماں باپ کی طرح اس میں محنت کرنے کو غیر ضروری سمجھ لیتا ہے۔ چنانچہ تجربہ ہو رہا ہے کہ اس قسم کے تربیت یافتہ بچے ہرگز مذہبی اور قرآنی تعلیم میں دلچسپی نہیں لیتے، حالانکہ وہی بچے، انگریزی، اُردو، حساب وغیرہ میں بڑی دلچسپی اور ہوشیاری سے کام کرتے ہیں۔ گویا کہ ہم بچوں کو ابتدا ہی سے یہ ذہن نشین کرا دیتے ہیں کہ مذہبی تعلیم اتنی ضروری نہیں جس قدر کہ اسکولی تعلیم ضروری ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بڑے ہو کر بھی یہ بچپن کا نقش اُس کے دماغ پر

قائم رہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ مذہب اور مذہبیات میرے لئے اتنا ضروری نہیں جتنا کہ دنیاوی ضروریات اہم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پھر وہ ہمیشہ اپنی نظر میں دنیا کو مقدم رکھتا ہے اور دین کو پیچھے۔ برادرانِ اسلام۔ ان نتائج پر غور کیجئے اور اب جبکہ آپ کو مذہبی اور اسلامی احساس پیدا ہو چکا ہے بے شعوری، بے حسی کے زمانے کو چھوڑیئے اور بچوں کی تعلیم میں وہ طرز اختیار کیجئے جو آئندہ ان کو مسلمان بنائے۔ مسلمانو! کیا اب بھی ہم کو پتہ نہیں چلا کہ ہماری پرورش میں بڑوں نے کیا غلطی کی، جس کے نتیجہ میں ہم ہزارہا گناہوں کی اندھیریوں میں بھٹکتے رہے۔ اب جبکہ ہمارے بال سفید ہو رہے ہیں۔ قویٰ کمزور ہونے لگے ہیں، جوان اولاد ہم کو آنکھیں دکھانے لگی ہے، قبر کی منزل قریب آرہی ہے۔ کیا اب بھی ہم کو اپنے غلط طرزِ زندگی کا احساس نہیں ہوا۔ کیا اب بھی ہم کو معلوم نہیں ہوا کہ مرنے کے بعد صرف دینداری کام آئے گی اور دنیاداری وہاں وبالِ جان ہوگی۔ اگر پتہ چل گیا ہے تو اپنی اولاد کی پرورش میں صحیح اور خالص طریقہ اختیار کرو۔ قرآنی سلسلہ میں دوسری گذارش یہ ہے کہ قرآن کی تعلیم تجوید کے ساتھ ہونی ضروری ہے۔ یہ انتہائی غلط طریقۂ تعلیم ہے کہ بچوں کو قرآن اس طرح پڑھایا جاوے کہ نہ حروف کے مخارج ادا ہوں نہ صفات۔ یہ تعلیم قرآنی حقوق کی ادائیگی نہیں بلکہ حد درجہ حق تلفی ہے، جس کی قرآنِ کریم بارگاہِ خداوندی میں خود شکایت کرے گا۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ (شرح شاطبیہ لابن القاصح) ظاہر ہے کہ قرآن کے پڑھنے کا جب حق ادا نہ کیا جائے گا، اس کے حروف وکلمات صحیح نہ پڑھے جائیں گے تو آدمی اس لعنت کا مستحق بنے گا۔ پس کیا آپ چاہتے ہیں کہ ساری عمر آپ کی اولاد پر قرآن کی

طرف سے پھٹکار اور لعنت برستی رہے۔ اگر ایسا نہیں چاہتے تو اولاد کو صحیح طریقہ پر قرآن کی تعلیم دلائیں۔ اگر آپ چاہیں تو قرآن صحیح پڑھانے والے ہزاروں استاد آپ کو مل سکتے ہیں، بشرطیکہ آپ مذہب کے لئے پیسہ خرچ کریں اور اگر آپ ایسا معلّم رکھیں جو دو میل سے چل کر آئے۔ ایک گھنٹہ تعلیم دے اور آپ مہینہ بھر میں پانچ روپیہ اس کو دیں تو اس کے نتیجہ میں وہی تعلیم حاصل ہوگی، جو برکت کی بجائے لعنت کا مستحق بنائے۔ پھر گھروں پر اُستاد کو بُلا کر تعلیم دلانا بھی نہایت غلط اور متکبّرانہ طریقہ ہے۔ اس سے بچّوں کے دماغ میں تکبّر پیدا ہوتا ہے۔ اُستاد کی عظمت نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے وہ کما حقہٗ اُستاد سے فائدہ ہرگز اٹھا نہیں سکتا۔ کیونکہ استاد کی احتیاج معلوم ہوتے ہی عزّت رُخصت ہو جاتی ہے۔ پس ٹیوشن کے طریقہ پر تعلیم دلانا اصولاً نہایت غلط ہے۔ ساتھ ہی حضرات معلّمین سے محض خالصاً لوجہ اللہ یہ درخواست کروں گا کہ اگر خود انہوں نے قرآن صحیح نہیں پڑھا ہے اور وہ حروف کو مخارج و صفات کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے ہیں تو انہیں فوراً پہلے اپنی اصلاح کر لینی ضروری ہے۔ اپنا قرآن کسی قابل استاد سے صحیح کر لیں۔ تب تعلیم دیں اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو محض اللہ کی خاطر، قُرآن کی عظمت کی خاطر انہیں معلّمی کا پیشہ فوراً چھوڑ دینا چاہیئے تاکہ ان کی غلطیاں انھیں تک محدود رہیں۔ دوسرے سینکڑوں مسلمانوں تک یہ گمراہی نہ پھیلے۔ شاگرد اُن کی تعلیم سے جن غلطیوں میں مبتلا رہے گا، ان سب کا عذاب اس معلّم کی گردن پر رہے گا۔ تعلیم پیشہ حضرات اس بات کو خوب سمجھ لیں۔ قرآن کے متعلق تیسری گذارش یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قرآن حفظ کرانے کی کوشش کیجئے۔ اس کا زبردست ثواب ہے۔ دوزخ کی آگ اُس سینے کو نہ جلا سکے گی جس میں قرآن حفظ ہو اور قرآن کی حفاظت کے لئے

اس کا حرف بحرف یاد کرلینا بہتر تدبیر ہے۔ اس سے بہتر اور عمدہ کوئی دوسری تدبیر نہیں ہوسکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کو پڑھو پڑھاؤ، یاد کرو۔ اونٹ کو رسی میں باندھ کر حفاظت کرنے سے بھی زیادہ قرآن کی حفاظت اسی میں ہے (متفق علیہ) نیز آپؐ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص جس کے سینے میں قرآن کا کچھ بھی حصہ نہیں وہ اُجڑے ہوئے گھر کے مانند ہے۔ (ترمذی)۔ نیز قرآن یاد کرکے بھلا دینا بڑا زبردست گناہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے، پھر اُسے بھلا دے تو وہ قیامت میں کوڑھی ہوکر اللہ سے ملے گا۔ (ابوداؤد)

چوتھی گذارش قرآن کے متعلق یہ ہے کہ قرآن صحیح طور پر ناظرہ یا حفظ پڑھنے کے بعد ہمیشہ اس کی تلاوۃ کرتے رہنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں مت بناؤ (کہ جس طرح قبرستان میں قرآن نہیں پڑھا جاتا اسی طرح تمہارے گھروں میں بھی قرآن کی آواز بلند نہ ہو) جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے، شیطان وہاں سے بھاگتا ہے (مسلم) نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن قرآن پڑھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھ اور درجہ حاصل کر (یعنی اپنے درجات میں ترقی حاصل کر) اور سنوار کر پڑھ جیساکہ تو دنیا میں پڑھتا تھا، کیونکہ تیرا درجہ اُسی آیت کے ختم پر ہے جس کو تو پڑھے (ترمذی) مطلب یہ ہے کہ جس قدر آیات کی تلاوت کرے گا اسی قدر اس کو درجات عطا کئے جائیں گے۔ دنیوی تعلیم میں مشغول ہوکر قرآن کی تعلیم سے غافل رہنے والے ذرا غور کریں کہ وہ کتنی بڑی دولت سے اپنے آپ کو محروم کررہے ہیں اور ایک حدیث قدسی میں ہے:- اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کو قرآن میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے مشغول کردے (یعنی تلاوۃِ قرآن میں ایسا مصروف ہو کہ دعا بھی نہ کرسکے تو میں مانگنے والوں سے بھی بڑھ کر

دوں گا اور اللہ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر ایسی ہے، جیسے اللہ کی فضیلت ہے تمام مخلوق پر۔ (ترمذی)

پانچویں بات یہ ہے کہ قرآن ایک ہدایت نامہ بنا کر بھیجا گیا ہے، تاکہ اس کو سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے۔ کتنے غضب کی بات ہے کہ ہم اپنے ادنیٰ عزیز دوست کے خط کو بھی بغیر سمجھے چین نہیں لیتے، لیکن ہائے افسوس کہ اس احکم الحاکمین کے خط یا کلام کے ساتھ یہ غفلت برتتے ہیں کہ ساری عمر گذر جاتی ہے، مگر اس کے سمجھنے کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ یہ طرزِ عمل قرآن کے ساتھ انتہائی بے انصافی قرآن کی حق تلفی اور قرآن پر ظلم ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بارہا اس کو سوچنے سمجھنے کی تاکید کی ہے۔ غور و فکر اور تدبّر کی دعوت دی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ ہم[1] نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا!" اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی قرآنِ کریم کو سمجھ کر پڑھنے کی بہت ترغیب دی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس کو اپنا پُشت پناہ بنایا (یعنی خوب یاد کیا، اور دین دُرست کرنے میں اُس سے مدد لی) اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا (یعنی اس پر عمل کیا) تو اللہ تعالیٰ اس کو جنّت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر کے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا، جن کے لئے دوزخ ضروری ہو چکی ہے (ترمذی) یعنی گناہوں میں مبتلا رہ کر بغیر توبہ کے مرجانے سے دوزخ میں جانے کے مستحق ہو گئے ہیں، ان کی نجات ہو جائے گی۔ نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا تو اس کے والدین کو قیامت کے روز ایک ایسا تاج پہنایا جائے گا، جس کی روشنی سورج سے زیادہ

[1] و لقد یسرنا القرآن للذکر فهل من مدکر ۱۲

ہوگی ۔ پھر (بھلا) تمہارا کیا خیال ہے اُس شخص کے بارے میں جس نے (قرآن پر) عمل کیا ۔ (ابو داؤد) مطلب یہ کہ جب اس کے والدین کا یہ مرتبہ ہوگا تو خود اس عالِم کا کیا مرتبہ ہوگا، جس نے قرآن پر عمل کیا ۔ اس کا اندازہ لگاؤ ۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اے قرآن والو! قرآن (کے معانی سمجھنے کی طرف) سے غفلت مت برتو اور شب و روز اس کی تلاوۃ کا حق ادا کرو اور اس کی اشاعت کرو ۔ (یعنی سُن کر تعلیم دے کر لکھ کر اور قرآن پر متوجہ ہو کر ماسوائے قرآن سے) بے پرواہ ہو جاؤ اور اُس (کے مضامین) میں غور و فکر کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ اور قرآن کا بدلہ (عمل کرنے میں) جلدی مت کرو (یعنی دُنیا میں اُس کا معاوضہ نہ چاہو) کیونکہ اس کا (بڑا) ثواب (آخرۃ میں) ہے ۔ (بیہقی)

بزرگو اور دوستو! قرآن و حدیث کی ان تصریحات کو سننے کے بعد آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ قرآن کا سب سے بڑا حق سب سے بڑی تعظیم اور اُس کا انتہائی ادب یہ ہے کہ اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے ۔ آج ہم مُسلمانوں کے لئے ترقی کی راہیں تلاش کرنے میں حیران و پریشان ہیں، حالانکہ ہمارے نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ترقی و تنزل کی بڑی شاہراہ بتا چکے ہیں ۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت سی قوموں کو اس کتاب کے ذریعہ بلند فرمائے گا اور بہت سوں کو اسی کی وجہ سے ذلیل کرے گا (مُسلم) یعنی جو قومیں قُرآن کو سمجھ کر اس پر عمل کریں گی، وہ بلندی اور ترقی پائیں گی اور جو قومیں اس مقدس کتاب سے غفلت برتیں گی اور اس پر عمل نہ کریں گی وہ ذلیل و خوار کر دی جائیں گی ۔ آج بھی انتہائی انحطاط و تنزل کا سبب یہی ہے کہ ہم نے قرآن کے بارہ میں پوری غفلت اختیار کر رکھی ہے کہ نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور نہ اس پر عمل کرنے کی جد و جہد کی، حالاں کہ اسی قرآن پر عامل ہو کر صحابہؓ نے وہ ترقی کی کہ آج تمام دنیا دورِ اول کے

مسلمانوں کی اس وسعت اور تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کرنے پر انگشت بدنداں ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

پس ہم کو لازم ہے کہ ہم پوری ہمت کے ساتھ قرآن شریف کی طرف توجہ کریں۔ اس کو پڑھیں سمجھیں اور اس پر عمل کریں، حتیٰ کہ ہمارا ظاہر و باطن قرآن کے مطابق ہو جائے۔ اب دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم قرآن کا حق ادا کریں۔ اس پر خود عمل کریں اور کرائیں۔ اس کی تعلیم و تبلیغ میں کوشش کریں۔ اے غفور رحیم تو ہماری گزشتہ بے توجہی کو معاف فرما۔ ہماری غلطیوں اور گناہوں کو بخش دے اور ہمیں صراطِ مستقیم دکھا۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحابہٖ اجمعین۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ اول ماہِ ربیع الاول در تعلیم ضروریاتِ دین

مختصر احکامِ طہارۃ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بَیَّنَ لَنَا طُرُقَ الْعِبَادَۃِ ۝
وَاَمَرَنَا اَنْ نَّعْبُدَہٗ بِالطَّھَارَۃِ وَالنَّظَافَۃِ ۝
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ

لَهٗ شَهَادَةً تُنْجِيْنَا مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ خَاتِمُ النُّبُوَّةِ وَالرِّسَالَةِ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْاَمِيْنِيْنَ يَوْمَ الْمَخَافَةِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ[۱] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَيْتُمُ الْغَائِطَ فَلَا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا ○ وَقَالَ[۲] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ حِيْنَ مَرَّ بِقَبْرَيْنِ اَنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ) لَا يَسْتَنْزِهُ وَاَمَّا

ع۱ متفق علیہ ۱۲ ع۲ متفق علیہ ۱۲

الْاٰخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ

الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ الطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ ○

وَقَالَ[2] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ تَرَكَ مَوْضِعَ

شَعْرَةٍ مِّنْ جَنَابَةٍ لَّمْ يَغْسِلْ بِهَا فُعِلَ بِهٖ

كَذَا وَكَذَا مِنَ النَّارِ ○ وَقَالَ[3] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ

وَالسَّلَامُ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ الصَّلٰوةُ وَمِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ

الطُّهُوْرُ ○ وَقَالَ[4] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنَّ

اُمَّتِيْ يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ

مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يُّطِيْلَ

غُرَّتَهٗ فَلْيَفْعَلْ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ

الرَّجِيْمِ ○ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى

عه مسلم ۱۲ ۲ه ابو داؤد ۱۲ ۳ه رواہ احمد ۱۲ ۴ه متفق علیہ ۱۲

مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

وعظِ جمعہ اول ماہِ ربیع الاول در تعلیم ضروریاتِ دین

مختصر احکامِ طہارۃ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ اسلام! یہ ہماری بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے بڑا باخبر ہادی اور پیغمبر بھیجا جو تکمیلِ انسانیت کے تمام طریقوں سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ برلمے ماہر ہیں اور ایسے بالغ نظر کہ ہر ہر طریقِ تکمیل کی کلیات اور ہر ہر کلّی کے جزئیات و فرعیات تک ان کی نظر پہنچی اور ہر چیز کے لئے آپؐ نے انسان کو مناسب ہدایات دیں ۔ عبادۃ ۔ اطاعت ۔ معاشرت ۔ اقتصادیات ا سیاسیات ۔ تمدّن و تہذیب ۔ غرض ہر ہر شعبۂ حیات کے لئے آپؐ کی ہدایات موجود ہیں ۔ دُنیا میں آج تک اس شان کا کوئی ہادی نہیں گذرا ، جس نے اس قدر تفصیل کے ساتھ تکمیلِ انسانیت کے طریقوں پر ہدایات دی ہوں ۔ پس اس خدائے رحمان و رحیم کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمارے لئے ایسے ہادی اعظم

کو مبعوث فرمایا، جنھوں نے اللہ کی عبادت کا طریقہ بتلایا اور عبادۃ کے لئے نظافت و پاکیزگی کو ضروری قرار دیا۔ پھر نظافت و طہارۃ کی تفصیلات سے اپنی اُمّت کو آگاہ فرمایا۔ حاضرین۔ آج میں تعلیماتِ رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلم میں سے اسی شعبۂ طہارۃ و نظافت کو مختصراً آپ کے گوش گذار کرنا چاہتا ہوں۔ انسان کو کامل اور ترقی یافتہ بننے کے لئے پاکی اور صفائی کی بھی سخت ضرورۃ ہے، کیونکہ جسم کی ظاہری صفائی اور روح کی باطنی پاکیزگی کے بغیر انسان نہ دُنیاوی ترقی حاصل کرسکتا ہے اور نہ روحانی ترقی میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو اور خصوصاً ہر مُسلمان کو جسمانی و روحانی پاکیزگی کے طریقوں سے واقف ہونا اور اُن سے کام لینا اشد ضروری ہے، کیونکہ ان کو معلوم کئے بغیر وہ نظافت و طہارۃ حاصل نہیں کرسکتا، جس کے بغیر کامل اور ترقی یافتہ انسان بننا ناممکن ہے۔

نظافت دو قسم کی ہے۔ ایک روحانی نظافت جس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قلب کو اوصافِ ذمیمہ و اخلاقِ رذیلہ سے پاک کیا جائے، جس کی تفصیل کسی دوسرے وقت عرض کی جائے گی۔

دوسری قسم نظافتِ جسمانی ہے جس کو مجھے بیان کرنا مقصود ہے۔ نظافت جسمانی بھی دو قسم پر ہے۔ ایک طہارۃ عن الاحداث[1] اور دوسری طہارۃ عن الاوساخ[2]۔

طہارۃ عن الاحداث سے قبل اسبابِ حدث میں وارد شدہ آداب کا جان لینا ضروری ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ مُسلمان کو چاہیئے کہ جب وہ پیشاب و پاخانہ کے لئے جائے تو ایسی جگہ جائے جہاں تنہائی ہو۔ بیٹھنے کے قریب ہوکر اپنا جسم کھولے کھڑے ہوکر جسم کو کھول کر پھر بیٹھنا خلافِ ادب ہے۔ بیٹھنے میں اپنا مُنہ یا پیٹھ قبلہ کی طرف نہ کرے۔ عام راستوں، گذرگاہوں اور ایسی جگہ نہ بیٹھے جہاں لوگ

---

[1] ناپاکی سے پاکی حاصل کرنا ۱۲ [2] میل کچیل سے پاکی حاصل کرنا ۱۲

بیٹھ کر بات چیت کیا کرتے ہوں۔ پانی میں، سوراخ میں، پھل دار درخت کے نیچے اور ایسی جگہ جہاں سے چھینٹے اڑ کر اوپر آئیں پیشاب پاخانہ نہ کرنا چاہیئے۔ کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا۔ "اے عمرؓ کھڑے ہو کر پیشاب مت کرو"۔ (احیاء) نیز کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے چھینٹیں کپڑوں یا پیروں پر آنے کا قوی اندیشہ ہے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ نجاست سے بچیں۔ اس سے بے پروائی اختیار کرنا باعثِ عذابِ قبر ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ دو قبروں کے پاس سے گذرے تو فرمایا کہ ان دو قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک تو ان میں سے پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔ (متفق علیہ) معلوم ہوا کہ پیشاب سے نہ بچنا عذابِ قبر میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتا ہے اور پیشاب کرنے کے بعد تین دفعہ کھنکارے تاکہ اچھی طرح خارج ہو جائے اور عضوِ مخصوص کو تین بار جڑ سے اوپر کی طرف پکڑ کر کھینچے تاکہ نالی میں جو قطرہ رہ گیا ہو، نکل آئے۔ ان تدابیر کے بعد قطرات آنے کا زیادہ وسوسہ نہ کرے، ورنہ شیطان طبیعت پر مسلّط ہو کر اور زیادہ وسوسہ ڈالے گا، جس کی وجہ سے طہارۃ حاصل کرنا ہی مشکل ہو جائے گا اور اگر کسی کو ان تدابیر کے بعد وسوسہ ہو جاتا ہو تو چاہیئے کہ قدرے پانی پاجامہ کے اس حصہ پر ہلکا چھڑک لے تاکہ شیطان طبیعت پر مسلّط ہو کر پریشان نہ کرے۔ قضاءِ حاجت کرتے وقت بلا ضرورۃ کھانسنا، کسی آیت یا حدیث یا متبرک چیز کا پڑھنا یا ایسی چیز جس پر خدا یا نبیؐ یا فرشتہ یا کسی معظّم کا نام یا کوئی آیت و حدیث لکھی ہو اپنے ساتھ رکھنا، تمام کپڑے اتار کر برہنہ ہو کر پیشاب پاخانہ نہ کرنا چاہیئے۔

جب اپنی حاجت سے فارغ ہو جائے تو مستحب ہے کہ ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا کرے۔ مطلق استنجا کرنا خواہ ڈھیلے سے ہو یا پانی سے سُنّتِ مؤکدہ ہے، لیکن اگر نجاست اپنے مقام سے بڑھ جائے تو صرف ڈھیلے سے پاکی نہیں ہوسکتی اور پانی سے اس کا دھونا فرض ہے اور جب اپنے مخرج سے نہ بڑھی ہو تو صرف ڈھیلے سے استنجا کرنا یا صرف پانی سے استنجا کرنا بھی کافی اور جائز ہے۔ سُنّتِ مؤکدہ ادا ہو جائے گی لیکن اگر دونوں سے نہ ہوسکے تو اس صورۃ میں پانی سے استنجا کرنا بہ نسبت ڈھیلے کے بہتر ہے۔ (مراقی الفلاح) بعض عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ بغیر ڈھیلے کے صرف پانی سے استنجا نہیں ہوتا، محض غلط اور بے اصل ہے۔ ڈھیلے سے استنجا کرنا محض اس لئے مشروع ہوا ہے تاکہ اُمّت کو نجاسات سے پاکی حاصل کرنے میں سہولت میسّر ہو، کیونکہ ڈھیلا ہر جگہ بسہولت میسّر آجاتا ہے اور پانی بعض اوقات میسّر نہیں آتا، خصوصًا ان ممالک میں جہاں خشکی زیادہ ہو اور پانی کمیاب ہو، جیسے ملکِ عرب وغیرہ۔ پس اگر پانی سے ہی استنجا کرنے کا حکم دیا جاتا تو لوگ سخت تکلیف میں مبتلا ہو جاتے۔ شریعتِ الٰہی نے بندوں پر یہ سہولت کردی کہ مٹی کو بھی ذریعۂ طہارۃ کردیا، لیکن ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا کرنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ اس میں صفائی زیادہ حاصل ہوتی ہے۔

وضو۔ جب مسلمان استنجا کر چکے تو اب عبادۃ کے لئے اپنے وجود کو اس حدث سے پاک کرے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ وضو کرے۔ وضو کرنے کا طریقہ سب کو معلوم ہے مگر اس میں جن امور کا لحاظ نہیں کیا جاتا وہ عرض کرتا ہوں کہ وضو میں مسواک کرنا سُنّت ہے۔ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ مسواک سے وضو کر کے جو نماز پڑھی جائے وہ بغیر مسواک کی پچہتر نمازوں سے افضل ہے (احیاء) حضرت علی رضؓ فرماتے ہیں کہ مسواک کرنا حافظہ زیادہ کرتا ہے اور بلغم دُور کرتا ہے۔ اطبا کے

نزدیک بھی مُسلّم ہے کہ مسواک کرنا دانتوں کو جملہ امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔ پس ہم کو مسواک سے غفلت برتنی کسی طرح مناسب نہیں۔ نیز وضو میں اسباغ کا خیال بھی رکھنا چاہئے۔ یعنی ہر عضو کو خوب اچھی طرح دھوئے اور جہاں تک دھونا فرض ہے، اس سے ذرا زیادہ دھوئے۔ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمّت کے لوگ قیامت کے روز اس حال میں بلائے جائیں گے کہ وضو کے نشانات کی وجہ سے اُن کے چہرے اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے۔ پس جو شخص تم میں سے اپنی چمک کو بڑھا سکے بڑھالے (متفق علیہ) نیز وضو میں ہر عضو کو صرف تین بار دھونا چاہئے۔ اس سے زیادہ دھونا مکروہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے وضو کیا۔ تین تین بار دھو کر اور فرمایا کہ جس نے تین بار سے زیادہ دھویا اس نے ظلم کیا اور بُرا کیا (احیا) اور فرمایا عنقریب اس امت میں ایسی قوم پیدا ہوگی جو دعا میں اور پاکی میں حد سے بڑھ جائے گی (احیاء) معلوم ہوا کہ دعا اور پاکی کی بھی ایک حد ہے، جس سے آگے بڑھنا آپؐ کی نگاہ میں مذموم ہے اور جو چیز آپؐ کی نظرِ مبارک میں مذموم ہو وہ کبھی محمود نہیں ہو سکتی۔ نیز علماء نے فرمایا ہے کہ وضو وغیرہ میں زیادہ پانی خرچ کرنے کی حرص کم علمی اور جہالت کی علامت ہے (احیاء) آج کل بعض وہمی شکی مزاج نمازی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ اُن کو چاہئے کہ حضورؐ کے ارشاد پر عمل کریں اور اُس سے آگے نہ بڑھیں، ورنہ پھر اُن کا یہ عمل نیک نہیں بلکہ بد اور بُرا شمار ہوگا۔ نیز وضو میں دُنیا کی باتیں کرنا بھی مکروہ ہے۔

غسل ۔ وضو کے ٹوٹ جانے کو حدثِ اصغر کہتے ہیں اور اُس حالت کو جس میں غسل فرض ہو جائے حدثِ اکبر کہتے ہیں، یعنی جنابت یا ناپاکی کی حالت کو۔

غسل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ کپڑا باندھ کر نہائے۔ اگر برہنہ نہائے تو بیٹھ کر نہائے اور قبلہ کی طرف منہ نہ کرے۔ پہلے دونوں ہاتھ پہنچوں تک تین ۳ بار دھوئے

پھر جہاں جہاں نجاست لگی ہو اس کو دھوئے۔ پھر پورا وضو کرے، لیکن غسل کا پانی اگر وہیں جمع ہوتا ہو تو پیر آخر میں دھوئے۔ غسل اگر فرض ہو تو وضو میں سوائے بسم اللہ کے اور کچھ دُعا وغیرہ نہ پڑھے۔ پھر سر پر پانی ڈالے۔ پھر داہنے شانہ پر پھر بائیں شانہ پر۔ پھر تمام جسم کو خوب ملے۔ پھر دوبارہ اسی ترتیب سے تمام بدن پر پانی ڈالے۔ غسل کرتے وقت بغیر سخت ضرورت کے کوئی بات نہ کرے۔ آج کل نوجوانوں میں غسل کے وقت گانے کا مرض جدید تہذیب کے اثر سے پھیلتا جا رہا ہے۔ یہ سخت بدتہذیبی ہے۔ تمام جسم پر پانی پہنچانے کی خاص طور پر کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے غسلِ جنابت میں ایک بال کے برابر بھی جگہ چھوڑ دی بغیر دھوئے ہوئے تو اس کے ساتھ جہنم کی آگ سے اس طرح عذاب کیا جائے گا۔ (ابوداؤد)

ناپاک ہوجانے کے بعد حتی الامکان غسل میں جلدی کرنا چاہیئے، کیونکہ جو ناپاک مُسلمان غسل نہیں کرتا اس کے گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں کُتا ہو یا تصویر ہو یا ناپاک ہو، اس میں اللہ کی رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے (ابوداؤد) غسل میں ناپاکی دُور ہونے اور خُدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی دل میں نیت کرنا سُنت ہے۔

تیمّم۔ وضو اور غسل کے لئے اگر ہمارے اندازہ میں ہو کہ پانی ایک میل تلاش کرنے سے بھی دستیاب نہ ہوگا یا بوجہ مرض کے پانی استعمال کرنے پر قادر نہ ہو تو حدثِ اصغر یعنی بے وضو ہونا اور حدثِ اکبر یعنی حالتِ ناپاکی سے پاک ہونے کا ایک طریقہ شریعت نے یہ بھی تجویز فرمایا ہے کہ تیمم کرلیا جائے۔ اگر وضو کی ضرورت ہو تو اس کی جگہ تیمم کرلے اور اگر غسل کی ضرورۃ ہو تو اس کی نیت سے تیمم کرلے۔ اگر دونوں کی ضرورت ہو اور تیمم کرتے وقت دونوں کے لیئے تیمّم کی نیت کرلے تو یہ ایک ہی تیمم دونوں

کی طرف سے کافی ہے۔ اس میں نیت کرنا فرض ہے۔ بغیر نیت کے تیمم صحیح نہ ہوگا۔
طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھ کر نیت کرکے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ کرکے
پاک مٹی وغیرہ پر مارے۔ پھر مٹی جھاڑ کر پورے منہ پر ملے۔ جہاں تک کہ
وضو میں دھویا جاتا ہے، اس طرح کہ کوئی خالی جگہ نہ رہ جائے۔ پھر دوسری بار
دونوں ہاتھ مارکر بائیں ہاتھ کی تین انگلیاں، کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کے علاوہ داہنے
ہاتھ کی انگلیوں کے سرے پر پشت کی جانب رکھ کر کہنیوں تک کھینچ کر لائے۔ اس طرح
کہ ہتھیلی بھی کچھ لگ جائے اور کہنیوں کا مسح بھی ہو جائے۔ پھر باقی انگلیوں کو
اور ہتھیلی کو دوسری جانب رکھ کر انگلیوں تک کھینچے۔ پھر اسی طرح داہنے ہاتھ
سے بائیں ہاتھ کا مسح کرے۔ بس اب تیمم پورا ہوگیا۔ سر کا، کانوں کا،
پیروں کا مسح کرنا تیمم میں غلط ہے۔

نظافت کی دوسری قسم طہارۃ عن الاوساخ ہے، یعنی میل کچیل اور فضلات
بدن کو دور کرنا۔ اس کے متعلق عرض ہے کہ سر کو میل اور جوں وغیرہ سے غسل کرکے
دور کرنا مستحب ہے۔ اگر بال ہوں تو کنگھا کرنا، تیل لگانا مستحب ہے۔ حضور صلعم
ایک دن چھوڑ کر کنگھا کرتے اور تیل لگاتے اور صحابہ کو بھی اس کا امر فرماتے۔
(احیاء) لیکن روزانہ اور دن میں کئی کئی بار مانگ پٹی کرتے رہنا نہ چاہئے۔ کان
کے ظاہر حصہ کا میل تو وضو کے مسح سے صاف ہوتا رہتا ہے، لیکن اندرونی
حصہ کا میل بھی کبھی کبھی نکالتے رہنا چاہیئے، مگر اس میں زیادتی نہ کرے، کیوں کہ
زیادتی نقصان دہ ہے۔ ناک کا میل چھنک کر اور انگلی دے کر صاف کرنا مستحب
ہے۔ منہ اور دانتوں کا مسواک کے ذریعہ دور کرنا چاہیئے۔ آپ نے مسواک کی بہت
تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ تمھارا منہ قرآن نکلنے (یعنی پڑھے جانے)
کا راستہ ہے۔ پس اسے مسواک سے صاف کیا کرو۔ (احیاء) بعض اوقات

ڈاڑھی میں میل اور جوں ہو جاتی ہے۔ اس کو بھی دھوکر اور کنگھا کر کے زائل کرنا مستحب ہے۔ انگلیوں کی گھاٹیوں اور پوروں کا میل جو ناخن کے نیچے جمع ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی دھونے کا حکم فرمایا ہے۔ نیز ناخن کتروانے اور بغل کے بال اور زیرِ ناف کے بال کو مونڈتے رہنے کا بھی امر فرمایا ہے، لیکن چونکہ قینچی، اُسترا وغیرہ اُمّت کے ہر فرد کو ہر وقت میسّر آنا مشکل تھا، اس لئے ان کے صاف کرنے میں دیری کی حد بھی مقرر فرما دی کہ کوئی شخص چالیس روز سے زیادہ تاخیر نہ کرے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے موچھیں، ناخن، موئے بغل، موئے زیرِ ناف کا ہمارے لئے وقت مقرر فرما دیا ہے کہ چالیس روز سے زیادہ ان کو نہ چھوڑا جائے (مسلم) بدن کا میل دُور کرنا بھی شریعت میں مستحب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ غسل مختلف اوقات میں فرض، واجب، سُنّت قرار دیا گیا اور غسل میں بدن کا مَلنا مسنون فرمایا گیا ہے۔

حاضرینِ کرام۔ اس بیان سے جہاں آپ کو استنجا، وضو، غسل و تیمّم وغیرہ کے بعض مسائل معلوم ہو گئے۔ ساتھ ہی یہ بھی پتہ چلا ہوگا کہ پیارے حبیبِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر بالغ نظری سے ہم کو وہ سب کچھ سکھا دیا، جس کی انسان کو دین و دُنیا میں ضرورت تھی اور ایسی مکمل شریعت آپؐ نے ہم میں چھوڑی جس میں حیاتِ انسانی کے ہر ہر شعبہ کی جزئیات تک کے متعلق احکام موجود ہیں۔ دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتِ کاملہ کی طرف متوجہ فرمائے تاکہ ہم اس سے پُوری طرح فائدہ اُٹھائیں اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اپنی زندگی گذار کر دُنیا و آخرۃ میں کامیاب ہوں۔

آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۔ بَارَكَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ دُوم ماہِ ربیع الاول در تعلیم ضروریاتِ دین

توضیح درجات اوامر و نواہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ افْتَرَضَ الْفَرَائِضَ عَلَی
الْعِبَادِ وَحَدَّدَ الْحُدُوْدَ ○ لَا یُسْئَلُ عَمَّا
یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ یَوْمَ الْمَوْعُوْدِ ○
اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ
لَہٗ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا
وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ الْحَامِدُ
الْمَحْمُوْدُ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
وَمَنْ سَلَکَ طَرِیْقَہُ الْمَسْعُوْدَ ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا
مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ اَوَامِرَ الشَّرِیْعَۃِ

وَالنَّوَاهِيْ تَتَشَعَّبُ اِلٰى اَقْسَامٍ ○ عَلٰى حَسْبِ الدَّلَائِلِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ○ فَمِنَ الْاَوَامِرِ الْفَرَائِضُ وَالْوَاجِبَاتُ وَالسُّنَنُ الْمُؤَكَّدَاتُ وَالْمُسْتَحَبَّاتُ ○ وَمِنَ النَّوَاهِي الْحَرَامُ وَالْمَكْرُوْهُ تَحْرِيْمًا وَّتَنْزِيْهًا وَّمَا بَيْنَهُمَا مُبَاحَاتٌ ○ فَعَلَيْكُمْ بِالْاِمْتِيَازِ بَيْنَهَا ○ وَالْعَمَلِ عَلٰى وَفْقِ دَرَجَاتِهَا ○ لَا تُقَدِّمُوا الْمُسْتَحَبَّاتِ عَلٰى مَا قَبْلَهَا ○ وَلَا تُؤَخِّرُوا الْمُهِمَّاتِ اِلٰى مَا بَعْدَهَا ○ وَلَا تُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ○ وَلَا تُحَرِّمُوْا مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَلْتَزِمُوْا مَالَا يَلْزِمُكُمْ ○

فَقَدْ قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ + يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللهُ لَكُمْ

وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ لَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ نَصِيْبًا

لِّلشَّيْطَانِ مِنْ صَلٰوتِهٖ اَنْ لَّا يَنْصَرِفَ اِلَّا

عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا مَّا يَنْصَرِفُ عَنْ

شِمَالِهٖ ۝ اَعُوْذُ بِاللهِ الخ تِلْكَ حُدُوْدُ

اللهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ

نَفْسَهٗ ۝ بَارَكَ اللهُ لَنَا الخ

ع‍ ۱ مشکوٰۃ باب الانصراف ۱۲۰

وعظِ جمعہ دُوم ماہِ ربیع الاول در تعلیم ضروریاتِ دین

توضیحِ درجاتِ اوامر و نواہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ -

برادرانِ اسلام ! ایک انسان جب کلمۂ توحید لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پڑھ لیتا ہے تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی غلامی قبول کر رہا ہے اور اقرار کر رہا ہے کہ اللہ کا ہر حکم بجالاؤں گا اور ہر اُس کام سے باز آؤں گا، جس سے وہ منع کریں - پس جب ہم نے کلمہ پڑھ کر اللہ کی غلامی اختیار کر لی ہے تو ہم کو ضروری ہُوا کہ ہم اللہ کے حُکموں کے درجے اور منع کئے ہُوئے کاموں کے مرتبے جانیں، تاکہ اللہ تعالےٰ کی منشاء کے مطابق اس کی غُلامی کے کام انجام دے سکیں - لہٰذا سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حُکم دیا ہے وہ چار طرح کے ہیں - فرض - واجب - سُنّتِ مؤکّدہ اور مُستحب -

فرض وہ کام ہے جس کے ضروری ہونے کا ثبوت دلیلِ قطعی یقینی سے ثابت ہو اور جس کا کرنا اور کرنے کو لازم سمجھنا ضروری ہے - اس کا حُکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے ثواب ہوگا، نہ کرنے سے عذاب کا مستحق ہوگا اور اُس کو اپنے ذمّہ ضروری نہ سمجھنے سے مُسلمان کافر ہو جاتا ہے، جیسے نماز پڑھنا کہ اس کو اپنے ذمّہ ضروری سمجھنا لازم ہے ورنہ کافر ہو جائے گا اور اس پر عمل کرنا سخت ضروری ہے ورنہ عذاب کا مستحق اور گناہ کا مرتکب شمار ہوگا - سب سے پہلے فرض کاموں کو ادا کرنا چاہیئے اور ان کا بہت خیال کرنا چاہئے - احکامِ شریعت کی دوسری قسم واجب ہے - واجب ایسے کاموں کو کہتے ہیں، جس کا ثبوت دلیلِ ظنی سے ہو - اس پر عمل

کرنا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسا فرض کا، لیکن اس کا انکار کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا اور اس کا کرنا ثواب ہے اور نہ کرنا موجبِ گناہ ہے، جیسے صدقۂ فطر اور قربانی کا ادا کرنا۔ احکامِ شریعت کی تیسری قسم سُنّتِ مؤکّدہ ہے۔ ہر وہ کام یا عبادت جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا آپؐ کے خلفائے راشدین نے ہمیشہ کیا ہے، مگر اتفاقاً کبھی کسی وجہ سے چھوڑ بھی دیا ہے ایسے کاموں کو سُنّتِ مؤکدہ کہتے ہیں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ان کے کرنے سے ثواب ہوتا ہے اور چھوڑ دینے سے عتابِ الٰہی کا ڈر ہے، جیسے صُبح کی فرض نماز سے پہلے دو رکعت سُنّت یا ظہر کے فرض کے پہلے چار رکعت سُنّت وغیرہ۔ احکامِ شریعت کی چوتھی قسم مُستحب ہے۔ یہ لفظ ان کاموں پر بولا جاتا ہے کہ جن کا کرنا شریعت کی طرف سے کسی درجہ میں بھی ضروری نہیں اور ان کا نہ کرنا مولیٰ تعالیٰ کے نزدیک نہ کسی قسم کا جرم ہے اور نہ اُس میں اس کے عتاب کا ڈر ہے۔ بندہ اگر چاہے کرلے نہ چاہے تو نہ کرے، لیکن اگر اپنی ذمہ داری کے ضروری یعنی فرض، واجب، سُنّتِ مؤکدہ کاموں کو انجام دے کر ساتھ ہی ایسے مستحب کام بھی کرتا رہے تو ثواب اور مولیٰ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا اس کو حاصل ہوگی۔ اس کا مقبول اور مقرب بنے گا۔ اسلام کے تمام حکم الٰہی چار درجوں کے ہیں۔ اب یہ آپ خود معلوم کریں کہ کونسا کام کس قدر ضروری ہے، اور جونسا کام جس قدر ضروری ہو سب سے زیادہ اس کا اہتمام کیجیے۔ اس کے بعد دوسرے درجے والے کا پھر اس کے بعد والے کا۔ اگر آپ اشد ضروری کاموں کا اہتمام نہ کریں اور غیر ضروری کاموں میں لگ کر اہم کاموں کی طرف سے غافل ہو جائیں تو یہ انتہائی غلطی ہوگی جو بجائے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے اُس کے سخت غضب کا مستحق بنا دے گی۔ اسی طرح جن کاموں کا کرنا منع ہے وہ بھی کئی قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کا کرنا حرام ہے۔ حرام اُس کام کو کہتے ہیں جس کی ممانعت

دلیلِ قطعی سے ثابت ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کرنا سخت جرم اور گناہ ہے اور ان کو حلال و جائز سمجھنا کفر ہے اور اُن سے بچنا باعثِ ثواب ہے، جیسے زِنا، چوری وغیرہ۔ دوسرے وہ ہیں، جن کا کرنا مکروہِ تحریمی ہے۔ یہ ایسے کام ہیں جن کی ممانعت دلیلِ ظنی سے ثابت ہو۔ گو ان کی ممانعت کا منکر کافر نہیں ہوتا، لیکن ان کا کرنا بھی ناجائز، حرام کے قریب اور گناہ ہے اور ان سے بچنا باعثِ ثواب ہے۔ تیسری قسم کے ممنوع کام ایسے ہیں، جن کو ایک مسلمان کر تو سکتا ہے، مگر ان کا نکرنا ہی بہتر اور اچھا ہے۔ ایسے امور کو مکروہِ تنزیہی کہا جاتا ہے۔ وہ کام جن کے کرنے کا حکم ہے خواہ کسی درجہ کا ہو اور وہ کام جو منع ہوں، خواہ کسی درجہ کے ہوں ان دونوں کے درمیان ہیں بعض ایسے کام ہیں کہ شریعت کی طرف سے نہ اُن کے کرنے کا حکم ہے اور نہ کسی قسم کی ممانعت ہے۔ ایسے کاموں کو مباحات کہتے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی اچھی نیت سے کئے جائیں تو ثواب ہے۔ اگر کسی بُری نیت سے کئے جائیں تو گناہ ہے۔ اگر کچھ بھی نیت نہ ہو تو گناہ نہ ثواب۔ احکامِ شریعت کی یہ تفصیل معلوم ہونے کے بعد ہمیں چاہیئے کہ کرنے کے کاموں میں فرائض، واجبات، سننِ مؤکدات، مستحبات اور نہ کرنے کے کاموں میں حرام، مکروہِ تحریمی و تنزیہی کاموں کو معلوم کرلیں تاکہ اعتقاد رکھنے اور عمل کرنے میں غلطی نہ ہو، آج کل عام طور پر چونکہ دین کی طرف سے غفلت و جہالت زیادہ ہے، اس لئے ایسی غلطیاں بکثرت ہو رہی ہیں، جس کی وجہ سے دین اور دُنیا دونوں برباد ہو رہے ہیں، مثلاً نمازِ پنجگانہ، جس کی سخت تاکید ہے، نمازِ جمعہ جو بڑی اہم عبادت ہے، عام طور پر مسلمان ان سے غافل ہیں، لیکن شبِ قدر اور شبِ برات کی مستحب عبادت کے لئے یہ اہتمام ہے کہ جس نے سال بھر تک سجدہ نہ کیا ہو وہ بھی ان راتوں میں آنا ضروری خیال کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر محرم میں ذکرِ شہادت پڑھنا پڑھوانا، ربیع الاول میں سیر شریف اور میلاد کی مجلسیں منعقد کرنے کا سخت اہتمام ہے، مگر فرض نمازوں کی بالکل پرواہ

ہی نہیں۔ روزہ ایک مشقت کی عبادت ہے، اس لئے نفس پرستوں نے شاید اس میں مستحب روزوں کا کچھ اہتمام نہیں کیا۔ زکوٰۃ جو صاحبِ نصاب پر فرض ہے، اس کے ادا کرنے سے ہمارا دم نکل جاتا ہے، لیکن ایصالِ ثواب کے کاموں میں سینکڑوں روپیہ خرچ کر دیا جاتا ہے، حالانکہ ایصالِ ثواب کرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنّتِ مؤکّدہ، اور زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ اسی طرح قربانی وصدقۂ فطر وغیرہ واجبات کا ادا کرنا ہم پر شاق ہے۔ اُن سے جی چُراتے ہیں، مگر بدعات کے لئے چندے دینے کو تیار ہیں[1]۔ جلسے جلوسوں میں پھولوں کی چادروں اور سجاوٹ میں بے دریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں، مگر مدرسوں، مسجدوں، غربا کو دینا مُشکل معلوم ہوتا ہے۔ اسراف کرنا حرام ہے۔ اُس سے بالکل نہیں بچتے، لیکن شرعی ضرورتوں کے موقع پر خرچ کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ اسی طرح حج فرض ہونے کے باوجود اس کا کوئی خیال نہیں۔ اگر خیال ہُوا بھی تو معمولی ضرورتوں کی وجہ سے ملتوی کر دیا جاتا ہے، لیکن اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مزارات کی زیارت کا خوب اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ سب غلطیاں، بدعنوانیاں دو وجہ سے ہیں۔ ایک خواہشات کی غلامی، دوسری احکامِ شریعت کی قسموں سے جہالت۔ سچے مُسلمان کو چاہیئے کہ جو کام جس درجہ کا ہو، اسی درجہ کا اس میں اہتمام کرے۔ جو مقدم ہے اس کا زیادہ اہتمام کرے۔ جو بعد کے درجہ میں ہے اس کو بعد میں رکھے۔ جناب حضرت شیخ جیلانی قدس اللہ سرہ الاقدس فرماتے ہیں[2]۔ مومن کو چاہیئے کہ اول فرض کام ادا کرنے میں مشغول ہو۔ پھر جب فرضوں سے فارغ ہو جائے تو سنّت کے کاموں میں مشغول ہو۔ اس کے بعد پھر مستحب اور نفل کاموں میں مشغول ہو۔ پس جب تک کہ فرائض سے فارغ نہیں ہُوا سُنّت کے کاموں میں لگنا حماقت (بے وقوفی) اور رعونت ہے۔

[1] اور جیسے گیارھویں، بارھویں، رجبی، جعفر صادق کے کونڈے، بی بی کی صحنک وغیرہ حالانکہ یہ سب بدعات ہیں ۱۲

[2] عربی عبارۃ یہ ہے:۔ ینبغی للمومن ان یشتغل اولا بالفرائض فاذا فرغ منها اشتغل بالسنن ثم یشتغل بالنوافل والفضائل فما لم یفرغ من الفرائض فالاشتغال بالسنن حمق ورعونة۔ فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منه واهین (فتوح الغیب)

تو اگر کوئی شخص فرائض ادا کرنے سے پہلے سُنتوں اور نفل کاموں میں مشغول ہو گیا تو اُس سے یہ کام ہرگز قبول نہ کئے جائیں گے اور وہ ذلیل کیا جائے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس پر فرض (کا ادا کرنا باقی) ہو ایسے نفل نمازیں پڑھنے والے کی مثال اس حاملہ کی سی ہے، جس کا نفاس (یعنی وضعِ حمل) قریب ہو اور وہ حمل گرا دے۔ تو اب نہ وہ حاملہ رہی نہ بچہ والی۔ اللہ تعالیٰ کوئی نفل قبول نہیں کرتا جب تک کہ فرض ادا نہ کرے"۔ نیز فرماتے ہیں کہ نمازی کی مثال تاجر کی سی ہے کہ اس کو نفع حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ اصل سرمایہ حاصل نہ کرے۔ اسی طرح نفل نماز پڑھنے والے کی حالت ہے کہ جب تک فرض ادا نہ کرے نفل (بھی) مقبول نہیں ہوتی۔ (فتوح الغیب) یاد رکھئے کہ جس طرح عبادت کی ایک قسم نماز کا یہ حال ہے، اسی طرح دوسری قسم کی تمام عبادتوں کا بھی یہی حال ہے۔

بزرگو اور دوستو! جس طرح عبادات میں ان کے درجات کا خیال رکھنا ضروری ہے، اسی طرح شریعت کا ایک اور اصول بھی یاد رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ جس چیز کو شریعت میں لازم اور ضروری قرار دیا گیا ہے، صرف اسی کو ضروری اور لازم سمجھے اور جن کاموں کو شریعت نے لازم نہیں کیا ہے اُن کو اپنے اوپر لازم و ضروری نہ سمجھے۔ کسی غیر ضروری کام کو اپنے ذمہ دینی حیثیت سے ضروری سمجھ لینا ناجائز ہے۔ اس کو التزام مالا یلزم کہتے ہیں۔ اس کی ممانعت کا ثبوت قرآن شریف، آثارِ صحابہ اور کُتبِ فقہ میں موجود ہے۔ ایک دفعہ حضورؐ کے وعظ سے صحابہ رضؓ بہت روئے اور چند اصحاب نے دنیا کی نعمتیں چھوڑنے کا ارادہ کر لیا کہ نہ گوشت کھائیں گے، نہ بچھونے پر سوئیں گے، نہ بیوی کے پاس جائیں گے۔ رات بھر عبادت کریں گے۔ دن کو ہمیشہ روزہ رکھیں گے وغیرہ۔ حضورؐ کو

جب اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے تم کو ان باتوں کا حکم نہیں دیا، جن کو تم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور ایک خطبہ بھی اس بارہ میں دیا۔ اس سلسلہ میں وحی نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اے مومنو! اچھی چیزوں میں سے جن کو اللہ نے تمھارے لئے حلال کر دیا ہے اُسے (اپنے اُوپر) حرام مت کرو اور حد سے آگے مت بڑھو۔" (روح البیان صہ ۲۳۱ ج ۲ ملخصًا) ایسی ہی ایک آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہد چھوڑ دینے پر نازل ہوئی ہے۔[1] جن سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو خدا نے لازم نہیں کیا اس کو بندہ اپنے اُوپر لازم نہیں کر سکتا۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ اُنھوں نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز کا کوئی حصہ شیطان کو نہ دے دے۔ اس طرح کہ اپنے اوپر یہ لازم سمجھ لے کہ نماز کے بعد داہنی ہی طرف پھرے۔ میں نے بہت دفعہ دیکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بائیں طرف (بھی) پھرا کرتے تھے (مشکوٰۃ) اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ داہنے طرف پھرنا جو شرعًا ضروری نہیں ہے اُس کو ضروری سمجھنا شیطانی حصہ ہے اور فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ نماز میں کسی خاص سورۃ کا معیّن کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ تعیّن شرعًا ثابت نہیں۔ لہٰذا اپنی طرف سے معیّن کرنے کا حق نہیں ہے۔ نیز فقہا نے لکھا ہے کہ جُمعہ کے روز نمازِ فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنا مستحب ہے مگر کبھی کبھی اس کو چھوڑ بھی دے تاکہ لوگوں کو لازم ہونے کا شبہ پیدا نہ ہو (شامی) ان سب دلائل سے معلوم ہُوا کہ التزام مالا یلزم ناجائز اور منع ہے، لیکن عام طور پر مُسلمانوں میں یہ مرض وبا کی طرح پھیلا ہُوا ہے۔ وہ ہر کام جسے عوام نے شروع کر دیا بس وہ فرض کے درجہ میں پہنچا دیا اور جو کام رائج نہوا وہ اگر فرض بھی ہو تب بھی اس کی پرواہ نہیں کی جاتی، مثلاً بعض جگہ خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بہت ضروری ہے اور عصا کی خوبصورتی کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے۔

[1] یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک الآیۃ ۱۲

اسی طرح فجر وعصر کی نماز کے بعد بیٹھنا اور فرضوں کے بعد دعا کرنا بہت ضروری خیال کیا جاتا ہے حالانکہ یہ باتیں ضروری ہرگز نہیں۔ بعض جگہ سُنتوں کے بعد دُعاء ثانی کرنا اور بعض جگہ فاتحہ پڑھنا بہت ضروری سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ دونوں چیزیں خیر القرون میں بالکل نہ تھیں۔ بعض جگہ دُعا کے اول اور آخر میں درود شریف پڑھنا بالکل فرض سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ ایک دفعہ ایک امام دُعا کے شروع میں اتفاقاً درود پڑھنا بالکل بھول گیا تھا تو نعوذ باللہ بعض عالم نما جاہلوں نے اُسے کافر قرار دے دیا اور اس سے توبہ کا مطالبہ کیا۔ اسی طرح ایصالِ ثواب کے طریقوں میں سینکڑوں باتوں کو لازم قرار دے رکھا ہے۔ اسی طرح موت کے وقت کفن دفن میں اور نکاحوں میں بہت سی رسومات کو ضروری قرار دے رکھا ہے، خوب سمجھ لیجئے اور اچھی طرح یاد رکھئے کہ ان تمام غیر ضروری چیزوں کو ضروری سمجھنا دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریف کرنا ہے اور انھیں باتوں کی وجہ سے دینِ اسلام کی صحیح شکل وصورت بگڑ رہی ہے۔ ہماری ان حرکات دینِ اسلام کی اصل شکل کو مسخ کر رکھا ہے۔ ہمیں لازم ہے کہ دین کے ہر کام کا درجہ معلوم کریں، تحقیق کریں اور پھر جو کام جس درجہ کا ہو اس کو اسی حد تک رکھیں۔ اگر آپ کو دینِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہے تو خود اپنے دل سے اپنے خاندان وقوم والوں کے دلوں سے ان تمام غیر ضروری چیزوں کے لازم اور ضروری ہونے کے خیال کو نکال ڈالنے کی پوری کوشش کیجئے۔ ہاں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ التزام مالایلزم دنیوی رسم میں بھی بُرا ہے جو عموماً دکھاوے کے لئے کرتے ہیں، لیکن دینی کاموں میں ایسا کرنا اور بھی سخت مذموم ہے۔ نیز یہ بھی یاد رکھئے کہ کسی کام کو لازم سمجھنا اور کسی کام کو ہمیشہ کرنا ان دونوں باتوں میں فرق ہے، مثلاً کسی مستحب کام کو لازم سمجھنا یہ تو منع ہے، لیکن اگر اعتقاداً لازم نہ سمجھ کر اُس کو ہمیشہ عملاً کرتا رہے۔ ثواب کے لئے تقرب اور ترقی

ع‍ ا لحدیث فیه من رائی رائی الله به ومن سمع سمع الله به ولحدیث فیه من لبس ثوب شهرة البسه الله ثوب المذل یوم القیمة (مشکوٰة) ۱۲

درجات کے لئے تو یہ التزام مالایلزم میں داخل اور منع نہیں ہے بلکہ مطلوب فی الشرع ہے، باعثِ سعادت ہے۔ مستحبات کو حتی الامکان چھوڑنا نہ چاہیئے، بلکہ اُن پر عملاً مداومت کرنی چاہیئے۔ ہاں ان کو اعتقاداً ضروری نہ سمجھے۔ ضروری سمجھنے اور نہ سمجھنے کی آسان نشانی یہ ہے کہ اگر اس کو چھوڑنے کو گناہ سمجھا جائے یا اس پر اعتراض پیدا ہو تو سمجھ لیا جائے کہ اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور اگر گناہ نہ سمجھا جائے اور اعتراض پیدا نہ ہو تو اب گویا صرف مداومت ہے، التزام نہیں ہے، کیونکہ مستحبات اور غیر ضروری امور پر نکیر اور اعتراض کا کسی کو حق نہیں اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو افراط اور تفریط سے بچائے۔ ہر قسم کی گمراہیوں سے محفوظ رکھے۔ حدودِ شریعت قائم رکھنے کی توفیق دے۔ ہمارے گذشتہ گناہوں کو معاف فرمائے اور ہمیں اپنا دین درست کرنے کی ہمّت دے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔[1]

[1] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰہِ ۰ وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ ۰ بَارَكَ اللّٰہُ الخ

خُطبۂ جُمعہ سوم ماہِ ربیع الاول در تعلیمِ ضروریاتِ دین

ارکانِ اسلام۔ رُکنِ اول نماز کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَمَّ عَلَی الْخَلَائِقِ لُطْفَہٗ وَالْاِحْسَانَ ۰ وَھَدَانَا اِلٰی طَرِیْقِ شُکْرِہٖ

تَفَضُّلًا عَلَى الْاِنْسِ وَالْجَانِّ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا
اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهُ الْحَنَّانُ
الْمَنَّانُ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سَيِّدُ بَنِيْ عَدْنَانِ ○ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مَادَارَتِ الْقَمَرَانِ ○
اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ
الصَّلٰوةَ عِمَادُ الدِّيْنِ ○ فَمَنْ اَقَامَهَا اَقَامَ
الدِّيْنِ ○ وَمَنْ هَدَمَهَا فَقَدْ هَدَمَ الدِّيْنَ ○
وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ +
بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا
اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ

عہ متفق علیہ ۱۲

وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ ○

وَقَالَ[1] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا

كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ

وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَّهٗ نُوْرٌ وَّلَا

بُرْهَانٌ وَّلَا نَجَاةٌ ○ وَكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ

فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ ○ وَقَالَ[2]

عُمَرُ رض اِنَّ اَهَمَّ اَمْرِكُمْ عِنْدِيْ الصَّلٰوةُ فَمَنْ

ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ ○ وَقَالَ

عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ

الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ ○ وَقَالَ[3] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ

السَّلَامُ + اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ

[1] رواہ احمد والطبرانی ۱۲ [2] متفق علیہ ۱۲ [3] جمع الفوائد ۱۲

فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ سوم ماہِ ربیع الاول دربیانِ ارکانِ اسلام

رُکنِ اول نماز

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى - اَمَّا بَعْدُ -

برادرانِ ملت! جس طرح رعیت کو اپنے حاکمِ وقت کے احکام پر عمل کرنا اور ملازم کو اپنے آقا کے حکم کو انجام دینا ضروری ہے، ورنہ مجرم اور سزا کا مستحق ٹھہریگا۔ اسی طرح جب کہ ہم نے کلمۂ لاالٰہ الا اللہ پڑھ کر خدائے تعالیٰ کو اپنا حاکم بادشاہ اور احکم الحاکمین تسلیم کرلیا ہے تو بحیثیت رعیت اور غلام ہونے کے ہم پر ضروری ہوگیا ہے کہ ہم اس کے احکام کی پوری پوری تعمیل کریں۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم دنیوی عارضی حاکموں کلکٹر وغیرہ کے بلانے پر فوراً دوڑ پڑتے ہیں، مگر خدا کے پنجوقتہ بُلاوے پر دوڑ کر حاضر ہونے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ دل کی تہہ میں غور کیجئے کیا بات ہے اور سوچئے کہ نمازوں میں ہماری غیر حاضری اسلام کے کون سے گرے ہوئے درجے تک ہم کو پہنچا دیتی ہے۔ کیا ہمارے دِل سے اُس بڑے شہنشاہ کا ڈر نکل گیا ہے یا اُسے اپنا حاکمِ اعلیٰ نہیں سمجھتے۔

اگر ایسا ہے تو ہم کو لفظ مُسلِم سے دستبردار ہونا پڑے گا کیونکہ اب ہم سرحدِ اسلام سے خارج ہو گئے۔ نعوذ باللہ من ذالک اور اگر یہ بات نہیں ہے، بلکہ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا احکم الحاکمین سمجھتے ہیں اور اس کا ڈر اور عظمت ہمارے قلب میں ہے تو پھر ہم کو اس کے بُلاوے پر فوراً حاضر ہونا پڑے گا۔ آپ کو جان لینا چاہیئے کہ اُس نے ہر مُسلمان کہلانے والے انسان پر پانچ وقت اپنے دربار میں حاضری دینے کا زوردار اور صاف وصریح الفاظ میں حُکم دیا ہے اور اپنے قانونِ حکومت کی کتاب میں اس حُکم کو صاف بیان کیا ہے۔ چنانچہ اُس کے قانون کی ایک دفعہ یہ ہے کہ حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى یعنی عصر اور دیگر چاروں وقت میں نماز کی پوری پابندی کرو۔ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۝ اور اللہ کی عبادت واطاعت کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اب کسی مُسلمان کو قطعًا اس کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ ذرا بھی پنجوقتہ نماز میں غفلت یا سُستی کرے۔ انسان کی فطرۃ ہے کہ وہ اپنے محسن کے احسان کا شکریہ ادا کرے۔ اگر ڈوبتے ہُوئے ہمیں کوئی بچالے یا دیوالیہ ہونے کے وقت مدد کرے یا سخت فقر وفاقہ کے وقت ہماری اعانت کردے تو فطرتاً ہمارے قلب میں جذباتِ شُکر برانگیختہ ہو کر ہم کو اس کی شکرگذاری اور محبّت پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہماری جان بچائی بلکہ ہمیں جان دی۔ فقر وفاقہ سے بچانے کے علاوہ ترقی کرنے کے پُورے سامان ہمیں عطا فرمائے۔ ہر قسم کی نعمتیں ہمارے لئے مہیا فرمائیں۔ آسمان و زمین، چاند، سُورج، دریا، پہاڑ اور اپنی تمام مخلوقات کو ہماری خدمت کے لئے مامور فرمایا۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند ؂ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

اور کسی اُردو شاعر نے کہا ہے ؎ جو عالمِ ہستی میں ہے انساں کے لئے ہے ؂

آراستہ یہ گھر اسی مہمان کے لئے ہے ۔ پس کیا خدا کے ان لاتعداد احسانات سے فائدہ اُٹھانے کے باوجود ہم پر اس کا شکریہ ادا کرنا لازم نہ ہوگا۔ میں آپ کی ذاتی شرافت سے اپیل کرتا ہُوں کہ آپ اس سوال پر غور فرما کر جواب دیں ۔

ظاہر ہے کہ ہماری شرافت کا جواب اور تقاضا یہ ہی ہوگا کہ بے شک ہمیں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے ۔ اگر واقعی ہمارے دل سے یہی جواب نکلتا ہے تو ہم کو لازم ہوتا ہے کہ ہم اس کے حُکم کے مُطابق پانچوں وقت اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بطورِ شکر سرِ نیاز خم کریں اور سر بسجود ہو کر اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کریں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہم پوری طرح اس کا شکریہ ادا نہیں کرتے ۔ ہم میں سے بعض سال میں صرف ایک مرتبہ بعض صرف ایک ماہ اور بعض ہفتہ میں صرف ایک دن اور بعض دن میں صرف دو تین وقت اور بعض صرف ایک ہی وقت سرِ نیاز جھکا لیتے ہیں اور بس حالانکہ ہم پُوری عُمر کے ہر سال میں، سال کے ہر مہینہ میں اور ہر مہینہ کے ہر ہفتہ میں اور ہر ہفتہ کے ہر دن میں اور دن کے ہر گھنٹے میں اور گھنٹے کے ہر منٹ میں اور منٹ کے ہر ہر سکنڈ میں، اس کی بے شمار نعمتوں سے برابر فائدہ اُٹھا رہے ہیں ۔ پس ہمارے طرزِ عمل میں ناشکری شکر گزاری سے ہزاروں درجے زیادہ ہے ۔ ہمیں اپنے محسن کے ساتھ اس طرزِ عمل پر غور کرنا چاہئے کہ آخر اس ناشکری اور ناسپاسی کی وجہ کیا ہے ۔ کیا ہمیں اُس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا احساس نہیں، یا ہماری شریفانہ فطرۃ ہی مسخ ہو چکی ہے اور رذالت یا سفلہ پن نے ہمارے اخلاق میں جگہ پالی ہے ؟ اگر ایسا ہے تو ہماری بدنصیبی پر جتنا رو دیا جائے کم ہے ۔ لیکن مَیں خیال کرتا ہُوں کہ نہ ہماری فطرۃ مسخ ہُوئی اور نہ ہمارے اخلاق میں رذالت نے دخل دیا ہے بلکہ ہر مسلمان ضرور شریف ہے اور شرافتِ اخلاق اس میں موجود ہے ۔ مُسلمان کبھی رذیل اور کمینہ نہیں ہوتا ۔ یہ بد خصائل کُفار میں ہیں ۔ ایک

سچے مسلمان میں ہرگز نہیں ہو سکتے، لیکن اس خیال کے ساتھ ہی فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایسا شریف اور نیک بخت مسلمان اپنے محسن و مربّی اور پروردگار کے سامنے شکرگزاری کے لئے پنجوقتہ سجدہ ریز کیوں نہیں ہوتا؟ یہ وہ سوال ہے جس کا کوئی جواب مجھ سے بن نہیں پڑتا۔ لہٰذا میں حاضرینِ کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ خود اپنے اپنے دل میں اس کا جواب سوچیں اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پیش کریں۔ نیز قیامت میں خود خدائے منعم کے سامنے اس سوال کی جواب دہی کے لئے تیار ہو جائیں۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ جب حضوریٔ قلب نہیں تو نماز پڑھنے سے کیا فائدہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک آقا کے تین غلاموں میں سے وہ غلام جو اپنے آقا کے احسانات کی وجہ سے محبّت رکھتے ہوئے دل سے اُس کے احکام بجالائے وہ سزا سے بھی بچے گا اور انعام بھی پائے گا اور وہ غلام جس کو آقا سے محبّت تو نہیں اور اسی لئے آقا کے حکموں کو پورا کرنے میں اس کا دل نہیں لگتا، مگر آقا کی سزا، کوڑے کھانے، جیل جانے کے ڈر سے اُس کے حکموں کو پورے طور پر ادا کرتا ہے۔ وہ اگر انعام کا مستحق نہ بھی ہو تاہم اس کی سزا تازیانہ وغیرہ سے ضرور بچ جائے گا' لیکن تیسرا وہ غلام جو نہ آقا کی محبّت کی وجہ سے اس کے احکام بجالائے اور نہ آقا کی سزا کے ڈر کی وجہ سے اس کے حکموں کی تعمیل کرے، انعامات سے بھی محروم رہے گا اور سخت سزاؤں کا بھی مستحق بنے گا۔ اسی طرح خدا کے غلاموں کا حال ہے کہ جو محبّت اور خوف رکھ کر اس کے احکام پورے کرے گا' وہ نہایت کامیاب، مستحقِ انعام اور سزا سے محفوظ رہے گا اور جو محبّت نہ ہونے پر بھی اُس کے قہر و غضب سے ڈر کر اطاعت کرے گا' وہ بھی کم ازکم سزا سے تو ضرور بچ جائے گا۔ یہ کیا کچھ کم فائدہ ہے کہ یہ شخص نافرمانوں کی فہرست میں داخل نہ ہوگا۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے اور وہمی دھوکہ میں نہ آیئے۔ ہاں وہ

شخص نہایت محروم اور مستحقِ عذاب و سزا ہوگا جو نہ محبّت سے کرے اور نہ ڈر سے اطاعت کرے۔

عقلی طور پر فہمائش کے بعد اب میں نمازِ پنجگانہ کی اہمیت پر احادیث شریف کی روشنی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جنابِ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے بنیادی اصول ایک حدیث میں اس طرح ارشاد فرمائے ہیں کہ "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے (جو یہ ہیں) توحید و رسالت کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا"۔ (بخاری) یہ ہیں وہ پانچ اصول جس پر عمارۃ اسلام کی بنیاد ہے۔ کسی عمارۃ کی نیو اور بنیاد کا کوئی حصّہ اُکھاڑ ڈالنے کے بعد اُس عمارۃ کا جو حال ہو سکتا ہے وہی حال اُس شخص کے اسلام کا ہوگا جو ان میں سے کسی ایک بنیادی حصّہ کو برباد کر دے، یعنی اس کے اسلام کی تباہی، خرابی اور بربادی۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ نماز مُسلمان کے لئے کتنی اہم چیز ہے۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازیں ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ جس شخص نے اچھی طرح وضو کر کے (یعنی تمام فرض اور سُنّت اور مستحبات وضو کے ادا کیئے اور مکروہات سے بچ کر وضو کی) اور اِن نمازوں کو خشوع کے ساتھ ادا کیا تو اس کے لئے اللہ کا عہد ہے کہ وہ ضرور بخش دیا جائے گا، اور جس نے ایسا نہ کیا، اس کے لئے اللہ کا کوئی عہد نہیں۔ اگر چاہے گا تو بخش دے گا اور چاہے گا تو عذاب دے گا"۔ غور فرمایئے نماز کو پابندی کے ساتھ عُمدہ طور پر ادا کرنا اتنی بڑی چیز ہے کہ گویا نجاۃ کی پوری پوری گیارنٹی ہے جس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ مُسلمان کے تمام اعمالِ خیر کا آخری نتیجہ جس کی اُسے توقع ہے یہی تو ہے کہ عذابِ الٰہی سے نجاۃ مل جائے۔ پس اے مسلمان جلدی کر اور اس حدیث پر عمل شروع کر دے، تیرا مقصد پوری طرح حاصل ہو جائے گا۔

سچے رسول اور پیارے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دی ہوئی خبر کبھی بھی غلط نہیں ہو سکتی ۔ لہٰذا فوراً عمل شروع کر دے ۔

ایک اور حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص نے نمازِ پنجگانہ پر پوری پوری پابندی کی، قیامت میں وہ نماز اُس کا نور ہوگی اور اس کی فرمانبرداری کی دلیل ہوگی اور اس کی نجاۃ کا سبب بنے گی اور جس نے نماز کی پوری پابندی نہ کی حشر میں نہ اس کو نور اور نہ دلیلِ اطاعت اور نہ سببِ نجاۃ حاصل ہوگا اور اُس کا حشر قیامت میں فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا"۔ (رواہ احمد والطبرانی) آپ نے غور فرمایا ؟ کہ پوری پابندی نہ کرنے والے کا حشر کن لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ آپ خود اپنے اُوپر خیال کیجیے کہ پوری پابندی کرتے ہیں یا نہیں یا صرف جُمعہ کی نماز پر آپ کی عبادۃ ختم ہو جاتی ہے ۔ اگر ایسا ہے تو ہمیں یہ حدیث سُن لینے کے بعد ہوشیار ہو جانا چاہیئے اور روزانہ پنجوقتہ نماز شروع کر دینی چاہیئے ۔ پھر یہ بھی سوچیئے کہ جب پوری پابندی نکرنے والا اس درجہ ذلیل ہوگا تو جو نماز بالکل نہیں پڑھتا اس کا کیا حال ہوگا ۔ ہاں پُوری پابندی سے یہ مطلب نہیں کہ کبھی کسی طرح قضا ہی نہو بلکہ یہ مطلب ہے کہ سب نمازیں ادا کرتا رہے ۔ اگر عذرِ شرعی سے کبھی قضا ہو جائے تو اس کو بغیر ادا کیئے نہ چھوڑا جائے بلکہ خیال کے ساتھ اس کی قضا ضرور پڑھ لیا کرے ۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص نماز کو برباد کرتے ہوئے خُدا سے ملا تو اللہ تعالیٰ (بوجہ سخت ناراضگی) اس کی اور کسی نیکی کی پرواہ نکرے گا ۔ اللہ اکبر نماز کتنی اہم چیز ہے اللہ تعالیٰ کی نظر میں کہ ہم جس قدر بھی نیک ہوں مگر نمازی نہوں تو ہماری تمام نیکیاں ناقابلِ توجہ ثابت ہوں گی ۔ اس سے زیادہ سخت اور اہم اور بالکل

آخری بات یہ سُنیئے کہ مُسلم شریف کی حدیث میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ مومن بندے اور کُفر میں فرق کرنے والی چیز نماز ہے ۔ اس سے زیادہ سخت اور زبردست یہ ارشاد ہے کہ "جس نے (قصدًا) نماز چھوڑدی وہ کافر ہوگیا"۔ (مشکوٰۃ) بتائیے اب اس کے بعد کیا باقی رہا؟ اب ذرا ہم اپنے ایمان کو ٹٹولیں کہ کہاں ہے ، گو مُسلمان صرف گناہ کرنے سے کافر نہیں ہوتا ، مگر یہ حقیقت ہے کہ کُفر کے بالکل قریب پہنچ جاتا ہے اور اسلام سے بہت دُور ہوجاتا ہے ۔ معزّز بزرگو اور دوستو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان ارشادات پر غور فرمایئے اور اگر ہم میں آپ میں اس قسم کی کوئی بُرائی ہے تو فورًا نکالیے ۔ غفلت دُور کیجئے اور کمرِ ہمّت باندھ کر نماز پابندی کے ساتھ شروع کیجئے ۔ ایسا نہ ہو کہ مرنے کے بعد اس قسم کی رُسوائیوں کا سامنا کرنا پڑے ۔ حق تعالیٰ مجھے اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنے اس اسلامی فرض نمازِ پنجگانہ پر قائم و دائم رکھے ۔ وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہٖ سیّدنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین[۱]۔

---

[۱] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَ قُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ہ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

خطبۂ جُمعہ چہارم ماہِ ربیع الاول در تعلیمِ ضروریاتِ دین

جماعت و جُمعہ کی ترغیب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یَسْجُدُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضِیْنَ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَهُوَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ○

وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ

رَسُوْلُهٗ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْنَ ○ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَعَلٰٓی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الطَّاهِرِیْنَ ○ اَمَّا بَعْدُ وَ

فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ

وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِیْنَ ○

وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِیْنَ ○ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ + مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیْ

فَلَمْ یَمْنَعْهُ مِنِ اتِّبَاعِهٖ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ

قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ

+ ابوداؤد ۱۲

الصَّلٰوۃُ الَّتِی صَلّٰی ○ وَعَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ[۲] اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ○ رَجُلٌ اَعْمٰی فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ + اِنَّهٗ لَیْسَ لِیْ قَائِدٌ یَّقُوْدُنِیْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَسَاَلَ اَنْ یُّرَخِّصَ فَرَخَّصَ لَهٗ + فَلَمَّا وَلّٰی دَعَاهُ وَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ ○ وَقَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ + وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَیُحْطَبُ ثُمَّ اٰمُرُ بِالصَّلٰوۃِ فَیُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ اٰمُرُ رَجُلًا فَیَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفُ اِلٰی رِجَالٍ لَّا یَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوۃَ فَاُحَرِّقُ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ ○ وَقَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ + اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ

عـلہ مسلم ۱۲ عـلہ للستۃ ۱۲

وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِىْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَّمْلُوْكٍ اَوِامْرَاَةٍ اَوْصَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِىَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

وعظِ جمعہ چہارم ماہِ ربیع الاول دربیانِ

جمعہ وجماعات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ -

برادرانِ ملت! یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جو کام انسان انفرادی طور پر اکیلا کرنا چاہے اُس میں اس قدر کامیابی نہیں ہوتی، جس قدر اجتماعی طور پر چند انسانوں کے مل کر کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایک آدمی کسی بڑے شخص سے کوئی مطلب چاہتا ہے تو اتنا قابلِ اعتنا نہیں ہوتا، جس قدر کہ متفقہ طور پر کوئی جماعت بصورتِ وفد حاضر ہو کر اپنی گذارشات پیش

کرے۔ ایسی درخواست جلد قبول کی جاتی ہے اور مطلب جلد حاصل ہوتا ہے۔
ہم سب اللہ کے بندے اور اس کے غلام ہیں جس کے ہر حُکم پر ہمیں عمل کرنا ضروری ہے، لیکن تجربہ ہے کہ اکثر ہم سے غلطی اور نافرمانی یعنی گناہ ہو ہی جاتے ہیں، جس سے اللہ کے غصّہ اور سزا کے مستحق بن جاتے ہیں۔ اس سزا سے بچنے کی صُورۃ صرف یہی ہے کہ ہم اپنے احکم الحاکمین سے معافی حاصل کریں۔ معافی کے لئے درخواست پیش کرنا ضروری ہے۔ اب اگر ہم اپنی یہ درخواست الگ الگ پیش کریں تو اس قدر نتیجہ خیز نہ ہوگی جتنی کہ اجتماعی طور پر بصورۃِ وفد حاضر ہو کر کسی ایک کو امیرِ وفد بنا کر درخواست پیش کرنے کی صُورۃ میں مفید ہوگی۔ بڑا احسان ہے ہمارے رہبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ آپؐ نے یہ نکتہ ہم کو سمجھایا اور بارگاہِ خُداوندی میں اجتماعی طور پر ایسی درخواستیں پیش کرتے رہنے کی سخت تاکید کی، تاکہ ہماری گذارشات شرفِ قبولیت سے محروم نہ رہیں۔ بزرگو! نماز کیا ہے۔ خُدا کی بارگاہ میں بندہ کی درخواست ہے۔ کس چیز کی درخواست؟ ہدایت کی درخواست، رحم و کرم کی درخواست، غضب و سزا سے بچنے کی درخواست، گناہوں سے معافی کی درخواست۔ پس ان درخواستوں کو منظور کرانے کے لئے عقلاً بھی یہی مناسب بلکہ ضروری ہے کہ اپنی درخواستوں کو پیش کرنے کے لئے ایک جگہ جمع ہوں اور اپنے میں سے ایک کو امیرِ وفد بنا کر بارگاہِ خُداوندی میں حاضر ہوں۔ ہم باَدب خاموش کھڑے رہیں اور ہمارا امیر ہماری طرف سے درخواست پیش کرے، ورنہ ممکن ہے کہ تنہا درخواست کسی بدعملی کی وجہ سے منظور نہ ہو اور ہمارے مُنہ پر ماردی جائے۔ آپ خود غور فرمائیں کہ چوبیس گھنٹے میں سینکڑوں گناہِ کبیرہ و صغیرہ کرتے ہوئے بھی ہمارا کیا مُنہ ہے کہ ہم اکیلے اپنے آقا سے اپنی درخواست منظور ہی کرالیں جبکہ وہ قہار و جبار اور منتقم بھی ہے۔ ہاں اجتماعی طور پر درخواست پیش کرنے

کی صورۃ میں اس کی رحمتِ کاملہ سے قوی اُمید بندھتی ہے کہ کسی مقبول بندہ کے طفیل میں ہماری درخواست بھی قبول فرمائے۔ نمازِ باجماعت کا فلسفہ دراصل یہی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی فوائد ہیں، مثلاً ہر ایک دینی بھائی سے ملاقاۃ ہونا، ایک دوسرے کی خیریت معلوم ہونا۔ آپس میں محبّت و ہمدردی پیدا ہونا وغیرہ۔ ایسے عُمدہ اور مفید طریقہ کو چھوڑ کر محض کاہلی اور سُستی یا دُنیا کی مصروفیت کی وجہ سے تنہا نماز پڑھنے کی عادۃ ڈال لینا انتہائی غلطی اور بڑا خسارہ ہے اور ایسا مُسلمان دراصل نیک بے وقوف ہے، لیکن اگر کوئی مُسلمان جماعت کی پابندی اس لئے نہیں کرتا کہ وہ اپنے دل میں جماعت میں شریک ہونے کو معمولی اور ہلکی سی چیز سمجھتا ہے تو اب یہ نیک نہیں بلکہ بدبیوقوف ہے اور سخت گنہگار ہے، کیونکہ کسی سُنّتِ مؤکدہ کو ہلکا سمجھ کر چھوڑنا اور بار بار چھوڑنا گناہِ کبیرہ ہے۔ گویا ایسا شخص بارگاہِ قدس میں درخواست بھی پیش کرتا ہے اور ساتھ ہی مولیٰ کے سامنے سخت نافرمانی بھی کر رہا ہے۔ یہ ہے ہمارے گھروں میں فرض نماز تنہا پڑھنے کی حقیقت، جو لوگ اپنے گھروں میں اور بنگلوں میں نماز تنہا پڑھنے کے عادی ہوگئے ہیں، انھیں اپنی ان نمازوں کی حقیقت پر غور کرتے ہُوئے اس بُری عادۃ پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے۔

اب میں جماعت کے متعلق اُس ذاتِ گرامی کے ارشادات پیش کرتا ہُوں، جن کی دعوت و تبلیغ پر ہم آپ مسلمان اور نماز سے روشناس ہوئے ہیں۔ چنانچہ عرض ہے کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے نماز باجماعت کی ترغیب دیتے ہُوئے ارشاد فرمایا کہ نمازِ باجماعت ہر شخص کے حق میں اُس کی تنہا نماز سے پچیس درجہ افضل ہے۔ (احیا) نیز فرمایا کہ جو شخص مسجد میں نمازِ باجماعت چالیس رات تک اس طرح ادا کرے کہ رکعتِ اولےٰ اُس سے فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ایسی نمازوں کی برکت سے

دوزخ کے عذاب سے اُس کی رہائی اور آزادی لکھ دیتا ہے (جمع الفوائد) سبحان اللہ یہ کتنی بڑی فضیلت ہے، مگر افسوس گھر میں نماز پڑھنے والا مسلمان اس برکت وفضیلت سے محروم ہے۔ بعض لوگ جماعت کو اہم سمجھتے ہیں اور باجماعت ادا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، لیکن اپنی ایک عجیب غلط فہمی کی وجہ سے جماعت میں شریک نہیں ہوتے اور خواہ مخواہ گنہگار ہوتے ہیں۔ وہ غلط فہمی یہ ہے کہ نماز کے پورے مسائل تو باقاعدہ پڑھے نہیں اور کسی سے سُن لیا کہ نابینا کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ ڈاڑھی مُنڈے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی یا کسی امام سے جھگڑ لئے تو نماز نہیں ہوتی وغیرہ۔ بس اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یا تو نماز کے لئے مسجد میں آتے نہیں یا اگر آتے ہیں تو اپنی نماز اکیلے ہی ادا کر لیتے ہیں۔ جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہر مسجد کے امام کے ساتھ کسی نہ کسی کا کوئی جھگڑا یا اختلاف دُنیاوی معاملات میں یا دینی مسائل میں ہو ہی جاتا ہے، کیونکہ امام بھی انسان ہے اور بہ تقاضائے بشریت اُس سے غلطی ہو جانا بھی ممکن ہے۔ نیز ہر جگہ نمازیوں کا دماغ ان کی تعلیم وتربیت بھی ایک سی نہیں ہوتی۔ ہر ایک کا مزاج بھی جُدا جُدا ہوتا ہے۔ امام بے چارہ ہر ایک کے مزاج اور معیار کے مطابق نہیں ہو سکتا۔ مقتدیوں میں دینی جہالت بھی بکثرت ہے، اس لئے اختلافات پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ لہٰذا اکثر لوگ ان اختلافات کی بنا پر جماعت چھوڑ کر ترکِ سُنّتِ مؤکدہ یا ترکِ واجب کے گنہگار ہوتے ہیں۔ حاضرین خوب سمجھ لیجئے اور غور سے سنئے کہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مُبارک اس بارہ میں کیا ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ جہاد واجب ہے تم پر ہر امیرِ مسلمین کے ساتھ وہ امیر خواہ نیک ہو یا فاجر اور نماز واجب ہے تم پر ہر مسلمان کے پیچھے خواہ وہ نیک ہو یا فاجر۔ اگرچہ وہ

کبائر میں مبتلا ہو"۔ اس ارشاد میں حضورؐ کا مقصود یہ ہے کہ نماز جماعت ہی سے پڑھو۔ خواہ امام کیسا ہی بُرا ہو، لیکن جماعت نہ چھوڑو۔ معلوم ہُوا کہ اس قسم کے اختلافات کی وجہ سے جماعت چھوڑنا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں دوسری طرف شریعت کا یہ بھی حکم ہے کہ فاجر و فاسق کو امام مقرر نہ کرنا چاہیئے۔ علانیہ فاسق وغیرہ کا امام مقرر کرنا مکروہِ تحریمی اور گناہ ہے۔ نابینا کو جو نجاست سے احتیاط نہ رکھتا ہو امام مقرر کرنا صرف مکروہِ تنزیہی ہے، لیکن اگر امام بنا دیا گیا تو اب اُن کی اقتداء میں نماز پڑھنا چاہیئے۔ جماعت کے بارے میں حضورؐ نے جس قدر تاکید فرمائی ہے، اس کا اندازہ اس حدیث سے کیجیئے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس نے اذاں سُنی اور جماعت میں حاضر ہونے سے کوئی عذرِ شرعی مانع نہ ہو پھر بھی حاضر نہ ہو اور تنہا نماز پڑھ لے تو اس کی یہ نماز قبول نہ ہو گی"۔ (ابوداؤد) یعنی نماز ادا تو ہو جائے گی، مگر قبول نہ ہو گی اور قبول ہونا ہی بڑی بات ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ ایک نابینا نے عرض کیا کہ حضورؐ مجھے کوئی مسجد تک لانے والا نہیں ملتا۔ گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا ہو۔ آپؐ نے اجازت دے دی۔ جب وہ چلنے لگا تو آپؐ نے پھر بُلا کر فرمایا۔ کیا تم اذاں کی آواز سُنتے ہو؟ عرض کی۔ ہاں۔ فرمایا۔ تو اب ضرور جماعت میں حاضر ہُوا کرو۔ (مُسلم) نیز آپؐ نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مَیں نے ارادہ کیا ہے کہ کسی کو حُکم دُوں کہ وہ امامت کرے اور مَیں جماعت چھوڑنے والوں کے پاس پہنچوں اور اُن کے گھروں کو جلا دُوں"۔ (بخاری) اللہ اکبر۔ آپؐ نے کس قدر سخت کلام سے ڈرایا ہے۔ وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے جو آپؐ کے ڈرانے سے بھی نہ ڈرے اور بلا عذر جماعت چھوڑتا رہے۔ یزید بن عامر صحابی رضؓ کہتے ہیں کہ مَیں حضورؐ کے پاس آیا تو آپؐ نماز باجماعت میں تھے۔ مَیں بیٹھ گیا۔ جب آپؐ نماز سے لَوٹے مجھے بیٹھا ہُوا دیکھ کر فرمایا "کیا

تُم مُسلمان نہیں ہو؟ مَیں نے عرض کیا بیشک مَیں مُسلمان ہوں۔ آپؐ نے فرمایا، تو پھر جماعت میں شامل کیوں نہیں ہُوئے۔ مَیں نے عرض کیا کہ مَیں نے اپنے گھر نماز پڑھ لی تھی۔ اِس پر آپؐ نے فرمایا۔ جب تُم جماعت ہوتے ہُوئے دیکھو تو اُن کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ اگر گھر پڑھ لی تھی تو وہ نفل ہو جائے گی اور یہ فرض شمار ہو گی۔ (ابوداؤد) اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ نماز باجماعت ہوتے ہُوئے دیکھ کر شریک نہ ہونا مُسلمان کا کام نہیں۔

نماز باجماعت میں یہ بھی خیال رہے کہ صفوں کا برابر کرنا بھی بہت ضروری چیز ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اپنی صفیں برابر کرو، اس لئے کہ صفیں برابر کرنے پر نماز کا مکمل ہونا موقوف ہے۔ (بخاری) نیز کوشش کرنی چاہئے کہ صفِ اول میں جگہ ملے۔ اس کی بھی حضورؐ نے تاکید فرمائی ہے۔ صفوں میں آگے نہ بڑھنا اور پیچھے رہنے کی کوشش کرنا نہایت بدبختی کی بات ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک قوم (نماز باجماعت میں) صفِ اول سے ہمیشہ پیچھے ہٹتی رہے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ میں (بھی) سب سے پیچھے ڈال دے گا۔ (ابوداؤد) جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگ سب سے آخر میں دوزخ سے نکالے جائیں گے اس لئے دیر تک اُن پر عذاب ہوتا رہے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضورؐ صفِ اول میں شامل ہونے والوں کے واسطے طلبِ رحمت کے لئے تین بار دُعا فرماتے تھے (کہ اے اللہ تو نماز کی صفِ اول پر اپنی رحمت نازل فرما) اور دوسری صف والوں کے لئے صرف ایک مرتبہ یہ دُعا فرماتے تھے (جمع الفوائد) پس جو لوگ بلا وجہِ شرعی تیسری چوتھی وغیرہ صفوں میں قصداً رہتے ہیں اور باوجود موقع ہونے کے آگے نہیں بڑھتے یا جان کر دیر میں آتے ہیں، اس لئے اکثر پیچھے رہتے ہیں وہ آپؐ کی اس مخصوص اور بابرکت دُعا سے بالکل محروم رہے اور حضورؐ کی دُعاءِ مُبارک سے

محروم رہنا کتنی بڑی بدنصیبی ہے، حالانکہ ہم حضورؐ کے ادنیٰ غلاموں یعنی اولیاءِ کرام اور عام صالحین کی دعائیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

حاضرینِ کرام! نمازِ جمعہ کی جماعت میں حاضری دینا بھی بہت ضروری اور لازمی ہے۔ لوگ جمعہ کی پرواہ نہیں کرتے اور عید کی نماز کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیدین کے دنوں سے زیادہ بڑا ہے۔ (جمع الفوائد) اور حضورؐ نے جمعہ چھوڑنے کو بہت سخت تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ "قوموں کو چاہئے کہ وہ جمعات چھوڑنے سے رُک جائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں پر مُہر لگا دے گا اور پھر وہ بالکل غفلت میں ڈوبنے والوں میں سے ہو جائیں گے (مسلم) نیز آپؐ نے فرمایا کہ جمعہ حق ہے، واجب ہے ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ سوائے غلام، عورت اور بیمار کے۔ (ابوداؤد) یہ بھی یاد رکھئے کہ جمعہ میں جلد آنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ احادیث میں اس کا بہت ثواب آیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کو غسل کر کے جامع مسجد کو چلا اول ساعت میں تو گویا اُس نے (خدا کی راہ میں) ایک اُونٹ قربان کیا اور جو دوسری ساعت میں چلا تو گویا اُس نے ایک گائے قربان کی اور جو تیسری ساعت میں چلا تو گویا اُس نے ایک دُنبہ قربان کر دیا اور جو چوتھی ساعت میں چلا تو گویا اُس نے ایک مُرغی راہِ خدا میں دی اور جو پانچویں ساعت میں چلا گویا اُس نے ایک بیضہ راہِ خدا میں دیا۔ پھر جب امام خطبہ کے لئے نکل آوے تو فرشتے (جو ثواب لکھ رہے تھے) خطبہ سُننے میں لگ جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ امام کے آنے پر فرشتے صحیفوں کو طے کر کے خطبہ سُننے لگتے ہیں۔ (صحاح ستہ) معلوم ہوا کہ آخر میں آنے والے اس مخصوص ثواب کی تحریر سے محروم رہ جاتے ہیں، افسوس یہ کتنی بڑی محرومی ہے کہ دوسروں کا مخصوص ثواب درج ہو اور ہم اپنی غفلت سے محروم

رہ جائیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو حضورؐ کی ان حدیثوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں کامل مسلمان بنا دے۔ وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہٖ سیّدنا محمّد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔[1]

[1] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ۰ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۰ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

ضمیمہ

نوٹ :- ضمیمہ میں جو چند مسائل لکھے گئے ہیں، ان میں سے جہاں جن مسائل کی ضرورت معلوم ہو اُن کو پڑھ کر سُنا دیں تاکہ لوگ غلطی سے بچ جائیں۔

حاضرین! اب میں چند ضروری مسائل سناتا ہوں، غور سے سُنیں اور اُن کے مطابق عمل کریں تاکہ ہماری عبادتیں صحیح طریقہ پر ادا ہو کر بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہو جائیں۔ مسئلہ :- ظہر کی طرح نمازِ جمعہ کا وقت بھی زوال کے بعد ہی شروع ہوتا ہے۔[1] لہٰذا زوال سے پہلے اذان دینا درست نہیں، جیساکہ جنوبی ہند کی بعض مسجدوں میں وقت سے پہلے ہی اذان دے دی جاتی ہے۔ مسئلہ :- اذانِ خطبہ سے پہلے مؤذن کا عصا لے کر یا معشر المسلمین رحمکم اللہ الخ پڑھنا جس کو ترقیہ کہا جاتا ہے، محققین علماء کے نزدیک بدعت اور مکروہِ تحریمی ہے۔[2] مسئلہ :- خطبہ کی اذان کا جواب دینا

[1] دلیلہٗ قال فی ردالمختار ۲۵۷ وھو سنۃ مؤکدۃ کالواجب فی الحوق الاثم للفرائض الخمسہ فی وقتھا دخلت الجمعۃ فیہ (بحر) فیعاد اذان وقع بعضہٗ قبلہٗ وکذا کلہ بالاولیٰ ۱۲ [2] قال الشامی وعلٰی ھذا فالترقیۃ المتعارفۃ فی زماننا تکرہ عندہٗ ۱۲ (بقیہ ص ۲۱۴ پر)

مکروہ ہے[۱]۔ مسئلہ :- خُطبہ کی اذاں کے لئے ممبر سے انگوٹھے لگا کر مؤذن کا کھڑا ہونا غلط ہے بلکہ صرف ممبر کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے[۲]۔ مسئلہ : اذانِ خُطبہ کے بعد دُعاءِ وسیلہ بھی نہ پڑھنی چاہیئے[۳]۔ مسئلہ :- دو خطبوں کے درمیانی جلسہ میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا بھی ثابت نہیں بلکہ بدعت ہے[۴]۔ مسئلہ :- اثناءِ خطبہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اسمِ گرامی لیا جاوے تو زبان سے درودِ شریف نہ پڑھنا چاہیئے بلکہ دل میں پڑھ لے[۵]۔ مسئلہ :- جب خطیب خُطبہ میں دُعا کرے تو سامعین کو زور سے آمین کہنا اور دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھانا جائز نہیں۔ اگر کریں گے تو گنہگار ہوں گے[۶]۔ مسئلہ :- نمازِ جُمعہ کے بعد خصوصیت کے ساتھ اور ضروری سمجھ کر امام سے یا باہمی مصافحہ کرنا اور نمازِ فجر وعصر یا نمازِ پنجگانہ

(بقیہ صفحہ ۲۱۳) وذکر ابن الحجر فی التحفة ان ذالك بدعة لانہ حدث بعد الصدر الاول (الی ان قال) اقول کون ذالك فی زماننا متعارفا لا یقتضی جوازہٗ عند الامام القائل بحرمة الکلام صـ ۵۵۱/۱ شامی ۱۲ [۱] واجابة الاذان حینئذ مکروھة صـ ۵۵۱/۱ [۲] احادیث میں بین یدالمنبر آیا ہے متصلا بالمنبر نہیں ہے کہ پیر کے انگوٹھے لگانا ضروری ہوتا بلکہ صفِ اول کی قید بھی ضروری نہیں ہے۔ البتہ منبر کے سامنے ہونا سُنّت ہے ۱۲ [۳] ففی فتح القدیر انہ علیہ السلام اذا رقی المنبر اخذ بلال رضی فی الاذان فاذا اکملہ اخذ علیہ السلام بالخطبة ۱۲ [۴] قال الطحاوی ما ثبت الدعاء فی الجلوس بین الخطبتین وقال شمس الائمة السرخسیؒ والدعاء فی الجلسة بین الخطبتین بدعة وفی جامع الخطیب ان رفع الیدین فی الجلسة حرام (کبیری) [۵] وکذالك اذا ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یجوز ان یصلوا علیہ بالجھر بل بالقلب وعلیہ الفتویٰ صـ ۵۵۰/۱ شامی ۱۲ [۶] واذا شرع فی الدعاء لا یجوز للقوم رفع الیدین ولا تامین باللسان جھرا فان فعلوا اثموا وعلیہ الفتویٰ صـ ۵۵۰/۱ شامی ۱۲

کے بعد خصوصیت کے ساتھ مصافحہ کرنا بدعت[1] ہے۔ اس کا رواج نہیں ڈالنا چاہئے
مسئلہ :- نماز کے بعد امام کا زور سے دُعا کرنا خلافِ اولیٰ ہے اور آہستہ دُعا کرنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے[2] مسئلہ :- ہر نماز یا کسی نماز کے بعد ایصالِ ثواب کو مقرر کرلینا اور الفاتحہ کہنا ضروری سمجھ کر یہ سب بدعت ہے، جبکہ وقت کی خصوصیت ہو اور ضروری سمجھ کر کیا جائے، بلا خصوصیت اور بغیر التزام کے ایصالِ ثواب کرنا ہر وقت جائز ہے، کیونکہ تمام مُباحات و مستحبات میں التزام مالایلزم ناجائز ہے، بدلیلِ آیاتِ قرآنیہ و تصریحاتِ فقہاء[3]۔
مسئلہ :- نمازِ پنجگانہ یا جمعہ میں سُنتوں کے بعد دُعاءِ ثانی لزوماً کرنا بدعت ہے، لہٰذا مکروہ ہے۔

---

[1] بوجہ التزام و فی الشامی نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال لان الصحابۃ رضی اللہ عنھم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰۃ الخ شامی ج ۵ ۱۲ [2] ادعوا ربکم تضرعاء وخفیہ الایہ و فی الحدیث انکم لا تدعون صما و لا غائبا (مسلم) قال عطاء الدعاء بالسر اقرب الی القبول سبعین درجۃ من دعاء الجھر (احیاء) [3] مسئلہ التزام مالایلزم کو خطبہ دربیانِ فرقِ مراتب اوامر و نواہی میں بیان کیا گیا ہے، وہاں دیکھ لیا جائے ۱۲ [4] کیوں کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا قطعاً رواج ثابت نہیں پس لازم سمجھ کر کرنا التزام مالایلزم میں ضرور داخل ہے اور یہ ناجائز ہے جو وجہ کراہت ملتقط سے مصافحہ بعد الصلوٰۃ میں منقول ہے، بعینہ وہی دعاءِ ثانی میں بھی موجود ہے ۱۲

خطبہ جمعہ پنجم ماہِ ربیع الاول در تعلیم ضروریاتِ دین

تقرّب بالنّوافل اور حقیقتِ ولایت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ تَعَشَّقَتْ بِہٖ الْاَرْضُ وَالسَّمٰوٰتِ ○ وَتَشَوَّقَتْ اِلَیْہِ اَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ○ یُنَجِّیْھِمْ بِاَدَاءِ الْفَرَائِضِ مِنَ الْمُھْلِکَاتِ ○ وَیُنْزِلُھُمْ مَنَازِلَ الْمُقَرَّبِیْنَ بِالسَّعْیِ فِی التَّطَوُّعَاتِ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ فِی الذَّاتِ وَالصِّفَاتِ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سَیِّدُ

الْمَوْجُوْدَاتِ ٥ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَاَزْكَى التَّحِيَّاتِ ٥

اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْحَاضِرِيْنَ ٥ اِنَّ اللّٰهَ

تَعَالٰى فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْفَرَائِضَ فَاسْتَقِيْمُوْا

عَلَيْهَا ٥ وَسَنَّ لَكُمْ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ التَّطَوُّعَاتِ مَعَهَا ٥ فَاجْتَهِدُوْا اَنْ

لَّا تَتْرُكُوْا شَيْئًا مِنْهَا ٥ فَاِنَّ التَّطَوُّعَاتِ

مُكَمِّلَاتُ الْمُحَتَّمَاتِ ٥ وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ

الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + اِنَّ اَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ

الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلَاتُهٗ ٥ فَاِنْ

صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ + وَاِنْ فَسَدَتْ

ع۱ للترمذی ۱۲

فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ + فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ
فَرِيْضَتِهٖ شَيْئًا + قَالَ الرَّبُّ تَعَالٰى اُنْظُرُوْا
هَلْ لِعَبْدِىْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمِّلُ بِهٖ مَا
انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُوْنُ سَائِرُ
اَعْمَالِهٖ عَلٰى ذٰلِكَ ○ وَاعْلَمُوْا اَنَّ التَّطَوُّعَاتِ
قُرُبَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى ○ قَالَ عَلَيْهِ[1]
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا
يَزَالُ عَبْدِىْ يَتَقَرَّبُ اِلَىَّ بِالنَّوَافِلِ
حَتّٰى اُحِبَّهٗ اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ ○ اَعُوْذُ
بِاللّٰهِ الخ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ
شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا الخ

[1] البخاری ۱۲

وعظِ جمعہ پنجم ماہِ ربیع الاول دربارۂ تعلیمِ ضروریاتِ دین

تقرّب بالنّوافل اور حقیقتِ ولایت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! جب کوئی شخص کسی کی نوکری کرتا ہے تو اس کا آقا کچھ خدمات اُس کے سپرد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے تم کو فلاں فلاں کام انجام دینے کے لئے رکھا ہے۔ اگر یہ خدمات نہ انجام دوگے تو سزا ملے گی اور تم تنخواہ کے مستحق نہ ہوگے۔ پس آقا کے یہ بتلائے ہوئے کام اُس کے فرائضِ ملازمت اور اس کی ذمہ داری میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اب اگر ملازم صرف اتنے ہی کام انجام دے اور ان میں کبھی کمی یا قصور ہو جائے تو ضرور ہے کہ اُس کا آقا اس پر ناراض ہوگا اور سزا دے گا، لیکن اگر کوئی ملازم آقا کے بتلائے ہوئے کاموں کو انجام دینے کے بعد کچھ زائد خدمات بھی کرتا رہے، تو اُس کا آقا اُس سے بہت خوش ہوگا اور علاوہ تنخواہ کے کچھ انعام وغیرہ بھی دے گا اور اگر ایسے ملازم سے کہ جس کے اصل کام میں کچھ قصور سرزد ہو جائے تو آقا اُن مزید خدمات کی وجہ سے اُس کی رعایت بھی کرے گا، اس لئے اُس کا قصور معاف کرے گا اور اس نقصان کی تلافی اس کی زائد خدمات سے ہو جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے دُنیاوی آقاؤں کی زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دینے کی کوشش کرتے ہیں یا اگر آقا ہیں تو زیادہ خدمات کرنے والے ملازم کو بہترین ملازم سمجھتے ہیں۔ ہم میں سے اکثر ملازمت پیشہ بھی ہیں یا ملازم رکھتے ہیں۔ اگر ہم اپنے طرزِ عمل پر غور کریں تو اکثر لوگوں میں ایک دوسرے کے ساتھ بالکل یہی برتاؤ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی جو ہم سب سے بڑے حاکم ہیں اور ہم سب اُس کے ملازم ہی نہیں

بلکہ غلام ہیں۔ اُس نے بھی اپنا برتاؤ بندہ کے ساتھ اکثر معاملات میں اسی طرح رکھا ہے جس طرح ہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ اللہ تعالٰے نے ہر مسلمان کے ذمہ چند فرائض مقرر کرتے ہیں، جن کو ادا کرنا ہم پر لازم اور ضروری ہے۔ اب اگر ہم اپنے ان فرائض ہی تک اپنی عبادت کو محدود رکھیں اور اُس میں کسی وقت قصور ہو جائے تو ہمارا جُرم ناقابلِ معافی ہوگا اور سزا کے مستحق بنیں گے، لیکن اگر ہم نے اپنے فرائض کے علاوہ کچھ مزید عبادت و اطاعت میں بھی کوشش کی تو ممکن ہے کہ لغزش کے وقت اللہ تعالیٰ ہماری اس مزید اطاعت سے اس کمی کو پورا کر کے ہم پر رحم فرما دے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے جملہ فرائض پوری طرح بلا کسی کمی یا نقصان کے برابر ادا کرتا رہتا ہوں۔ نماز ہی کو لیجئے۔ کبھی پاکی میں پوری احتیاط چھوٹ جاتی ہے۔ کبھی وضو کما حقہٗ نہیں ہوتا۔ کبھی نماز کے ارکان پوری طرح ادا نہیں ہوتے، کبھی حضورِ قلب نہیں ہوتا اور ایسا تو اکثر ہوتا ہی رہتا ہے کہ نماز میں دنیوی خیالات آتے رہتے ہیں، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ بغیر حضورِ قلب نماز کامل ہی نہیں ہوتی۔ اسی طرح زکوٰۃ، روزہ اور حج کی حالت ہے۔ پس ان حالات میں ہمارے لئے انجام کا خیال کرتے ہوئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم فرائض کے علاوہ بھی کچھ عبادت کرتے رہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ اُس کمی کے بدلہ ہماری ان زائد عبادت کو قبول فرمائے اور ہم اُس کے قہر و غضب سے بچ جائیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے قیامت میں جس عمل کا حساب کیا جائے گا وہ بندہ کی نماز ہوگی۔ اگر وہ عُمدہ ثابت ہُوئی تو بندہ نے فلاح پائی اور کامیاب ہُوا، لیکن اگر اس کی نماز خراب ثابت ہُوئی تو وہ محروم ہُوا اور خسارہ میں رہا اور اگر اس کی نماز میں کچھ نقص رہا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا

کہ اے فرشتو غور سے دیکھو کہ کیا میرے بندہ کے پاس کچھ زائد عبادۃ اور نوافل ہیں ؟ پس اگر ہوئی تو اس فرض کے نقصان کو پورا کر دیا جائے گا ۔ پھر اُس کے تمام اعمال کا حساب اسی طرح کیا جائے گا (ترمذی) پس ہر نیک مسلمان کو ضروری ہے کہ وہ ہر فرض عبادۃ کے ساتھ کچھ ایسی زائد عبادتیں بھی کرتا رہے، جن کو شریعت نے عبادۃ میں شمار کیا ہو ۔ شریعتِ الٰہیہ میں ان زائد عبادات کو بھی معین کر دیا گیا ہے اور ہر ایک عبادت کے درجات مقرر کر دیئے گئے ہیں اور زائد عبادتوں کے سلسلہ میں صرف وہی قبول کی جائیں گی جو معیّن کر دی گئی ہیں، لہٰذا کسی کی اپنی ایجاد کردہ عبادۃ یعنی بدعت قبول نہ کی جائے گی ۔ دنیوی ملازم شروع میں آقا کے نزدیک بالکل اجنبی اور بے تعلق سا ہُوا کرتا ہے، لیکن جب وہ نہایت تن دہی کے ساتھ اپنا فرض انجام دینے لگتا ہے اور جانفشانی کے ساتھ کچھ زائد خدمات بھی کرتا ہے تو اب آقا کے ساتھ علاوہ ملازمت کے کچھ اور تعلق بھی ہو جاتا ہے، یعنی آقا کے دل میں اس سے محبّت پیدا ہونے لگتی ہے ۔ یہی حالت جب بڑھتی رہتی ہے تو آخر کار وہ آقا اپنے ملازم کو صرف ملازم ہی نہیں بلکہ اپنا خاص آدمی قرار دے لیتا ہے اور اُس سے بہت محبّت کرنے لگتا ہے اور اُس کو خاص اپنے قریب رکھنے کی کوشش کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ انتہائی تعلقِ خاطر کے بعد تو یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ اُس کا ملازم جو کچھ کارروائی مقدمات میں یا تجارتی معاملات میں کرتا ہے وہ سب اُس کے آقا کی طرف سے شمار کی جاتی ہیں اور آقا اس کے تمام کئے ہُوئے کاموں کو خود اپنے کئے ہُوئے کام سمجھتا ہے ۔ ٹھیک یہی برتاؤ خُدا کا اپنے بندوں کے ساتھ ہے کہ بندہ جب گناہوں سے بچتے ہُوئے فرضوں کے بعد مزید عبادت و مجاہدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندہ کو چاہنے لگتے ہیں اور یہ محبّت و چاہت بڑھتی رہتی ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُس کو اپنے خاص بندوں میں شمار فرما لیتا ہے ۔ اب

وہ اللہ کا ولی یا مقرب بندہ ہوجاتا ہے۔ جب یہ تعلق اور زیادہ ہوجاتا ہے تو حق تعالیٰ اُس کو اپنا اس قدر چہیتا دوست بنا لیتے ہیں کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اُس کو اپنا کِیا ہُوا تسلیم کرتے ہیں اور اس کے افعال کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں ۔ چنانچہ اس انتہائی قُرب اور دوستی کی کیفیت کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ نفل عبادتوں سے میرے قریب ہونے کی کوشش کرتا رہتا ہے تو مَیں اُس سے محبّت کرنے لگتا ہُوں اور جب مَیں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو (غایتِ قرب سے حالت یہ ہوجاتی ہے) کہ مَیں اُس کا کان ہوجاتا ہُوں جس سے وہ سُنتا ہے اور مَیں اُس کی آنکھ ہوجاتا ہُوں، جس سے وہ دیکھتا ہے اور مَیں اُس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اور مَیں اس کے پَیر بن جاتا ہُوں، جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو مَیں اُس کو عطا کرتا ہُوں اور اگر وہ میری پناہ چاہتا ہے تو مَیں اُس کو پناہ دیتا ہوں (بخاری) بلا تشبیہ یوں سمجھئے کہ جس طرح لیلیٰ، مجنوں کے تمام رگ وپے میں سما جاتی ہے، اسی طرح معشوقِ حقیقی اپنے عاشق کی رگ وپے میں سما جاتا ہے، لیکن جس طرح مجنوں لیلیٰ نہیں بن جاتا، اسی طرح ایسا ولی خُدا نہیں بن جاتا۔ اس نکتہ کو ہمیشہ یاد رکھئے۔ جب کوئی انسان اللہ کا منظورِ نظر اور ایسا مقبول بن جاتا ہے تو پھر اس کے مرتبہ اور درجہ کا کیا ٹھکانا ہے۔ بڑی بڑی فضیلتیں اس کو حاصل ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ دُنیا میں یہ نعمتیں حاصل ہوجاتی ہیں کہ خُدا کے سوا وہ کسی سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔ اس کی ہیبت دوسروں پر چھا جاتی ہے، لیکن اس پر کسی کی ہیبت طاری نہیں ہوتی۔ وہ اپنے جیسے انسانوں کی غلامی سے قطعاً آزاد ہوجاتا ہے۔ دُنیا کی کوئی تکلیف کوئی صدمہ کوئی مُصیبت اُس کے دل پر اثر نہیں کرتی اور اس کی رُوح کو صدمہ نہیں پہنچاتی

جیسا کہ ہم رات دن اپنی پریشانیوں مُصیبتوں سے تکلیف اٹھاتے رہتے ہیں۔ اُس
کی دُعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ اُس کے دشمنوں سے اللہ تعالیٰ خود جنگ کرتے
اور انتقام لیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو
شخص میرے دوست سے دُشمنی کرے گا، میں خود اُس کو اعلانِ جنگ دیتا
ہُوں۔ (بخاری) یعنی خود اس سے جنگ کرتا ہُوں اور عداوۃِ اولیاء کا مزہ چکھاتا
ہُوں۔ سُبحان اللہ کیا مرتبہ ہے ایسے خوش قسمت انسان کا جس کی طرفداری خود
احکم الحاکمین کرنے لگے، کیوں نہ ہو دنیوی بادشاہ کے آدمی کی جب توہین کی جائے تو
خود گورنمنٹ اس کی طرف سے مقدمہ لڑتی اور حمایت کرتی ہے۔ پھر بھلا وہ شہنشاہ
جو تمام بادشاہوں سے زیادہ اپنے غلاموں پر مہربان ہے، کیوں نہ اپنے خاص
اور مقرب بندہ کی حمایت کرے۔ ایسے ولی شخص کو آخرت میں بے حد وحساب نعمتیں
حاصل ہوں گی اور سب سے بڑی نعمت کہ جس سے بڑھ کر کوئی نعمت ہی نہیں ہوسکتی، یہ
حاصل ہوگی کہ وہ خُدائے قدوس کے دیدار اور اپنے معشوقِ حقیقی کے جلوہ سے سرفراز
کیا جائے گا۔ پس ہر مُسلمان کو چاہیئے کہ وہ فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے ساتھ ہی
ہر قسم کی نفل عبادتوں میں بھی برابر کوشش کرتا رہے تاکہ اُس کے ذریعہ اللہ تعالےٰ
کی قربت اور نزدیکی حاصل کرے اور صالحین بندوں میں شامل ہوسکے۔ بزرگو
عبادت و اطاعت دو طرح کی جاتی ہے۔ ایک کسی سے ڈر کر دوسرے کسی کی
چاہت میں مبتلا ہو کر۔ جو اپنی بیوی کو چاہتا ہے وہ اس کے اشاروں پر ناچنے
لگتا ہے۔ بلا تشبیہ جس کا معشوق و محبوب اللہ تعالیٰ ہو وہ اللہ کے ہر ہر حُکم اور اشارہ
پر جان دے دیتا ہے۔ جو عبادۃ عشق و محبّت سے کی جائے وہ بہت جلد بندہ کو خُدا تک
پہنچا دیتی ہے۔ خُدا تک پہنچنے کا یہ ذریعہ سب سے بہتر سب سے اعلیٰ سب سے زیادہ مضبوط اور سب
سے قریب کا راستہ ہے۔ خوف ممکن ہے کہ کسی وقت کم ہو جائے، لیکن سچی محبّت کا

داغ مٹنا ناممکن ہے۔ پس مردِ مومن کو چاہیئے کہ اپنے معشوق کی محبت کے رشتہ کو قائم اور مضبوط کرے اور دل میں خُدا کی محبّت پیدا کرے۔ دل میں اللہ کی محبّت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ اس کو یاد زیادہ کرے اور بکثرۃ اُس کا ذکر کرے۔ اسی مصلحت سے اولیاء کرام نے اپنے متوسلین کو بکثرۃ اسمِ ذات اور کلمۂ توحید کے وِرد کرنے کی ہمیشہ ہدایت کی ہے، کیونکہ کبھی محبّت سے یاد آتی ہے اور کبھی یاد کرتے رہنے سے محبّت پیدا ہوجاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی قُدرتوں اور مصنوعات میں غور و فکر کیا جائے، کیونکہ جب کسی کے کمالات سے آدمی واقف ہوجاتا ہے تو اس کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ شوق بڑھتے بڑھتے محبّت پیدا کر دیتا ہے۔ ذکر و فکر کے ساتھ ہی محبّت والوں کی صحبت اختیار کی جائے، کیونکہ خربزہ خربزہ کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ اسی طرح عاشقوں کی صحبت سے مُردہ دل بھی رنگِ محبّت اختیار کرتا ہے اور یہ چیز سب سے زیادہ اس کام میں بِالخاصہ مؤثر ہے۔ ساتھ ہی ساتھ چاہیئے کہ اللہ سے عداوۃ رکھنے والوں کی صحبت سے بالکل پرہیز کیا جائے اور قطعًا ایسے لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھا جائے کیونکہ جس طرح خارشی جانور کے ساتھ رہنے سے دوسرا جانور بھی خارشی ہوجاتا ہے، اسی طرح دشمنِ خُدا کے ساتھ رہنے سے دشمن کا رنگ بھی اپنا اثر دکھاتا ہے۔ خدا کا دشمن کون ہے؟ کافر، مشرک اور فاسق فاجر خُدا کا مجرم اور نافرمان۔ اس قسم کے تمام انسانوں کی صحبت مومن کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ یہ چار اُصول ہیں جو انسان کے عناصرِ اربعہ کو عشقِ حقیقی کے رنگ میں رنگ دیتے ہیں اور دل میں آتشِ عشق کی چنگاری پیدا ہوجاتی ہے اور پھر جو عبادۃ کی جاتی ہے تو ایسا لُطف اور مزہ حاصل ہوتا ہے کہ دُنیا کی کسی لذیذ نعمت سے بھی وہ لُطف حاصل نہیں ہوتا۔ ہم کہا کرتے ہیں کہ عبادۃ میں مزہ نہیں آتا۔ دل نہیں لگتا۔ دُنیا کے وسوسے پیچھا نہیں چھوڑتے مگر آپ ہی غور

کیجئے کہ جب گوشت کو کچا کھایا جائے اور باقاعدہ مصالحہ ڈال کر کباب نہ بنایا جائے تو کباب کا مزہ کیسے آسکتا ہے۔ عبادۃ کا عمدہ طریقہ جو نہایت کیف آور ہے یہ ہے کہ دل میں اس کی محبّت پیدا کی جائے۔ پھر دیکھئے کہ عبادت میں کیا نشہ اور سُرور پیدا ہوتا ہے۔ ہمارے قلوب پر تو خواہشات کے بُتوں نے قبضہ کر رکھا ہے، پھر بھلا محبّتِ خُدا کہاں رہے۔ ایک دل میں دو کی محبّت نہیں سما سکتی۔ لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ اول عیش و راحت اور خواہشات کی محبّت سے دل کو پاک کریں، اور پھر اللہ سے محبّت پیدا کرنے کے طریقہ پر عمل کریں۔ پھر دیکھئے کہ عبادۃ میں کیسا لُطف آتا ہے، لیکن یاد رکھئے کہ اگر دل نہ بھی لگے، جب بھی فرض عبادتوں کا انجام دینا ہمارے لئے ضروری ہے، کیونکہ حکمِ حاکم ہے، جس کا ماننا غلام پر ضروری ہے۔ دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ دُنیا کی محبّت ہمارے قلوب سے نکال کر اپنی محبّت عطا فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم فرائض کے ساتھ ہی مزید عبادات میں کوشش کریں اور وہ ہمیں اپنے قریب کرلے۔ غیروں سے توڑ کر اپنا اور صرف اپنا بنالے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین[۱]

[۱] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خُطبۂ جُمعہ اول ماہِ ربیع الثانی در تعلیم ضروریاتِ دین

علاماتِ ولایت اور ولی اللہ کی پہچان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی اصْطَفَی الْاَنْبِیَاۗءَ بِرِسَالَتِہٖ ۝ وَاَتْبَاعَھُمْ بِقُرْبِہٖ وَوَلَایَتِہٖ ۝ وَاَشْھَدُ اَنْ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ اَحَدٌ مِّنَ الْمَوْجُوْدَاتِ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَشْرَفُ الْمَخْلُوْقَاتِ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ○ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ عِبَادَتِہٖ وَعَادَاتِہٖ ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْحَاضِرِیْنَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اجْتَنَبَ الْمَعَاصِیَ كُلَّهَا ○ وَاتَّبَعَ الشَّرِیْعَةَ بِاَسْرِهَا وَاَدّٰی فَرَائِضَهَا وَسُنَنَهَا وَتَطَوُّعَاتِهَا ○ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا یَتَقَرَّبُ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی بِهَا ○ یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنْہُ وَیَتَّخِذُہٗ وَلِیًّا ○ هٰذَا هُوَ حَقِیْقَةُ الْوَلَایَةِ ○ لَا صُدُوْرُ خَرْقِ الْعَادَةِ ○ اَلَا لَا یَكُوْنُ وَلِیُّہٗ مَنْ خَالَفَہٗ فِیْ

شَرِيْعَتِهٖ ○ مَعَ بَقَاءِ عَقْلِهٖ وَحَوَاسِّهٖ ○ فَقَدْ قَالَ
اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ○ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ ○ وَقَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ + لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا
لِّمَا جِئْتُ بِهٖ[۱] ○ وَاَمَّا صُدُوْرُ الْكَرَامَاتِ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ
فَهُوَ حَقٌّ[۲] ○ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ ○ اَعُوْذُ
بِاللّٰهِ الخ اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اَقُوْلُ قَوْلِيْ[۳] هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ
اللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاسْتَغْفِرُوْهُ
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○

---

[۱] مشکوٰۃ ۱۲ [۲] وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَرْقَ الْعَادَةِ لَيْسَ خَاصًّا بِالْاَوْلِيَاءِ ○ كَمَا زَعَمَ الْجُهَلَاءُ ○ فَلَا تَغْتَرُّوْا بِهٖ وَتَبَيَّنُوْا حَالَ صَاحِبِهٖ ○ فَاِنْ كَانَ يَدَّعِي النُّبُوَّةَ فَهُوَ مُعْجِزَةٌ وَلَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ ○ اَوْ مُؤْمِنٌ صَالِحٌ مُسْتَقِيْمٌ عَلَى الشَّرِيْعَةِ فَهُوَ كَرَامَةٌ اَوْ رَجُلٌ فَاسِقٌ اَوْ كَافِرٌ فَهُوَ اِسْتِدْرَاجٌ لَيْسَ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ كَرَامَةٌ ○ ۱۲ [۳] یہ جملہ حفظ کر لیا جائے ۔

وعظِ جمعہ اول ماہِ ربیع الثانی دربیانِ

حقیقتِ ولایت وعلاماتِ ولی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ۔

بزرگانِ ملت! جس طرح دنیوی سلاطین کے ملازمین اپنے بادشاہوں کی خدمت واطاعت کرتے کرتے ان کے مقرّب اور خاص بن جاتے ہیں۔ اسی طرح جب بندہ احکم الحاکمین کی بندگی واطاعت میں مجاہدات کرتا ہے تو اللہ کے خاص بندوں میں سے ہوجاتا ہے اور ایسے شخص کو ولی کہا جاتا ہے۔ بعض ولیوں کی ذات سے بطورِ اعزاز کے اللہ تعالیٰ ایسے کام ظاہر کرادیتا ہے جن کو عام لوگ نہیں کرسکتے۔ اولیاء سے صادر شدہ ایسے کاموں کو کرامت کہتے ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک اولیاءِ کرام سے کرامت صادر ہوجانا حق ہے، لیکن ہر ولی سے کرامت صادر ہونا ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس ولی سے صادر کرانا چاہتے ہیں، کرا دیتے ہیں اور جس سے نہیں چاہتے اُن سے کرامت واقع نہیں ہوتی، حالانکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بڑے مخصوص بندوں میں سے ہوتے ہیں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ جن سے کرامت صادر ہو صرف ولی ہوتے ہیں اور جن سے کرامت دیکھنے میں نہ آئے وہ اللہ کے مقرب اور ولی نہیں۔ اکثر عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اتنے بڑے بزرگ تھے کہ باقی اُمّت کا کوئی بڑے سے بڑا قطب غوث وغیرہ بھی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، حالاں کہ صحابہ رضؓ سے بہت ہی کم کرامتیں صادر ہوئیں اور بعض سے تو بالکل ایک کرامت بھی منقول نہیں۔ اسی طرح حضرت امامِ اعظم رحؒ

حضرت امام مالکؒ حضرت امام شافعیؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ اللہ تعالےٰ کے بہت مقبول اور برگزیدہ بندے تھے اور ان حضرات سے اُمتِ محمدیہ کو اس قدر فائدہ پہنچا کہ کسی غوث و قطب سے اتنا عظیم الشان اور عام فائدہ نہیں ہُوا۔ اس کے باوجود ان حضرات کی کرامتیں زیادہ منقول نہیں۔ اگر ہیں بھی تو بہت کم ہیں۔ پس یاد رکھئے کہ عرفِ عام میں جن باتوں کو کرامت سمجھا جاتا ہے اُن کا صادر ہونا نہ تو ولی کی علامت ہے اور نہ ہر ولی سے کرامت واقع ہونا ضروری ہے اور کرامتِ حقیقیہ یعنی خلافِ عادت بغیر اسبابِ ظاہری و مخفی کے کوئی بات صادر ہونا یہ یقیناً مقبولیت کی دلیل ہے جو صرف عبدِ صالح سے ظہور میں آتی ہے، لیکن کرامتِ حقیقیہ اور استدراج میں فرق سمجھ لینا عوام کا کام نہیں ہے۔ اس لئے اکثر عوام استدراج کو کرامت سمجھ لیتے ہیں اور کسی نا اہل کے فریب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر اولیاء سے کرامت صادر ہونا تو حق ہے، لیکن وہ کرامت دکھانے پر بذاتِ خود قادر و مختار نہیں ہوتے کہ جب چاہیں اور جیسی چاہیں کرامت دکھا سکیں۔ جس کو چاہیں اولاد و مُراد دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں، بلکہ ظہورِ کرامت کے لئے وہ صرف درمیانی واسطہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ان کو اپنی قُدرتِ کاملہ کے اظہار کا واسطہ بنا لیتے ہیں۔ جیسے کہ وہ رزاق ہیں، مگر رزق دینے کے لئے بندوں کو وسیلہ بنا لیتے ہیں۔ وہ کام جن کو اللہ تعالیٰ اسباب کے ذریعہ کرنا چاہتے ہیں، ان میں عام انسانوں اور مخلوقات کو درمیانی وسیلہ بناتے ہیں اور وہ کام جن کو بغیر ظاہری اسباب کے کرنا چاہتے ہیں ان میں صرف اپنے خاص بندوں ہی کو وسیلہ بناتے ہیں، کیونکہ دوسروں میں وہ صلاحیت نہیں ہوتی۔ پس اولیاء اظہارِ قدرت کا ایک درمیانی وسیلہ ہیں۔ وہ خود کچھ نہیں کرتے ہیں۔ جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے کئے سے ہوتا ہے۔ اولیاء بذاتِ خود بلا اسبابِ

ظاہری کے نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ لَا نَافِعَ وَلَا ضَارَّ اِلَّا ھُوَ، یعنی نفع و نقصان کا مالک صرف خدا ہے۔ عمدہ تلوار خود کچھ نہیں کرتی۔ ہاں استعمال کرنے سے کام دیتی ہے اور قاتل، تلوار نہیں بلکہ اُس کا استعمال کرنے والا ہے۔ اسی طرح کرامات میں اصل مؤثر اولیاء نہیں ہوتے بلکہ وہ قادرِ مطلق ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض اوقات اولیاء سے کرامت صادر ہوجاتی ہے اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ وہ چاہتے ہیں کہ فلاں بات میرے ذریعہ سے ہوجائے مگر نہیں ہوتی۔ چنانچہ خود ہمارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بعض خاص کفّار کے لئے چاہا کہ وہ مسلمان ہوجائیں، مگر وہ اسلام نہ لائے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے فرمایا کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ الخ یعنی جس کو آپؐ چاہیں اُس کو ہدایت نہیں کرسکتے، لیکن اللہ جس کو چاہے صراطِ مستقیم تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح باوجودیکہ آپؐ سے کئی ہزار معجزات صادر ہوچکے تھے، مگر پھر بھی جب بعض کفّار نے چند مخصوص معجزات کی فرمائش کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن مصلحتوں کی وجہ سے جن کو وہی جانتا ہے کفّار کا یہ مطالبہ پورا کرنا مناسب نہ سمجھا تو کفّار اُس پر اَڑ گئے اور فرمائش نہ پوری ہونے کا بہانہ لے کر کفر پر ہی قائم رہے۔ ان کا اسلام سے یہ اعراض آپؐ کے قلبِ مبارک پر بڑا ناگوار ہوا اور اتمامِ حجت کے لئے آپؐ نے چاہا کہ اُن کی یہ فرمائش بھی پوری ہوجائے۔ اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ الخ یعنی اگر آپؐ کو ان کا اعراض بڑا شاق گزرتا ہے تو (ہم تو ان کی فرمائش پوری نہ کریں گے۔ اگر آپؐ اپنی ذاتی طاقت سے کرسکتے ہیں تو کرئیے) اگر آپؐ زمین میں کوئی سُرنگ کھود کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر (اُن کے فرمائشی معجزات) دکھا سکنے کی طاقت رکھتے

ہوں تو دکھا دیجئے۔ یہ مضمون قرآنِ کریم کی آیتِ مذکورہ اور اس کے شانِ نزول کا ہے جو ساتویں پارہ اور سورۂ انعام کے نویں رکوع میں ہے۔ پس جب سرکارِ دالا تبار سیّد الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق اللہ کا یہ ارشاد ہے تو دیگر انبیاء و اولیاء میں یہ طاقت کہاں سے ہو سکتی ہے۔ حضرت محبوبِ سُبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فتوح الغیب میں حضرت ابنِ عباس رضؓ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ ہونے والا ہے قلم لکھ چکا اور خشک ہو چکا۔ اگر تمام بندے مل کر کوشش کریں کہ تجھے ایسا نفع پہنچائیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر نہیں کیا تو ہرگز اس پر قادر نہ ہونگے اور اگر وہ سب تجھ کو ایسا نقصان پہنچانے کی کوشش کریں جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ پھر حضرۃ الشیخ فرماتے ہیں کہ مومن کو چاہیئے کہ وہ اس حدیث کو اپنا شعار اور اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے اور اپنے تمام حرکات میں اس پر عمل کرے اور اس حدیث کو ہی اپنے دل کا آئینہ بنالے (ملخصًا) اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ پر فرماتے ہیں کہ جس نے بھی (اپنی حاجات کا) سوال لوگوں سے کیا اس کی بنا صرف اس کی جہالت ہے کہ وہ اللہ کو (جیسا جاننا چاہیئے) نہیں جانتا اور غیر اللہ سے سوال کی بنا اس کے ایمان کا ضعف ہے اور اللہ کی صفات و قدرت پر یقین میں کمی اور صبر کی کمی ہے۔ واقعی حضرت الشیخ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ آج عوام کا یقین جتنا اولیاء کے مُرادیں دینے پر ہے، اتنا یقین اُن کو خُدا پر نہیں ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ پس اولیاءِ کرام کو قادر و مختار سمجھنا شرک ہے اور اُن سے غائبانہ بِلا اسبابِ ظاہری کے مدد چاہنا غلط ہے، لیکن اُن سے دُعا کی درخواست کرنا اور اُن کو اپنی دُعا میں وسیلہ بنانا محققین اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک جائز ہے، جس پر بہت سے دلائل موجود ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔

اللہ کے نیک اور مقرب بندوں کا ادب و تعظیم کرنا ہر عقلمند مسلمان کے لئے نہایت ضروری ہے اور ان کی شان میں گستاخی کرنا، بے ادبی کرنا، بڑی محرومی اور بدبختی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولیاءِ کرام کی عظمتِ شان خود قرآنِ کریم میں بیان فرمائی ہے۔ اُن کی دُعائیں لینا اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہونا بڑی خوش قسمتی کی بات ہے، لیکن کسی کو ولی سمجھ کر اس کی صحبت اختیار کرنے اور بیعت کرنے سے پہلے ہمیں یہ جانچ لینا ضروری ہے کہ وہ حقیقۃً مقرّبِ خُدا ہے بھی یا نہیں، کیونکہ اس زمانہ میں ہزاروں ڈاکوؤں نے اولیاء و مشائخ کا بھیس اختیار کرلیا ہے اور اس طرح وہ مسلمانوں کی دین و دُنیا دونوں پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ لہٰذا عرض ہے کہ کسی شخص سے صرف کرامت دیکھ لینا اس کے ولی ہونے کی علامت یا پہچان ہرگز نہیں ہے، کیونکہ کرامت بمعنی خرقِ عادت کافر مشرک فاسق جادوگر مسمریزم کے ماہر سے بھی صادر ہوتی ہے، حالاں کہ یہ لوگ خدا کے دوست نہیں بلکہ دشمن ہیں۔ اچھی طرح یاد رکھئے کہ جب خلافِ عادۃ کوئی کام ایسے شخص سے صادر ہو جو مدعیٔ نبوّۃ ہے تو اس کے ایسے کام کو معجزہ کہتے ہیں اور معجزہ اس کی نبوّت پر پختہ دلیل اور علامت ہُوا کرتا ہے، کیونکہ شرعًا یہ بات محال ہے کہ جھوٹے نبی بننے والے سے کوئی معجزہ واقع ہوسکے اور اگر کوئی ایسا کام مومنِ صالح، متقی، پرہیزگار، پابندِ شرع سے واقع ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں اور اگر ایسا ہی کام کسی فاسق فاجر مسلمان یا کسی کافر و مشرک وغیرہ سے واقع ہو تو اس کو استدراج کہتے ہیں۔ ایسا شخص ہرگز ولی نہیں ہوسکتا جو کافر ہو یا فاسق یعنی گناہِ کبیرہ میں مبتلا ہو مگر کرامات دکھاتا ہو، آسمان پر اُڑتا ہو یا پانی پر چلتا ہو، بلکہ اولیاءِ کرام کی پہچان اور صحیح علامتیں مندرجۂ ذیل ہیں، اُن کو غور سے سُنئے اور پھر لوگوں کو اس کسوٹی پر رکھ کر جانچ کیجئے۔ اگر کسی میں یہ

پوری علامتیں پائیں تو اس کا دامن فوراً تھام لیجئے۔ ایسے شخص کی صحبت اکسیرِ احمر ہے، ورنہ پھر کنارہ کشی بہتر ہے۔

علاماتِ ولایت یہ ہیں: (۱) اتباعِ شریعت ہے، یعنی وہ شخص پوری طرح شریعت کا پابند ہو۔ حلال کو حلال سمجھے اور حرام کو حرام جانے اور اُس سے بچے۔ پس جو شخص کرامات دکھاتا ہو، لیکن شراب، گانجا، افیون وغیرہ کھاتا ہو یا نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج کو ادا نہ کرتا ہو یا کسی گناہِ کبیرہ میں مبتلا ہو وہ ہرگز ولی نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ[۱] "اللہ کے ولیوں پر کسی قسم کا خوف اور رنج نہیں ہوتا (اور ولی ایسے لوگ ہیں) جو ایمان لائے (یعنی تمام عقائد اہل السنۃ پر یقین رکھتے ہیں) اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں"۔ معلوم ہوا کہ ایمانِ کامل اور تقویٰ کے بغیر کوئی ولی نہیں ہو سکتا۔ ولی کی دوسری پہچان یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام حالات میں طریقۂ سُنّت کا پورا پابند ہو، کیونکہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ[۲] "اے نبیؐ (اُن سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری (یعنی رسول اللہ صلعم) کی پیروی کرو۔ اللہ تعالیٰ تم کو دوست بنالے گا"۔ معلوم ہوا کہ خدا کی دوستی اور ولایت جب ہی حاصل ہو سکتی ہے، جب کامل طور پر حضورؐ کی سُنّت کی پیروی کی جائے۔ نیز ارشاد ہے کہ[۳] "اے رسول (ان سے) کہہ دیجئے کہ اللہ و رسولؐ کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو اللہ (ایسے کافروں کو یقیناً دوست نہیں رکھتا"۔ معلوم ہوا کہ رسولؐ کی نافرمانی کرنے والا اللہ کا دوست نہیں ہو سکتا۔ اب ذرا موجودہ پیروں کے حالات پر غور کیجئے۔ کوئی پیر نماز کا پابند نہیں، کوئی

---

[۱] الا ان اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون ہ الذین امنوا وکانوا یتقون

[۲] قل ان کنتم تحبون اللہ الآیہ ۱۲ [۳] قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا الآیہ ۱۲

جماعت کا پابند نہیں، کوئی بے پردہ عورتوں کے مجمع میں بیٹھ کر ذکر بتاتا ہے۔ کوئی فال دیکھتا ہے۔ کوئی غیب کی باتیں بتلانے کا مدعی ہے۔ یاد رکھئے کہ بدرستگیٔ ہوش و حواس خلافِ شریعت و سنّت طریقہ اختیار کرنے والے ہرگز ولی نہیں ہوسکتے۔ اگر ہم نے ایسے پیروں سے بیعت کرلی ہے تو ان کی بیعت فوراً توڑ دینی چاہئے کہ یہ لوگ ولی نہیں ہیں۔ اگر ان سے کوئی کرامت دیکھی گئی ہے تو وہ کرامت نہیں بلکہ اِستدراج[1] ہے۔ ولی کی تیسری علامت یہ ہے کہ وہ بدعتی نہ ہو، کیونکہ بدعت گناہِ کبیرہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "جس[2] نے بدعتی کی تعظیم کی اُس نے اسلام کے ڈھانے یعنی برباد کرنے میں مدد کی"۔ پس جس کی تعظیم کرنا بھی گناہ ہے، اُس کی بیعت کرنا کب جائز ہوسکتا ہے اور ایسا شخص ولی کیسے ہوسکتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے پیروں میں ان علامات کو بھی غور سے دیکھیں اور اگر ہمارا پیر بدعات میں مبتلا ہو تو اس کی بیعت توڑ دیں ورنہ یہ اسلام سے دشمنی ہوگی۔ ولی کی چوتھی علامت یہ ہے کہ اُس کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبّت، دُنیا کے تمام مال و متاع، عزّت و وجاہت اور اولاد وغیرہ سے زیادہ ہو۔ یہ علامت بھی قرآن[3] و حدیث سے ثابت ہے۔ جس کے دل میں اللہ کی محبت کے مقابلے میں دوسری چیزوں کی محبّت غالب ہو وہ ہرگز ولی نہیں ہوسکتا، کیونکہ ایک دل میں دو محبّتیں نہیں سما سکتیں۔ اگرچہ اس علامت پر کسی کو جانچنا ذرا مُشکل کام ہے، اس لئے کہ ہر پیری کی دُوکان لگانے والا، رنگین کپڑے، دراز گیسو، بڑی بڑی تسبیح، ریاکاری کی ہُوحق، نمائشی وجد، نرم و شیریں گفتگو، اولیاءِ کرام کی سچّی، جھوٹی کرامتوں کے بیان سے اپنی دُکان کو سجا کر محبّت و عشقِ خُدا کا دعویٰ کرنے لگتا ہے، مگر جس طرح خُدا کو دیکھا نہیں جاتا، لیکن عقل سے پہچانا جاتا ہے، اسی طرح خُدا کی محبت

[1] داخل کرنا، غیر مسلم سے خلافِ معمول باتوں کا ظاہر ہونا۔ [2] من وقر صاحب بدعة فقد اعان علٰی هدم الاسلام (مشکوٰۃ) [3] والذین امنوا اشد حبا للّٰہ الآیہ۔

کو بھی عقل سے پہچانا جا سکتا ہے۔ دلی جذبات کا اثر اعضاء پر ضرور ہوتا ہے۔ برتن میں جو کچھ ہوگا، وہی اس سے ٹپکتا ہے۔ جس دل میں خدا کی محبت ہوگی، اُس کے اعمال، افعال اور حالات میں محبتِ خدا کے اثرات ضرور موجود ہوں گے۔ دیکھئے محبتِ حق تعالیٰ کے اثرات میں سے ایک اثر یہ ہے کہ حُبِّ مال نہو۔ جو اپنے لئے چندہ کا طالب ہو۔ مُرید کرنے کی فیس لیتا ہو۔ اس غرض سے سالانہ دورہ کرتا ہو۔ اپنے بعض خاص مُریدوں کے ذریعہ نذرانہ پیش کئے جانے کی کوشش کرتا ہو، مالداروں کی عزت زیادہ کرتا ہو۔ اُن کی بدعملی پر اُن کی تنبیہ نہ کرتا ہو۔ نذرانوں، دعوتوں کے قبول کرنے میں حلال و حرام کی جانچ نہ کرتا ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ پکّا دُنیا دار ہے اور جو اِن باتوں سے بری ہو، محض حلال ذریعۂ معاش یا توکّل پر اکتفا کرتا ہو وہ یقیناً ولی ہے۔ محبتِ خدا کا دوسرا اثر یہ ہے کہ اپنی عزت کی خواہش اور حُبِّ جاہ نہ رہے۔ بعض پیر و مشائخ مال کی محبت نہیں رکھتے، لیکن عزت و جاہ بڑھانے کی تدبیروں میں بڑی کوشش کرتے ہیں۔ جو پیر اپنی آمد و رفت کی بلا ضرورۃ تار سے خبر دیتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ دوسروں کو بھی خبر کردو۔ اشارات وکنایات سے شاندار استقبال کرنے پر مُریدوں کو آمادہ کرتا ہے۔ اشتہارات نکلواتا ہے۔ لوگوں سے مُرید ہونے کی فرمائش کرتا ہے۔ مالداروں کے یہاں بُلائے جانے پر خوش ہوتا ہے۔ اُن سے تعلقات پر فخر کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے آثار سے اُس کا حُبِ جاہ میں مبتلا ہونا معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اللہ کے چاہنے والوں کو ان باتوں سے کیا مطلب؟ حضرت معاذ رضؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " ادنیٰ سی نمود و رِیا شرک ہے۔ جس نے ولی سے عداوۃ رکھی اُس کو اللہ نے اعلانِ جنگ دیا۔ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے جو (اگر) غیر حاضر ہوں تو (اُن کی) تلاش نہو۔ حاضر ہوں تو اُن کو کوئی بُلا کر نہیں بٹھاتا۔

اُن کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ زمین کے سب اطرافِ بعیدہ سے نکلیں گے"۔
(ابنِ ماجہ) اسی طرح محبتِ حق کے آثار میں سے یہ بھی ہے کہ ریاکاری نہو۔ عُجب
اور خودپسندی نہ ہو، تکبر و غرور نہو۔ محبتِ حق کی پانچویں علامت یہ ہے کہ جب
آپ اس کی مجلس میں جائیں اور جب تک وہاں رہیں اس اثنا میں خودبخود آپ کے
دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بڑھے اور خُدا کی یاد سے غافل کر دینے والے خیالات و
وساوس کم ہوجائیں۔ اس علامت کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بیان فرمایا ہے
اور ایک حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت اسماءؓ سے روایت ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا میں تم کو تم میں سے بہترین شخص کو نہ
بتلادوں؟ عرض کیا گیا کہ ضرور فرمائیے۔ ارشاد فرمایا تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن پر
نظر پڑنے سے اللہ کی یاد آئے" (ابنِ ماجہ) معزز بزرگو! یہ وہ علامات ہیں جو قُرآن
وحدیث سے ثابت ہیں اور ولی اللہ کی پہچان کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ ان علامات کو
اس میں دیکھا جائے اور ہر مُرید بننے والے کو اپنے شیخ کا جانچنا ضروری ہے۔
حضورؐ نے اسی کا حکم فرمایا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ آدمی اپنے دوست
کے مذہب پر جاتا ہے۔ لہٰذا دیکھ لیا کرے کہ وہ کس سے دوستانہ کر رہا ہے"۔

پس اگر یہ علامات کسی میں پوری طرح نہوں تو ایسے پیروں سے ہرگز بیعت
نہ کی جائے۔ اگر کسی نے بیعت کرلی ہے تو فوراً توڑ دینا چاہیئے، ورنہ گنہ گار
ہوگا اور دین و دُنیا میں خسارہ اُٹھائے گا، لیکن اگر کسی مبارک انسان میں یہ
تمام علامات پُوری طرح موجود ہوں تو بلا شُبہ اس کو اللہ تعالیٰ کی ایک زبردست
نعمت سمجھیں اور اُس سے تعلق قائم کریں اور ہر ممکن اور جائز طریقہ پر اس سے
فائدہ اُٹھائیں۔ اُس کی صحبت سے ظاہری اور باطنی فیض حاصل کریں۔ اُس کی
دُعائیں لیں اور اس کا پُورا پُورا ادب کریں۔ اُس کی شان میں کسی قسم کی گستاخی

نہ کریں۔ ایذا و تکلیف نہ دیں۔ اُس سے عداوت ہرگز نہ رکھیں۔ یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ اُس کا طرفدار ہے۔ اگر وہ اپنے دوست کی طرف سے انتقام لینے لگے تو کوئی کسی طرح نہیں بچ سکتا۔ دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مجھے اور تمام مُسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور جھوٹے مکّار پیروں کے چال سے محفوظ رکھے اور اپنے سچے اور حقیقی اولیاءِ کرام سے فیوضات حاصل کرنے کی توفیق دے۔
آمین بجاہ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یُحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ط وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ۰ بَارَكَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جُمعہ دُوم ماہِ ربیع الثانی در تعلیم ضروریاتِ دین

اِسلام کا رُکنِ دُوم زکوٰۃ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ وَابْتَلٰی عِبَادَہٗ بِالْفَقْرِ وَالْغِنٰی ۰ فَاَفْقَرَ بَعْضَھُمْ وَاَغْنٰی ۰ وَجَعَلَ الزَّکٰوۃَ تَزْکِیَۃَ الْاَمْوَالِ لِمَنْ یَتَزَکّٰی ۰ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ

لَاشَرِيْكَ لَهُ الَّذِيْ اَوْجَدَ وَاَفْنٰى ○ وَاَشْهَدُ

اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

هُوَ سَيِّدُ الْوَرٰى ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ

وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ فَازُوْا بِالْعِلْمِ وَالتُّقٰى ○ اَمَّا

بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ الزَّكٰوةَ

اِحْدٰى مَبَانِي الْاِسْلَامِ ○ فَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ

وَالسَّلَامُ ○ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ [1]

وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ

رَمَضَانَ ○ وَشَدَّدَ الْوَعِيْدَ [2] عَلَى الْمُقَصِّرِيْنَ

---

[1] متفق علیہ ۱۲ [2] کما قال علیہ الصلٰوۃ والسلام من اٰتاہ اللہ مالا ولم یؤد زکوٰتہ مثل مالہ یوم القیٰمۃ شجاعًا اقرع لہ زبیبتان یطوقہ یوم القیٰمۃ ثم یاخذ بلھزمتیہ ثم یقول انا مالک انا کنزک ثم تلا ولا یحسبن الذین یبخلون الایۃ (رواہ مسلم) ۱۲

فِيهَا كَمَا دَلَّتْ عَلَيْهِ اَحَادِيْثُ سَيِّدِ الْاَبْرَارِ ○ وَاٰيَاتِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْقَهَّارِ ○ فَيَا عِبَادَ اللّٰهِ ○ سَارِعُوْا اِلٰى اَدَاءِ فَرَائِضِ اللّٰهِ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

نوٹ: جہاں رمضان میں زکوٰۃ ادا کرنے کی عادت ہو وہاں یہ خطبہ رمضان میں بھی پڑھا جائے ۱۲

وعظِ جمعہ دوم ماہِ ربیع الثانی در تعلیمِ ضروریاتِ دین

اسلام کا رکن دوم زکوٰۃ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! اسلام کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر صاحبِ نصاب سال بھر میں کم از کم ایک دفعہ اپنے مال کا چالیسواں حصہ اللہ کے لئے نکالے اور مستحق لوگوں پر تقسیم کرکے ان کی مدد کرے۔ کسی قوم کی اجتماعی زندگی اور ترقی کے لئے یہ اصول بہت ضروری ہے کہ قوم کے مقدرت والے لوگ اپنے

کمزور بھائیوں کی اعانت و امداد سے اُن کو طاقتور بنائیں۔ اس کی ایک صورت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی کہ دینِ اسلام میں زکوٰۃ کو فرض قرار دیا اور اس کے ادا کرنے کی سخت تاکید فرمائی۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ ایک ایمان، دوسرے نماز، تیسرے زکوٰۃ، چوتھے حج اور پانچویں روزہ رمضان (متفق علیہ) نیز ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ ان کی زکوٰۃ ادا نہ کرے اُس کا مال قیامت کے دن اس کے لئے گنجے سانپ کی شکل (کا) بنا دیا جائے گا۔ (گنجا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے) اور اُس سانپ کی آنکھ پر دو سیاہ نقطے ہوں گے۔ (یہ نقطے بھی زیادہ زہریلے سانپ کی آنکھ پر ہوتے ہیں) وہ سانپ اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر وہ سانپ اُس (شخص) کو دونوں جبڑوں میں پکڑ لے گا۔ پھر (اُس سے) کہے گا میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر آپؐ نے (یہ آیت) تلاوۃ کی۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ آخر تک (بخاری) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنے فضل سے (کچھ) دیا ہے (اور وہ) اس میں بخل کرتے ہیں یہ ہرگز ہرگز نہ سمجھیں کہ وہ (بخل یا مال) اُن کے لئے بہتر ہے بلکہ وہ اُن کے لئے (بہت ہی) بُرا ہے۔ عنقریب قیامت کے دن اُن کے گلوں میں اُس (مال) کا طوق ڈالا جائے گا۔ پس اے خدا کے بندو اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرو اور اُس کے فرائض ادا کرنے میں جلدی کرو ورنہ یاد رکھو کہ وہ مال جس سے اللہ اور بندوں کے حقوق نہ ادا کئے جائیں، قیامت کے دن بڑا وبال ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے کہ[1] "جو لوگ سونا چاندی (یعنی مال) بطور خزانہ کے جمع کرتے ہیں اور اُسے خدا کے لئے خرچ نہیں کرتے آپؐ ان کو دردناک عذاب

[1] الذین یکنزون الذهب الآیہ ۱۲

کی اطلاع دے دیجئے جس روز کہ اس خزانہ کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اُن (مال والوں) کی پیشانی، کروٹوں اور پیٹھوں پر داغ دیا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا۔ پس اپنے (اس مال کے) جمع کرنے کا مزا چکھو" یہ داغ ایسا نہ ہوگا کہ صرف کھال پر اس کا اثر ہو بلکہ حضرت ابوذر رضؓ سے اس کی کیفیت اس طرح مروی ہے کہ پیٹھ کا داغ جسم کو جلاتا ہوا پہلو تک نکل آئے گا اور پیشانی کا داغ گُدّی تک پہنچے گا (احیا) حضرت ابوہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (خبردار) تم میں سے کوئی اپنی گردن پر بکری لادے ہوئے نہ لائے (جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو) جو چلّاتی ہو۔ پھر وہ (شخص) کہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) (میری سفارش کیجئے) پس میں کہوں میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے تو (خدا کا حکم) تجھ کو پہنچا دیا تھا" اسی طرح اُونٹ کے بارے میں فرمایا۔ (بخاری) اور جس طرح بکری، گائے، اُونٹ کی زکوٰۃ نہ دینے کا یہ نتیجہ ہوگا اسی طرح دیگر مالوں کی زکوٰۃ نہ دینے کا حال ہونا کچھ بعید نہیں۔ زکوٰۃ کی اہمیت بتانے کے بعد اب میں اس کے کچھ مسائل بیان کرتا ہوں تاکہ آپ کو ادا کرنے میں سہولت ہو۔ مسئلہ زکوٰۃ ہر مسلمان بالغ، عاقل، آزاد، مالکِ نصاب پر واجب ہے جبکہ وہ نصاب حاجت اصلیہ سے فارغ ہو اور اس پر سال گذر چکا ہو۔ **مسئلہ**:۔ پہننے کے کپڑوں پر، رہنے کے مکان پر، خدمت کے لئے غلام پر، سواری کے گھوڑے پر، خانہ داری کے اسباب پر، اُن کتابوں پر جو تجارت کے لئے نہوں۔ ضرورۃ کے اوزاروں پر اور اُس روپیہ پر جو ضرورۃِ اصلیہ کے لئے رکھا ہو اور وہ ضرورۃ اُسی سال درپیش ہو زکوٰۃ واجب نہیں۔ جو قرض کسی پر ہو مگر وصول نہوتا ہو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ جو املاک یا چیزیں کرایہ پر دی جاتی ہوں ان پر

زکوٰۃ نہیں۔ ہاں جو کرایہ جمع ہو گیا ہو اُس پر ہے۔ حکومت کو ٹیکس دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہو گی۔ مسئلہ: مالِ تجارت پر زکوٰۃ واجب ہے، اگرچہ وہ سال بھر تک رکھا نہ رہتا ہو بلکہ فروخت ہوتا رہتا ہو۔ زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونا ہے۔ مسئلہ: اگر سونا چاندی دونوں ہوں، مگر نصاب سے کم تو جس کا نصاب پورا ہو سکے دوسرے کو اسی حساب میں منتقل کرلیں۔ اگر نصاب سے کچھ زیادہ ہو تو اگر نصاب کے پانچویں حصہ کے برابر ہو تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہو گی ورنہ نہیں۔ جو مال سال کے اندر بڑھا ہو وہ مالِ نصاب کے ساتھ ہی شمار ہو گا۔ مسئلہ: زکوٰۃ نکالتے وقت یا ادا کرتے وقت زکوٰۃ دینے کی نیّت کرنا ضروری ہے اور جس کو دیا ہے اُس کو مالک بنا دینا ضروری ہے۔ جو مستحق نہو اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ مسئلہ: جس مال میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اُس کا چالیسواں حصّہ زکوٰۃ میں دینا چاہیئے، سوائے جانوروں کے۔ اُن کی مقدارِ زکوٰۃ اور ہے جس کے بیان کی فی الحال ضرورۃ نہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے آداب یہ ہیں۔ اول یہ کہ جہاں تک ہو سکے، ادا کرنے میں جلدی کرے، دوسرا یہ کہ زکوٰۃ اگر ظاہر طور پر دے تو مضائقہ نہیں لیکن صدقات حتی الامکان پوشیدہ طور پر دے۔ حدیث میں ہے کہ بروزِ قیامت جبکہ عرشِ الٰہی کے سوا اور کوئی سایہ نہو گا، سات آدمی اُس سایہ میں ہوں گے جن میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے صدقہ اس طرح دیا کہ داہنے ہاتھ کی دی ہوئی چیز کی خبر بائیں ہاتھ کو (بھی) نہو۔ (اچھا) پوشیدہ طور پر دینے میں بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاص قائم رہتا ہے اور اخلاص ہی تمام عبادات کی جان ہے اور علانیہ دینے سے اکثر قلب اور نفس میں شہرت و ریا کا خیال پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ بزرگوں نے پوشیدگی سے دینے کا اس قدر اہتمام کیا ہے کہ نابینا

کے ہاتھ میں دیا اور بغیر بولے چلے گئے۔ کبھی محتاج و مستحق کے راستہ میں ڈال دیا۔ کبھی ایسا کیا کہ سوتے ہوئے فقیر کے کپڑے میں باندھ دیا اور چل دئے۔ کبھی کسی دوسرے کو دے دیا تاکہ وہ ادا کرے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ جس کو دیا ہے اس پر احسان نہ جتائے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اے ایمان والو احسان جتا کر یا کسی کو شرمندہ کر کے اپنے صدقات کو باطل مت کرو"۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ احسان جتانا گو زبان کا فعل ہے، لیکن اس کی جڑ قلب میں ہے۔ کسی کو دیتے وقت آدمی سمجھتا ہے کہ میں اس کے ساتھ احسان کر رہا ہوں اور اُس کو نعمت دے رہا ہوں۔ پھر یہی خیال کبھی اس کی زبان سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کبھی نہیں ہوتا۔ پس احسان جتانے کا دارومدار قلب کے اسی خیال پر ہے۔ اس لئے دینے والے کو چاہیئے کہ وہ دیتے وقت دل کو اس خیال سے بالکل پاک رکھے۔ اس عبادت کا حق یہ ہے کہ دینے والا اُس لینے والے کا احسان سمجھے کہ اس مستحق نے اللہ کا حق قبول فرمالیا، جس کی وجہ سے نارِ دوزخ سے نجات حاصل ہوتی۔ فقیر مستحق کا ہاتھ دراصل اللہ تعالیٰ کے دستِ مبارک کا نائب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صدقہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں پہنچتا ہے (احیاء) پس دینے والا یقین کرلے کہ اُس نے خدائے تعالیٰ کو دیا ہے اور مستحق اللہ کی طرف سے قبول کر رہا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو اس فقیر کا رزق بنا کر اُسے دے رہا ہے۔ پس فقیر کو دراصل خدا نے دیا ہے اور آپ نے فقیر کو نہیں دیا بلکہ دراصل اللہ تعالیٰ کو دیا اور اللہ پر احسان جتانا بڑی حماقت ہے۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ جو کچھ دے اُسے حقیر سمجھے کہ مجھکو جتنا دینا چاہیئے تھا اتنا نہیں دے سکا۔ خدا کی نعمتوں اور احسانوں کے مقابلہ پر میں نے بہت ہی کم دیا

ع لا تبطلوا صدقٰتکم الآیہ ۱۲

یہ نہ سمجھے کہ میں نے خدا کے نام پر بہت کچھ دے دیا۔ اس سے نفس میں عُجب پیدا ہوتا ہے جو آدمی کے عمل کو خراب کر دیتا ہے۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ زکوٰۃ و صدقات میں بہترین مال اور عُمدہ چیز دے۔ حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ طیب ہے اور صرف طیّب چیز ہی قبول فرماتا ہے۔ چھٹا ادب یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف مستحقین کو دے۔ غیر مستحق لوگوں کو اگر جان بُوجھ کر دے گا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ زکوٰۃ کے مستحق یہ لوگ ہیں۔ فقیر[1] یعنی وہ شخص جو مالکِ نصاب نہ ہو مگر بالکل تہی دست بھی نہ ہو۔ مسکین[2] وہ شخص جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، حتیٰ کہ ایک وقت کا کھانا بھی نہ ہو۔ عامل[3] جو حاکمِ اسلام کی طرف سے زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر ہو۔ یہ قسم ہندوستان میں نہیں ہے۔ غلامِ مکاتب[4] یہ بھی آج کل نہیں پائے جاتے۔ قرضدار[5] یعنی وہ شخص جو کسی کا مقروض ہو اور قرض ادا کرنے سے عاجز ہو اس کو مالِ زکوٰۃ دیا جائے تاکہ وہ قرض سے سبکدوش ہو جائے۔ مجاہد فی سبیل اللہ یعنی وہ شخص جو دین کے راستہ میں کوئی کوشش کر رہا ہو اور مفلسی کی وجہ سے مجبور ہو، مثلاً ایک شخص مفلسی کی وجہ سے کفار سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے یا مثلاً وہ شخص جو خدا کی راہ میں حج کو نکلا اور راہ میں کسی وجہ سے مفلس ہو گیا یا مثلاً وہ شخص جو اللہ کے لئے علمِ دین حاصل کرنے میں مصروف ہو مگر تنگدستی سے پریشان ہو یا مثلاً وہ شخص جو اپنی پوری ہمت اور قوۃ کے ساتھ دینِ اسلام کی حمایت، علمِ دین کی اشاعت اور نیک کاموں کے رواج دینے، بُرے کاموں سے مسلمانوں کو روکنے کی کوشش میں مصروف و مشغول ہو، لیکن تنگدستی کی وجہ سے اُس کو پریشانی لاحق ہو کہ وہ اطمینان سے دین کی خدمت نہ کر سکے۔ یہ سب زکوٰۃ کے صحیح مستحق ہیں۔ ان کے علاوہ اور کسی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ ان سب کا مُسلمان اور عاقل ہونا بھی ضروری ہے۔ کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ سادات بنی ہاشم کو دینا جائز نہیں۔ ہر ایسے شخص کو جس سے ابوۃ

یعنی باپ دادا ہونے کا تعلق ہو یا بنوۃ یعنی بیٹے پوتے وغیرہ کا تعلق ہو یا زوجیت کا تعلق ہو اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ نیز خوب سُن لو کہ مالکِ نصاب کو یعنی جس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا زیور یا ساڑھے سات تولے سونا یا زیور ہو ایسے شخص کو ہرگز زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ لوگ اس مسئلہ میں سخت غلطی میں مبتلا ہیں اور جو جان بوجھ کر غلطی کر رہے ہیں اُنھیں خدائے تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے مسئلہ :- جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اگر وہ محتاج ہوں تو دوسرے مدِّ خیرات وغیرہ سے ان کی خبرگیری کرنا ہر صاحبِ استطاعت پر ضروری ہے۔ مسئلہ :- زکوٰۃ دیتے وقت لینے والے کو یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ کا مال ہے بلکہ نہ بتانا بہتر ہے تاکہ شرمندگی نہ ہو۔ مسئلہ :- مجنوں اور ناسمجھ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ البتہ اُس کے کفیل کو دے سکتا ہے۔ تاکہ اس پر خرچ کرے۔ مسئلہ : مستحقین میں اول اقارب کو، پھر پڑوسی کو، پھر شہر والوں کو، پھر باہر والوں کو دے۔ مسئلہ : مدارسِ عربیہ کے دینی طالب علموں کے لئے بھیجنا مکروہ نہیں ہے۔ ساتواں ادب زکوٰۃ دینے کا یہ ہے کہ اُوپر جن لوگوں کو زکوٰۃ و صدقہ کا مستحق بتایا گیا ہے، اُن میں سے ایسے مستحق لوگوں کو تلاش کرے جن کو دینے سے مال پاک ہو اور صدقہ مقبول ہو جائے ایسے لوگ وہ ہیں جن میں یہ صفتیں ہوں۔ پہلی صفت یہ کہ زکوٰۃ وغیرہ دینے کے لئے ایسے متقی پرہیزگار لوگوں کو تلاش کرے، جو دُنیا کی حرص و طلب کو چھوڑ کر آخرۃ کی تجارت میں لگے ہوئے ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم (ناجائز اور شبہ سے) پاک کھانا کھاؤ اور (دُنیا کی آلودگی سے) پاک شخص ہی کو کھلاؤ۔ (احیاء) نیز فرمایا کہ متقی اور نیک کام کرنے والوں کو ہی اپنا کھانا کھلاؤ (احیاء) اس لئے کہ وہ ہمہ تن خدا کی طرف

متوجہ ہیں۔ جب ان کو تنگی ہو جاتی ہے تو ان کی توجہ بٹ جاتی ہے۔ پس ایک شخص کو خدا کی طرف توجہ پر قائم کر دینا یہ زیادہ افضل ہے ایسے ہزار لوگوں کے دینے سے جن کی توجہ دُنیا ہی کی طرف ہے۔ دوسری صفت یہ ہے کہ ان پرہیزگاروں میں سے بھی ایسے اہلِ علم و علماء کو مخصوص کرے جو اپنے علم سے محض لوجہ اللہ لوگوں کو نفع پہنچا رہے ہوں اور دینِ اسلام کی تقویت علومِ نبویہ کی اشاعت و تبلیغ میں مشغول ہوں، کیونکہ علم تمام عبادتوں میں افضل عبادۃ ہے۔ حضرۃ عبداللہ بن مُبارک جو امام بخاری رح کے اُستاد ہیں ہمیشہ اپنی زکوٰۃ و خیرات صرف اہلِ علم ہی پر صَرف کرتے تھے۔ کسی نے اُن سے بطورِ مشورہ کے کہا کہ اگر آپ سب کو دیا کرتے تو بہتر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں نبوۃ کے مرتبہ کے بعد علماء کے مرتبہ سے افضل کوئی مرتبہ نہیں دیکھتا۔ اگر اُن کو کوئی حاجت درپیش ہوگی تو وہ علمی کام نہ کر سکیں گے۔ یا اُن کے کام میں حرج ہوگا، لہٰذا علم کے لئے ان کو فارغ کر دینا زیادہ بہتر ہے (احیا) تیسری صفت یہ ہے کہ وہ عام سوال کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اپنی حاجات مخفی رکھتا ہو، باعزّۃ سفید پوش ہو۔ لوگ اُسے فقیر و محتاج نہ سمجھتے ہوں۔ گو ایسے لوگوں کا معلوم ہونا دُشوار ہوتا ہے، مگر ان کے حالات کی تفتیش کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ عیالدار ہو یا اپنے مشاغلِ دینی میں گھرا ہُوا ہو یا مریض ہو۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے قرابت والے ہوں تو اور زیادہ بہتر ہے۔ ان صفات میں سے جو صفت جس میں جس قدر زیادہ ہوگی، اسی قدر اُس کو دینا زیادہ بہتر ہوگا اور جس شخص میں جتنی صفتیں زیادہ جمع ہوں گی اُسی قدر زیادہ سے زیادہ اُس کو دینے میں ثواب ہوگا۔ پھر اگر ان صفات والے لوگوں کو تلاش کیا اور اُن کو دیا۔ پس اگر یہ تحقیق صحیح نکلی تو دوگنا اجر ہے اور غلط نکلی تو تحقیق و تفتیش کرنے کا ثواب ضرور ملے گا۔ اب دُعا فرمائیے کہ

اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم اپنے مالوں میں اللہ تعالیٰ کا حق یعنی زکوٰۃ ادا کریں اور ادا کرنے میں صحیح طریقہ کا لحاظ رکھیں اور مستحقین میں سے عمدہ صفات والے مستحقین کو تلاش کریں اور اللہ تعالیٰ ہمیں ہمّت دے کہ ہم زکوٰۃ کے علاوہ بھی خیرات وحسنات میں اپنا مال خرچ کریں اور رازق العباد ہماری حقیر زکوٰۃ وحسنات کو قبول فرمائے اور ہماری خطاؤں کو بخش دے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین[1]

[1] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۔ بَارَكَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ سوم ماہِ ربیع الثانی در تعلیم ضروریاتِ دین

مسلمان کا نصب العین اور مادیات کی ترقی یا دنیا طلبی کی مذمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الدُّنْیَا مَزْرَعَةً لِّلْاٰخِرَةِ ○ وَمَکْسَبَةً لِّلْعَاقِبَةِ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ○

اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ اِعْلَمُوْا اَنَّ الدُّنْیَا

خُلِقَتْ لَکُمْ + وَاَنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ ○ فَتَزَوَّدُوْا

مِنَ الْعَاجِلَۃِ لِلْاٰجِلَۃِ ○ وَلَا تَجْعَلُوْهَا مُنْتَهٰی

اٰمَالِکُمْ وَغَایَاتِ اَعْمَالِکُمْ ○ وَاقْنَعُوْا عَلَی

الْحَلَالِ مِنَ الْحَرَامِ ○ مَعَ اَدَاءِ الْحُقُوْقِ وَطَاعَۃِ

ذِی الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ○ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ + وَاللّٰہِ مَا الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا

مِثْلَ مَا یَجْعَلُ اَحَدُکُمْ اِصْبَعَهٗ فِی الْیَمِّ

فَلْیَنْظُرْ بِمَ یَرْجِعُ ○ وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَنْ زَعَمَ اَنَّ

الْعُرُوْجَ فِی الدُّنْیَا مِنْ مَقَاصِدِ اَعْمَالِ الْاِسْلَامِ

عہ للمسلم ۱۲ عہ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام الدنیا سجن المومن وجنۃ الکافر (مسلم) وقال ایضاً لوکانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منہا شربۃ (الاحمد والترمذی) وقال ایضاً من احب دنیاہ اضر باٰخرتہ ومن احب اٰخرتہ اضر بدنیاہ فاثروا ما یبقی علی ما یفنی (لاحمد والبیہقی) وقال ایضاً حب الدنیا

فَقَدْ ضَلَّ وَغَوٰی ○ وَکَفَرَ بِمَا جَاءَ بِهٖ رَسُوْلُهُ الْمُصْطَفٰی ○ وَتَاَوَّلَ کَلَامَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ بِمَا لَمْ یَرْضِیَا ○ اِسْتَمِعُوْا اَنَّ اَعْلٰی مَقَاصِدِ اَعْمَالِ الْاِسْلَامِ ○ اِبْتِغَاءُ وَجْهِ رَبِّنَا الْعَلَّامِ ○ کَمَا قَالَ عَزَّ وَجَلَّ + اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَقُوْلُ قَوْلِیْ هٰذَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الخ

وعظِ جمعہ سوم ماہ ربیع الثانی در تعلیم ضروریاتِ دین

مسلمان کا نصب العین اور مادیات کی ترقی یا دنیا طلبی کی مذمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت ! ہماری دنیوی زندگی میں اکثر ہم پر دو دَور گذرتے ہیں - ایک حضر میں یعنی اپنے وطنِ اصلی یا وطنِ اقامت میں، دوسرا سفر میں جبکہ ہم مال لینے یا کسی اور کام سے لاہور، دہلی، مدراس، بمبئی کا سفر کرتے ہیں۔ اکثر وطن

ہیں زیادہ رہنا ہوتا ہے اور سفر میں بہت کم۔ ہم جب سفر میں جاتے ہیں تو عموماً کم سے کم اسباب لے جاتے ہیں کہ جس سے صرف زندہ رہ سکیں، حالانکہ ہمارے گھر میں بہت کچھ اسباب ہوتا ہے۔ عقلمندوں کا مقولہ ہے کہ سفر میں جس قدر اسباب کم ہو اُسی قدر راحت ملتی ہے اور زیادہ اسباب لادنے سے بڑی کلفت ہُوا کرتی ہے۔ اسلام کا اُصولی عقیدہ ہے کہ تمام انسان مرکر دوبارہ زندہ ہوں گے اور اس زندگی کے بعد موت یا فنا نہ ہوگی بلکہ وہ زندگی دائمی ہوگی خواہ اچھی گذرے یا بُری۔ حضرات سامعین آپ بتائیے کہ کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو وہ شخص دائرۂ اسلام سے ہی نکل جاتا ہے، جس کا یہ عقیدہ نہ ہو۔ اگر ہے اور یقیناً ہے تو کیا اس صاف و صریح عقیدۂ اسلام سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہماری زندگی کے بھی دراصل یقیناً دو دور ہیں۔ ایک اصلی دوسرا عارضی اور یہ بھی معلوم ہُوا کہ ہماری زندگی کا اصلی دور یہ نہیں ہے بلکہ وہ ہے، کیونکہ وہاں زیادہ اور ہمیشہ رہنا ہے۔ یہاں تو صرف ۷۰۔ ۸۰ یا سَو برس تک ہی رہنا ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں عموماً انسان کو اس سے زیادہ یہاں رہنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہُوا کہ ہمارا وطنِ اصلی دراصل وہی ہے جہاں ہم کو ہمیشہ رہنا ہے اور یہاں تو ہم محض چند برس کے لئے سفر میں آئے ہوئے ہیں۔ دُنیا کی یہ زمین ہمارا اصلی وطن نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترمذی کی ایک حدیث میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "مجھے دنیا سے کیا تعلق۔ میری اور دُنیا کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی سوار کسی درخت کے نیچے سایہ لینے کے لئے تھوڑی دیر ٹھہر جائے"۔ دوستو! جس طرح سفر اور حضر دونوں میں ہمیں سامانِ معیشت کی ضرورت ہے، وہ شخص بھی بے وقوف[1] ہے جو سفر میں قطعاً کچھ سامان نہ لے، یہاں تک کہ تکلیف سے

[1] لقولہ علیہ السلام ولنفسك علیك حق ۱۲

جان جاتی رہے اور وہ شخص بھی احمق ہے جو سفر میں تو سامان رکھے، لیکن وطن آنے تک سب برباد کردے اور پھر وطن پہنچ کر بے سرو سامانی کی وجہ سے اپنے آپ کو ذلیل کرے، فاقہ کشی میں مبتلا ہو اور طرح طرح کی تکالیف جھیلے، دربدر بھیک مانگتا پھرے۔ اسی طرح انسان کو اپنے سفرِ دُنیا اور وطنِ آخرۃ دونوں میں اسبابِ معیشت مہیّا کرنا ضروری ہے۔ جو شخص صرف دُنیا کے اس سفر میں اسباب مہیّا کرتا رہے اور وطنِ آخرۃ میں مفلس و کنگال ہو کر پہنچے، وہ انتہا درجہ کا احمق ہے اگرچہ وہ خود کو بڑا عقلمند سمجھتا ہو۔ آپ ہی بتائیے کہ جو شخص مال وغیرہ ضروریات لینے کے لئے بمبئی جائے ۷ روز کے لئے اور وہاں جا کر ایک بنگلہ ٹھہرنے کے لئے خریدے فرنیچر خریدے اور تمام اسبابِ عیش مہیّا کرنے میں مصروف ہو جائے۔ اپنا سرمایہ سب اسی میں خرچ کر ڈالے اور سات دن کے بعد تمام سامان چھوڑ کر خالی ہاتھ وطن کو واپس ہو جائے۔ کیا وہ شخص عقلمند کہا جا سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلدُّنْیَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَہٗ وَلَھَا یَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَہٗ یعنی دُنیا اس کا گھر ہے، جس کا کوئی گھر (آخرت میں) نہ ہو اور دنیا کے لئے وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں ہے"۔ دوستو! یقین جانئے کہ ہم یہاں سفر میں ہیں اور ہماری کشتیٔ عُمر زمانہ کے دریا میں وطنِ آخرت کی طرف برابر سفر کر رہی ہے۔ خواہ ہم اپنے اصلی وطن جانا چاہیں یا نہ چاہیں، لیکن جب کہ آپ کشتیٔ عُمر میں سوار ہو چکے ہیں، آپ کو وطن جانا ہی پڑے گا، جیسے کسی بچہ کو ریل میں بٹھا دیں اور گاڑی چل پڑے تو اب وہ لاکھ کوشش کرے کہ میں نہ جاؤں گا آگے بھاگے یا پیچھے ہٹے، مگر وہ واپس نہیں ہو سکتا اور بالآخر اُس کو وہاں پہنچنا ہی پڑے گا، جہاں آپ اس کو لے جانا چاہتے ہیں۔ پس کیا ہم یہ پسند کرتے ہیں کہ سات روز کے چکر میں پھنس کر لیل و نہار یا نور و ظلمت کے دَور میں ستر برس کا

جو سفر کر کے اپنے اصلی وطن جا رہے ہیں یا لے جائے جا رہے ہیں، اپنی تمام عُمدہ قوتوں کا سرمایہ اس سفر میں خرچ اور برباد کر کے مفلس اور تنگدست ہو کر وطن پہنچیں؟ مجھے یقین ہے کہ ہم اس کو پسند نہ کریں گے۔ اگر میرا یہ یقین صحیح ہے تو پھر ہم کو اپنی لاجواب قوتوں کے سرمایہ سے وہ مال خریدنے کی کوشش کرنا چاہیئے، جس کو خریدنے کے لیئے ہمیں یہ سفر کرایا گیا ہے۔ ارشاد ہے کہ فَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی یعنی وطنِ آخرت کے لیئے توشہ یا سامان مہیّا کر لو۔ یہ دُنیا تجارۃِ آخرۃ کی منڈی ہے۔ یہاں سے ہر قسم کی انسانی ضرورتوں کا مال نہایت سستا خریدا جا سکتا ہے۔ ہر قسم کے بنگلوں، کوٹھیوں، محلّات، باغات، بہترین منظر اور سبزیاں، دریائی لہروں سے پُر کیف آب و ہوا، عُمدہ اور لذیذ کھانے، ہر قسم کے بہترین میوے، لاجواب نغمہ و سُرود، بہترین شرابِ طہور اور خوبصورت سے خوبصورت پری پیکر و حُور غرض تمام سامانِ عشرت کا سودا یہاں کیا جاتا ہے اور آسانی اس قدر رکھی گئی ہے کہ آپ صرف سودا چُکا لیں، قیمتیں ادا کر دیں، مال خود بخود آپ کے اصلی وطن پہنچ جائے گا اور کوئی نقصان نہ ہوگا، حتیٰ کہ اگر ایک ذرّہ بھی یہاں دیا گیا ہے تو وہ ضرور آپ کو ملے گا۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ۔ پھر لطف یہ کہ نہ آپ کو کرایہ ریل وغیرہ کا صرفہ دینا پڑے گا اور نہ مال چڑھانے اُتارنے کی زحمت ہوگی، کیونکہ اس منڈی کے مالک نے وعدہ کیا ہے کہ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ۔ "تم جو کچھ خیر (یعنی مفید اشیاء) اپنے آنے سے پہلے بھیج دو گے اللہ کے پاس سب پا لو گے"۔ دوستو جب ہماری یہ زندگی سفری زندگی ہے تو اس سفر کے لیئے ہمیں بہت مختصر سامان اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے۔ یہی عقلمندی ہے ورنہ اس سفر میں بڑی تکلیف ہوگی، کیونکہ ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں۔ اس مختصر سامان کی تفصیل کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک حدیث میں اشارہ فرمایا ہے کہ انسان سے ہر نعمت اور ہر چیز کے متعلق سوال کیا جائے گا سوائے تین چیزوں کے۔ ایک اتنا کھانا جس سے زندگی باقی رہ سکے۔ دوسرے ستر ڈھانکنے کے برابر کپڑا، تیسرے رہنے کے لئے ایک بھٹ یعنی معمولی گھر کہ سردی اور گرمی سے بچ سکے (احیاء) معلوم ہوا کہ اس سفرِ دُنیا کے گذارنے کے لئے جس مختصر سامان کی دراصل مُسافرِ آخرۃ کو ضرورۃ ہے، وہ صرف اتنا ہی ہے، جس سے کہ سوال نہ کیا جائے گا۔ باقی تمام سامانِ حیثیت اس سفر میں ساتھ رکھنا غیر ضروری ہے۔ پس باقی تمام سامان اگر وطنِ آخرۃ کی ضرورتوں کے لئے کسی نے رکھا ہے تو خیر بہتر ہے، ورنہ اگر نفسانی خواہشات کے لئے رکھا ہے تو اب یہ سامان وبالِ جان ہوگا' جس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونا سخت مُشکل ہوگا۔ بُزرگو! دُنیا صرف وطنِ آخرت کی ضروریات مہیّا کرنے کے لئے ایک کھیت ہے یا تجارتی منڈی ہے۔ چنانچہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ یہ سفری شہرِ دُنیا ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کی نعمتوں میں دل پھنسا دیا جائے اور اس کے اسبابِ عیش مہیّا کرنے میں آدمی اس قدر منہمک ہو جائے کہ وطنِ آخرۃ کی زندگی کے لئے کچھ توشہ نہ بھیج سکے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "اگر دُنیا (کی نعمتیں) اللہ کے نزدیک مچھّر کے پر کی برابر بھی وقعت رکھتیں تو اللہ تعالیٰ کافر کو ایک گھونٹ بھی اس میں سے نہ پلاتا۔" (مُسلم) نیز آپؐ نے فرمایا کہ دُنیا کی نعمتیں آخرۃ کی نعمتوں کے مقابلہ میں ایسی ہیں کہ جیسے دریا میں ایک اُنگلی ڈال کر اس پر تری آجاتی ہے۔ (اس تری کو دریا سے جو نسبت ہے، وہی نعماءِ دُنیا کو نعماءِ آخرۃ سے نسبت ہے) پس آدمی کو چاہیئے کہ وہ غور کرلے کہ کیا لے کر لوٹ رہا ہے۔" (مُسلم) نیز آپؐ نے فرمایا کہ "دُنیا قید خانہ ہے مومن کے لئے اور جنّت ہے کافروں کے لئے۔" (مُسلم) اس لئے کہ کافر تو سمجھتا ہے کہ جو کچھ

ہے یہیں ہے۔ مرنے کے بعد کچھ نہیں اور مومن سمجھتا ہے کہ مَیں یہاں مسافر ہوں میرا وطن آخرۃ ہے، جہاں میرے لئے تمام اسبابِ عیش و مسرّۃ موجود ہے۔ چونکہ یہاں اُن تمام نعمتوں سے محروم اور وطن سے دُور ہے، لہٰذا فطری طور پر اپنے وطن کی طرف شوق اور محبّت کا جذبہ اُس کے قلب میں پیدا ہوتا ہے اور جی چاہتا ہے کہ پر ہوں تو اُڑ کر وطن پہنچ جاؤں مگر وقتِ مقررہ سے پہلے وہاں نہیں پہنچ سکتا لہٰذا سفرِ دُنیا کی زندگی میں اپنے آپ کو مقیّد پاتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ دُنیا میرے لئے قید خانہ ہے جس میں مقیّد ہو کر مَیں اپنے وطن کی راحت و عشرت سے محروم ہو رہا ہوں، اس لئے دُنیا بُری جگہ اور قید خانہ ہے اور مُردار ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "دُنیا مُردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کُتّے ہیں"۔ یعنی ایسے ذلیل و حقیر ہیں جیسا کہ انسانوں میں کُتّا ذلیل ہوتا ہے اور ایسے غلیظ اور ناپاک ہیں جیسے کُتّا کم بخت مُردہ جانوروں کا سڑا ہوا گوشت کھا کر خوش ہوتا ہے اسی طرح دُنیا دار دُنیا کی نعمتیں جو آخرۃ کی نعمتوں کے مقابلہ میں سڑی ہوئی ہیں کھا کر خوش ہوتا ہے، گویا انتہا درجہ کی غلاظت اس کی طبیعت میں پیدا ہو گئی ہے۔ پس ہمیں چاہیئے کہ ہم دُنیا کے کُتّے نہ بنیں اور اس کی محبّت کی غلاظت ہمارے دماغ میں پیدا نہ ہونے پائے۔ اب یہ بھی سمجھ لیجئے کہ دنیا اور دُنیا طلبی کسے کہتے ہیں۔ دُنیا نام ہے اُن تمام مالوں، جائدادوں، چیزوں، اولادوں، بیویوں، متعلقین، دوستوں، خواہشوں کا جن کو حاصل کرنے کی غرض صرف اپنے نفس یا جی کو خوش کرنا ہو اور جن کے حاصل کرنے میں انسان ایسا مشغول ہو جائے کہ خُدا کے احکام پورا کرنے کی پرواہ اور خیال نہ رہے اور دُنیا طلبی نام ہے ایسی ہی کوشش کا۔ خواہ یہ بات ایک ٹکڑے روٹی کے حاصل کرنے میں پیدا ہو جائے یا ایک سلطنت حاصل کرنے میں۔ پس ایک فقیر جو بھیک مانگنے میں نفس کی خوشی

چاہنا اور احکامِ خدا سے غافل ہو جانا ہے پکّا دُنیادار ہے خواہ وہ پیر ہو یا مولوی اور اگر ایک لکھ پتی یا بادشاہ دولت و سلطنت حاصل کرتے ہُوئے خدائی احکام کو برابر پُورا کرتا ہے اور دولت و سلطنت اپنے نفس کو خوش کرنے، آرام دینے کے لئے نہیں بلکہ احکامِ خداوندی کی تعمیل میں صَرف کرنے کے لئے حاصل کرتا ہے تو وہ اعلیٰ درجہ کا دیندار ہے، دُنیادار ہرگز نہیں۔ یہی بات ہمارے اس مضمون کی جان ہے۔ اس کو خُوب سمجھ لیجئے اور پھر جتنی چاہیں ترقی کیجئے۔ اس موقعہ پر ایک اور غلط فہمی کا دُور کرنا بھی ضروری ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض مغرب پرست لوگوں نے مُسلمانوں کو یہ سمجھانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ انسان کی زندگی کا انتہائی مقصد دولت، حکومت اور عزّت حاصل کرنا ہے اور یہ کہ تمام اسلامی احکام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ سے آخری مقصد دولت و حکومت اور مادیات میں ترقی کرنا ہے، لیکن آپ کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ یہ تعلیم بالکل غلط اور محض بے بنیاد ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا انسان کافر ہے، کیونکہ اس نظریہ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لائے ہُوئے قرآنِ کریم کی تعلیمات اور احادیث کی تصریحات سے صاف انکار ہے۔ قرآن کی بے شمار آیات بتلاتی ہیں کہ مُسلمان کا انتہائی مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا ہے اور یہی تمام اعمالِ اسلامی کا مقصد ہے اور یہ کہ جس نے اعمالِ اسلامی سے کسی دوسرے مقصد کی نیّت کی، اُس کا وہ عمل نامقبول اور مردود ہے۔ اسی طرح احادیث کی تصریحات بھی دُنیا اور مادّیات کی ترقی کی مذمّت میں بکثرۃ موجود ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہے کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ الخ یعنی آپؐ فرما دیجئے کہ میری نماز (یعنی تمام جانی عبادتیں) اور میری قربانی (یعنی تمام مالی عبادتیں) اور میری زندگی (یعنی میری زندگی کی تمام ضرورتیں اور کوششیں) اور میری وفات یہ سب (صرف) اللہ (کی

رضامندی حاصل کرنے) کے لئے ہے۔ حق تعالیٰ مجھے اور آپ کو دُنیا طلبی سے بچائے اور ہماری دُنیا کو ہمارا دین بنا دے۔ دین کو سمجھنے کی توفیق دے اور دیندارانہ زندگی ہم کو عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ؎

؎ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ بَارَكَ اللّٰہُ الخ

خُطبۂ جُمعہ چہارم ماہِ ربیع الثانی در تعلیم ضروریاتِ دین

کسبِ معاش کی اہمیت و فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْاَرْبَابِ ۝ وَمُسَبِّبِ الْاَسْبَابِ ۝ جَاعِلِ الدُّنْیَا دَارَ التَّکْلِیْفِ وَالْاِکْتِسَابِ ۝ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ لَہٗ فِی الذَّاتِ وَالصِّفَاتِ ۝ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سَیِّدُ الْمَوْجُوْدَاتِ ۝ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ وَاَزْکَی التَّحِیَّاتِ ۝ اَمَّا بَعْدُ

فَيَا اَيُّهَا النَّاسُ عَلَيْكُمْ بِاِصْلَاحِ الْمَعَاشِ وَالْمَعَادِ ۝ فَالْاَوَّلُ بِاِجْمَالٍ فِي الطَّلَبِ ثُمَّ التَّوَكُّلِ عَلٰى رَبِّ الْعِبَادِ ۝ وَالثَّانِيْ بِاِمْتِثَالِ الْاَوَامِرِ وَالْاِجْتِنَابِ عَنِ الْمَنَاهِيْ بِالْاِهْتِمَامِ وَالْاِجْتِهَادِ ۝ وَاعْلَمُوْا اَنَّ طَلَبَ رِزْقِ الْحَلَالِ فَرْضٌ فَقَدْ قَالَ[۱] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ + طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ[۲] بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ ۝ وَقَالَ[۳] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + اِذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ ۝ ثُمَّ قَالَ هٰذَا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تَجِيْئَ الْمَسْئَلَةُ نُكْتَةً فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ

---

[۱] للبیہقی ۱۲ [۲] وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام + ما اکل احد طعاما قط خیرا من ان یأکل من عمل یدیہ (بخاری) وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام + التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء (مشکوٰۃ)

الْقِيٰمَةِ[ع۱] ○ وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رض اِنِّیْ لَاُكْرِهُ

اَنْ اَرٰی الرَّجُلَ فَارِغًا لَا فِیْ اَمْرِ دُنْیَاهُ وَلَا فِیْ

اَمْرِ اٰخِرَتِهٖ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ فَاِذَا قُضِيَتِ

الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ

اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

ع۱ احیاء ۱۲ ع۲ وروی عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من فتح علیٰ نفسہ بابًا من السوال فتح اللہ علیہ سبعین بابًا من الفقر (احیاء) وقال عمر رض لا یقعد احدکم عن طلب الرزق ویقول اللھم ارزقنی فقد علمتم ان السماء لا تمطر ذھبا ولا فضۃ (احیاء)

وعظِ جمعہ چہارم ماہِ ربیع الثانی در تعلیمِ ضروریاتِ دین

کسبِ معاش کی اہمیت و فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملت! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہم کو دینِ یُسر یعنی آسان دین عطا فرمایا ۔ بعض انبیاء علیہم السلام کو ایسی شریعت یا نظامِ حیات دے کر بھیجا گیا تھا، جس کی بنیاد رہبانیت یعنی ترکِ دنیا پر تھی ۔ ایسی شریعت کے متبع کو لازم تھا کہ وہ اپنی تمام خواہشات، مقتضیات اور تعلقات کو ختم کر کے صرف عبادتِ الٰہی میں مشغول ہو جائے ۔ نہ کسبِ معاش کرے

اور نہ فطری خواہشات کو پورا کرے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی آسان شریعت دے کر بھیجا کہ اس پر عمل کرنے والوں کو چند قیود ات کے ساتھ ان سب کی نہ صرف اجازۃ دی گئی بلکہ ان تمام معاملاتِ دنیوی کو بھی دین قرار دیا گیا اور عبادت میں شمار کرتے ہوئے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا گیا۔ چنانچہ کسبِ معاش یعنی روزی حاصل کرنا بھی انسان کے فطری مقتضیات میں سے ہے اور گو بظاہر تجارۃ، زراعت و حرفت وغیرہ کے ذریعہ روزی حاصل کرنے کی فکر دنیاداری سی معلوم ہوتی ہے، لیکن شریعتِ اسلام نے اس کو بھی ایک عبادۃ شمار کیا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے اہل و عیال کے لئے (حلال) خرچ حاصل کرنے کی فکر میں متفکر اور مغموم ہو کر رات گزارے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاد میں تلوار کے ہزار وار کرنے سے زیادہ افضل ہے (مسندِ اعظمؒ) دیکھئے فکرِ معاش اور اہل و عیال کے خرچ کا فکر کرنا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک میں کس قدر اہم ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کتنا بلند درجہ ہے۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ایک صحابی سے کہ " تم خدا کی خوشنودی کے لئے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو، قیامت کے روز اس کا اجر (ثواب) تم کو دیا جائے گا، یہاں تک کہ اس ایک لقمہ کا بھی جو تم نے اپنی بیوی کے منہ میں دیا"! (مسندِ امام اعظمؒ) یعنی اگر حقوقِ زوجہ ادا کرتے ہوئے خدا کی خوشنودی کے لئے ایک لقمہ بھی بیوی کو کھلایا ہے تو اس کا بھی اجر ملے گا۔ اللہ اکبر خدا کی کتنی عنایت ہے کہ وہ ہماری اپنی انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے میں بھی ثواب دے رہا ہے۔ کتنا بدقسمت ہے وہ شخص جو اب بھی اپنے دنیوی کاموں میں خدا کی رضامندی کی نیت نہ کرے بلکہ اپنے نفس کی خوشی کے لئے ہی کرتا رہے، کیونکہ رضاءِ خدا کی نیت سے دنیوی

کام بھی ہو جاتے ہیں اور ثواب بھی ملتا ہے، بشرطیکہ جائز طریقہ پر کئے جائیں، ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ خدا کے فرض کے بعد کسبِ حلال کا تلاش کرنا بھی (مسلم پر) فرض ہے۔ (بیہقی) دیکھئے اس حدیث سے تو حلال روزی کمانا فرض ثابت ہوتا ہے اور فرض کے ترک سے گناہ ہوتا ہے اور ادا کرنے سے ثواب ملتا ہے، دیکھا آپ نے؟ کہ شریعتِ اسلامیہ میں کس قدر سہولت ہے کہ جو کام پہلے مذاہب میں ناجائز تھا وہ یہاں جائز ہی نہیں بلکہ فرض اور عبادت میں شمار کیا گیا اور اس فرض کے ادا کرنے والوں کو اعلیٰ درجات کا مستحق قرار دیا گیا۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ "سچا امانت دار تاجر قیامت کے دن صدیقین اور شہدا کے ساتھ اُٹھایا جائے گا۔" (ترمذی) تجارت بھی کسبِ معاش کا ایک جائز طریقہ ہے، نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض تاجروں، کاریگروں وغیرہ کو دُنیادار کہہ کر حقارت کی نظر سے دیکھنا اور یہ خیال عام طور پر ہر تاجر وغیرہ کے متعلق قائم کر لینا غلط ہے، کیونکہ صرف تجارۃ و حرفت وغیرہ دُنیا طلبی میں داخل نہیں ہے بلکہ ہر کمانے والا شخص جو اللہ کے لئے کمائے، کمانے میں ادائے فرض سے غافل نہ ہو، جائز طریقوں سے کمائے، جائز موقعوں میں خرچ کرے۔ مال میں اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کرے، وہ پکا دیندار اور اعلیٰ درجہ کا بزرگ خُدا کا ولی ہے۔ اس کو دُنیادار کہنا غلطی ہے۔ ہاں البتہ اگر کوئی کمانے والا اپنے نفس کے آرام، خوشی، عزت اور خواہشاتِ نفسانی کو پُورا کرنے کے لئے ہی کمائے، ناجائز طریقوں، جھوٹ، فریب، رشوت ستانی وغیرہ سے کمائے یا کما کر ناجائز طریقوں سے مثلاً عزت افزائی میں، رسومات میں، سینما بینی و ناجائز تفریحات وغیرہ میں صرف کرے یا اللہ اور بندوں کے حقوق اپنے مال میں سے ادا نہ کرے تو اب یقیناً ان تمام صورتوں میں ایسا مال کمانے والا، دُنیادار، مُردار خوار اور دُنیا کا کُتّا ہے، جیسا کہ صحیح حدیث

میں آچکا ہے۔ حضرات سامعین ہم سب ذرا اپنے اپنے متعلق غور کریں۔ اگر ہم اول درجہ کے تاجروں میں ہیں تو خدا کا شکر ادا کریں۔ اگر خدانخواستہ دوسرے درجہ کے تاجروں میں سے ہیں تو ہمیں فوراً اپنی نیت اپنے عمل اور اپنی تجارت کی اصلاح کر لینی چاہیئے۔ غرض کہ مذکورہ بالا قیود کا لحاظ رکھ کر کمانے والا ہرگز قابلِ مذمت نہیں بلکہ قابلِ تعریف اور لائقِ تحسین ہے۔ بزرگو، جس طرح رزق حلال تلاش کرنا، کمانا فرض اور موجبِ اجر ہے، اسی طرح بیکاری اور بیکار رہ کر زندگی گذارنا شریعتِ اسلامیہ میں مذموم اور بُرا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی شخص تلاشِ رزق چھوڑ کر نہ بیٹھے، اس حالت میں کہ رزق کی دعا اللہ سے کرتا ہو۔ تمھیں معلوم ہے کہ آسمان سونا چاندی نہیں برساتا" (احیاء) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "میں کسی آدمی کو بیکار دیکھنا مکروہ سمجھتا ہوں کہ جو نہ اپنے دین کے کام میں اور نہ دنیا کے کام میں مشغول ہو" (احیاء) اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن عیالدار کو جو کوئی پیشہ کرتا ہو دوست رکھتا ہے اور تندرست مگر بیکار شخص کو پسند نہیں کرتا جو نہ دنیا کے کام میں ہو نہ دین کے" (احیاء) حضرت لقمانؒ حکیم نے اپنے بیٹے کو وصیت کی اور کہا کہ اے بیٹے تو کسبِ حلال کے ذریعہ فقر و تنگی سے بے پرواہ بن، کیونکہ ہر محتاج شخص میں تین باتیں ضرور پیدا ہو جاتی ہیں۔ ایک دین میں کمزوری، دوسرے عقل میں ضعف، تیسرے بے مروتی اور ان تین سے بڑھ کر چوتھی بات اس میں یہ پیدا ہو جاتی ہے کہ لوگ اُسے ہلکا ذلیل اور بے عزت سمجھنے لگتے ہیں۔ (احیاء) واقعی یہ نصیحت حرف بحرف صحیح ہے۔ بیکاری کی حالت میں یہ تمام باتیں ضرور پیدا ہو جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کسبِ معاش کے لئے عموماً خشکی اور دریائی سفر کرتے تھے اور کھجوروں کے باغات میں کام کرتے تھے (احیا) پس مسلمان کو

صحابہ کی اقتدا کرنی چاہیئے اور کسی حال میں بھی بیکار رہ کر زندگی نہ گذارنی چاہیئے۔
البتہ اس مسئلہ میں اس قدر تفصیل کا ضرور لحاظ رکھنا چاہیئے کہ اگر ذریعۂ معاش
تجارۃ وغیرہ میں مشغول ہونے والے کی نیت بعد ادائے فرض یہ ہے کہ بقدرِ کفایت حاصل
ہوتا رہے کہ وہ اور اس کی اولاد کسی کی ایسی محتاج نہ رہے کہ سوال کرنے کی
نوبت پہنچے تو اس کے لئے جائز طور پر کسبِ معاش میں مصروف رہنا افضل ہے
اور اگر اس کی نیت بقدرِ کفایت سے زیادہ حاصل کرنے اور مالدار بننے کی ہے،
(جسے لوگ آج کل ترقی کہتے ہیں) تو اب یہ تجارۃ وغیرہ اس کے لئے مذموم ہے اور اسی کا
نام دنیا داری یا دنیا کی محبت ہے، جس کی مذمت احادیث میں بکثرت آئی ہے۔
ایسا شخص جس کے پاس بقدرِ کفایت مال ہو یا حاصل ہوتے رہنے کی صورت موجود
ہو اُس کو مزید تمول بڑھانا بُرا ہے بلکہ اس کو چاہیئے کہ وہ عباداتِ الٰہی
میں مصروف رہے، لیکن اگر وہ شخص اس نیت سے تجارت کرتا رہے کہ اس سے جو کچھ
ملے گا، وہ سب رفاہِ عام اور نیک کاموں میں یا امدادِ غرباء میں خرچ کرے گا، تو
اس کے لئے مشغول ہونا بہتر ہے، بشرطیکہ جائز طریقہ پر کسب کرے، نیز بیکار
رہنا اس شخص کے لئے جو بقدرِ کفایت مال رکھتا ہے بُرا ہے، بلکہ اُسے عبادت
میں مصروف رہنا چاہیئے اور تندرست محتاج و فقیر کے لئے کسبِ معاش کا چھوڑنا
ناجائز ہے، کیونکہ اس صورت میں سوال کی نوبت آئے گی جو کہ مذموم ہے۔ ہاں
کسبِ معاش کی مشغولی کو چھوڑ دینا اس عابد شخص کے لئے جائز ہے جو پورا متوکل
ہو کہ اس کا نفس سوال پر مجبور نہ کرے۔ نیز کسبِ معاش کا چھوڑ دینا اس کے لئے
افضل ہے جو سیر الی الحق اور روحانی ترقیات میں مصروف ہو یا علوم شریعت کو
رواج دینے، پھیلانے اور اپنے علم سے لوگوں کو نفع پہنچانے میں مصروف ہو جیسے مفتی، مفسر
محدث وغیرہ یا جو لوگوں کے معاملات کی اصلاح کرنے اور تنازعات کے فیصلہ

کرانے میں مصروف ہو، جیسے قاضی وغیرہ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "مجھے یہ وحی نہیں بھیجی گئی کہ مال جمع کر اور تاجروں میں سے ہو جا بلکہ میرے پاس وحی بھیجی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر اور سجدہ کرنے والوں میں سے بن"۔ (احیاء) چونکہ آپ ان چاروں کاموں میں شب و روز مشغول و مصروف تھے، اس لئے آپ کو کسبِ معاش کا حکم نہیں دیا گیا، لیکن عابدِ متوکل، عارفِ ربانی، عالم، مفتی، محدث، قاضی وغیرہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بیکار رہنا اور کسبِ معاش میں مشغول نہ ہونا سخت مذموم ہے اور بیکار رہ کر تندرست و قوی مسلمان کو سوال کرنا تو بالکل کسی حالت میں بھی اچھا نہیں۔ آج کل مسلمانوں میں بیکاری کا مرض بہت ہی پھیل رہا ہے، اسی لئے ان میں بھیک مانگنے والے بکثرت ہیں، حالانکہ تندرست و عاقل کو گداگری کا پیشہ اختیار کرنا حرام ہے اور ایسے شخص کو دینا بھی ناجائز ہے۔ ہاں اتفاقی حادثہ سے کوئی مجبور ہو جائے تو یہ اور بات ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے سوال کرنے کا دروازہ اپنے اوپر کھولا، اللہ تعالیٰ محتاجی کے ستر دروازے اس پر کھول دیتا ہے"۔ (احیاء) اسی طرح اور بہت سی احادیث مانگنے کی برائی میں وارد ہیں۔ پس ہمیں لازم ہے کہ بیکار زندگی گذار کر سوال پر مجبور اور کسی پر بارِ خاطر نہ بنیں اور دربدر بھیک مانگ کر اپنے آپ کو ذلیل اور خدا کا نافرمان نہ بنائیں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو تجارۃ اور کسبِ معاش کی توفیق دے۔ اس کے لئے اسباب پیدا فرمائے عزت و آبرو اور ایمانداری کے ساتھ بقدرِ کفایت رزق عطا فرمائے اور بیکاری و محتاجی کی ذلت سے بچائے اور کسبِ معاش کرنے والوں کو مالِ حرام، احکامِ خدا سے غفلت اور دولتمند دنیا دار بننے کی بری نیت سے محفوظ کرے اور ہماری زندگی اسلامی زندگی بنائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

خُطبۂ جُمعہ پنجم ماہِ ربیع الثانی در تعلیمِ ضروریاتِ دین

کسبِ حرام کی مذمّت کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَبَّبَ الْاَسْبَابَ لِمَعِیْشَةِ الْاِنْسَانِ بِاِحْسَانٍ عَمِیْمٍ ○ وَرَبَّاهُ مِنْ طَیِّبٰتِ الرِّزْقِ بِلُطْفِهِ الْعَظِیْمِ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَلَا نَدِیْدَ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْمَجِیْدُ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اِلٰی یَوْمِ الْوَعِیْدِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ التَّوَقِّیَ عَنْ کَسْبِ الْحَرَامِ فَرْضٌ کَمَا اَنَّ طَلَبَ الْحَلَالِ

فَرِيْضَةٌ ○ فَاجْمِلُوْا فِى الطَّلَبِ وَاجْتَنِبُوْا

عَنْ اَمْوَالٍ خَبِيْثَةٍ ○ فَقَدْ قَالَ[1] رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ + اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ

وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيْرِ وَالْاَصْنَامِ[2] ○ وَقَالَ[3]

عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ

لَحْمٌ نَبَتَ بِالْحَرَامِ اَلنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ ○

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا

اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ

تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

---

[1] الشیخین ۱۲ [2] ولعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم + اٰکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ (المسلم) وکذا الراشی والمرتشی والرائش (فی روایۃ اخریٰ رواہ احمدؒ) وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام من غش فلیس منی (المسلم) وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام التجار یحشرون یوم القیٰمۃ فجارًا الا من اتقیٰ وبر وصدق (الترمذی)

وعظِ جمعہ پنجم ماہِ ربیع الثانی در تعلیم ضروریاتِ دین

کسبِ حرام کی مذمّت کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملّت! ہر سلطنت کی رعایا اپنے بادشاہ کی فرماں بردار اور مطیع ہوتی ہے۔ رعایا کو اپنے حاکم کے آئین و قواعد ماننے پڑتے ہیں خواہ خوشی سے یا مجبوری اور زبردستی سے۔ اسی لئے وہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں آزاد نہیں ہوسکتی کہ جس کو چاہے قتل کردے، جس سے چاہے مال چھین لے یا سیکل موٹر وغیرہ جس سائڈ یا جانب سے چاہے لیجائے بلکہ اُسے مجبوراً اسی طرف سے اپنی گاڑی لے جانی ہوگی، جس طرف سے حکومت نے اجازت دی ہے۔ اگر کوئی شخص رعایا ہوکر گورنمنٹی احکام پہ نہ چلے گا تو گرفتار ہوکر جرمانہ یا قید وغیرہ سزا بھُگتیگا اور اگر کوئی شخص ان احکام کو تسلیم کرنے ہی سے انکار کردے تو وہ اعلیٰ درجہ کا مجرم اور حکومت کا باغی شمار ہوکر بہت بڑی سزا کا مُستحق ہوگا۔ رُوئے زمین کے تمام انسانوں میں سے وہ لوگ جنھوں نے حکومتِ الٰہیہ کو تسلیم ہی نہیں کیا اور اسلام لانے یعنی حکومتِ الٰہیہ کی اطاعت کرنے سے صاف انکار کردیا ہے، وہ خُدا کے باغی ہیں۔ انہی کو ہم کفّار کہتے ہیں۔ وہ خُدا کی سخت پکڑ سے پہلے پہلے جو چاہیں کریں لیکن وہ لوگ جنھوں نے خُدائی حکومت اور اس کے آئین کی پابندی کو تسلیم کیا ہے اپنے احکم الحاکمین کے قوانین کی خلاف ورزی میں ہرگز آزاد نہیں ہوسکتے۔ اُنھیں خوشی سے یا مجبوری سے احکامِ اسلام کی پابندی کرنی ہی پڑے گی۔ کافر اپنی خواہشات پورا کرنے مال کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہو سکتا ہے، مگر مُسلمان کو مال و دولت کمانے اور خرچ کرنے میں قوانینِ اسلام کی پابندی

کرنی لازم ہے، کیونکہ وہ کلمہ پڑھ کر اللہ کی حکومت کو اپنے قلب و دماغ اور اعضائے جسمانی پر تسلیم کرچکا ہے۔ معزز بزرگو! قوانینِ حکومتِ الٰہیہ میں شعبۂ اقتصادیات کے متعلق چند قوانین ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی مسلمان کو سوال اور بھیک مانگ کر اپنی زندگی نہیں گزارنا چاہیئے۔ دوسرا قانون یہ ہے کہ ہر مسلمان کو بطریقِ حلال اپنی زندگی گزارنے کے لئے بقدرِ ضرورت کچھ نہ کچھ کمانا چاہیئے، تیسرا قانون یہ ہے کہ بطریقِ حلال زائد از ضرورۃ اپنے لئے مال کمانے میں مصروف نہ ہونا چاہیئے ہاں دوسروں کے فائدہ کے لئے ایسا کرسکتا ہے، چوتھا قانون یہ ہے کہ ہر مسلمان کو صرف انہیں طریقوں اور ذریعوں سے کمانا چاہیئے جن کی اجازت حکومتِ الٰہیہ سے حاصل ہے اور دوسرے تمام ممنوع طریقوں سے ہرگز نہ کمانا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو سخت سزا کا مستحق ہوگا، ایسے ہی ناجائز طریقوں سے کمائے ہوئے مال کو مالِ حرام کہتے ہیں۔ ناجائز طریقوں سے مال کمانے کی سخت ممانعت صاف طریقہ پر قرآن و حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ احکم الحاکمین کا حکم نامہ یا فرمانِ مقدس ہے کہ "اے[1] ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقہ پر مت کھاؤ مگر یہ کہ (جائز طور پر ہو مثلاً) کوئی تجارۃ باہم رضامندی سے ہو (تو مضائقہ نہیں) اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں"۔ (ع - پ۵) اور ہمارے ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے اپنی اَن تھک کوششوں سے احکامِ حکومتِ الٰہیہ کو ہم تک پہنچایا اور بھٹکے ہوئے انسان کو زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ سکھایا۔ ارشاد فرمایا ہے کہ "تاجر لوگ قیامت کے روز فجار یعنی نافرمان ہونے کی حالت میں اُٹھائے جائیں گے۔ مگر وہ شخص (اس حالت میں نہ اٹھایا جائے گا) جس نے خرید و فروخت میں

---

[1] یا ایہا الذین آمنوا لا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل الآیہ ۱۲

تقویٰ اختیار کیا اور سچی قسم کھائی اور سچ بولا"۔ (ترمذی) نیز کسبِ حرام کا ایک طریقہ سُود ہے جس کے متعلق آپؐ نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر اور کھلانے والے پر اور (سودی کاغذ) لکھنے والے پر اور (سودی معاملہ) کے دونوں گواہوں پر"۔ (مسلم) سُنا آپ نے؟ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک میں سودی تجارۃ کس قدر بُری چیز ہے، لیکن ہائے افسوس کہ بدقسمتی سے آج مسلمانوں کی تجارۃ کے اکثر حصّہ میں سُود کا لین دین ہے۔ کسبِ حرام کا ایک طریقہ عیب کو چھپا کر بیچنا ہے۔ اس کے لئے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "جس نے کوئی عیب دار چیز فروخت کی اور خریدار کو عیب نہیں بتایا وہ ہمیشہ خدا کے غضب اور غصّہ میں رہتا ہے"۔ (ابنِ ماجہ) نیز کسبِ حرام کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایسی چیزوں کی تجارت کرے جن کا فروخت کرنا شریعت میں حرام ہے، مثلاً شراب کی تجارت وغیرہ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب اور مُردار (یعنی وہ جانور جو مُردہ ہو چکا ہے) اور خنزیر اور بتوں کی تجارۃ کو حرام کر دیا ہے"۔ (شیخین) وائے افسوس کہ وہ مسلمان جو شرک و کُفر مٹانے، شراب، مُردار، خنزیر جیسی ناپاک چیزوں سے دنیا کو پاک کرنے کے لئے آیا تھا، آج وہی ان حرام چیزوں کے بیوپار میں مشغول ہے۔ اے مُسلمان خُدا سے ڈر اور یاد رکھ شراب وغیرہ کی طرح افیون، گانجا، چرس، تمباکو وغیرہ اور تصویروں کی تجارت بھی ناجائز ہے اور یہ بھی کسبِ حرام ہے۔ نیز کسبِ حرام کا ایک طریقہ رشوت ہے، جس کے متعلق حدیث میں ہے کہ رشوت دینے والے پر، رشوت لینے والے پر اور رشوت دلانے والے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ ہائے افسوس کہ آج مُسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بد دُعا یعنی لعنت سے بھی نہیں ڈرتے۔ اللہ اللہ کیا زمانہ آگیا ہے کہ مسلمان بھی اس سخت گناہ میں بکثرت مبتلا ہیں۔ کسبِ حرام کا ایک طریقہ کھوٹ ملا کر دھوکہ دے کر فروخت کرنا بھی ہے

اس سے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص دھوکہ دے، وہ مجھ سے تعلق رکھنے والا نہیں ہے"۔ (مسلم) کسبِ حرام کی ایک صورۃ یہ ہے کہ کسی کا مال یا زمین وغیرہ ظلماً دبا لی جائے۔ اس کے متعلق آپ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے ایک بالشت بھر زمین بھی ظلماً لے لی ہو بے شک قیامت کے دن وہ اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ (ساتوں زمین کے (طبقات) سے) (ابنِ ماجہ) کسبِ حرام کی ایک صورت جوا ہے۔ یہ بھی حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب اور جوئے سے منع فرمایا ہے"۔ (ابوداؤد) اور خود قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جوا ناپاک (فعل) اور شیطان کے کاموں میں سے ہے"۔ آج کل چٹھیاں نکال کر جو روپیہ لیا جاتا ہے وہ سود ہے اور حرام ہے۔ نیز زندگی کا بیمہ کرانا بھی جوا اور حرام ہے۔ نیز کسبِ حرام کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کسی کی جائداد اپنے پاس رہن رکھ کر روپیہ دے دیں اور اس جائداد کا کرایہ وغیرہ خود حاصل کریں۔ یہ صورت سود میں داخل اور حرام ہے۔ ہندوؤں کی طرح مسلمانوں نے بھی نفع کمانے کا یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ خوب کان کھول کر سن لیجئے یہ حرام اور قطعاً ناجائز ہے۔ خدائی حکومت نے قطعاً اس کی ممانعت کر دی ہے۔ کسبِ حرام کے اور بہت سے طریقے ہیں، جن کو معلوم کر کے ان سے بچنا ضروری ہے۔ ہندو کفار خدا کے باغی ہیں، لیکن آپ نے خدا کی فرمانبرداری کا عہد کیا ہے۔ کلمہ پڑھ کر اس کے قوانین ماننے کا اقرار کیا ہے۔ آپ ہرگز ناجائز اور حرام طریقوں سے مال نہیں کما سکتے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو یاد رکھئے خدا کے قہر اور غضب کے مستحق ہونگے اور اس بھروسہ پر بھی نہ رہئے کہ حرام طریقوں سے خوب روپیہ کما کر گیارھویں، بارھویں اور محفلِ میلاد کا کھانا کھلا کر غرباء کو کچھ دے دلا کر یا حج وغیرہ کر کے

علہ انما الخمر والمیسر الآیہ ۱۲

اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بچ جائیں گے۔ یاد رکھیئے ان باتوں سے ہرگز بچاؤ حاصل نہ ہوگا۔ خوب سن لیجیئے کہ مالِ حرام کھا کر جو عبادت کی جائے گی، وہ قبول نہ ہوگی، جو حج کیا جائے گا وہ مقبول نہوگا اور جو خیرات وغیرہ کی جائیگی اس کا کوئی ثواب نہ ملے گا۔ احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ حتیٰ کہ مالِ حرام کو خیرات کرنے پر اگر کوئی مسلمان ثواب حاصل ہونے کا اعتقاد رکھے گا تو کافر ہو جائے گا۔ کتبِ عقائد و فقہ میں اس کی تصریح ہے بلکہ شریعت کا حکم مالِ حرام کے متعلق یہ ہے کہ حرام طریقہ پر جس سے وہ مال کمایا ہے اس کو واپس کرو۔ اگر اس کا پتہ نہ چل سکے اور کوئی صورت واپسی کی نہ ہو سکے تو اس مال کو اپنے لئے وبالِ جان سمجھتے ہوئے اس نیت سے کہ اس کا ثواب اصلی مالک کو پہنچے غرباء میں تقسیم کردو۔ یہ خیال رکھتے ہوئے کہ میں اس کے وبال اور عذاب سے بچ جاؤں۔ خدا کے عذاب سے بچنے کی نیت پر البتہ ثواب ملے گا۔ مالِ حرام سے کھا پی کر جو دعا کی جائے گی، وہ بھی قبول نہوگی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ وہ طول طویل سفر میں پریشان صورۃ ہوکر اللہ سے ہاتھ پھیلا کر دعا کرتا ہے اور اے رب اے رب کہتا ہے۔ حالاں کہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے۔ اس کا لباس حرام ہے اور حرام غذا ہی سے پلا ہے (اور فرمایا کہ) بھلا اُس کی دعا کہاں سے قبول ہوسکتی ہے۔" (مسلم) پس ہمیں چاہیئے کہ ہم تھوڑا کمائیں، مگر حلال طریقوں سے اور اسی پر قناعت کریں اور حرام طریقوں کے ذریعہ بہت کمانے سے بچیں اور ہماری تجارتوں میں ناجائز کمائی کے جس قدر راستے ہوں انکو فوراً بند کردیں اور آئندہ کے لئے حرام کمائی سے پختہ توبہ کریں اور توبہ سے پہلے جو حرام کمالیا ہے وہ سب واپس کردیں۔ اگر واپسی نہو سکے تو اس کے وبال سے بچنے کے لئے ایسے تمام مال کو اپنے حلال مال سے جدا کر کے غرباء پر تقسیم کردیں ورنہ یاد

رکھئے کہ یہ مالداری کی عزّت مرنے کے بعد سخت ذلّت اور مصیبت کا باعث بنے گی۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور سب مسلمانوں کو کسبِ حرام سے محفوظ رکھے۔ توبہ کی توفیق دے اور ہماری خطاؤں کو معاف کرے اور رحم فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ ؕ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خُطبۂ جُمعہ اول ماہِ جمادی الاولیٰ دربیانِ آدابِ معاشرۂ اسلامیہ

بسلسلۂ حقوق

اداءِ حقوق کی اہمیت اور ظلم وجور کی ممانعت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْعَادِلِ الْعَزِیْزِ الْقَھَّارِ ○ اَلْمُنْتَقِمِ لِلْمَظْلُوْمِ مِنَ الظَّالِمِ الْجَبَّارِ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ شَھَادَۃً تُنْجِیْنَا مِنْ عَذَابِ النَّارِ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سَیِّدُ الْاَتْقِیَاءِ

وَالْاَبْرَارِ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
الْاَخْیَارِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○
اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فِیْ کُلِّ اٰنٍ ○ وَاعْلَمُوْا
اَنَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ ○ وَجَبَتْ عَلَیْہِ حُقُوْقٌ
مِّنْهَا حُقُوْقُ اللّٰہِ ○ مَنْ اَدَّاهَا فَازَ وَمَنْ عَصٰی
خَابَ ○ وَمَنِ انْتَقَصَ مِنْهَا شَیْئًا فَاِنَّہٗ غَفَّارٌ
لِّمَنْ تَابَ ○ وَمِنْهَا حُقُوْقُ الْعِبَادِ ○ اَدُّوْهَا
قَبْلَ یَوْمِ التَّنَادِ ○ وَاهْتَمُّوْا فِیْ اَدَائِهَا لِاَنَّ
اَکْثَرَ غَوَائِلَ الْاٰخِرَۃِ مِنْهَا ○ وَقَدْ قَالَ[1] رَسُوْلُ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ○ مَنْ کَانَتْ عِنْدَہٗ مَظْلِمَۃٌ لِّاَخِیْہِ
مِنْ عِرْضٍ اَوْ شَیْءٍ مِّنْہُ فَلْیَتَحَلَّلْہُ مِنْہُ الْیَوْمَ

[1] رواہ الترمذی والمسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ من جمع الفوائد ص ۲۹۹/۲۷۰ ۱۲

مِنْ قَبْلِ اَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ ۝ فَاِنْ كَانَ لَهٗ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهٖ ۝ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّاٰتِ صَاحِبِهٖ فَحُمِلَ عَلَيْهِ ۝ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ۝ لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقُ اِلٰى اَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُقَادُ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

ع‍ه رواه المسلم عن ابیهریرة رض من جمع الفوائد ص ۲۹۹/۲۲۰ ۱۲

وعظِ جمعہ اول ماہِ جمادی الاول دربیانِ آدابِ معاشرۂ اسلامیہ

ادائے حقوق کی اہمیت اور جور و ظلم کی ممانعت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملت! تمام سچے مذاہب کی تعلیمات کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ ان کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے انسان چین و امن اور راحت کے ساتھ اپنی زندگی گذار سکے۔ جس مذہب پر عمل کرتے ہوئے چین و امن کی زندگی گذاری جا سکے وہ مذہب جھوٹا غلط اور ناقابلِ قبول ہے اور جس مذہب میں امن و سکون عطا کرنے کی صلاحیت اپنے ماننے والوں کے لئے موجود ہو، مگر اس مذہب کے حاملین کو امن و سکون حاصل نہ ہو تو اب مذہب کی خطا نہیں بلکہ ایسے انسانوں کا دعویٰ مذہبیت ہی غلط ہے۔ اسلام تمام دُنیا کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً امن و سلامتی راحت و سکون کا کفیل ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں مسلمان باوجود مسلمان ہونے کے راحت و اطمینان میں نہیں ہیں بلکہ ایک بے اطمینانی اور پریشان حالی میں زندگی گذار رہے ہیں۔ غور فرمائیے وجہ کیا ہے؟ وجہ یہی ہے کہ گو ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، لیکن دراصل صحیح اسلامیت کا ایک شائبہ بھی ہم میں موجود نہیں ہم نے صرف نماز روزہ کو مسلمانی سمجھ لیا ہے، لیکن یہ غلط ہے۔ مسلمانی نام ہے اللہ و رسولؐ کے تمام احکامات پر عمل کرنے کا۔ نماز روزہ حج و زکوٰۃ سب کا آخری اور انتہائی مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل میں عاجزی، مخلوق کی ہمدردی اور خوفِ خدا پیدا ہو، جن کی وجہ سے وہ سب کے حقوق ادا کرتا رہے اور کسی کو کوئی تکلیف و اذیت نہ پہنچے تاکہ تمام انسانوں کو راحت و چین اور امن و سلامتی کی

زندگی نصیب ہو مگر وائے افسوس کہ غیروں سے ایذا رسانی کی کیا شکایت کی جائے یہاں تو خود امن وسلامتی کا مذہب رکھنے والے مسلمان ہی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ایذا رسانی کے درپے نظر آرہے ہیں۔ جاہلوں اور فاسقوں اور بدمعاشوں کا کیا شکوہ کیا جائے خود پڑھے لکھے سمجھدار، نمازی اور روزہ دار ایک دوسرے کو تکلیف پہنچاتے، نقصان میں ڈالتے اور دوسروں کے حقوق پامال کرتے ہیں۔ مسجد میں آکر نماز پڑھ لیتے ہیں اور دوکانوں گھروں میں جاکر خود اپنے بھائی اور مسلمان کے ذلیل کرنے، نیچا دکھانے کی تدابیر سوچتے ہیں۔ جھوٹ فریب اور ناجائز طریقہ پر مال کمانے کی فکر میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ مسلمانوں! خوب یاد رکھو اور کان کھول کر سُن لو کہ تم ہم ہرگز کامل اور سچے مسلمان نہیں بن سکتے۔ جب تک کہ ہم اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق کو پوری طرح ادا نہ کریں۔ صرف نماز پڑھ لینے سے ہم سچے مسلمان نہیں ہوسکتے جب تک کہ ہم انسانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں، حقوق تلفی اور ظلم سے اپنے ہاتھ پیر اپنے دل و دماغ کو نہ روکیں ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ببانگِ دہل اعلان فرمایا ہے کہ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ (بخاری) یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں" یاد رکھئے مسلمان کے ذمہ دو حق ہیں۔ ایک اللہ کے حقوق جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ان کا حال یہ ہے کہ مسلمان کو ان کا ادا کرنا ضروری ہے، لیکن اگر ان میں مسلمان سے کوتاہی ہوجائے تو توبہ کرنے سے معاف ہوسکتے ہیں دوسرا حق بندوں کا ہے، جیسے پڑوسی کے حقوق، مسلمانوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، بھائیوں کے حقوق، ماں باپ کے حقوق، اولاد کے حقوق، بیوی کے حقوق وغیرہ۔ ان کا حال یہ ہے کہ بندوں کے ان تمام حقوق کا ادا کرنا ہر مسلمان پر

واجب ہے۔ اگر کوتاہی کریگا تو یہ حقوق توبہ سے بھی معاف نہونگے۔ یہاں نہ ادا کریگا تو وہاں حساب وکتاب کے وقت ادا کرنے پڑیں گے اور بغیر ادائیگی کے چھٹکارا نہ ہوسکے گا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی پر اُس کی آبرو یا مال (وغیرہ) کے متعلق ظلم کیا ہو اُس کو چاہئے کہ آج معاف کرالے، اُس دن سے پہلے جب کہ اس کے پاس نہ دینار ہوگا، نہ درہم (یعنی روپیہ پیسہ) اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو ظلم کی مقدار کے موافق اُس سے لی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر ظالم پر لادے جائیں گے (بخاری) اور ظالم یعنی وہ شخص جو بندوں کے متعلقہ حقوق ادا نکرے بلکہ حق تلفی کرے قیامت کے دن مفلس ہوگا، کیونکہ اس کی نیکیاں مظلوم کو مل جائیں گی اور یہ مفلس رہ جائیگا۔ مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جانتے بھی ہو مفلس کس کو کہتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہم میں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس نہ درہم ہو نہ کوئی سامان۔ تو آپ نے فرمایا میری اُمت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز روزہ اور زکوٰۃ (سب ہی قسم کی نیکیاں) لے کر آئے اور ساتھ ہی یہ کہ فلاں کو گالی دی تھی اور اس کو جھوٹی تہمت لگائی تھی اور اس کا مال کھایا تھا اور اس کا خون بہایا تھا اور اس کو مارا تھا۔ پس اُس (شخص) کی کچھ نیکیاں اس کو دے دی جائیں اور کچھ اس کو، پھر اگر اداءِ حقوق سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوجاویں تو اُن (حقوق والوں) کی خطائیں لے کر اس (ظالم) پر ڈال دی جائیں۔ اس کے بعد اس کو دوزخ میں جھونک دیا جائے۔" نیز آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن حقداروں کے حقوق دلوائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بھی بے سینگ والی بکری کا قصاص دلوایا جائے گا۔" (مسلم) مجھ جیسے نماز پڑھ کر بے ایمانی سے کمانے اور حقوق نہ ادا کرنے

والے سمجھتے ہوں گے کہ ہمارے پاس تو بہت سی نیکیاں ہیں۔ چلو نیکیاں دے کر چھٹکارا ہو جائے گا لیکن یہ خیال محض دھوکہ ہے، کیونکہ نیکیاں دے کر ہمارے پاس جنّت پانے کا کیا ذریعہ رہ جائے گا؟ کچھ نہیں تو پھر دوزخ کے مستحق ہو جائیں گے۔ آپ سوچیں گے کہ کیا ساری ہی نیکیاں حقوق کے معاوضہ میں چلی جائیں گی؟ ہم نے بارہا قرآن پڑھا ہے۔ ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملی ہیں تو ہماری نیکیاں لاکھوں کی تعداد میں ہوں گی، لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئیے کہ حقوق اور نیکیوں کا شرح مبادلہ کیا ہے۔ سُنئے نیکیوں اور حقوق کا حساب اس طرح ہوگا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے[1] کہ اگر کسی شخص پر (دوسرے کی) ایک دانگ یعنے پونے چار رتی چیز دُنیا میں رہ گئی ہے تو قیامت کے دن اس کے معاوضہ میں سات سَو مقبول نمازیں صاحبِ حق کو دلوائی جائیں گی" اور نامقبول نمازیں تو ہمارے مُنہ پر ماری جائیں گی۔ مقبول نمازیں وہ ہوتی ہیں جو طہارۃِ کاملہ کے ساتھ تمام آداب وشرائط کا لحاظ رکھ کر خضوع وخشوع کے ساتھ ادا کی جائیں حضورؐ نے فرمایا کہ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (ترمذی) یعنی نماز بغیر حضورئ قلب کے کامل نہیں ہوتی۔ اب آپ غور فرمالیں کہ ایسی کامل اور مقبول نمازیں آپ نے کتنی پڑھی ہیں اور پھر ناجائز مال جو آپ نے کمایا ہے، رتی کے حساب سے اس کو شمار کر لیجئے، مثلاً اگر کسی سے ناجائز طور پر ایک روپیہ کمایا ہے تو اس میں ایک تولہ چاندی ہوتی ہے اور ایک تولہ میں بارہ ماشے ہوتے ہیں اور ایک ماشہ ۸ رتی کا ہوتا ہے، جس کے دو دانگ ہوئے۔ لہٰذا ایک تولہ میں ۲۴ دانگ ہوئے اور ایک دانگ کا معاوضہ سات سَو مقبول نمازیں ہیں، لہٰذا ایک تولہ مال کے عوض ایک ہزار سات سَو چونسٹھ[۱۶۸۰۰] نمازیں دینی ہوں گی۔ اب آپ اور دیکھیں کہ ہم نے کتنا روپیہ دوسروں کر

[1] قال فی الدرجاۃ ... سبعمائۃ صلاۃ بالجماعۃ قال الشامی عن القشیری ... [illegible]

سے غلط طور پر حاصل کیا ہے۔ پھر ہر روپیہ کے عوض میں دو ہزار چار سو نمازوں کے حساب سے دیکھئے کہ اس مالِ حرام کے عوض میں کتنی نمازیں آپ دے سکتے ہیں اور جس قدر نمازیں آپ نے پڑھی ہیں، ان میں سے کتنی نمازوں کو مقبول بنانے کی کوشش کی ہے۔ تب ہمیں نظر آئے گا کہ ہم ان ظلموں کا عوض کس حد تک ادا کر سکتے ہیں نماز سب سے افضل اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ تب چار رتی مال کا عوض سات سو نمازیں ہیں۔ دوسری عبادتیں اس شرح سے نہیں لی جائینگی الغرض مسلمان وہاں کسی طرح بھی لوگوں کے حقوق کا معاوضہ ادا نہ کر سکے گا۔ لہٰذا ہمیں ان کھوئی نمازوں کے بھروسہ پر نہ رہنا چاہئے اور جب نمازیوں کا یہ حال ہے تو بے نمازیوں کا حال معلوم کیا ہوگا۔ وقت ہے کہ اب بھی ہم سنبھل جائیں اور توبہ کرتے ہوئے جن لوگوں کے حقوق ہم نے تلف کر دئے ہیں، ان کو ادا کریں یا معاف کرا لیں، شہید اللہ کا ایسا مقبول بندہ ہوتا ہے کہ اس کے خون کا پہلا قطرہ[۱] زمین پر گرنے سے پہلے ہی اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، مگر قرض[۲] (یعنی حق العباد) اس سے پھر بھی معاف نہیں ہوتا۔ احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے، جس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ بندوں کے حقوق ادا کرنا کتنی اہم چیز ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ "تم میرے لئے چھ چیزیں قبول کرو۔ میں تمہارے لئے جنّت قبول کروں گا (یعنی جنّت کے لئے سفارش کروں گا) جب تم بات کرو تو جھوٹ مت بولو۔ جب وعدہ کرو تو خلاف نہ کرو۔ جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے خیانت نہ کرو (غیر محرم کو دیکھنے سے) اپنی آنکھیں نیچی کرو اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرو۔ اپنے ہاتھ پیر کو حرام سے بچاؤ اور جنّت میں داخل ہو جاؤ (احیاء) نیز آپ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز چند ایسی قومیں حشر میں لائی جائیں گی جن کے اعمال تہامہ پہاڑ کے برابر ہوں گے اور ان کو دوزخ

۱؎ روح البیان ع۲ ترمذی، صاحب معجم الکبیر ۲

میں ڈال دینے کا حکم کیا جائے۔ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہؐ کیا وہ نماز پڑھنے والے تھے۔ فرمایا، ہاں وہ نماز پڑھتے تھے۔ روزے رکھتے تھے اور رات میں (تہجد کے لئے) جاگتے تھے، لیکن جب اُن کے سامنے دُنیا پیش کی جاتی تو اس پر ٹوٹ پڑتے تھے۔" (احیاء) دیکھا آپ نے یہ ہے نتیجہ مالِ حرام اور دوسروں کے حقوق تلف کرنے کا۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر تم اتنی نمازیں پڑھو کہ کُبڑے ہو جاؤ (یعنی عبادت کرتے کرتے کمر جُھک جائے) اور اس قدر روزے رکھو کہ تانت[1] کی طرح ہو جاؤ۔ تب بھی بغیر حرام سے بچے ہُوئے یہ عبادت فائدہ نہ دے گی۔" غور فرمائیے کہ حرام مال اور حقوق کا ادا کرنا ایک مُسلمان کے لئے کس قدر اہم چیز ہے، حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مُبارک میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ایک قبر پر سے گذرے تو آپ نے صاحبِ قبر کو آواز دی۔ مُردہ زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تُو کون ہے۔ اس نے کہا میں حمال ہُوں۔ فرمایا اب یہاں تُو کس حال میں ہے۔ اُس نے عرض کیا۔ اس مُصیبت میں مبتلا ہُوں کہ ایک دن ایک شخص کی لکڑیاں لاد کرلے جا رہا تھا۔ راستے میں ان میں سے ایک تنکا توڑ کر خلال کر کے ڈال دیا تھا (بغیر اجازۃ مالک کے) مرنے کے بعد سے اب تک اس کے تنکے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اور اسی پر سزا دی جا رہی ہے۔ اللہ اللہ کس قدر خوفناک بات ہے کہ جب ایک تنکے پر بھی مواخذہ ہے تو ہمارا کیا حال ہوگا کہ ہم نے ہزاروں روپیہ ناجائز طور پر لوگوں سے کمایا اور کما رہے ہیں۔ اکثر لوگ شفاعت کے بھروسہ پر حرام و حلال اور ادائیگی حقوق سے غافل ہیں۔ اُن کو یہ حدیث کان کھول کر سُن لینی چاہئے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ وہ قیامت

[1] پٹھے سے بنا ہُوا دھاگہ جو کمان میں باندھا جاتا ہے ۱۲ [2] ازمواعظ الشریفہ ۱۲

کے دن گردن پر اُونٹ لادے ہوئے آرہا ہو کہ اونٹ شور مچائے اور وہ شخص کہے یارسول اللہؐ مجھے بچائیے اور میں جواب دُوں کہ میرے اختیار میں کچھ نہیں میں تو پہلے ہی اطلاع دے چکا تھا۔ میں تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ قیامت کے دن اپنی گردن پر گھوڑا لاد کر لا رہا ہو اور وہ ہنہنا تا ہو اور مجھ سے کہے یا رسول اللہؐ مجھے بچائیے اور میں کہوں کہ میرے اختیار کی کیا بات ہے، میں تو پہلے ہی سنا چکا تھا۔ میں کسی کو ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ وہ گردن پر بکری لادے لا رہا ہو، جو بول رہی ہو اور وہ کہے یارسول اللہؐ مجھے بچائیے اور میں کہوں کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تجھ کو خدا کا حکم پہنچا چکا تھا۔ میں تم میں سے کسی کو قیامت میں اس حالت میں نہ پاؤں کہ گردن پر غلام لادے آرہا ہو جو چیخ رہا ہو اور کہے یارسول اللہؐ مجھے بچائیے اور میں جواب دوں کہ میرے بس کی کیا بات ہے، میں تو خبر دے چکا تھا۔ میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ قیامت کے دن کپڑے گردن پر لادے لا رہا ہو کہ وہ ہل رہے ہوں اور کہے یارسول اللہؐ مجھے بچائیے اور میں جواب دوں کہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تو تبلیغ کر چکا تھا۔ میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ بروزِ قیامت مالِ منقولہ (سونا چاندی وغیرہ) گردن پر لئے آرہا ہو اور کہے کہ یارسول اللہؐ مجھے بچائیے اور میں کہوں کہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا میں تجھ کو تبلیغِ احکام کر چکا تھا۔ (مسلم) سُن لیا آپ نے اس حدیث کو، یاد رکھئے کہ اس حدیث کا تعلق تمام حقوق العباد سے ہے۔ بندوں کا حق ادا کرنا اس قدر اہم چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم ایسی کمائی سے بچیں جس سے بندوں کے حقوق تلف ہوتے ہیں یا ان پر ظلم ہوتا ہے یا اللہ کی نافرمانی لازم آتی ہو اور ہمیں توبہ کی توفیق دے۔ مالِ حرام واپس کرنے کی ہمت دے۔ صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور ہم پر رحم فرمائے۔ آمین بجاہِ

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

عـہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ دوم ماہِ جمادی الاول دربیانِ آدابِ معاشرۂ اسلامیہ[۲]

بسلسلۂ اداءِ حقوق حقوقِ مُسلم بر مُسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ ۝ وَالْعِزَّةِ وَالْھَیْبَةِ وَالْجَبَرُوْتِ ۝ اَدَّبَ الْخَلَائِقَ دَأْبَ الْمَعَاشَرَةِ ۝ وَنَدَبَھُمْ اِلَی الْمُلَاطَفَةِ وَالْمُكَاثَرَةِ ۝ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ الْمَلِكُ الْمَعْبُوْدُ ۝ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ الْحَامِدُ الْمَحْمُوْدُ ۝ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ۝ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ

صلی اللہ علیہ وسلم: + اٰدابُ الْمُعَاشَرَةِ بَيْنَ الْعِبَادِ ○
مِنْهَا حُقُوْقُ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ + فَتَزَوَّدُوْا
بِاَدَائِهَا لِيَوْمِ التَّنَادِ ○ فَمِنْهَا اَنْ لَّا نُوْذِیْ مُسْلِمًا
بِفِعْلٍ اَوْقَوْلٍ ○ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ +
اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ ○
وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ
اَنْ يُّشِيْرَ اِلٰى اَخِيْهِ بِنَظْرَةٍ تُوْذِيْهِ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ
الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ
فَوْقَ ثَلٰثٍ ○ ذَكَرْنَا نُبْذَةً مِّنْهَا وَتَرَكْنَا الْكَثِيْرَ
مَخَافَةَ التَّطْوِيْلِ ○ وَمَنْ جَاهَدَ فِیْ اَدَائِهَا

عہ وھی التسلیم وتشمیت العاطس وعیادۃ المریض وشھود الجنازۃ و
الابراء فی القسم والنصح للمسلم وحفظ الغائب وان تحب لہ ما تحب
لنفسک وتکرہ عہ للبخاری عہ الاحیاء عہ للسنۃ

يَهْدِىْ اِلَيْهَا الْجَلِيْلُ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ دُوم ماہِ جمادی الاول دربیانِ آدابِ مُعاشرہ ۲

حقوقِ مُسلم بر مُسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اے ایمان والو۔ اللہ سے پوری پوری طرح ڈرو اور (کوشش کرو کہ) مُسلمان ہو کر مرو"۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پورا خوف کھا کر اس کے تمام احکام پر عمل کرو، یہ نہ کرو کہ بعض احکام پر عمل کرو اور بعض پر نہ کرو۔ بزرگو۔ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام میں سے ایک حُکم یہ بھی ہے کہ ہر ایک مسلمان دوسروں کے حقوق ادا کرے۔ خُدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمارے لئے ایسے کامل و مکمل رسول صلّی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جنھوں نے ہمیں تمام احکام بالتفصیل بتائے جنھوں نے انسان کو انسان بننے کی مکمل تعلیم دی، جنھوں نے آدمی کو آدابِ معاشرۃ اور باہم مل جل کر زندگی بسر کرنے کے طریقے سکھائے۔ منجملہ آدابِ معاشرۃ کے ایک یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کو ادا کیا جائے۔ ان حقوق کی ایک قسم وہ حقوق ہیں جو ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر عائد ہوتے

ہیں۔ آج انھیں کو بیان کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ اللہ و رسولؐ کی محبّت اور عظمت کو پیشِ نظر رکھ کر ان حقوق کی تفصیل کو غور اور دلچسپی کے ساتھ سنیں گے اور عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر مُسلمان پر دوسرے مسلمان کا پہلا حق یہ ہے کہ جب اُس سے ملے تو سلام کرے۔ اسلام میں سلام کی حیثیت مساویانہ اور مشفقانہ برتاؤ کی ہے۔ تعظیمانہ برتاؤ کی نہیں ہے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سلام کرنا کسی کی تعظیم میں شمار ہے۔ اسی لئے بڑے لوگ چھوٹوں کو سلام نہیں کرتے اور مالدار غریبوں کو سلام نہیں کرتے حاکم اور عہدہ دار رعیت کے افراد کو اور اُستاد شاگرد کو سلام نہیں کرتے۔ یوں سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے سلام کیا تو ہم چھوٹے اور وہ ہم سے بڑا ہو گیا، حالانکہ یہ خیال غلط ہے۔ سلام کرنے سے کوئی بڑا چھوٹا نہیں ہوتا بلکہ اور زیادہ بڑا بن جاتا ہے، کیونکہ سلام ایک دُعا ہے اور عمومًا بڑے ہی چھوٹوں کو دعا دیا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم ہر صحابی کو بلکہ لڑکوں اور بیویوں تک کو سلام کیا کرتے تھے۔ پس ہر مُسلمان کو چاہیئے کہ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا جب دوسرے مُسلمان سے ملے تو سلام کیا کرے۔ البتہ چھوٹوں کو سبقت کرنی چاہیئے

دوسرا حق یہ ہے کہ جب مُسلمان چھینک لے تو سننے والا یرحمک اللہ کہے۔ تیسرا حق یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اپنی زبان یا ہاتھ یا قلم وغیرہ سے تکلیف نہ دے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ دوزخیوں پر مرضِ خارش مسلّط کر دیا جائے گا، جس کی وجہ سے وہ اپنا بدن کھجائیں گے، یہاں تک کہ ہڈی نکل آئے گی۔ تب آواز دی جائیگی، اے فلاں کیا تجھے خارش تکلیف دے رہی ہے۔ وہ کہے گا جی ہاں۔ تب اُس سے کہا جائے گا، یہ اس لئے مُسلّط کی گئی ہے کہ تو مسلمان کو تکلیف دیتا تھا۔"

(احیاء) حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ کسی مُسلمان کو حلال نہیں کہ وہ دوسرے

مسلمان کی طرف ایسی نظر سے (بھی) دیکھے، جس سے اسے تکلیف پہنچے (احیاء)
چوتھا حق یہ ہے کہ ہر مسلمان سے تواضع اور انکساری کے ساتھ ملے اور کسی پر
اپنی بڑائی نہ جتائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی متکبر فخر کرنے والے کو دوست نہیں
رکھتا (قرآن)، اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی ہے کہ عاجزی
اختیار کرو اور کوئی کسی پر فخر نہ کرے، لیکن اگر کوئی شخص (غلطی سے) دوسرے
پر فخر کرنے لگے تو دوسرے کو چاہیئے کہ وہ اسے برداشت کرے۔" (احیاء) اور
بڑائی وتکبر کا جواب تکبر سے نہ دے۔ پانچواں حق یہ ہے کہ لوگوں کی چغلیاں جو
ایک دوسرے کی کریں نہ سنے اور گفتگو سے منع کردے اور خود بھی کسی سے غیبت
سن کر جس کے متعلق ہو اس کو نہ پہنچائے کیونکہ اس سے آپس میں لڑائی ہوجاتی ہے
اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "جنت میں چغلخور داخل نہ ہوں گے۔" (احیاء) چھٹا حق یہ
ہے کہ جس سے جان پہچان ہوچکی ہو، اگر اس پر غصہ ہوجائے تو تین روز سے زیادہ
سلام وکلام ترک نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کیلئے حلال
نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے سلام وکلام تین روز سے زیادہ چھوڑے اور ان دونوں میں
سے وہ مسلمان بہتر ہے جو خود سلام شروع کرے (احیاء) ساتواں حق یہ ہے کہ جہاں
تک ہوسکے دوسرے مسلمان کے ساتھ احسان کرے اور اس میں اہل و نااہل کو نہ دیکھے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احسان کرتے رہو ہر اہل اور غیر اہل کے ساتھ
اور فرمایا کہ ایمان کے بعد اصل عقلمندی یہ ہے کہ لوگوں سے محبت رکھے اور ہر اچھے
برے کے ساتھ احسان کرتا رہے۔" (احیاء) آٹھواں حق یہ ہے کہ کسی کے گھر
میں تین دفعہ اجازت لئے بغیر داخل نہ ہو۔ اگر اجازت نہ دی جائے تو لوٹ آئے
اور اس پر برا نہ مانے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ گھروں میں بغیر اجازت لئے داخل نہ ہو۔
(قرآن) نواں حق یہ ہے کہ ہر ایک کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے اور ان کی سمجھ کے

مُطابق اُن سے معاملہ کرے۔ دسواں حق یہ ہے کہ بڑے بوڑھوں کی عزّت واحترام کرے اور بچّوں پر رحم وشفقت کرے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بڑوں کی عزّت نہ کرے، چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے (احیاء) یعنی ہم سے اُس کا کوئی تعلق نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ "بڑوں کی عزّت کرنے سے عُمر زیادہ ہوتی ہے۔" (احیاء) گیارھواں حق یہ ہے کہ سب سے خندہ پیشانی اور نرمی کے ساتھ پیش آئے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کیا تُم جانتے ہو دوزخ کی آگ کس پر حرام کی گئی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا اُس پر جو نرم کلام ہو جس سے ملاقات آسان ہو، نرم اخلاق والا ہو۔" (احیاء) بارہواں حق یہ ہے کہ جو شخص اپنی ہیئت وصورت ولباس سے بڑے مرتبے کا معلوم ہوتا ہو اس کی زیادہ توقیر کرے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بہت اصحاب ایک گھر میں آئے۔ گھر بالکل بھر گیا۔ پھر جریر بن عبداللہ بجلیؓ آئے اور دہلیز پر بیٹھ گئے۔ آپؐ نے اپنی چادرِ مبارک لپیٹ کر ان کی طرف پھینکی اور فرمایا اس پر بیٹھ جاؤ۔ جریر بن عبداللہ بجلیؓ نے چادر مبارک کو چہرہ سے لگایا۔ بوسہ دیا اور رونے لگے اور لپیٹ کر واپس کردی، اور عرض کیا۔ میں اس لائق نہیں ہوں جو حضورؐ کی چادر پر بیٹھوں۔ اللہ آپ کو مزید عزّت دے۔ جیسا کہ آپ نے مجھے عزّت دی۔ حضورؐ نے دائیں بائیں جانب صحابہؓ کو دیکھ کر فرمایا کہ جب تمہارے پاس کسی قوم کا بڑا شخص آئے تو اس کی عزّت کرو۔" (احیاء) اس سے یہ بھی معلوم ہوا اپنے بڑے مثلاً اُستاد یا پیر وغیرہ کے کپڑے یا بستر پر بیٹھنے کی جگہ پر شاگرد و مُرید وغیرہ کو بیٹھنا مناسب نہیں خلافِ ادب ہے۔ تیرھویں حق یہ ہے کہ جب کبھی دو مسلمانوں میں جھگڑا ہوتا دیکھے حتی الامکان صُلح کرانے کی کوشش کرے۔ یوں نہ سمجھے ہمیں کیا مطلب جو ہم صُلح کرانے میں کوشش کریں۔ اکثر لوگ ایسا خیال کر کے خاموش

ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ اگر آپ میں صلح کرانے کی طاقت ہے تو اب خاموش رہنا گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کیا میں تم کو ایسی چیز کی خبر نہ دوں جو نماز روزہ اور صدقات سے بھی افضل ہے۔ عرض کیا گیا ضرور فرمائیے۔ ارشاد فرمایا کہ وہ چیز صلح کرانا ہے (احیاء) اور فرمایا کہ ہر جھوٹ لکھا جائیگا، مگر یہ کہ جہاد میں یا دو کے درمیان صلح کرانے میں یا بیوی کو خوش کرنے میں بولا جائے (احیاء) صلح کرانا اتنی اہم چیز ہے کہ جھوٹ بھی اس کے لئے جائز ہے۔ چودھواں حق یہ ہے کہ مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں کو پوشیدہ ہی رکھے اور کسی کے عیب ظاہر کرتا نہ پھرے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جو کسی مسلمان کے عیب کو چھپائے گا، قیامت کے روز اللہ اس کے عیبوں کو چھپائے گا (احیاء) یاد رکھئے کہ عیب جوئی کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ پندرھواں حق یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی سے سفارش چاہے تو اگر اس کی سفارش مفید ہو سکتی ہے تو ضرور اس کی سفارش کرے اور حتی الامکان اس کی حاجت پوری کرنے میں کوشش کرے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور مجھ سے سوال کیا جاتا ہے اور حاجت طلب کی جاتی ہے اور تم میرے پاس ہو۔ پس اہلِ حاجات کی میرے پاس سفارش کرو۔ تم کو اجر دیا جائے گا۔" (احیاء) سولہواں حق یہ ہے کہ جب مسلمان سے ملے تو بات کرنے سے پہلے سلام کرے اور مصافحہ کرے لیکن سلام کے لئے جھکنا منع ہے (احیاء) سترھواں حق یہ ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی آبرو، مال اور جان کی حفاظت و حمایت کرے اور اس کے لئے لڑے جب کہ اس پر ظلم کیا جا رہا ہو۔ حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو اپنے بھائی کی آبرو کے لئے لڑے یہ عمل اس کے لئے دوزخ سے آڑ ہو جائے گا۔" (احیاء) اٹھارہواں حق یہ ہے کہ حتی الامکان مساکین اور فقراء سے تعلق رکھے اور مالداروں سے بچے اور یتیموں کے ساتھ احسان کرے۔ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مُردوں

کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے بچو، دریافت کیا گیا، مُردے کون ہیں۔ فرمایا: مالدار لوگ" (احیاء) اور آپ کی عادۃ شریفہ تھی کہ آپ مساکین فقراء کے ساتھ بیٹھنا پسند فرماتے تھے اور دُعا فرماتے تھے کہ اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکین ہونے کی حالت میں وفات دے اور مسکینوں کی جماعت میں اُٹھا۔ اُنیسواں حق یہ ہے کہ ہر مُسلمان سے بحیثیت مُسلمان ہونے کے محبت رکھے اور جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اس کے لئے پسند کرے اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتا ہے وہ تمام مُسلمانوں کے لئے ناپسند کرے۔ بیسواں حق یہ ہے کہ جب کوئی مہمان آوے تو تین دن تک اس کی مہمان نوازی کرنا ضروری ہے۔ خواہ پہلے سے اس کی جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ مسلمان ہونا ہی سب سے بڑی دوستی ہے۔ اکیسواں حق یہ ہے جب کوئی مُسلمان بیمار ہو تو اُس کی بیمار پُرسی کرے۔ بیمار پُرسی کا طریقہ یہ ہے کہ کم بیٹھے زیادہ سوالات مریض سے نہ کرے اور عافیت کی دُعا کرے۔ بائیسواں حق یہ ہے کہ مُسلمان کے جنازہ میں حاضر ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جنازہ کے پیچھے چلے اسے ایک قیراط کا ثواب ہے اور جو دفن کرنے تک ٹھہرا رہے اسے دو قیراط کا ثواب ہے اور حدیث میں ہے کہ (آخرۃ کا) قیراط اُحد پہاڑ کی برابر ہوتا ہے (احیاء) تیئسواں حق یہ ہے کہ مُسلمانوں کی قبور کی زیارت کرے تاکہ اس کے ایصالِ ثواب کرنے سے اموات کو فائدہ پہنچے۔ زیارۃِ قبور سے مقصود دراصل دُعا کرنا اور عبرۃ حاصل کرنا اور دل کو نرم کرنا ہے۔ آدابِ زیارۃِ قبور میں سے ہے کہ اپنی موت یاد کرے، ہنسی مذاق نہ کرے، زیادہ باتیں نہ کرے اپنے لئے اور صاحبِ قبور کے لئے مغفرت کی دعا مانگے۔ حاضرین، یہ ہیں وہ حقوق و آداب جو عامۂ مُسلمین کے لئے ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ باتیں معمولی معلوم ہوتی ہیں، لیکن حقیقت میں اپنے فوائد کے لحاظ سے بہت اہم باتیں

ہیں۔ ان پر عمل کر کے دیکھیے کہ خود آپ کو ان سے کس قدر فائدے حاصل ہوں گے اور پوری قوم مسلم کو کیا فوائد حاصل ہوں گے۔ ان حقوق کو ادا کرتے رہنے سے مسلمانوں میں باہم صحیح اور سچی محبت و ہمدردی پیدا ہو جائے گی، جس سے اتفاق و اتحاد پیدا ہوگا اور پھر قوم متفقہ طور پر بام ترقی پر پہنچے گی۔ اتفاق پر لیکچر اور وعظ کہنے سے اتفاق پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کی صحیح ترکیب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقوق ہر مسلمان پر مقرر فرما دئے ہیں ان کو عملی طور پر ادا کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ اتفاق و اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنے متعلق حقوق سمجھنے اور ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

ع اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ سوم ماہِ جمادی الاول دربیانِ آدابِ معاشرۂ اسلامیہ

بسلسلۂ اداءِ حقوق ۔ حقوقِ جوار و اقارب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ بِطَبْعِہٖ مَدَنِیًّا ○ وَبَعَثَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا عَرَبِیًّا عَدَنِیًّا ○ وَھَدٰنَا بِہٖ صِرَاطًا سَوِیًّا ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ

اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَلَانِدِيًّا ○ وَ

اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

الَّذِىْ اَتَانَا بَشَرًا سَوِيًّا ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

عَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مُنْعِمًا جَلِيًّا ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا

مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اٰدَابَ الْمُعَاشَرَةِ ○ نُوْرِدُ بَعْضَهَا عَلٰى

سَبِيْلِ الْمُذَاكَرَةِ ○ فَمِنْهَا اَدَاءُ حُقُوْقِ

الْجِوَارِ وَالْقُرْبٰى ○ اَدُّوْهَا فِىْ عِنَايَتِكُمُ الْاُوْلٰى

وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا زَالَ

جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِىْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ ○

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ

ع۱ بخاری ۱۲ ع۲ للبخاری ۱۲

وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ + قِيْلَ مَنْ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ + قَالَ الَّذِىْ لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ
بِوَائِقَهٗ ۝ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ سَرَّهٗ
اَنْ يُّمَدَّ لَهٗ فِىْ عُمُرِهٖ وَيُوَسَّعَ لَهٗ فِىْ رِزْقِهٖ فَلْيَتَّقِ
اللّٰهَ وَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ ۝ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ
اِنَّ اَعْجَلَ الطَّاعَةِ ثَوَابًا صِلَةُ الرَّحْمِ حَتّٰى اَنَّ
اَهْلَ الْبَيْتِ كَانُوْا فُجَّارًا فَتَنْمُوْا اَمْوَالُهُمْ وَ
تَكْثِرُ عَدَدُهُمْ اِذَا وَصَلُوْا اَرْحَامَهُمْ ۝ اَعُوْذُ
بِاللّٰهِ الخ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ
وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ
اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ

عہ الاحیاء ۱۲ عہ الاحیاء ۱۲

وعظِ جمعہ سوم ماہِ جمادی الاول دربیانِ آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ

حقوقِ جوار و اقارب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملت! انسان مدنی الطبع بنایا گیا ہے، اس لئے وہ محتاج ہے کہ دوسروں کے ساتھ مل جل کر زندگی گذارے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص تن تنہا رہ کر اپنی تمام ضروریات اپنے ہاتھ سے مہیا کرے۔ سیاستِ منزل، سیاستِ مدنی اور سیاستِ ملکی ان سب کی اصل الاصول دراصل انسان کی یہی طبعی فطرۃ ہے لیکن اس کی اجتماعی زندگی میں اگر سوسائٹی کے مناسب قوانین رائج نہوں تو اس کو زندہ رہنا ہی مشکل ہو جائے۔ یوں تو انسان نے اپنی اجتماعی حیات کے لئے بارہا قوانین بنائے مگر وہ کبھی اس میں پوری طرح کامیاب نہو سکا، کیونکہ وہ انسان کی حقیقت سے پوری طرح واقف نہو سکا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جو انسان کا خالق و موجد ہے اور اس کی حقیقت و حیثیت کا پورا علم رکھتا ہے، ازراہِ لطف و کرم اسکی اجتماعی حیات کے لئے مکمل و مفصل قوانین بنائے اور انسانوں میں سے کامل ترین انسان کی زبانِ مبارک سے ان کو ظاہر فرمایا۔ یہی وہ قوانین و آئین ہیں، جن کے مجموعہ کو شریعتِ اسلامیہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس مجموعہ میں انسان کو مل جل کر زندگی بسر کرنے کا لاجواب طریقہ بتایا گیا ہے جس کو آدابِ معاشرۃ کہتے ہیں۔ ان آداب میں سے ایک یہ ہے کہ ہر شخص دوسرے کے حقوق ادا کرے۔ ان باہمی حقوق میں سے کچھ حقوق وہ ہیں جو ایک مسلمان کے لئے دوسرے پر عائد ہوتے ہیں۔ ایسے حقوق گذشتہ جمعہ کو بیان کئے گئے تھے اور کچھ ایسے حقوق ہیں جو ہر پڑوسی کے لئے

دوسرے پڑوسی یا قریب رہنے والے پر عائد ہوتے ہیں اور کچھ ایسے حقوق ہیں جو ہر رشتہ دار کے لئے دوسرے رشتہ دار پر عائد ہوتے ہیں۔ آج کی مختصر سی صحبت میں انہی دونوں قسم کے حقوق کو آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ گذارش ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جس کے لئے ایک حق ہے، دوسرا وہ جس کے لئے دوہرے حق ہیں۔ تیسرا وہ جس کے لئے تین گنا حقوق ہیں۔ پس وہ شخص جس کے تین گنا حقوق ہیں، وہ ہے جو کسی کا پڑوسی ہو، مسلمان ہو، اور رشتہ دار بھی ہو۔ دوہرے حق والا وہ ہے جو صرف مسلمان اور پڑوسی ہو، ایک حق والا وہ ہے جو صرف پڑوسی ہو مسلمان نہ ہو۔ (احیاء ج ۲) اس سے معلوم ہوا کہ کافر و مشرک پڑوسی کا بھی حق ہے۔ اب سنئے کہ حقوقِ جوار یہ ہیں کہ پڑوسی جب بیمار ہو تو بیمار پرسی کرے اور جب کوئی مصیبت اس کو پہنچے تو تعزیت کرے اور خوشی کے موقعہ پر اس کو مبارک باد دے اور اس کی خوشی میں اپنی شرکت بھی ظاہر کرے اور اگر اس سے غلطیاں ہو جائیں تو اس سے درگذر کرکے انتقام کے درپے نہ ہو اور چھت وغیرہ کے اوپر سے اس کے گھر کی پوشیدہ چیزوں کو اور اس کی عورتوں کو نہ دیکھے اور اپنے گھر کا شہتیر اس کی دیوار پر رکھ کر اس کو تنگ نہ کرے اور اس کے دروازے کے سامنے دیوار بنا کر اس کی ہوا نہ روکے اور نہ اس کے پرنالہ کو نقصان پہنچائے اور جو کچھ اپنے گھر میں لاتا ہے اس کو معلوم کرنے کی کوشش نہ کرے، اور اس کے ساتھ سوائے ضرورۃ کے زیادہ بات چیت اور پوچھ گچھ نہ بڑھائے اور اس کے پوشیدہ راز اگر خود بخود معلوم ہو جائیں تو ظاہر نہ کرے اور جب اس پر کوئی آفت اچانک آجائے تو فوراً اس کو دفع کرنے کی کوشش کرے اور جب وہ مکان پر موجود نہ ہو تو اس کے گھر کی دیکھ بھال کرتا رہے اور جو شخص اس کے خلاف کوئی بات کہے تو اس کی بات نہ سنے اور اس کی عورتوں کی طرف سے اپنی نظر

نیچی رکھے اور اس کے بچوں پر مہربانی کرے۔ ہر مسلمان کو جان لینا چاہیئے کہ پڑوسی کا حق صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اس کو تکلیف نہ دے بلکہ اس کا حق یہ بھی ہے کہ اگر اُس سے تکلیف پہنچے تو آدمی اس کو برداشت کرے اور بدلہ لینے کے لئے تیار نہو۔ عموماً ایک محلّہ کے دو شخصوں میں اکثر اسی لئے لڑائی ہوتی ہے کہ اتفاقاً ایک سے کوئی غلطی ہو گئی تو دوسرا اس قدر تنگدل ہو جاتا ہے کہ بدلہ لینے پر تیار ہو جاتا ہے اور لڑائی بڑھ جاتی ہے، حالانکہ ہر ایک کو دوسرے کی خطا سے درگذر کرتے ہوئے کشادہ دِلی کا ثبوت دینا چاہیئے۔ ایک شخص حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے پڑوسی کی شکایت کی (کہ وہ تکلیف دیتا ہے) آپؐ نے فرمایا صبر کرو۔ (غور کیجئے کہ بدلہ لینے کی اجازت نہیں دی) اُس نے پھر شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا صبر کرو۔ اُس نے پھر شکایت کی۔ فرمایا صبر کرو۔ اُس نے پھر شکایت کی۔ (غالباً اس کا پڑوسی بار بار اور بہت ستاتا ہوگا) غرض چوتھی بار کی شکایت کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ اپنا سامان نکال کر راستہ پر ڈال دو۔ (آپ نے غور فرمایا اس تعلیم کو کہ چار بار شکایت کرنے اور پڑوسی کے اس قدر ستانے پر بھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم بھی بدلہ لو۔) الغرض اُس صحابیؓ نے ایسا ہی کیا۔ اپنا سامان نکال کر سرِ راہ ڈال دیا۔ لوگ آتے سامان دیکھ کر وجہ پوچھتے۔ یہ صحابی کہہ دیتے کہ میرا پڑوسی ستاتا ہے۔ رہنے نہیں دیتا۔ یہ سُن کر لوگ اس پڑوسی کو بُرا بھلا کہتے۔ آخر پڑوسی بھی آگیا۔ اُسے سخت شرمندگی ہوئی اپنے افعال پر، اور کہنے لگا۔ بھائی تو اپنا سامان اپنے گھر میں رکھ۔ خُدا کی قسم اب کبھی تکلیف نہ دُوں گا (احیاء) سُبحان اللہ حُسنِ اخلاق کی کیا عُمدہ تعلیم ہے جو ہمارے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو دی۔ اب میں حقوقِ جوار کے متعلق چند احادیث گوش گذار کرنا چاہتا ہوں، جن سے آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک میں حقوقِ جوار کی کس قدر اہمیت ہے،

آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرو تو تم مسلمان ہو جاؤگے، یعنی کامل مسلمان بن جاؤگے (احیاء)۔ ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑوسی کے متعلق مجھے اس قدر وصیت کرتے رہے کہ جس سے مجھے یہ گمان ہو گیا کہ شاید وہ پڑوسی کو وارث ہی بنا دیں گے۔ (بخاری)
ایک اور حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ قسم ہے خدا کی وہ ایمان نہیں لایا۔ خدا کی قسم وہ ایمان نہیں لایا۔ اللہ کی قسم وہ ایمان نہیں لایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ کون یا رسول اللہؐ فرمایا۔ وہ جس کی ایذا رسانی کی طرف سے اس کا پڑوسی مطمئن نہ ہو۔ (بخاری) ایک اور حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم نے اپنے پڑوسی کے کُتّے کو (بھی) مارا تو پڑوسی کو تکلیف دی۔ یعنی یہ فعل بھی پڑوسی کو تکلیف دینے میں شمار ہے۔ (احیاء) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ فلاں عورت کے بکثرت نمازیں پڑھنے، صدقہ دینے اور روزہ رکھنے کا چرچا کیا جاتا ہے، لیکن وہ اپنے پڑوسی کو اپنی زبان سے تکلیف پہنچاتی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ اُس نے (پھر) کہا۔ یا رسول اللہؐ فلاں عورت کے روزوں، نمازوں کی کمی اور پنیر کے ٹکڑوں کے صدقوں کا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں دیتی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جنّت میں ہے (احمدؒ) رہی یہ بات کہ پڑوسی کہاں تک شمار کیا جاتا ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مسجد کے دروازے پر سے اعلان کر دیا جائے کہ خبردار ہو جاؤ کہ چالیس گھر (تک) پڑوسی ہیں (احیاء) یعنی اپنے گھر سے چالیس گھروں تک پڑوس شمار کیا جائے۔ پڑوسی کے حقوق اور یہ احادیث سُننے کے بعد اب آپ اپنے طرزِ عمل پر غور فرما کر اندازہ کیجئے کہ جس پڑوسی کے حقوق کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ مبارک میں اس قدر ہے

آپ ہم ان کو کہاں تک ادا کر رہے ہیں۔ نیز یہ بھی خیال کیجئے کہ جب محض پڑوس میں کسی کے آباد ہو جانے سے اس قدر حقوق عائد ہو جاتے ہیں تو جن لوگوں سے نسبی تعلق اور رشتہ داری ہو ان کے کس قدر حق ہوں گے۔ یاد رکھئے کہ اسلام میں قرابت کے حقوق کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ یوں نہ سمجھئے کہ صرف دینوی تعلق اور رشتہ داری کی وجہ سے ہی اعزا کے حقوق ہوتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی حکم ہے کہ قرابت کے حقوق ادا کرو۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے جہاد کی ترغیب کے سلسلہ میں فرمایا کہ "اگر تم جہاد سے کنارہ کش رہو تو (کیا) تم کو احتمال نہیں کہ تم (لوگ) دنیا میں فساد مچادو اور آپس میں قطع قرابت کر دو" (قرآن) مطلب یہ کہ جہاد سے مقصود انصاف کا قائم کرنا ہے اور انصاف میں یہ بھی ہے کہ قرابت کے حقوق ادا کئے جائیں اور تعلقات وابستہ رکھے جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرابت کے حقوق ادا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا جسے اس بات کی خوشی ہو کہ اس کی عمر بڑھ جائے اور رزق میں وسعت ہو اُسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرے اور حقوق قرابت ادا کرے (احیاء) اور فرمایا کہ جلدی بدلہ مل جانے والی عبادتوں میں سب سے زیادہ عبادت حقوق قرابت کا ادا کرنا ہے، حتیٰ کہ ایسے گھرانے والے فاجر بھی ہوں تو ان کا مال بڑھتا ہے اور اولاد کی ترقی ہوتی ہے جبکہ وہ حق قرابت ادا کرتے رہیں (احیاء) اور فرمایا کہ دو گناہ جس کی سزا جلد ملنے کے لائق ہیں۔ ایک بغاوت کرنا ہے۔ دوسرے قطع رحم کرنا یعنی اقرباء سے تعلق منقطع کرنا اور ان کے حقوق نہ ادا کرنا ہے (ترمذی) نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر جمعرات کو بندوں کے اعمال (خیر) پیش کئے جاتے ہیں مگر اقربا سے تعلق قطع کرنے والے شخص کے اعمال (خیر) پیش کئے جاتے۔ (مسند امامؒ) الغرض بہت سی احادیث میں اقرباء کے حقوق کی بہت سخت تاکید آئی ہے۔ پڑوس کے حقوق آپ سن چکے ہیں۔

اس سے اندازہ کر لیجیے کہ رشتہ داروں کے حقوق ان سے بھی زیادہ ہی ہیں۔ ہمیں اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے کچھ دیا ہے تو اس میں سے رشتہ داروں پر بھی احسان کرنا چاہیئے۔ صرف زکوٰۃ و خیرات ہی سے نہیں بلکہ ہدایا اور تحفوں سے بھی۔ نیز اگر اقربا کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو برداشت کرنا چاہیئے اور بدلہ لینے سے درگذر کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم اپنے پڑوسی اور قرابت داروں کے حقوق ادا کریں اور ناراضگی کی حالت میں بھی خدا کے حکم کے سامنے اپنا سر جھکا دیں۔ آمین یا رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

عہ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا أَرْحَامَكُمْ ٥ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمٰى أَبْصَارَهُمْ ٥ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

خُطبۂ جُمعہ چہارم ماہِ جمادی الاول در بیانِ آدابِ معاشرۃ ۴

حقوقِ والدین اور ان میں تعدیل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ٥ وَهَيَّاءَ لِتَرْبِيَتِهِ الْأَسْبَابَ مِنْ نِّعَمٍ

رَغَائِبِ وَحُبِّ الْاَقَارِبِ ○ اَشْهَدُ اَنْ

لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ دَافِعُ

الْمَصَائِبِ وَالنَّوَائِبِ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا

وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِیْ اُوْتِیَ

جَوَامِعُ الْكَلِمِ وَالْمَنَاقِبِ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

فَفَازُوْا بِاَعْلَى الْمَرَاتِبِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ

الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ

الْاِسْلَامِيَّةِ ○ اَدَاءُ حُقُوْقِ الْوَالِدَيْنِ وَهِیَ

وَاجِبَةٌ ○ عَلٰی كُلِّ وَلَدٍ بِنَصِّ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ ○

فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ + رَغِمَ اَنْفُهٗ ثَلٰثًا[ع۱]

ع۱ مسلم ۱۲

قِيْلَ مَنْ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ + قَالَ مَنْ اَدْرَكَ

وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ اَوْ اَحَدَهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ

الْجَنَّةَ ۝ وَعَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ ؓ اَنَّ رَجُلًا قَالَ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلَى الْوَلَدِ

قَالَ هُمَا جَنَّتُكَ وَنَارُكَ ۝ وَقَالَ عَلَيْهِ

الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كُلُّ الذُّنُوْبِ يَغْفِرُ اللّٰهُ مِنْهَا

مَا شَاءَ اِلَّا حُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ فَاِنَّهٗ يُعَجِّلُ

لِصَاحِبِهٖ فِى الْحَيٰوةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ ۝ وَقَالَ عَلَيْهِ

الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ حَقُّ كَبِيْرِ الْاِخْوَةِ عَلٰى صَغِيْرِهِمْ

حَقُّ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ

وَقَضٰى رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَ

---

۱ اى قال ثلث مرات لمختصراه ۲ ابن ماجه ۳ بيهقى ۴ بيهقى

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ بَارَكَ اللّٰهُ

وعظ جمعہ چہارم ماہِ جمادی الاول در آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ ۴

حقوقِ والدین اور اُن میں تعدیل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ میں سے ایک ادب یہ ہے کہ ہر باپ اپنی اولاد کے حقوق ادا کرے اور ہر اولاد اپنے ماں باپ کے حقوق ادا کرے۔ ان حقوق کی باہمی ادائیگی انسانی معاشرۃ کے لئے کس قدر مفید ہے۔ اس کا اندازہ ہر شخص خود ہی کر سکتا ہے۔ آج ماں باپ کے حقوق کی اہمیت اور ان کی مختصر تفصیل عرض ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اور حکم دیا ہے آپ کے رب نے کہ تم سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور اگر وہ دونوں یا اُن میں سے کوئی ایک تمھارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائے تو اُن کو اُف بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور اُن سے خوب ادب سے بات کرو اور اُن کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور اُن کے لئے یوں دُعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا کہ انھوں نے مجھ کو بچپن میں پالا اور پرورش کیا ہے (اور صرف اس

ظاہری توقیر و تعظیم کو کافی نہ سمجھنا بلکہ دل میں بھی ان کا ادب اور فرماں برداری کا ارادہ رکھنا (کیونکہ) تمہارا پروردگار تمہاری دلی باتوں کو خوب جانتا ہے، اگر تم (حقیقت میں دل سے) نیک ہو (اور غلطی سے اداءِ حقوق میں تم سے کمی ہو جائے اور اس پر نادم ہو کر توبہ کر لو) تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی خطا معاف کر دیتا ہے۔" (سبحان الذی[۱]) آپ نے سُنا کہ قرآنِ شریف جس پر آپ کے ہمارے اسلام کا دار و مدار ہے، اس میں اللہ نے ماں باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم کس قدر صاف طریقہ پر اور کس قدر تفصیل کے ساتھ دیا ہے۔ اب کسی لڑکے کو جو مسلمان اور نیک ہو، ایک ذرہ برابر بھی ماں باپ کی نافرمانی کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی، خوب سمجھ لو کہ ماں باپ کی اطاعت کرنا واجب ہے اور نافرمانی کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اب احادیث سُنئے۔ حضورِ اکرم[۱] صلعم نے تین بار ارشاد فرمایا۔ خاک آلود ہو اس کی ناک (مطلب یہ کہ وہ شخص بہت ہی بدنصیب ہے) صحابہ نے عرض کیا۔ کون شخص یارسول اللہ[ؐ]۔ فرمایا کہ وہ جس نے بڑھاپے کی عمر میں اپنی ماں یا باپ یا دونوں کو پایا اور پھر بھی ان کی اطاعت کر کے جنت میں داخل نہیں ہوا۔ ایک اور حدیث[۲] میں ہے کہ اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ[ؐ] ماں باپ کا کیا حق ہے لڑکے پر۔ ارشاد فرمایا کہ "وہ دونوں (ہی) تیری جنت اور دوزخ ہیں" مطلب یہ کہ ماں باپ کے اتنے حقوق ہیں کہ ان کو شمار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ مجملاً یہ سمجھ لو کہ ان کے ہر جائز حکم کی تعمیل کرتے رہو تو جنت حاصل ہو گی اور ہر جائز حکم کی نافرمانی کرنے سے دوزخ۔ ایک اور صحیح حدیث[۳] میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ[ؐ] میرے حُسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تیری والدہ۔ اس نے عرض کیا۔ پھر کون؟ فرمایا تیری والدہ۔ اُس نے عرض کیا۔ پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیرا

---

[۱] مسلم [۲] ابن ماجہ [۳] رواہ الشیخین

والد۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے تمہارے اُوپر ماؤں کی نافرمانی حرام کردی ہے"۔ چونکہ لڑکے عموماً بہ نسبت والد کے والدہ کے ساتھ نافرمانی، ضد، ہٹ کا برتاؤ زیادہ کرتے رہتے ہیں، اس لئے ان احادیث میں والدہ کے حقوق کی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ بعض لڑکے اپنے والدین کی تھوڑی بہت خدمت کرکے سمجھتے ہیں کہ ہم نے حق ادا کردیا، حالانکہ یہ خیال سراسر غلط ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ ایک آدمی حضور صلعم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ (صلعم) میری والدہ میرے پاس بوڑھی ہوگئی ہے۔ میں اُسے اپنے ہاتھ سے کھلاتا ہوں اپنے ہاتھ سے پلاتا ہُوں، وضو کراتا ہوں اور اپنے کندھے پر سوار کرکے جہاں اُسے جانا ہو لے جاتا ہُوں تو کیا اس قدر خدمت کرنے کے بعد میں نے اس کے احسانات کا بدلہ پُورا ادا کردیا؟ آپؐ نے فرمایا۔ نہیں اور (ابھی تو) سَو میں سے ایک حصہ بھی ادا نہیں ہُوا، لیکن تُو نے بہت اچھا کیا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو اس قدر کم خدمت پر بھی بہت ثواب عطا کرے گا (تنبیہ الغافلین) یہ بھی یاد رکھئے کہ ماں باپ کی اطاعت کا بدلہ انشاءاللہ تعالیٰ دُنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی اور ان کی نافرمانی کی سزا آخرۃ میں تو ملے گی ہی، مگر دُنیا میں بھی مل جاتی ہے۔ چنانچہ حضور صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تمام گناہوں میں اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے معاف فرما دیتا ہے سوائے والدین کی نافرمانی کے۔ بلا شک اللہ تعالیٰ ماں باپ کی نافرمانی کرنے والے کو اس کی موت سے پہلے زندگی ہی میں سزا دیتا ہے (مشکوٰۃ) ان تمام احادیث پر غور کرنے کے بعد اب یہ سمجھئے کہ والدین کے حقوق دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جوان کی زندگی میں اولاد پر واجب ہیں۔ دوسرے وہ جوان کے مرنے کے بعد اولاد پر عائد ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی میں جو حقوق اولاد پر ہوتے ہیں یہ ہیں۔ ماں باپ کا پورا پورا ادب کرنا، نام لے کر بے ادبی کے ساتھ نہ پکارنا، تعظیم کے الفاظ سے نرمی کے ساتھ ان سے

بات کرنا، بلا اجازت ان سے آگے نہ چلنا۔ غصہ اور سختی کے ساتھ ان سے بات نہ کرنا، ان کو ڈانٹ ڈپٹ کبھی نہ کرنا، تمام جائز باتوں میں ان کی پوری اطاعت کرنا اس حد تک کہ کوئی گناہ لازم نہ آوے۔ اپنی طاقت کے مطابق ان کی ضروریاتِ زندگی، کھانا، کپڑا وغیرہ مہیا کرنا جبکہ وہ محتاج ہوں اور جب محتاج نہوں تو مستحب ہے۔ ان حقوق کے ایک ایک لفظ پر خوب غور کر لیجئے، کیونکہ ان میں سینکڑوں جانی اور مالی خدمات شامل ہیں۔ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ شریعت نے ہر بات میں انصاف کو مدِنظر رکھا ہے۔ لہٰذا حقوقِ والدین کے مسئلہ میں بھی انصاف کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بعض والدین اپنے حقوق کے گھمنڈ میں اپنی اولاد و متعلقین کو اس قدر تنگ کر دیتے ہیں کہ نیک سے نیک اولاد مجبور ہو کر یا خودکشی پر آمادہ ہو جاتی ہے یا نافرمانی پر۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس کی طرف بھی اشارہ کیا جائے۔ چنانچہ عرض ہے کہ جو کام شرعاً اولاد کے ذمہ واجب ہیں، ماں باپ کو ان سے منع کرنے کا کوئی حق نہیں، مثلاً باپ، بیٹے کو دوکان چھوڑ کر نماز پڑھنے کے لئے جانے سے منع کرے یا مالِ زکوٰۃ سے یا رمضان کے روزوں سے یا فرض حج کرنے سے یا فرض علم حاصل کرنے سے روکے یا بیوی کے حقوق ادا کرنے سے منع کرے یا باپ، بیٹے کو مجبور کرے کہ اپنی بیوی کو ہمارے ساتھ یا بھائی بہنوں کے ساتھ رکھ اور بیوی راضی نہ ہو تو اس قسم کے تمام حکموں میں اولاد کو اطاعت کرنا ہرگز جائز نہیں اسی طرح اگر ایک بیٹے میں مالی وسعت اس قدر کم ہے کہ اگر ماں باپ کی خدمت کرے تو بیوی بچوں کو تکلیف ہونے لگے تو اس صورۃ میں بیٹے کو یہ جائز نہیں کہ صرف ماں باپ کی خدمت کرے اور بیوی بچوں کو تکلیف دے۔ غرض ایسی تمام صورتوں میں جن میں ماں باپ کی اطاعت کرنے سے حق العباد یا حق اللہ کا برباد ہونا لازم آوے تو نہ ماں باپ کو ایسے حکم کرنے کا حق ہے اور نہ اولاد کو ایسے

حکموں کا پورا کرنا جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کام جو شرعاً ناجائز ہو اور ماں باپ اُس کے کرنے کا حکم دیں تو اس میں بھی اطاعت جائز نہیں، مثلاً ماں باپ سودی تجارت کرنے کا حکم دیں یا تجارت میں جھوٹ بول کر کام کرنے کا حکم دیں یا کسی ناجائز نوکری کرنے کا حکم دیں یا شادی بیاہ وغیرہ میں ناجائز رسمیں کرنے کا حکم دیں یا محرم ربیع الاول و ثانی وغیرہ میں یا موت و حیات کے موقعہ پر بدعت کے کاموں کا حکم دیں تو ان سب میں اطاعت کرنا اولاد کو ہرگز جائز نہیں۔ تیسرے یہ کہ جو کام شرعاً نہ واجب ہو نہ منع ہو بلکہ مباح یا مستحب ہو اور ماں باپ ایسے کام کرنے یا نہ کرنے کا حکم دیں تو ایسے جائز اور مباح کاموں میں یہ دیکھنا چاہئیے کہ ایسے حکموں کی تعمیل کرنے سے اولاد کو کوئی تکلیف یا خطرہ ہلاکتِ جان یا خرابیٔ صحت وغیرہ کا اندیشہ تو نہیں ہے۔ اگر ایسا خطرہ ہے تو اب اولاد کے ذمہ اطاعت ضروری نہیں ہے اور اگر ایسا اندیشہ نہیں ہے تو اب دیکھو کہ ایسے کام میں اگر ماں باپ کی اطاعت نہ کی جائے تو اس سے ان کے لئے کوئی تکلیف یا خطرہ ہلاکت و مرض وغیرہ کا پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ اگر حکم پورا نہ کرنے سے والدین کے لئے تکلیف کا خطرہ ہے تو اب اطاعت کرنا واجب ہے اور اگر ان کے لئے کوئی خطرہ تکلیف کا نہیں تو اب بھی اطاعت کرنا واجب نہیں لیکن مستحب ہے کہ ایسے کاموں میں اطاعت کرے مگر والدین کو ایسے موقعہ پر اولاد کے مجبور کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر مجبور کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ بعض والدین اپنی اولاد کو مجبور کرتے ہیں کہ جو کچھ کمائیں ماں باپ کو لا کر دیں یا بلاوجہ بیوی کو طلاق دیں۔ ایسے حکم دینا اور اُن پر جبر کرنا بھی جائز نہیں اور اگر والدین اپنی حاجتِ ضروریہ سے زائد بغیر اولاد کی اجازت کے اس کا مال لیں گے تو وہ ان کے ذمہ قرض شمار ہوگا، جس کا مطالبہ دُنیا میں بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہاں نہ دیں گے تو وہاں دینا پڑیگا۔ باپ بیٹے میں اکثر جھگڑا اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ عموماً باپ یہ تمیز نہیں کرتا کہ اس کے

حقوق کس حد تک ہیں اور کیا کیا ہیں۔ وہ صرف اتنا سمجھ لیتا ہے کہ میں باپ ہوں۔ لہٰذا مجھے بیٹے پر ہر طرح کے حکم جاری کرنے کا کُلّی حق ہے۔ اس لئے مطلق العنان بادشاہ کی طرح اپنی خواہشِ نفس کے مطابق حکومت کرنا چاہتا ہے، حالانکہ اس سے بڑا بادشاہ ایک اور بھی ہے، جس کی اطاعت اولاد کے ذمہ سب سے پہلے فرض ہے۔ تمام والدین کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کو کسی قسم کا حکم کرنے سے پہلے یہ سوچ لیا کریں کہ ان کو شرعاً فلاں حکم دینے کا حق بھی حاصل ہے یا نہیں اور بلا سوچے سمجھے اولاد کو اپنے نار وا حکموں سے تنگ دل نہ کریں۔ بعض اوقات اپنی اولاد کی جائز نافرمانی پر بدظن ہو جاتے ہیں اور پھر اولاد کی ہر بات پر نافرمانی کی بدگمانی کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ لڑائی وغیرہ کی نوبت آجاتی ہے۔ یاد رکھئے کہ ہر مسلمان سے بدگمانی رکھنا گناہ ہے، لیکن اولاد کی طرف سے بدگمانی رکھنا بہت ہی بڑی بات ہے اور بڑے بڑے فسادات کی جڑ ہے۔ پس ماں باپ اور اولاد کو ان باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنا چاہئے۔ والدین کی زندگی میں اُن کے جو حقوق اولاد پر عائد ہوتے ہیں، بیان کئے جا چکے ہیں۔ اب میں اُن حقوق کو بیان کرتا ہوں جن کا تعلق ان کے مرنے کے بعد سے ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر سوال کیا[1] یا رسول اللہ (صلعم) کیا میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد ان کی کوئی خدمت مجھ پر باقی ہے کہ میں اُن کے ساتھ کروں؟ فرمایا ہاں "ان کے لئے دُعا کرنا، مغفرۃ چاہنا، ان کے وعدوں اور عہدوں کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کی عزّت کرنا، ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا"۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ سب سے بڑی نیکیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کی محبّت والوں کے ساتھ نیکی کرے[2]۔

عا۱ احیاء ۱۲ عا۲ احیاء ۱۲

باپ کے مرنے کے بعد ایک حق یہ ہے کہ بشرطِ استطاعت ایصالِ ثواب کرے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم میں سے جب کوئی صدقہ کرنے کا ارادہ کرے تو یہ صدقہ اپنے والدین کی طرف سے کردے، جبکہ وہ مسلمان ہوں۔ والدین کو اس کا ثواب ملے گا اور بیٹے کو بھی ان کے ثواب کے برابر ملے گا، بغیر کسی کمی کے (احیاء) ایک حق یہ ہے کہ اگر ماں باپ سے فرض نمازیں فرض روزے وغیرہ چھوٹ گئے ہیں تو عید الفطر کے فطرہ کے مطابق ہر ہر نماز، روزہ وغیرہ کا فدیہ حساب لگا کر دے دے، بشرطیکہ طاقت ہو اور اگر اُن پر حج فرض ہو گیا ہو اور ادا نہ کیا ہو تو ان کی طرف سے حج ادا کرا دے بشرطیکہ طاقت ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف سے حج ادا کرے تو یہ اس کی طرف سے کافی ہوگا اور آسمان میں اس کی رُوح کو اس حج کی بشارت دی جائے گی اور اب یہ بیٹا اللہ تعالیٰ کے یہاں ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا یعنے فرمانبردار لکھا جائیگا اگرچہ وہ اس کی زندگی میں عاق یا نافرمان تھا اور ایک حق یہ ہے کہ ماں باپ کو گالیاں نہ دے۔ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ماں باپ کو گالی دینا بُرا کہنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا آدمی اپنے ماں باپ کو گالی بھی دیتا ہے؟ فرمایا ہاں (اس طرح کہ) کسی شخص کے باپ کو گالی دے تو دوسرا اس کے باپ کو گالی دے اور یہ اُس کی ماں کو گالی دے تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا۔ (متفق علیہ) مطلب یہ ہے کہ اپنے ماں باپ کے ادب کا اس قدر لحاظ رکھے کہ کوئی ایسی بات بھی نہ کہے، جس سے دوسرا اس کے والدین کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ نوجوانو! ماں باپ کے حقوق، اُن کا درجہ اور اُن کے متعلق خدا و رسولؐ کے ارشادات آپ سُن چکے۔ لہٰذا عہد کر لیجئے کہ آئندہ سے آپ والدین

کی نافرمانی کرکے اُن کا دل نہ دُکھائیں گے۔ یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ان کی نافرمانی کی سزا اللہ تعالیٰ دُنیا ہی میں چکھا دیتا ہے۔ اب ایک حدیث اور سُن لیجئے۔ جس سے یہ معلوم ہوگا کہ والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ رحم و شفقت کرنے کا کس قدر ثواب ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بیٹا اپنے والدین کی طرف مہربانی کی نظر سے دیکھے تو اس کو ہر نظر کے بدلے میں ایک مقبول حج کا ثواب حاصل ہوگا۔ صحابہ نے تعجب سے عرض کیا یا رسولَ اللہ اگر کوئی دن میں سَو بار مہربانی کی نظر سے دیکھے تو کیا سَو حج کا ثواب مل جائے گا۔ فرمایا۔ ہاں۔ اللہ بہت بڑا اور پاکیزہ ہے (بیہقی) مطلب یہ کہ اللہ کی دین بہت بڑی ہے۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم اپنے بزرگوں والدین اور اولاد وغیرہ کے حقوق ادا کریں اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین ؏

؏ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا الخ

خُطبۂ جُمعہ پنجم ماہِ جمادی الاول، آدابِ معاشرۂ اسلامیہ ۵ بسلسلۂ اداءِ حقوق

حقوقِ اولاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ اَلصَّمَدُ الَّذِیْ

لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا

اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ اَحَدٌ ○ وَاَشْهَدُ

اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

الْاَمْجَدُ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

الَّذِيْنَ تَزَوَّدُوْا لِلْغَدِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ

الْاِخْوَانِ ○ اِنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ

اَدَاءَ الْحُقُوْقِ + مِنْهَا مَا عَلَى الْاَوْلَادِ لِلْوَالِدَيْنِ

كَمَا ذَكَرْنَاهَا ○ وَمِنْهَا مَا لِلْاَوْلَادِ عَلَى الْاَبَوَيْنِ

كَمَا سَنَذْكُرُهَا ○ وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ

وَالسَّلَامُ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ

مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ ○ اَلْحَدِيْث ○

ـله جملة من الحديث رواه مسلم ۱۲

وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رض اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

قَالَ + مِنْ حَقِّ الْوَلَدِ عَلَی الْوَالِدِ ثَلَاثَۃُ

اَشْیَاءٍ + اَنْ یُّحَسِّنَ اِسْمَہٗ وَیُعَلِّمَہُ الْکِتَابَ

اِذَا عَقَلَ وَیُزَوِّجَہٗ اِذَا اَدْرَکَ ۝ وَعَنْ[1]

اَنَسٍ رض قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ + اَلْغُلَامُ

یُعَقُّ عَنْہُ یَوْمَ السَّابِعِ وَیُسَمّٰی وَیُمَاطُ عَنْہُ

الْاَذٰی + فَاِذَا بَلَغَ سِتَّ سِنِیْنَ اُدِّبَ فَاِذَا

بَلَغَ تِسْعَ سِنِیْنَ عُزِلَ فِرَاشُہٗ فَاِذَا بَلَغَ

ثَلَاثَ عَشَرَۃَ ضُرِبَ عَلَی الصَّلٰوۃِ فَاِذَا بَلَغَ

سِتَّ عَشَرَۃَ زَوَّجَہٗ اَبُوْہُ ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِہٖ

وَقَالَ قَدْ اَدَّبْتُکَ وَعَلَّمْتُکَ وَاَنْکَحْتُکَ

عہ الترمذی ۱۲ عہ احیاء ۱۲

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَتِكَ فِى الدُّنْيَا وَ عَذَابِكَ فِى الْاٰخِرَةِ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + رَحِمَ اللّٰهُ وَالِدًا اَعَانَ وَلَدَهٗ عَلٰى بِرِّهٖ ○ اَىْ لَمْ يَحْمِلْهُ عَلَى الْعُقُوْقِ بِسُوْءِ عَمَلِهٖ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا الخ

وعظِ جمعہ پنجم ماہِ جمادی الاول۔ از آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ[5]

حقوقِ اولاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اَمَّا بَعْدُ

عله احیاء

برادرانِ ملت! دُنیا فانی ہے۔ انسان بھی خواہ کتنا بڑا رستمِ زماں ہو یا ارسطوئے دوراں، فقیر ہو یا ہفت اقلیم کا بادشاہ، بہرحال فنا ہونا ہے اور اس کی طاقت و قوۃ، مال و دولت سب کچھ ختم ہو جاتا ہے اور وہ شخص جو کل تک بڑا عالیشان تھا، آج موت کے بعد بے نام و نشان ہو جاتا ہے۔ اس فنا اور بربادی کے بعد اگر اُس کا کچھ دھندلا سا نام و نشان باقی رہ سکتا ہے، تو صرف اس کی باقیاتِ صالحات سے یا اُس کی اولاد سے رہتا ہے، اس لئے باپ کو اپنی اولاد کی قدر کرنی چاہیئے۔ اولاد شجرِ انسانیت کے بہترین پھل اور پھول ہیں، جن کی پژمردگی سے یہ درخت بے رونق ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لڑکے کی خوشبو جنّت کی خوشبو ہے۔ (احیاء) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، نے حضرت احنف بن قیسؓ سے دریافت کیا کہ اولاد کے بارہ میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اے امیر المومنین، اولاد ہمارے دلوں کے پھل ہیں اور ہماری طاقت کے ستون ہیں اور ہم اُن کے لئے پامال زمین ہیں (یعنی ضعیفی میں ان کے محتاج ہیں) اور بارش برسانے والے آسمان ہیں (یعنی اپنی عقل و تجربہ سے فائدہ پہنچانے والے سرپرست ہیں) اور ہم انھیں کے ذریعہ بڑے بڑے لشکروں پر فتح پاتے ہیں۔ پس اگر وہ تم سے کچھ طلب کریں تو عطا کرو (یعنی جائز مطالبات) اور اگر وہ غصہ ہوں تو ان کو راضی کرو (جس کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ وہ اپنی محبّت تم کو عطا کریں گے، یعنی تم سے محبّت رکھیں گے اور وہ بتقاضائے محبّت تمہارے لئے اپنی پوری کوشش صرف کریں گے اور تم ان پر بھاری بوجھ مت بنو کہ وہ تمہاری زندگی سے ملولِ خاطر ہو جائیں اور تمہاری موت کو پسند کرنے لگیں اور تمہارے پاس آنا مکروہ سمجھیں۔" (احیا)

بندگو! اسلامی طرزِ معاشرت میں اولاد کے لئے کچھ حقوق و آداب ہیں، جن کا جاننا اور سمجھ کر ان کو ادا کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے تاکہ ہر باپ اپنے آخری اوقات میں اطمینان کے ساتھ بقیہ زندگی گذار سکے اور اولاد کا وجود اس کے لئے دل دکھانے اور روح کو تڑپانے کا باعث نہ ہو بلکہ مسرّت اور فرحت و سرور کا سبب بنے۔ میں پہلے اولاد کے حقوق عرض کرتا ہوں۔ پھر آداب بیان کروں گا۔ اولاد کا پہلا حق یہ ہے کہ باپ اولاد حاصل کرنے کے لئے کسی ذلیل اور رذیل عورت کو پسند نہ کرے، بلکہ شریف عورت کو اس کے لئے منتخب کرے، نیز اولاد پیدا ہونے کے لئے جائز طریقہ اختیار کرے۔ اگر ذلیل عورت سے اولاد حاصل کرے گا تو یہ بات اولاد کے لئے باعثِ شرم ہوگی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اولاد کے دل میں اپنے باپ کے اس قابلِ شرم فعل پر غصّہ اور رنج پیدا ہوگا اور اس کے دل میں باپ کی عزّت نہ رہے گی۔ اسی طرح اگر ناجائز طریقہ سے اولاد حاصل کی گئی مثلاً زنا وغیرہ سے تو یہ بات بھی اولاد کے لئے باعثِ ننگ و عار ہوگی اور وہ ولد الزّنا یا حرامی کہلائے گا۔ اس کا نتیجہ بھی یہی ہوگا کہ بچّہ بڑا ہو کر خود اپنے باپ کو ذلیل نگاہوں سے دیکھے گا۔

دوسرا حق یہ ہے کہ بچّہ کا نام اچھا اور عمدہ رکھا جائے جس کے معنی اچھے ہوں۔ ایسے نام نہ رکھے جن کے معنی خراب ہوں، مثلاً سارق (چور) کلب (کتّا) وغیرہ اور نہ ایسے نام رکھے جائیں جن سے شرک و کفر کی بو آتی ہو، مثلاً عبدالنبی، عبدالرّسول، غلام دستگیر وغیرہ۔ حدیث میں آیا ہے کہ بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں (ترمذی) بعض جگہ یہ رواج ہے کہ فال کے ذریعہ نام نکلوایا جاتا ہے۔ بعض جگہ ستاروں کی مناسبت سے نام رکھے جاتے ہیں۔ اور نجومیوں کو اس کی فیس دی جاتی ہے۔ بعض جگہ قرآن سے نام نکلوایا جاتا

ہے۔ یہ تمام طریقے بے ثبوت اور بے بنیاد ہیں۔ اچھا یہ ہے کہ اپنے خاندان کے کسی بزرگ سے جس کو نام رکھنے کی تمیز ہو یا اپنے شہر کے کسی متقی پرہیزگار عالمِ دین سے نام رکھوایا جائے۔

تیسرا حق اولاد کا یہ ہے کہ جب وہ سنِ شعور کو پہنچیں تو ان کو ادب و تہذیب سکھائی جائے اور مذہب کی تعلیم دی جائے۔ ادب و تہذیب سے موجودہ زمانہ کی بدتمیزیاں مُراد نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسلامی تعلیم کے مطابق لوگوں سے ملنا جلنا، بات کرنا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، اسلامی لباس پہننا، اسلامی طریقہ پر کھانا پینا، بُرے اخلاق، مثلاً جھُوٹ، غیبت، چوری وغیرہ سے بچّوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنا وغیرہ۔ تعلیم دینے سے مُراد انگریزی تعلیم نہیں ہے کہ جس میں سینکڑوں روپیہ کا خرچ بیچارے غریب باپ کو لازم ہو جائے۔ انگریزی تعلیم دلانا اولاد کو جائز مقصد کے لئے گو جائز ہے مگر واجب اور ضروری نہیں ہے۔ البتہ دین کی بقدرِ ضرورت تعلیم دلانا فرض ہے۔ جو باپ اپنے بچوں کو مذہبی تعلیم بقدرِ ضرورت نہیں دلائیگا وہ سخت گناہگار ہوگا اور قیامت میں اولاد کی تمام بداعمالیوں اور گناہوں کی جوابدہی اس کو بھی کرنی پڑیگی۔ جو لوگ اپنے لڑکوں کو انگریزی تعلیم زیادہ سے زیادہ دلاتے ہیں وہ دو باتوں پر ضرور غور کرلیں۔ ایک یہ کہ انگریزی تعلیم اس طرح دلائیں کہ غیر اسلامی ماحول اور کافرانہ تہذیب و تمدّن کا زہریلا اثر بچہ کے دماغ اور اوضاع و اطوار کو خراب نکردے اگر اس کا خیال نہ رکھا گیا تو اس زہریلے اثر سے بچہ جس قدر بداعمالیوں کا مرتکب ہوگا، اس کا ذمہ دار باپ بھی ٹھہرے گا۔ دوسری بات یہ کہ انگریزی کے شوق میں دین کی ضروری تعلیم بچہ کی ناقص رہی تو اس جہالت اور کم علمی کی وجہ سے بچہ جس قدر خراب اعمال کا مرتکب ہوگا یا اعمالِ خیر نماز روزہ وغیرہ میں جس قدر غلطیاں کریگا،

اُس کا جواب وہ خود اس کے باپ کو بھی ہونا پڑے گا، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں بداعمالیوں اور غلطیوں کا اصل سبب باپ کا غلط طریقۂ تربیت ہے۔ دین کی ضروری تعلیم کی مقدار یہ ہے کہ قرآن کریم صحیح طریقہ پر پڑھایا جائے۔ عقائدِ اسلام کی تعلیم طوطے کی طرح رٹ کر نہیں بلکہ اس طرح دی جائے کہ ہر ہر عقیدہ پر لڑکے کو پختہ یقین حاصل ہو جائے۔ نماز کے پورے مسائل، روزہ، زکوٰۃ، حج کے پورے پورے مسائل اور جس طریقۂ کسبِ معاش میں اس کو لگانے کا ارادہ ہو، اس کے مسائلِ شرعیہ، ماں باپ، بیوی اور متعلقین کے حقوق کی تعلیم۔ یہ ہے دین کی ضروری تعلیم کی مقدار کہ جس کی رات دن ہر شخص کو ضرورۃ پڑتی رہتی ہے دیکھئے میں ہے کہ باپ کی سب سے عمدہ عطا عمدہ ادب سکھانا ہے (ترمذی) بزرگو! غور فرمائیے کہ کیا آپ نے اپنی اولاد کو اس مقدار میں ضروری تعلیم دے دی ہے۔ اگر ایسا ہے تو آپ نے اولاد کا حق ادا کر دیا، لیکن اگر نہیں دی ہے تو اولین فرصت میں بچہ کی تمام تعلیمات روک کر پہلے اس مقدار کی تعلیم دلا دیجئے۔ اس کے بعد دوسری قسم کی تعلیم دلائیے ورنہ قیامت میں خدائے علیم و خبیر کے سامنے اپنی ذمہ داری کے متعلق جوابدہی کے لئے تیار ہو جائیے۔

چوتھا حق اولاد کا یہ ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائے تو اس کا عقدِ نکاح کر دیا جائے۔ اس حق کے ادا کرنے میں دیر کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ کچھ نہ سہی تو سادہ طریقہ پر ہی نکاح کر دیں۔ آج کل اس میں دیر کرنا سخت جہالت اور بڑی زبردست غلطی ہے، کیونکہ ماحول کے اثر سے بچہ اکثر شہوانی گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنی صحت آپ برباد کر لیتا ہے۔ یہ چاروں حقوق ابوہریرہ رضؓ کی ایک حدیثِ مرفوع اور حضرت عمر رضؓ کے اثر سے ثابت ہیں۔ (کما فی الاحیاء)

ادب: میں آدابِ معاشرۃ مع الاولاد کو بیان کرتا ہوں۔ چاہیے کہ نرینہ اولاد سے

زیادہ خوش اور مؤنث اولاد سے رنجیدہ نہو۔ حدیث میں ہے کہ جس کے ۳ یا ۲ یا ایک بیٹی یا بہن ہو اور ان کو ادب کی تعلیم دے، نیک سلوک کرے اور ان کی شادی کر دے تو اس کے لئے جنّت ہے (ترمذی و احیاء) بعدِ ولادۃ اذان کہے۔ اور میٹھی چیز تالو کو لگائے۔ اچھا نام رکھے۔ ساتویں دن عقیقہ کرے، بال اُترِ وائے۔ اگر ہو سکے تو بالوں کے برابر چاندی یا سونا خیرات کرے۔ جب چھ سال کا ہو، ادب و تعلیم میں کوشش کرے۔ جب نو سال کا ہو اس کا بستر الگ کر دے۔ جب دس سال کا ہو نماز کے لئے تنبیہ کرے اور مارے۔ جب سولہ سال کا ہو نکاح کر دے۔ یہ سب احادیث سے ثابت ہے۔ (کما فی الاحیاء) اگر کئی بچے ہوں تو جو چیز دے سب کو برابر دے۔ حدیثِ شریف میں ہے کہ برابری کرو اپنی اولاد کے درمیان عطا کرنے میں (احیاء) تربیتِ اولاد کا ایک ادب یہ ہے کہ باپ اپنی اولاد کی نیک کاموں میں مدد کرے یعنی اسے ایسا موقعہ دے کہ نیک کاموں میں حصّہ لے سکے، مثلاً جب اولاد اپنے والدین کے حقوق ادا کرنا چاہئے اور ان کی خدمت اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرے تو باپ اولاد کے ایسے کاموں میں مدد کرے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رحم فرمائے اللہ تعالیٰ اس والد پر جو نیکی پر اپنے لڑکے کی مدد کرے (احیاء) یعنی باپ خود ایسے بد اعمال نکرے یا ناجائز حکم نہ دے جن سے اولاد باپ کی نافرمانی کرنے کو تیار ہو جائے یا ایسا حکم نہ دے کہ جس کے متعلق باپ کو خوف ہو کہ بیٹا اس کو نہ مانے گا۔ اس حدیث پر عمل کرنے اور نیکی پر اولاد کی مدد کرنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی خدمت میں کوتاہی ہو جانے پر بار بار بھلا بُرا اور تنبیہ تشدّد نہ کرے بلکہ درگذر کرتا رہے۔ دوسرے یہ کہ اخلاقی کمزوریوں اور ناجائز افعال کرنے پر

تنبیہ کرتا رہے۔ تیسرے یہ کہ لڑکے کو کسی ایسے کام کرنے کا حکم نہ دے
جس کو لڑکا پورا نہ کر سکے یا پورا کرنے کی اُمید نہ ہو یا اُمید ہو مگر لڑکے
پر بہت شاق گزرے، مثلاً یہ مطالبہ نہ کرے کہ لڑکا جو کمائے وہ سب والد کو
دے یا بِلا وجہ بیوی کو طلاق دے دے یا لڑکے سے کہے تو اپنی بیوی کو میری
یا بھائی بہنوں یا ساس وغیرہ کی خدمت کرنے پر مجبور کر یا ان سب کے ساتھ رہنے
پر مجبور کر یا جائز تفریحات میں مشغول نہ ہو۔ تیسری صورت اعانتِ اولاد کی یہ
ہے کہ شادی کے بعد اُس لڑکے کو اپنے سے علٰحدہ کردے اور تمام اولاد کو ساتھ رہنے
سہنے پر مجبور نہ کرے، جیسا کہ آج کل عموماً ہندوانہ طریقۂ معاشرۃ کے مطابق مسلمان
ماں باپ بھی اپنی اولاد کو مجبور کیا کرتے ہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ شادی شدہ اولاد کو
باہم مل کر رہنے کے لئے مجبور کرنے میں بے حد خرابیاں ہیں، جن میں سے ایک
یہ ہے کہ ماں باپ خود پورے طور سے شریعت کے پابند نہیں ہوتے، اس لئے
ان سے ضرور ایسے کام ہوجاتے ہیں جو اُن کو نہ کرنا چاہئے، جس سے اولاد میں
نافرمانی کا خیال آہستہ آہستہ پیدا ہوجاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اولاد بھی آدابِ
معاشرۃ اور تعلیم احکام سے پوری طرح واقف اور اس پر کاربند نہیں ہوتی۔
اس لئے اولاد سے ضرور غلطیاں ہوں گی اور نافرمانی بڑھے گی، جس سے
دونوں گنہگار ہوں گے۔ (۳) اولاد کی بیویوں سے ضرور ماں باپ کے خلافِ
مزاج امور صادر ہوں گے، جن پر غصہ ہو کر آپ اولاد کو تنبیہ کریں گے اور
اولاد بیویوں کو تنگ کرے گی، جس سے ہزارہا جھگڑے رات دن پیدا ہوتے
رہتے ہیں۔ (۴) بہو اور ساس بہو نند بہو دیور جیٹھ وغیرہ میں ضرور
نزاعات پیدا ہوں گے، جس کے نتیجہ میں یا تو بیٹا آپ کی نافرمانی پر اُتر آئے
گا اور یا بیوی پر ظلم کرے گا (۵) بیویوں کے اختلافِ مزاج کی

وجہ سے خود بھائیوں میں بھی اختلاف پیدا ہو کر بڑھے گا، جس سے بہت سے خاندان تباہ ہو چکے اور ہو رہے ہیں (۶) ساتھ رہنے کی صورت میں کسی بھائی کی بیوی دوسرے بھائی سے یعنی دیور جیٹھ وغیرہ سے پردہ نہیں کر سکتی، حالانکہ بھاوج اور دیور جیٹھ میں پردہ ضروری ہے اور بے پردگی ناجائز ہے۔ بار بار بے پردگی کے سینکڑوں گناہ میں باپ اولاد بہو سب مبتلا ہوں گے۔ (۷) اگر مختلف بیویوں سے اولاد ہو تو پھر سوتیلی ماں اور بیٹوں بیٹیوں میں سینکڑوں جھگڑے پیدا ہو کر سب کے سب گنہگار بنیں گے۔ یاد رکھیئے کہ ٹوٹا ہوا شیشہ دوبارہ نہیں جڑتا۔ اسی طرح ٹوٹے ہوئے دل کبھی نہیں جڑتے۔ لہٰذا شادی کے بعد جھگڑے پیدا ہونے سے پہلے ہی جبکہ سب کے دل ملے ہوئے ہوں اولاد کو علاحدہ کر دینا چاہیئے۔ گو اب بظاہر الگ ہوں گے مگر دل سب کا ایک ہوگا اور فطری محبت ان سب میں قائم رہے گی، ورنہ فطری محبت کا نازک شیشہ ٹوٹ کر پھر کبھی نہ جڑے گا۔ اب دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی اولاد کے حقوق ادا کرنے کی توفیق دے اور ہر قسم کی غلطیوں اور گناہوں سے محفوظ رکھے۔ آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ واصحابہ اجمعین ؏

ع اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَلَاتَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ ط تَبَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ اول ماہِ جمادی الثانی دربیانِ آدابِ معاشرۂ اسلامیہ ۶

بسلسلۂ اداءِ حقوق: حقوقِ زوجین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ

وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا

وَّنِسَاءً ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ

لَاشَرِيْكَ لَهٗ ذَاتًا وَّلَا صِفَاتًا ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ

سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِىْ

بُعِثَ اِلٰى كَافَّةِ النَّاسِ اِمَامًا ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ تَحِيَّةً وَّسَلَامًا ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا

مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ اٰدَابِ

الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ اٰدَابٌ فِىْ مُعَاشَرَةِ الزَّوْجَيْنِ ○

وَحُقُوْقٌ لَابُدَّ مُرَاعَاتُهَا مِنْ طَرَفَيْنِ ○ وَقَدْ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : + لَوْكُنْتُ اٰمِرًا

اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الزَّوْجَةَ اَنْ

لہ ترمذی ۱۲

تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا ○ وَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَیُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَكْمَلُ اِيْمَانًا + قَالَ اَحْسَنُهُمْ

خُلُقًا مَّعَ اَهْلِهٖ ○ وَاٰخِرُ مَا وَصّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ + ثَلَاثٌ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِهِنَّ حَتّٰى تَلَجْلَجَ

لِسَانُهٗ وَخَفِيَ كَلَامُهٗ جَعَلَ يَقُوْلُ الصَّلٰوةَ

اَلصَّلٰوةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ + لَا تُكَلِّفُوْهُمْ

مَا لَا يُطِيْقُوْنَ ○ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَاِنَّهُنَّ

عَوَانٌ فِيْ اَيْدِيْكُمْ + اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِعَهْدِ

اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ ○

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا

علہ احیاء ۱۲

كَثِيرًا ۝ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظ جمعہ اول ماہِ جمادی الثانی دربیانِ آدابِ معاشرۂ اسلامیہ

حقوقِ زوجین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملّت! آدابِ معاشرۂ اسلامیہ میں سے زوجین کے حقوق و آداب بھی ہیں، جن سے واقف ہونا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ عرض ہے کہ شوہر کے حقوق بیوی پر بہت سے ہیں، جن کی تفصیل کی اس مجلس میں چنداں ضروری نہیں۔ تاہم مجملاً عرض ہے کہ عورۃ پر شوہر کی اطاعت مطلقاً ہر طرح واجب ہے، سوائے اُن باتوں کے جن میں گناہ لازم آتا ہو۔ حدیثِ شریف میں ہے کہ جو عورۃ ایسی حالت میں مرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنّت میں داخل ہوگی (ترمذی) نیز حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اگر میں کسی غیر اللہ کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے (ترمذی) لیکن چونکہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے، اس لئے حضورؐ نے عورۃ کو یہ حکم نہیں دیا۔ اس حدیث سے شوہر کی عظمت اور اس کی اطاعت کی اہمیت پورے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اسلام سے پہلے عورت دُنیا کی تمام سوسائٹیوں میں حیوان سے بھی بدتر شمار کی جاتی تھی۔ اسلام نے انسانیت کے اس اہم جُزء کو ذلّت و پستی کے گڑھے سے نکال کر

اعتدال کے ساتھ رفعت و بلندی پر پہنچایا ہے۔ قرآنِ کریم میں خود اللہ تعالیٰ نے عورۃ کے متعلق بہت سے احکام مفصّل بیان کئے ہیں۔ چنانچہ اسی عنوان پر ایک مستقل سورت یعنی سورۂ نساء نازل فرمائی ہے اور بار بار یہ حکم دیا ہے کہ معاشرۃ[1] میں نرمی کے ساتھ ان سے برتاؤ کرو۔ انھیں معلق کر کے مت چھوڑو۔ ان کے مہر ادا کرو وغیرہ وغیرہ اور حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نگاہِ باریک بیں میں عورتوں کے حقوق کی اس قدر اہمیت ہے کہ آپؐ نے اپنی آخری وصیتوں میں بھی اُن کی طرف توجہ فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو عورتوں کے بارے میں۔ وہ تمھارے ہاتھوں میں قیدی ہیں۔ تُم نے اللہ کے عہد کے ساتھ ان کو لیا ہے اور ان کے نسوانی منافع کو اللہ کے حکم سے حلال طور پر حاصل کیا ہے (احیاء) بڑا ہی شقی القلب اور کٹر ہے وہ مُسلمان جو حضورؐ کی اس آخری وصیّت کو سُن کر بھی اپنی بیویوں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے۔ اب حقوق سُنیئے۔ پہلا حق بیوی کا یہ ہے کہ اپنی حیثیت کے مُطابق اُس کا نان نفقہ برابر ادا کرتا رہے اور اس میں تنگی نہ کرے۔ دوسرا حق یہ ہے کہ اس کے رہنے کا مناسب انتظام کرے۔ اس طرح کہ اگر وہ شوہر کے رشتہ داروں کے ساتھ رہنا گوارا کرلے تو یہ اس کی سعادت مندی اور شوہر پر احسان ہے، لیکن اگر علاحدگی کا مطالبہ کرے تو یہ بیوی کا شرعی حق ہے اور شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ اُس کا یہ حق بھی ادا کرے۔ فقہاء نے اس حق کی تصریح کردی ہے۔ اس زمانہ میں عموماً بیویوں کا یہ حق تلف کیا جاتا ہے اور ان کو زبردستی سب کے ساتھ رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے اور اس سے بڑی خرابیاں لڑائی جھگڑے پیش آیا کرتے ہیں۔ ان جھگڑوں

[1] وعاشروھن الایہ

کی جڑ تو اکثر خاندان کے بڑے بوڑھے مرد باپ، دادا وغیرہ اور بوڑھی عورتیں مثلاً ماں دادی وغیرہ ہوا کرتے ہیں، کیونکہ وہی اس بات کی کوشش میں لگے رہتے کہ سب بیٹے اور ان کی بیویاں وغیرہ ایک ساتھ ایک گھر میں رہیں اور کوئی ان سے جدا نہ ہو۔ یہ خیال اگرچہ محبتِ اولاد اور مصلحتِ دنیوی پر مبنی ہوتا ہے، مگر احتمالِ فساد کے وقت ایسی کوشش کرنا اعلیٰ درجہ کی بیوقوفی ہے، کیونکہ اس صورۃ میں فائدہ کم اور نقصان بہت زیادہ ہے۔ پس ہر خاندان کے بزرگوں کو چاہیئے کہ اپنی اولاد اور ان کی بیویوں کو ساتھ رہنے پر مجبور نہ کریں اور اولاد کی بیویاں اگر علحدگی چاہیں تو فراخ دلی اور عقلمندی سے کام لیتے ہوئے پھوٹ پڑنے سے پہلے ہی اولاد کو علاحدہ رہنے کی اجازۃ دے دیا کریں۔ تیسرا حق بیوی کا یہ ہے کہ اس کا مہر ادا کرے۔ مہر ایک قرض ہے جس کی ادائیگی شوہر کے ذمہ لازم ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا "جو شخص کسی عورت سے مہر مثل پر نکاح کرے اور یہ نیت نہ رکھے کہ ادا کروں گا تو وہ زانی ہے اور جو قرض لے اور ادا کرنے کی نیت نہ رکھے تو وہ چور ہے۔" (احیاء) لیکن اگر عورۃ خود اپنا مہر معاف کرے تو اس میں مضائقہ نہیں مگر زبردستی معاف کرانا جائز نہیں ہے۔ چوتھا حق یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ احسان، نیکی اور نرمی کرتے ہوئے زندگی گزارے جس کو معاشرۃ بالمعروف کہا جاتا ہے۔ زوجہ کے ساتھ معاشرت بالمعروف کے متعلق چند آداب ہیں، جن کا یاد رکھنا ضروری ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ نکاح اور خاص استراحت کے بعد ولیمہ کرے کہ یہ سنّت ہے اور آپؐ نے فرمایا ہے "ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی سے ہو (ابوداؤد) مگر ولیمہ صرف سنّت ہے۔ فرض نہیں ہے، لہٰذا طاقت سے زیادہ تکلف اور قرض وغیرہ لے کر نہ کیا جاوے۔ نیز فخر اور شہرۃ وغیرہ کی نیت سے نہ کرے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ حُسنِ خلق سے

پیش آئے یعنی اس پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی نہ کرے، ترش روئی نہ برتے، لیکن حسنِ اخلاق صرف یہی نہیں ہے کہ اس کو تکلیف نہ دے بلکہ بیوی کے ساتھ اچھے اخلاق برتنے میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کی طرف سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرے اور غصہ کے وقت اس کے غیظ و غضب، جواب دینے اور زبان درازی کرنے کو بھی برداشت کرے۔ ہمارے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی ازواجِ مطہرات کی جواب دہی برداشت فرما لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی بیوی نے کسی بات میں جواب دیا تو آپ نے کہا کیا تم مجھے جواب دیتی ہو۔ بیوی نے کہا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیویاں بھی جواب دیتی تھیں اور حضور آپ سے افضل تھے (احیاء) اس واقعہ سے آپ کو اندازہ کرنا چاہئے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کس قدر متحمل مزاج تھے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ "عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ پس اگر تم زیادہ سیدھا کرنے کی کوشش کروگے تو توڑ دوگے۔" (دارمی) تیسرا ادب یہ ہے کہ بیوی کی طرف سے تکلیف برداشت کرنے کے علاوہ اس کے ساتھ خوش طبعی اور جائز مذاق بھی کرتا رہے کہ اس سے عورتوں کے دل خوش رہتے ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی اپنی ازواج کے ساتھ مزاح فرماتے تھے اور ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ اپنی ازواج کے ساتھ سب سے زیادہ خوش طبع تھے۔ (احیاء) اور آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل و عیال کے ساتھ سخت مزاج اور متکبر، زیادہ بکواس کرنے والے، سخت دل شخص کو مبغوض رکھتا ہے (احیاء) حضرت عمرؓ باوجودیکہ حق کے لئے بڑے سخت تھے۔ فرماتے ہیں کہ "آدمی کو اپنے گھر میں مثل بچہ کے رہنا چاہئے اور جب اس کی بہادری کو آزمایا جائے تو اس وقت مردانگی دکھانی چاہئے۔" (احیاء) ہمارا حال یہ ہے کہ ہم باہر نامرد ہیں اور گھر میں مردانگی دکھاتے ہیں۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ اس قدر بیوی کے ساتھ ملاعبت (کھیل) اور اس کی خواہشات کی موافقت بھی

نکرے کہ بیوی کے اخلاق خراب ہوجائیں اور شوہر کی ہیبت بالکل جاتی رہے۔ بلکہ جب اس کی کوئی بات خلافِ شرع دیکھے فوراً ٹوکے اور اپنی ہیبت اور رعب و داب سے کام لے اور خلافِ شرع باتوں کا دروازہ اپنے گھر میں کھلنے نہ دے۔ ہماری یہ حالت ہے کہ اپنی نفسانی خواہش کے خلاف ہو تو ہم بے حد غصّہ کرتے ہیں، لیکن خلافِ شرع بات بیوی سے ہوجائے تو ہم کو ذرا بھی غصّہ نہیں آتا۔ بیوی نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے تو پرواہ بھی نہیں ہوتی، حالاں کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ہر شخص اپنے اہلِ بیت کا محافظ ہے اور اس کے بارہ میں سوال کیا جائے گا۔" نیز آپؐ نے فرمایا ہے کہ بیوی کا غلام ہلاک ہوا۔ (احیاء) پانچواں ادب یہ ہے کہ غیرۃ اور شرم کی باتوں میں اعتدال سے کام لے اور ایسی باتوں سے ہرگز غفلت نہ برتے، جن سے آخر میں آبروریزی ہو اور عفت و پاک دامنی میں داغ آجانے کا احتمال ہو، لیکن زیادہ بدظنی سے بھی کام نہ لے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ایک غیرت تو خدا کو پسند ہے وہ، وہ ہے جو عورت سے کوئی قابلِ شرم اور شک کی بات دیکھنے پر آئے اور ایک غیرت ناپسند ہے وہ، وہ ہے جو بغیر کچھ دیکھے صرف بدگمانی سے پیدا ہو۔ (احیاء) اور بے غیرتی کی باتوں سے بیوی کو بچانے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ اُس کو پردہ میں رکھا جائے کہ نامحرم اس کے پاس نہ جاسکیں اور اس کو بازاروں میں نہ نکلنے دیا جائے۔ اب آپ کو جوشِ غیرت ظاہر کرنے کی انشاء اللہ نوبت ہی نہ آئے گی؛ کیونکہ عورتوں کا باہر نکلنا لوگوں سے ملنا ہی ناگوار واقعات کا پیش خیمہ ہے۔ ایک دفعہ حضورؐ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا۔ بتاؤ عورتوں کے لئے کیا بہتر ہے؟ عرض کیا۔ یہ کہ نہ وہ کسی کو دیکھے اور نہ کوئی اُسے دیکھے۔ حضورؐ نے بی بی فاطمہؓ کو سینۂ مبارک سے چمٹا لیا اور اس جواب کو بہت پسند فرمایا۔ (احیاء) صحابہؓ کے احتیاط کی یہ حالت تھی کہ وہ گھروں کے روشن دان اور دیوار کے سوراخ بھی

بند رکھتے تھے تاکہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ عورتوں کو عمدہ لباس نہ دیا کرو تو وہ گھروں ہی میں رہیں گی (احیاء) اس لئے کہ عورتیں معمولی لباس میں نکلنا پسند نہیں کرتیں۔ یہ تمام احتیاطیں اُسی پردہ کے لئے صحابہؓ فرماتے تھے، جس کو مدت سے مغرب پرست ذہنیتیں اٹھانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ پردہ کے ساتھ ہی اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ ان کو تماشے دیکھنے اور معمولی باتوں کے لئے گھر سے نکلنے کی ہرگز اجازت نہ دیں، کیونکہ اس سے بھی وہ سب خرابیاں لازم آتی ہیں جو بے پردگی سے پیدا ہوتی ہیں۔ افسوس ہے کہ آج ہم میں سے بعض مسلمانوں کی عقل پر ایسا پردہ پڑ گیا ہے کہ وہ خود اپنی عورتوں، بہو، بیٹیوں کو سینما دکھانے لے جاتے ہیں اور میلوں، عرسوں میں لے جاتے ہیں۔ کس قدر بے شرم اور بے غیرت ہیں وہ لوگ جو اپنی غیر شادی شدہ نوجوان بیٹیوں کو شہوت انگیز عشق و عاشقی کے منظر دکھا کر خوش ہوتے ہیں۔ حقیقت میں ان لوگوں کا اسلامی دماغ مفلوج ہو چکا ہے۔ چھٹا ادب یہ ہے کہ بیوی کے نان نفقہ میں اعتدال رکھے۔ نہ کمی اور تنگی کرے اور نہ فضول خرچی کرے اور نہ ایسا کرے کہ خود عمدہ چیزیں کھائے اور گھر والوں کو نہ کھلائے، کیونکہ اس طرزِ عمل سے دلوں میں کدورت اور کینہ پیدا ہوتا ہے، لیکن اگر کسی خاص غذا کی ضرورت ہی ہو اور سب کو وہ عمدہ چیز نہ کھلا سکے تو اس طرح کھائے کہ دوسروں کو معلوم ہو ورنہ سب کو عموماً ایک دسترخوان پر بٹھا کر ساتھ کھانا کھائے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضورؐ سے یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ رحمت نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے دعاءِ مغفرت کرتے ہیں اُن گھر والوں پر جو مل کر کھائیں (احیاء) اور بیوی کو مالِ حلال سے کھلائے اور اولاد، بیوی وغیرہ کی وجہ سے کسب حرام میں مبتلا نہ ہو۔ ساتواں ادب یہ ہے کہ بیوی کو حیض، وضو، غسل، نماز، روزے، زکوٰۃ

ادا، قضا وغیرہ کے مسئلے سکھائے اور اہل سنت والجماعت کے عقائد سمجھائے اور ہر قسم کی بدعتوں، رسموں کی برائی بتائے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف الفاظ میں حکم دیا ہے کہ "اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔" افسوس ہے کہ آج ہم نے عورتوں کے دین کی طرف سے اس قدر غفلت کر رکھی ہے کہ گویا وہ حیوانوں کی طرح ہیں، جن پر نماز روزہ کچھ فرض ہی نہیں۔ یاد رکھئے کہ کل قیامت میں اس غفلت کے متعلق خدا کے سامنے آپ کو بھی جواب دینا پڑیگا۔

آٹھواں ادب یہ ہے کہ اگر کئی بیویاں ہوں تو اُن کو کھلانے پلانے پہنانے اور اُن سے ملنے میں برابری قائم رکھے۔ نواں ادب یہ ہے کہ اگر بیوی سے ایسی نافرمانی صادر ہو جس پر تنبیہ کرنا جائز ہو تو اوّل اس کو نرمی سے سمجھائے اور ڈرائے۔ اگر اس پر بھی نہ مانے تو سونے میں اپنی پشت پھیرے یا بستر میں علحدگی اختیار کیجے۔ اگر اب بھی درست نہ ہو تو پھر مناسب مار مارے، جس سے اُسے تکلیف تو ہو، لیکن کوئی ہڈی وغیرہ نہ ٹوٹے، خون نہ نکلے اور چہرہ پر نہ مارے۔ دسواں ادب یہ ہے کہ گھر میں لڑکی پیدا ہونے پر کسی قسم کا رنج وملال نہ اپنے دل میں محسوس کرے نہ بیوی پر ظاہر کرے۔ یہ کُل دس آداب ہیں۔ جن کا جاننا اور یاد رکھنا اور جن کے مطابق چلنا ہر شادی شدہ مسلمان کو ضروری ہے ورنہ ہرگز بیوی کے حقوق ادا نہ کر سکے گا، جس کے متعلق خدا کے یہاں سخت باز پرس ہوگی۔

اس موقعہ پر بعض مظالم کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے جو عموماً عورتوں پر کئے جاتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ عورت کا مال بغیر اس کی رضامندی کے لینا اور خرچ کرنا، بیوی کے باپ کے ترکہ کا حصہ زبردستی کر کے حاصل کرنا، اس کا مہر زبردستی معاف کرانا، دُور سے بھی ماں باپ کے ساتھ ملاقات کرنے سے منع کرنا، خسر، دیور، جیٹھ ساس، نندوں وغیرہ کی خدمت کرنے پر اس کو مجبور کرنا، علاحدہ گھر کے مطالبہ

کو پورا نکرنا اور سب کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا، یہ تمام باتیں ظلم ہیں اور ظلم گناہ کبیرہ ہیں سے ہے۔ لہٰذا اس قسم کے ظلموں کی جوابدہی قیامت میں کرنی پڑے گی۔ ہاں اگر اس کو سمجھا کر راضی اور خوشی سے یہ کام لئے جاویں تو مضائقہ نہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی سُن لیجئے کہ سزا دینا، جس قسم کی باتوں پر جائز ہے وہ یہ ہیں۔ فرض عبادتوں کے چھوڑنے پر، مالِ شوہر قصداً برباد کرنے پر، بے پردگی اور تاک جھانک پر، تماشوں تفریحوں اور دوسرے عزیزوں سے ملنے کے اصرار کرنے پر، مناسب حیثیت سے زیادہ عمدہ کھانا کپڑا طلب کرنے پر، بلا اجازت گھر سے باہر نکلنے پر، حقوق شوہر مثلاً شوہر کے لئے زینت نہ کرنے پر، عصمت میں خیانت کرنے پر، گالیاں اور فحش بکنے پر، شوہر کے خانگی امور بوجہ نشوز و ناراضگی انجام نہ دینے پر، مذکورۂ بالا طریقہ سے سزا دینا جائز ہے، لیکن اتفاقی غلطیوں پر سزا جائز نہیں۔ اب دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو آدابِ معاشرۂ اسلامی کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری اور ہمارے متعلقین کی غلطیوں، گناہوں کو معاف فرمائے اور صراطِ مستقیم پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے آمین

یا رب العالمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

ے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللّٰہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا ہ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ دوم ماہِ جمادی الثانی دربیانِ آدابِ معاشرۂ اسلامیہ

بسلسلۂ تہذیب اسلامی تہذیبِ لباس

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَتَرَ سَوْاٰتِنَا بِسِتْرِہِ الْجَمِیْلِ ۝

وَسَهَّلَ لَنَا اِلَيْهِ السَّبِيْلَ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهُ الْمَلِكُ

الْجَلِيْلُ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْحَبِيْبُ الْخَلِيْلُ ○ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ كُلِّ كَثِيْرٍ وَّ

قَلِيْلٍ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِنَّ مِنْ

اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ اٰدَابُ اللِّبَاسِ ○ لَا بُدَّ

مِنْ رِعَايَتِهَا لِلنَّاسِ ○ فَاعْلَمُوْا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[1]

كَانَ يَمْنَعُ اَهْلَهٗ مِنَ الْحِلْيَةِ وَالْحَرِيْرِ وَيَقُوْلُ ○

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ حِلْيَةَ الْجَنَّةِ وَحَرِيْرَهَا فَلَا تَلْبَسُوْهَا

فِي الدُّنْيَا ○ وَقَالَ عَلِيٌّ رض[2] رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ف۱ للنسائی ۱۲ ف۲ ونہی علیہ الصلوٰۃ والسلام + عن لبس الذہب الا مقطعا (للنسائی) ۱۲ ف۳ لابی داؤد ۱۲

أَخَذَ حَرِيْرًا فَجَعَلَهُ فِي يَمِيْنِهِ وَذَهَبًا فَجَعَلَهُ فِي شِمَالِهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ أُمَّتِيْ ۝ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝ وَقَدْ لَعَنَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الرَّجُلَ يَلْبِسُ لِبْسَةَ الْمَرْأَةِ وَالْمَرْأَةَ تَلْبِسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ ۝ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ۝ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰى أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خَاسِرِيْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

ع۱ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام من لبس ثوب شھرۃ البسہ اللہ یوم القیمۃ ثم الھب فیہ النار (للمالک) ع۲ جملۃ من حدیث رواہ مالک ع۳ لابی داؤد ع۴ وقال تعالیٰ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تکونوا کالذین کفروا الآیۃ ع۵ لابی داؤد

وعظ جمعہ دوم از ماہ جمادی الثانی دربیان آدابِ معاشرۂ اسلامیہ

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی: تہذیبِ لباس

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملّت! جس طرح انسان نام ہے ایک ایسے وجود کا جس کے تمام اجزا واعضا مناسب ترتیب کے ساتھ موجود ہوں۔ اسی طرح اسلام نام ہے ایسے مجموعۂ اعمال کا جس میں اسلام کے تمام ارکان واجزا مناسب ترتیب کے ساتھ جمع ہوں۔ آیتِ کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ سے ثابت ہے کہ اسلام ایک کامل ومکمل مذہب ہے۔ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر اُس کی ہدایات حاوی ہیں یہی اس مذہب کی وہ امتیازی شان ہے جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی اسی لئے مسلمان کی عبادت جس طرح دوسرے مذاہب کی عبادت سے ممتاز ہے۔ اسی طرح اس کی تجارت، زراعت، سیاست، تہذیب وتمدن اور معاشرہ بھی دوسرے مذاہب سے بالکل جُدا اور امتیازی شان رکھتی ہے۔ سچا اور اچھا مسلمان وہی ہوسکتا ہے جو اپنی زندگی کے تمام حالات میں اسلامی ہدایات کو کو اختیار کرے۔

اسلام نے ہمیں ایک مخصوص تہذیب بھی سکھائی ہے۔ جس کے اجزاء ہر جمعہ کو قسط وار آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ انہی میں سے ایک جز تہذیبِ لباس بھی ہے، جس کے متعلق اسلامی ہدایات آج پیش کرتا ہوں۔

چنانچہ عرض ہے کہ اسلام نے لباس کی وضع قطع اور صورت وہئیت کے اعتبار سے کسی خاص شکل یا فیشن کو مقرر نہیں کیا، بلکہ وضع وقطع کے متعلق دو اصول مقرر کئے ہیں، جن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہر وضع کا لباس مسلمان

استعمال کرسکتا ہے۔ ان میں ایک اصول تو یہ ہے کہ مسلمان مرد و عورت ایسی وضع کا لباس پہنیں، جس میں بدن کا وہ حصہ جس کا چھپانا ضروری ہے پوری طرح چھپ جائے اور کشفِ عورت لازم نہ آئے۔ جو لباس جس قدر زیادہ ستر کو چھپانے والا ہوگا، اسی قدر اسلامی لباس کہلائے جانے کا زیادہ مستحق ہوگا اور وہ خدا اور رسولؐ کے نزدیک پسندیدہ ہوگا۔ دوسرا اصول یہ ہے کہ اُس لباس کی وضع قطع اور مجموعی صُورت غیر جنس کے لباس کے ساتھ مشابہ نہ ہو، مثلاً مرد کے لباس کی صورت عورت کے لباس سے یا عورت کے لباس کی صُورت مرد کے لباس کے ساتھ اور مسلمان کے لباس کی صُورت کفار کے لباس کے ساتھ مشابہ نہ ہو کہ آدمی اس کو پہن کر کافر صُورت معلوم ہونے لگے اور نہ ایسا لباس ہو جو کُفّار کے ساتھ خاص ہو یا ان کے شعار میں داخل ہو، پس جس قدر لباس میں کفّار سے مشابہت زیادہ ہوگی، اسی قدر سخت ممانعت کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔ اب ان دو اصول کو سامنے رکھ کر آپ ہر لباس کے متعلق اسلامی تہذیب میں داخل ہونا اور اس کا جائز ہونا یا نہ ہونا معلوم کرسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر موجودہ مروجہ لباس میں سے ایک مثال نیکر پہننا ہے۔ یہ ناجائز اور حرام ٹھہرتا ہے؛ کیونکہ عموماً گھٹنوں سے اُوپر نصف ران تک ہوتا ہے، حالانکہ مرد کو گھٹنوں تک بدن ڈھانکنا فرض ہے اور مثلاً ہیٹ، کوٹ، پتلون، نکٹائی، جوتہ، یہ مجموعی لباس بھی ناجائز ٹھہرتا ہے، کیونکہ علاوہ ممالکِ یورپ کے دیگر ممالک میں یہ عموماً کفار کا لباس ہے اور کفّار سے اس میں پوری مشابہت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح باقی لباس کی قسموں پر غور کر لیجئے، جس لباس میں پوری مشابہت کفّار کے ساتھ ہوگی وہ ناجائز ہے اور جس میں زیادہ مشابہت ہوگی وہ مکروہ ہوگا اور جس میں بالکل کم مشابہت ہوگی، وہ خلافِ اولیٰ ہوگا اور لباس میں سے وہ چیز جو کسی قوم

کفّار کا مخصوص شعار سمجھا جاتا ہو وہ حرام ہوگی، جیسے زنّار وغیرہ کہ ہندوؤں کا شعارِ خاص ہے، نیز مردوں کا لباس خواہ وہ فوجی ہو ویسا عورتوں کو پہننا حرام ہے، کیونکہ اس میں خلافِ جنس یعنی مردوں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، اس مرد پر جو عورتوں کا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردوں کا لباس پہنے اور مسلمان عورتوں کو ہندو عورتوں کا یا انگریزی عورتوں کا لباس پہننا بھی منع ہے۔ اس ممانعت کے درجات بھی مختلف ہیں مثلاً انگریزی کُرتہ یا گَوَن گھٹنوں تک، اندر چڈی، پنڈلیاں کُھلی ہوئی، یہ لباس قطعاً سخت حرام ہے، کیونکہ اس میں کفّار کے ساتھ پوری مشابہت اور ستر کا کُھلنا دونوں باتیں اسلامی اصولِ لباس کے خلاف ہیں۔ انگریزی گَوَن اور پاجامہ بغیر ڈوپٹہ کے یہ بھی حرام ہے، کیونکہ سر کُھلا رہا جو کہ عورت کے ستر میں داخل ہے۔ انگریزی گَوَن، ڈوپٹہ، اِزار یہ بھی مکروہِ تحریمی ہے، کیونکہ گَوَن میں سینہ، گلا بازو کُھلے رہتے ہیں اور اس کی وضع میں مشابہت بالکفّار بھی موجود ہے۔ مردوں میں نیم آستین کی قمیص بوقتِ نماز مکروہ ہے، کیونکہ کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ چھوٹی قمیص، کوٹ اور پاجامہ یہ لباس بھی شرعی نقطۂ نظر سے ناپسند کیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں سُرین اور اعضاءِ مخصوصہ کی شکل اکثر حالات میں خصوصاً سجدہ کی حالت میں محسوس ہوتی ہے۔ ان جزئیاتِ لباس پر مختصر کلام کرنے کے بعد اب اصول منع تشبہ بالکفّار کے متعلق عقل اور نقل کی روشنی میں کچھ مختصر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ پہلا اصول یعنی مرد کو عورت کا لباس و بالعکس سب کے نزدیک مُسلّم ہے، لیکن اصول منع تشبہ بالکفّار کے متعلق بعض ان مسلمانوں کو تامل ہے جن کا نشو و نما غیر اسلامی ماحول میں ہوا اور اسلامی شعائر اور اسلامی تہذیب کا اہتمام اُن کے قلب و دماغ میں نہیں رہا۔ اُن کی آگاہی کے لئے عرض ہے

کہ قومیں اور مذاہب اپنے خصوصیات ہی کی وجہ سے بنتے اور بگڑتے ہیں۔ جو قوم اپنی قومی خصوصیات کھو بیٹھیگی وہ یقیناً اپنے وجود کو خود آپ فنا کرلے گی اور جس مذہب کے پیرو اپنی مذہبی خصوصیات برباد کردیں گے وہ یقیناً اپنے مذہب کو مٹانے کے باعث ہوں گے اور خصوصیات کو باقی رکھنے کی صرف یہی تدبیر ہوسکتی ہے کہ غیروں کے اوضاع و اوصاف سے اپنوں کو محفوظ رکھا جائے۔ اس لئے دوسروں کی مشابہت سے منع کرنا ہی ایک ایسا اصول ہے جس کے ذریعہ مذہب اور اس کے حدود کو فنا اور اختلاط والتباس سے بچا سکتے ہیں اور صرف اسلام ہی بوجہ اپنی عالمگیر وسعت اور کامل و مکمل ہونے کے اس کا حقدار ہے کہ اس کی حدود و اصول وغیرہ کو غیروں کے اختلاط سے محفوظ کیا جائے۔ دوسرے مذاہب ناقص ہیں، اس لئے ان میں یہ اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ جہاں بھی عُمدہ چیزیں پائیں حاصل کرلیں، لیکن ملّتِ اسلام تو کامل و مکمل ہے، لہٰذا اس میں منع تشبہ کا اصول ہونا لازمی ہے اور اس کے ماننے والوں کو کسی طرح مذہب کی طرف سے یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ غیروں سے تہذیب و تمدن کی بھیک مانگتے پھریں۔ سخت افسوس ہے ان مُسلمانوں پر جنھوں نے اسلامی تہذیب کو ناقص سمجھ کر یا اپنے لئے غیر ضروری چیز جان کر کُفار کا نمونہ و تہذیب اختیار کی اور خود ہی نہیں بلکہ ہزارہا مسلمانوں کو اس گمراہی میں مبتلا کردیا۔ اسی گمراہی نے ہمارے دماغوں سے حقیقی اسلامی اسپرٹ بالکل فنا کردی ہے۔ انھیں میں سے بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اقرار کرتے ہیں کہ اسلامی تہذیب سب سے بہتر ہے اور اسلامی کلچر تہذیب و تمدن کی حفاظت کا دعویٰ بلند آواز اور پُرجوش تقریروں میں کرتے ہیں، مگر عملی حیثیت سے یہ حال ہے کہ سر سے پیر تک ہندو بنے ہُوئے ہیں یا انگریزی روپ لئے ہوئے ہیں بھلا جن کی ذہنیت کُفر کی ذہنیتوں کے سامنے شکست خوردہ ہو کر گھٹنے ٹیک چکی ہو وہ اسلام اد

اسلامی تہذیب و تمدن کی کیا حفاظت کر سکیں گے۔ خیر۔ عقلی طور پر تو یہ بات واضح ہو گئی کہ کفار کے ساتھ مشابہت سے منع کرنے کا قانون اسلامی قوانین میں ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اب میں نقلی طور پر عرض کرتا ہوں کہ قرآن اور حدیث میں کفار کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے سے اور تمام ایسے اسباب کے اختیار کرنے سے بھی منع فرمایا گیا جن سے مخالطت اور حق و باطل کا التباس پیدا ہو سکتا ہو، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ یعنی اے ایمان والو! کافروں کی طرح مت ہو جاؤ۔ یہ مفہوم عام ہے جس میں ہر طرح کی مشابہت داخل ہو کر ممنوع قرار پاتی ہے۔ مشابہت اور مخالطت کا ایک سبب یہ ہے کہ کسی کو کسی سے قلبی تعلق یا میلان پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی منع فرمایا ہے کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَاءَ۔ اے ایمان والو تم میرے اور اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ اوضاع و اطوار میں مشابہت کا ایک سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ باوجود قلبی نفرت کے آدمی ان کے ساتھ بیٹھے اٹھے اور ان کی باتیں سنے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی منع فرمایا۔ ارشاد ہے کہ فَلَا تَقْعُدُ مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ۔ یعنی ان کے ساتھ مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ دین پر اعتراض چھوڑ کر اور باتوں میں لگ جائیں۔ ان آیات سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے عقائد و اعمال میں جن اسباب سے مشابہت یا خلط ملط کا اندیشہ ہو سکتا تھا، ان سے بھی ممانعت فرمائی ہے اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (ابوداؤد) یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت پیدا کرے گا وہ انہیں میں شمار ہو گا۔ یہ حدیث بالکل صحیح السند ہے اور اس میں بھی مشابہت

عام ہے۔ لہٰذا اس کی رُو سے مسلمان کو کُفّار کے ساتھ ان کی مخصوص وضع میں ہر قسم کی مشابہت اختیار کرنا ممنوع قرار پاتا ہے۔ اس قسم کے تمام احکام سے مقصود یہی ہے کہ اسلام کی ہیئت مجموعی اور اس کی خصوصی امتیازات کو محفوظ رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ جو ایک طرف مذہبی پابندی کی سختی میں اور دوسری طرف سیاست میں ممتاز ہیں، تمام فاتح لشکروں کو احکام بھیجتے ہوئے شدّت کے ساتھ کفار کے اوضاع اطوار لباس وغیرہ اختیار کرنے سے مخالفت کا حکم فرماتے ہیں۔ ایک فرمان میں لکھتے ہیں۔ اِیَّاکُمْ وَالتَّنَعُّمَ وَزِیَّ الْاَعَاجِمِ خبردار ناز و نعمت کی زندگی اور عجمیوں کے لباس و ہیئت سے بچتے رہنا، یعنی ان کو ہرگز اختیار نہ کرنا۔ جب کوئی ملک فتح ہوتا تو آپ ذمی رعایا سے بھی ایسی باتوں پر عہد لیتے۔ جن پر عمل کرنے سے مسلمانوں اور کافروں میں تمیز اور خصوصیات باقی رہیں۔ اس قسم کے ایک عہد نامے کے چند جملے یہ ہیں، جن میں ذمی کافروں سے عہد لیا گیا تھا کہ "ہم مسلمانوں کی توقیر کریں گے۔ جب وہ ہماری مجلسوں میں بیٹھنے کا ارادہ کریں تو ہم اُٹھ جائیں گے۔ ہم ان کے ساتھ لباس، ٹوپی، عمامہ جوتے، سر کی مانگ وغیرہ کسی بات میں اُن سے مشابہت اختیار نہیں کریں گے۔ جہاں بھی رہیں گے اپنی ہی وضع پر رہیں گے بہ۱" (مختصراً) کیا آپ نہیں سمجھتے کہ اس قسم کا عہد کافروں سے لینے کی کیا وجہ تھی۔ یہی کہ دو قوموں میں باعتبارِ مذہب اور معاشرت کے کھلا ہوا امتیاز رہنا چاہئے۔ ایک مرتبہ آپ نے یہ حکم بھیجا کہ وَلَا یَلْبَسُوا لُبُسَ الْمُسْلِمِیْنَ حَتّٰی یُعْرَفُوْا۔ اور وہ (یعنی کفار) مسلمانوں کا لباس نہ پہنیں تاکہ وہ پہچانے جائیں۔" (الاقتضاء) مسلمان فاتح تھے، اس لئے یہ اندیشہ تو تھا ہی نہیں کہ مسلمان ان کا لباس اختیار کریں گے۔ ہاں فاتح کا اثر چونکہ مفتوح پر پڑتا ہے

۱؎ التشبہ فی الاسلام ۱۲

اس لئے یہ اندیشہ تھا کہ خود کفّار اسلامی لباس اختیار کرکے تشبّہ پیدا کردیں۔ اس لئے یہ احکام ذمیّوں پر جاری کئے گئے۔ ہائے افسوس آج کافر مسلمانوں کا نہیں بلکہ مسلمان کافروں کا لباس اختیار کر رہے ہیں۔ اسی انداز کے احکام حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی جاری فرمائے۔ اب رہا فقہی اعتبار سے تشبہ کا حکم کیا ہے؟ تو سُنئے کہ مذاہبِ اربعہ تشبّہ بالکفّار کی حرمت اور ممانعت کا کھلا اعلان کر رہے ہیں، جن کی تفصیلات کو بوجہِ اختصار چھوڑنا پڑا حتیٰ کہ فقہا ’’نے مجوس کی مذہبی ٹوپی اور زنّار وغیرہ باندھنے کو کُفر شمار کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ ایک مسلمان کلمہ اور نماز پڑھنے کے باوجود زنّار باندھنے یا کفّار کی ٹوپی اوڑھنے سے کافر کیوں ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں قاضی بیضاوی ’’کی عبارت پیش کردینا کافی ہے جو یہ[1] ہے کہ غیار پہننا، زنّار باندھنا کُفر اس لئے شمار کیا گیا کہ ان کا پہننا حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تکذیب پر دلالت کرتا ہے۔ یقیناً جس نے حضورؐ کی تصدیق کی ہے وہ بظاہر ان چیزوں کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور یہ تو کھلی بات ہے کہ اگر برطانیہ کی رعایا کا کوئی شخص جرمن لباس و نشان کے ساتھ پایا جائے گا اس کو جرمن ہی سمجھا جائے گا اور گرفتار کر لیا جائے گا اور اس سے مواخذہ کیا جائے گا اور اس کو ایسا کرنے سے روکا جائیگا۔ اگر ایسا شخص جنگ کے وقت ملے گا تو گولی مار دیا جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تشبہ بالکفار کا مسئلہ ایک حد تک آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ اب میں لباس کی کیفیت اور حدود کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تہذیبِ اسلامی میں پاجامہ تہبند کا ٹخنوں سے نیچے تک مکروہِ تحریمی ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کا ازار نصف پنڈلی تک

---

[1] انما عد لبس الغیار ولشد الزنار ونحوھا کفرا لانھا تدل علی التکذیب فان من صدق الرسولؐ لایجتری علیھا ظاھرا لا لانھا کفر فی نفسھا بیضاوی ۱۲

ہے اور ٹخنوں سے اوپر تک بھی مضائقہ نہیں اور اس سے نیچے ہو تو وہ دوزخ
کی آگ میں ہے اور جو اپنا ازار اترا کر کھینچتا چلا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر
نگاہ کرم نہ فرمائے گا (موطا مالک) نئی روشنی کی اندھیری پر غور فرمایئے کہ مرد
جس کے بدن کا اکثر حصہ کھلا رہنا کچھ زیادہ معیوب نہیں، اس کے لئے موجودہ
بدتمیزی ایسا پتلون زیادہ پسند کرتی ہے جو جوتے کو چھپا کر زمین میں گھسٹتا جائے
اور عورت جس کے بدن کا چھپانا ضروری تھا، اس کو اتنا ننگا کرنا پسند کرتی ہے کہ
اس کا پاجامہ تک اتروا دیا گیا۔ کیا یہ انتہائی حماقت سے کچھ کم بات ہے۔ عورت
کو بہت باریک لباس پہننا جس میں بدن جھلکے یا اتنا چست لباس پہننا جس
میں بدن کی وضع نظر آئے ناجائز ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں بہت سی
کپڑا پہننے والیاں آخرت میں ننگی شمار ہوں گی (بخاری) اب رہی یہ بات کہ
لباس کس چیز کا ہو۔ اس میں اسلامی تہذیب کا فیصلہ یہ ہے کہ مرد کو سونا اور
سونے کا ایسا کام کیا ہوا کپڑا جس میں دور سے کپڑا نظر نہ آئے اور چار انگل سے
زائد ہو نیز خالص ریشم کا کپڑا، جس میں غالب ریشم ہو حرام قرار دیا ہے۔ ہاں عورتوں
کے لئے جائز ہے۔ لڑکوں کو سونے چاندی کا زیور، ریشمی کپڑا، ریشمی مخمل، سونے
چاندی کا تعویذ بنا کر پہنانا جائز نہیں۔ بعض لوگ زری کی پگڑی یا زری کی ٹوپی
پہنتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ اگر یہ کام چار انگشت سے زائد چوڑا ہو تو یہ حرام ہے۔
لباسِ فاخرہ جو شہرت اور فخر کے لئے پہنا جائے وہ بھی ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے
کہ جو شخص شہرت کا لباس پہنے گا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو وہی لباس پہنائے
گا۔ پھر اس میں آگ لگا دی جائے گی۔ (ابوداؤد) لباس اپنی حیثیت سے بہت کم درجہ
کا بھی نہ پہننا چاہئے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ "میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس
حال میں کہ میرے اوپر میلے کپڑے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس مال

ہے۔ مَیں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ فرمایا۔ جب اللہ نے تجھ کو مال دیا ہے تو اللہ کی نعمت کا اثر اپنے اوپر ظاہر کر (نسائی) بزرگو! لباس کے متعلق ضروری مسائل عرض ہو چکے۔ اب دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اسلامی تہذیب و معاشرۃ اختیار کرنے کی توفیق دے اور کافروں کی تہذیب و معاشرۃ کے ناپاک اثرات سے ہمیں محفوظ رکھے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین[1]۔

[1] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ٥ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

خطبۂ جمعہ سوم ماہِ جمادی الثانی دربیانِ آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی

تہذیبِ نُرمیت اور حلقِ لحیہ کی ممانعت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ٥ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہُ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمِ ٥ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہُ الرَّؤُفُ

الرَّحِيْمُ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

الَّذِيْنَ تَمَسَّكُوْا بِدِيْنِهِ الْقَوِيْمِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا

مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ

الْاِسْلَامِيَّةِ ○ تَهْذِيْبُ الْبَدَنِ بِزِيْنَةِ

الشَّرْعِيَّةِ ○ وَهِيَ طَهَارَةُ الْجِسْمِ عَنِ النَّجَاسَةِ

الْحَقِيْقَةِ وَالْحُكْمِيَّةِ ○ وَدَفْعُ الْفُضُلَاتِ

الْبَدَنِيَّةِ ○ وَحِفْظُ زِيْنَةِ الْخِلْقِيَّةِ ○ فَقَدْ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ

قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَ

الْاِسْتِنْشَاقُ بِالْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ

الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبْطِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ

يعنى الاستنجاء بالماء

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْقَزَعِ وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ + اَنْھِکُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰی وَفِیْ رِوَایَۃٍ خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ وَفِّرُوا اللُّحٰی وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ ○

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَاکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا الخ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

وعظِ جمعہ سوم ماہِ جمادی الثانی در آدابِ معاشرۃِ اسلامیؒ

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی

تہذیبِ زیب و زینت اور ریش کی اہمیت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملّت! معاشرۃِ اسلامیہ کے سلسلہ میں تہذیبِ لباس کے متعلق آداب بیان کئے جا چکے ہیں۔ آج آدابِ زینت کے متعلق چند مسائل گوش گذار کرنا چاہتا ہوں۔ زینت کے سلسلہ میں عورتوں کے لئے ہر قسم کے رنگ کا کپڑا جائز ہے جبکہ

اس کے ساتھ کوئی غلط عقیدہ وابستہ نہو، مثلاً محرم میں سیاہ رنگ کو خاص کر لینا وغیرہ لیکن مردوں کو شوخ و سرخ رنگ کا لباس مکروہ تحریمی ہے (شامی)، انگوٹھی عورت کو صرف سونے چاندی کی جائز ہے۔ دوسری دھاتوں کی جائز نہیں، مرد کو صرف چاندی کی انگوٹھی جس کا وزن ایک مثقال یعنی ۴ ½ ماشہ سے کم ہو، جائز ہے، مگر پھر بھی بلا ضرورت انگوٹھی پہننا شریعت کی نگاہ میں ناپسند ہے۔ ہاں قاضی، حاکم وغیرہ کو حکم ناموں پر مہر لگانے کے لئے پہننے میں مضائقہ نہیں (شامی) اور مرد کو سونے کے بٹن خواہ زنجیر دار ہوں یا بلا زنجیر استعمال کرنا جائز نہیں۔ چاندی کے بٹن زنجیر دار مرد کو ناجائز ہیں۔ زینت کے لئے تصویر بھی لگائی جاتی ہے، حالانکہ تصویر رکھنا اور بنانا دونوں ناجائز ہیں اور کسی کی تعظیم کے لئے تصویر رکھنا شرک کا شعبہ ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں تصویر یا کتا ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (ترمذی) مہندی کا خضاب لگانا، جس سے ہلکی سرخی آتی ہو جائز ہے اور سیاہ خضاب جس سے بڑھاپا چھپ جائے حرام ہے۔ خوشبو کے متعلق اسلام کی تہذیب یہ ہے کہ رنگدار ہلکی خوشبو عورتیں لگائیں اور بے رنگ کی مرد استعمال کریں، جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں ہے۔ اب رہی وہ زینت جو اعضائے جسم سے تعلق رکھتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں اکثر کو ایک حدیث میں اس طرح جمع فرمایا ہے کہ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں۔ مونچھوں کا کٹانا، داڑھی کا بڑھانا، مسواک کرنا، ناک کو پانی سے صاف کرنا، کلی کرنا، ناخن کٹانا، انگلیوں کی جڑوں اور جوڑوں کا دھونا، بغل کے بال صاف کرنا، موئے زیرِ ناف دور کرنا، پانی سے استنجا کرنا (ابو داؤد) ان دس آدابِ اسلامی میں سے اکثر پر آپ کا عمل ہے، لیکن مسواک مسلمانوں سے رخصت ہو رہی ہے، کیونکہ معلمِ یورپ نے برش

اور ٹوتھ پاؤڈر استعمال کرنا ہم کو سکھا دیا ہے۔ مونچھیں کٹانا بھی ہم نے اس لئے اختیار کیا ہے کہ مغربی تہذیب نے اس کو پسند کر لیا ہے۔ اب رہی داڑھی اس کے متعلق عرض ہے کہ عقلی، طبی اور دینی تینوں نظریوں کے لحاظ سے داڑھی رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ وقار اور رعب قائم رکھنا انسانی زندگی کے لئے بہت مفید ہے اور یقیناً داڑھی ہی چہرہ کو باوقار اور رعب دار بناتی ہے۔ نیز سوچو کہ قدرت نے مرد اور عورت کے درمیان کیا فرق رکھا ہے۔ ایسا نمایاں فرق بتاؤ جو دور سے سرسری نظر میں معلوم ہو سکے۔ ایسا فرق صرف ایک ہی ہے کہ قدرت نے عورت کو داڑھی سے محروم کر دیا ہے اور مرد کو یہ حسنِ مردانہ عطا فرمایا ہے۔ نیز ظاہر کا اثر باطن پر یا بیرونی حالات کا اثر دماغ و ذہنیت پر پڑنا یقینی ہے۔ بہت سے نوجوانوں میں زنانہ ایکٹ کرتے رہنے کی وجہ سے زنانہ خو بو پیدا ہو جانے کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے جس سے بزدلی اور نامردی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ ہماری بزدلی کا یہ عالم ہے کہ قربانی کا بکرا بھی ذبح نہیں کر سکتے اور بعض ایسے رستم ہیں کہ ذبح کردہ بکرا دیکھ بھی نہیں سکتے۔ اس قدر بزدلی پیدا ہونے کے اسباب گو بہت سے ہیں لیکن ان میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہمارے دماغ پر نسوانی تخیلات اور صنفِ نازک کی شکلوں سے بھرے ہوئے ماحول نے اس قدر قبضہ جما لیا ہے کہ وہ ہماری مردانہ خصوصیات پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ پس ہمیں مردانگی کے جوہر کو صیقل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایسے تخیلات اور اشکالِ نسوانی کے ماحول کو اپنی نظروں سے دور کریں تاکہ آنکھوں کے ذریعہ یہ زہر بھرا اثر ہمارے دماغ کو ماؤف نہ کر سکے۔ طبی نقطۂ نظر سے داڑھی رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ طب کا مسلّمہ اصول یہ ہے کہ جس عضو پر خراش پہنچائی جائے گی، اس طرف خون کا رجوع زیادہ ہو جائے گا اور اس کا تغذیہ زیادہ ہو گا۔ داڑھی منڈانے میں رخسار پر خراش ہوتی ہے۔ لہٰذا اس راہ

آنکھوں کی طرف سے جو کہ قریبی اور زیادہ قیمتی اعضا ہیں خون رخسار کی طرف آئیگا، جس کی وجہ سے دماغ اور قوتِ بینائی کے تغذیہ میں کمی ہو کر غیر محسوس طریقہ پر ضعف پیدا ہوگا، حالانکہ دماغ اور آنکھوں کا قوی رکھنا بہت زیادہ ضروری ہے۔ پس ڈاڑھی منڈانا بینائی اور دماغ کے لئے سخت مضر ہے، جس کی مضرت فی الفور محسوس نہیں ہوتی۔ ہاں ایک عرصہ کے بعد محسوس بھی ہو جاتی ہے، جیسے کہ بکثرت چائے کی مضرت فی الفور نہیں بلکہ عرصہ کے بعد معلوم ہوتی ہے اور شاید یہی وجہ ہو کہ نظر کی کمی اور دماغ کی کمزوری کی شکایت بہت زیادہ عام ہوگئی ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ ضعفِ بصارت و دماغ اور قلتِ عمر کا صرف یہی سبب ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے دیگر خفیہ اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔ نیز تجربہ ہے کہ اگر کسی کی خصیتین نہ ہوں یا چھوٹے ہوں تو اس کے ڈاڑھی نہ اگے گی۔ اگر کسی بچہ کے خصیتین نکال دئے جائیں تو بلوغ کے بعد ڈاڑھی پیدا نہ ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خصیتین اور رخسار میں ضرور کوئی خفیہ تعلق ہے۔ اس تعلق کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر داڑھی منڈائی جائے گی تو خون کا رجوع رخسار کی طرف ہو کر خصیتین میں ضرور کمزوری پیدا ہوگی، جس سے قوت باہ کمزور ہوگی۔ ممکن ہے کہ آج کل باہ کی عام کمزوری کے دیگر اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہو۔ بہر حال ان طبی وجوہات کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنے لئے کامل اور عمدہ تندرستی چاہتا ہے۔ اسے داڑھی ضرور رکھنی چاہئے تاکہ داڑھی منڈھانے کی غلط حرکت اس کی جسمانی کمزوری کا سبب نہ بنے۔ شرعی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو اسلامی تہذیب کے وہ دو اصول کہ عورت اور مرد میں امتیاز اور کافر و مسلم میں فرق قائم رکھنا یہ دونوں اصول داڑھی منڈانے کو صاف منع کر رہے ہیں۔ تشبہ بالکفار سے روکنا شریعت کا خاص اور اہم اصول ہے، جس پر تمام اسلامی تہذیب کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔

بلکہ شریعت کے تمام مسائل خواہ عقائد ہوں یا اعمال، عبادات ہوں یا معاملات ہر جگہ اس
اصول کا اول سے آخر تک لحاظ رکھا گیا ہے۔ لہٰذا داڑھی کے بارے میں بھی
اس اصول کو شریعت ہرگز فراموش نہیں کر سکتی تھی، اسی لئے شارع علیہ
السلام نے داڑھی رکھنے کی سخت ترین تاکید فرمائی اور داڑھی منڈوانے سے سخت
نفرت کا اظہار فرمایا، کیونکہ وہ اپنے عمل سے شریعت کے اس زرّین اصول کو برباد
کر رہا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ داڑھی کا مسئلہ اسلام میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا
لیکن یہ خیال غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو
ماننا ضروری ہے اور آپ کے حکم کی مخالفت کرنا، یعنی اس کو نہ ماننا یا مان کر
اس کو نہ کرنا سخت گناہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَلَا وَرَبِّكَ
لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا الآیہ "پس قسم ہے
آپ کے رب کی وہ ہرگز ایمان والے نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ اپنے اختلافی
مسائل میں آپ کو حکم اور جج نہ بنائیں۔ پھر آپ کے فیصلہ سے وہ اپنے دلوں میں کوئی
تنگی نہ پائیں اور پوری طرح آپ کے فیصلہ کو نہ تسلیم کر لیں۔" اس آیت کے مضمون
پر غور فرمائیں۔ پھر بتلائیں کہ داڑھی کے بارے میں حضورؐ کا فیصلہ آپ کو تسلیم ہے یا
نہیں۔ اگر نہیں تو آپ مومن نہیں رہتے۔ اگر منظور ہے تو آج سے داڑھی رکھنا شروع
کر دیں اور اگر آپ فیصلہ منظور کر لیں مگر داڑھی نہ رکھیں تو یہ منظور کرنا ایسا
ہے جیسا بیٹا باپ کے ہر حکم کو جی ہاں جی ہاں کہہ کر مانے مگر عمل نہ کرے۔ بتائیے
تو سہی اس کا باپ کیا کہے گا۔ یہی نا کہ میرا بیٹا میرا حکم نہیں مانتا۔ تو جب باپ
اس "جی ہاں" کے دھوکے میں نہیں آتا تو کیا خدا کو آپ اس قسم کا دھوکہ دے
سکیں گے۔ ہرگز نہیں تو پھر انجام سوچئے اور سنئے۔ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے۔ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ " ان لوگوں کو جو حضورؐ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ کہیں کوئی فتنہ (دنیوی تکلیف) یا خُدا کی طرف سے دردناک عذاب نہ پہنچ جائے"۔ ظاہر ہے کہ داڑھی مُنڈانا حضورؐ کے حکم " داڑھی بڑھاؤ " کی صریح وصاف مخالفت ہے۔ خصوصًا جب کہ آپ کا صریح حُکم معلوم ہو چکا ہو پھر بھی مُنڈواتے رہنا کھُلی مخالفت ہے اور چونکہ خُدا کا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا۔ اس آیت میں دردناک عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنا انجام سوچ لینا چاہیئے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ " جو شخص[1] ہدایت معلوم ہو جانے کے بعد بھی رسولؐ کی مخالفت کرے اور مومنین (صحابہ) کے طریقہ کے خلاف چلے ہم اُسے دُنیا میں جو کچھ وہ کرنا چاہتا ہے کرنے دیں گے اور آخرت میں جہنم میں جھونک دیں گے جو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے"۔ فرمایئے کہ رسولؐ کی داڑھی کے بارے میں کیا ہدایت ہے اور صحابہؓ کا طریقہ اس میں کیا ہے۔ یہی کہ داڑھی رکھنا۔ تو پھر منڈوانا ہدایتِ رسولؐ اور طریقۂ صحابہؓ کی مخالفت کرنا ہُوا یا نہیں۔ اب انجام سوچیئے۔ اللہ تعالیٰ کا حُکم ہے کہ رسولؐ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ صلعم کا حکم ہے کہ داڑھی رکھو۔ پس حضورؐ کا یہ حکم دراصل خُدا ہی کا حکم ہے۔ خصوصًا جبکہ خود اللہ نے فرما دیا کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔ " وہ (یعنی رسولؐ) اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں وحی ہے جو خُدا کی طرف سے بھیجی گئی ہے۔ اس قرآنی نص کے اقتضا سے معلوم ہُوا کہ داڑھی کا حُکم بھی خُدا کی طرف سے وحی کیا ہوا ہے۔ کیا اب بھی کسی کو داڑھی رکھنے کے واجب ہونے میں شک ہو سکتا ہے۔ اب داڑھی کو حدیثِ شریف کی روشنی میں دیکھیئے کہ حضورِ انورؐ

---

[1] ومن یشاقق الرسول الآیۃ ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔ داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ (بخاری و مسلم) ابن عمرؓ کی دوسری روایت میں آپؐ نے فرمایا کہ مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ یعنی چھوڑ دو (بخاری) ابوہریرہؓ کی روایت میں آپ نے فرمایا کہ مونچھیں کاٹو اور داڑھی چھوڑو اور مجوس کی مخالفت کرو۔ ایک اور حدیث میں ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے حکم دیا ہے مونچھوں کے کم کرنے اور داڑھی کے بڑھانے کا (مسلم) داڑھی کے متعلق بہت سی احادیث میں سے بوجہِ اختصار یہ چند حدیثیں پیش کی گئی ہیں۔ ان کے مضمون میں غور فرمایئے کہ ہر حدیث میں حضور صلعم نے امر کا صیغہ استعمال فرمایا ہے جو عموماً وجوب کے لئے مستعمل ہوتا ہے اور پھر سب میں ثلاثی مزید فیہ کے صیغے اعفوا۔ اوفوا۔ ارخوا۔ وفروا استعمال فرمائے ہیں، حالانکہ ثلاثی مجرد کے صیغوں سے بھی یہ مطلب ادا ہو سکتا تھا، مگر زیادہ تاکید فرمائی مقصود تھا۔ اسی لئے مزید فیہ کے صیغے استعمال فرمائے۔ پھر حضرت ابنِ عمرؓ نے تو حکم ہونے کی تصریح ہی فرما دی کہ "حضور انورؐ نے ہم کو حکم دیا" جس سے وجوب کی تاکید ہوتی ہے اور سنئے کسریٰ کے حکم سے باذان حاکمِ یمن نے دو قاصد نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیقات کے لئے بھیجے، جن کی مونچھیں بڑی اور داڑھی چھوٹی کٹی ہوئی تھی (جیسی کہ آپ میں بعض لوگ جو اپنے آپ کو بڑا دیندار سمجھ کر داڑھی رکھتے ہیں مگر کٹا کر) الغرض جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو حضورِ انورؐ نے ان کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھنا پسند نہ کیا اور فرمایا تم کو اس (داڑھی کٹانے کا) حکم کس نے دیا۔ انہوں نے کہا ہمارے رب کسریٰ نے۔ تب حضورؐ نے فرمایا کہ میرے رب نے تو مجھ کو داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کا حکم دیا ہے۔ (طبقات ابنِ سعد از ابنِ عمرؓ) دیکھئے اس واقعہ سے صاف معلوم ہوا کہ داڑھی کا حکم خدا کی طرف سے ہے۔ ایک اور

حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اے رُوَیفِعؓ، شاید کہ تمہاری زندگی میرے بعد تک دراز ہوگی۔ پس تم لوگوں کو خبر کردینا کہ جو شخص داڑھی (چڑھانے) کو باندھے یا زنّار گلے میں ڈالے یا گوبر اور ہڈی سے استنجا کرے تو محمدؐ اس سے بری الذمہ ہے (نسائی) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس سے کوئی تعلق نہیں خیال فرمائیے کہ جب داڑھی رکھ کر اُسے اُوپر چڑھانے اور باندھنے پر حضورؐ اس قدر سخت بیزاری کا اظہار فرمارہے ہیں تو داڑھی منڈانے پر آپ قیامت کے دن کس قدر بیزار ہوں گے۔ مسلمانو! اب بھی ہوش میں آؤ۔ اپنے خیر خواہ اور شفیق ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر بیزار مت کرو، جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیزار اور ناراض ہوں اس کو ہرگز قیامت میں آپ کی شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے میری سُنّت (میرا طریقہ) کو چھوڑا وہ ہرگز میری شفاعت نہ پائیگا۔ (دار المختار) معزز حضرات، کیا آپ حضورؐ کو ناراض کرکے ان کی شفاعت سے محروم رہنا چاہتے ہیں یا آپؐ کی شفاعت چاہتے ہیں۔ اگر شفاعت مطلوب ہے تو فوراً اس گناہِ کبیرہ سے توبہ کیجئے اور سُنئے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ چھ (شخص) ہیں، جن پر میں نے لعنت کی اور خدا نے بھی ان پر لعنت کی۔ ان چھ میں سے آپؐ نے تارکِ سُنّت کو بھی شمار فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِيْ" اور میری سُنّت کو چھوڑنے والا۔ (بیہقی) یقینی بات ہے داڑھی رکھنا، حضورؐ کی سُنّت ہے اور حدیثِ مذکور سے معلوم ہوا کہ تارکِ سُنّت پر لعنت ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ داڑھی منڈانے والا خدا اور اس کے رسولؐ کی لعنت کا مستحق ہے۔

حضرت مُلّا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضورؐ کی تمام سُنتوں سے یا بعض سُنتوں سے اعراض کرنے والا اگر اس سُنّت کو معمولی اور نا قابلِ توجہ چیز سمجھ کر

ؑ رُوَیفِعؓ اسمِ گرامی ہے ایک صحابی کا رضی اللہ عنہ ۱۲

اعتراض کرتا ہے تو وہ کافر اور ملعون ہے اور اگر محض سُستی اور کاہلی کی وجہ سے سُنّت کو اختیار نہیں کرتا، لیکن اس کو معمولی چیز نہیں سمجھتا تو اب وہ کافر نہیں بلکہ سخت گنہ گار ہے۔ اب میں آپ سے پُوچھتا ہُوں کہ قسم کھا کر بتلائیے کہ آپ داڑھی کیوں نہیں رکھتے۔ سچ بتائیے کیا آپ داڑھی کی سُنّت کو معمولی چیز نہیں سمجھتے اور کیا آپ کے دلوں میں یہ ناقابلِ توجہ نہیں ہے؟ کیا آپ محض سُستی اور کاہلی کی وجہ سے داڑھی نہیں رکھتے! سُستی کی وجہ سے داڑھی نہ رکھنے کا بہانہ محض جھوٹ ہے، کیونکہ داڑھی رکھنے میں آپ کو کوئی کام کرنا نہیں پڑتا بلکہ اس کے منڈانے میں دس کام کرنے پڑتے ہیں۔ معلوم ہُوا کہ داڑھی نہ رکھنا سُستی کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ لوگ داڑھی کی سُنّت کو غیر ضروری چیز یا معمولی بات سمجھتے ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ داڑھی کی سیاہی کو اپنے چہرہ پر ایک معیوب اور بدنما دھبّہ سمجھ کر نہایت اہتمام سے اس کو منڈواتے ہیں سُنّت کو معمولی گردانا بھی کُفرِ صریح ہے اور معیوب سمجھنا تو بہت بڑا کُفر ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ صاف چہرہ لسوانی شکل ہے اور حدیث میں ہے کہ چار شخص ہیں جو صُبح کرتے ہیں خُدا کے غضب میں اور شام کرتے ہیں خُدا کے غضب میں۔ ایک وہ مرد جو عورتوں کی مشابہت پیدا کرے۔ دوسری وہ عورت جو مردوں کی مشابہت پیدا کرے۔ تیسرا وہ شخص جو جانوروں سے فعلِ حرام کرے۔ چوتھا وہ شخص جو مرد سے فعلِ حرام کرے۔" (ابوداؤد) اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی منڈانے سے آدمی پر صُبح و شام یا رات دن خدا کا غضب نازل ہورہا ہے۔ اے خُدا کے بندو! اگر تم میں کُچھ بھی ایمان ہے تو خدا کے غضب سے ڈرو، اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت مت کرو۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ (خُدا کی طرف سے) ذلّت اور حقارت مسلّط کردی گئی ہے اس شخص پر جس نے میرے حکم کی مخالفت کی (مسند احمد بن حنبلؒ) دوستو اور بزرگو! داڑھی کا مسئلہ شریعت میں جس قدر اہم ہے اس کا حال مذکورہ آیات اور روایات سے کافی

طور پر معلوم ہو چکا ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ شریعت کے کسی حکم یا حضورؐ کی سُنّت کا استخفاف اور استہزا یعنی مذاق اُڑانا کفر ہے۔ فقہا نے اس کی تصریح کی ہے۔ پس داڑھی کو درمیان میں لاکر کسی کو بُرا کہنا، گالی دینا، مذاق اُڑانا، جیسے کوئی کہے کہ "بکرے کی داڑھی والے آرہے ہیں" اور کوئی آواز دے "او دڑھیالے" یا یہ کہے کہ داڑھی والے چور بدمعاش ہوتے ہیں یا ٹھگ ہوتے ہیں۔ اچھی طرح سُن لو کہ یہ تمام الفاظ کُفر کے مُرادف ہیں۔ حضرت امام ابویوسفؒ کی مجلس میں ذکر ہُوا کہ حضورؐ نمکین کدو کو بہت پسند فرماتے تھے۔ ایک شخص بول اٹھا کہ میں تو کدو پسند نہیں کرتا تو آپ نے فوراً تلوار کھینچ لی اور فرمایا کہ توبہ کر ورنہ قتل کر دوں گا۔ آپ نے دیکھا کہ احناف کے ایک بہت بڑے امام نے اس بنا پر کہ ایک مُسلمان نے صُورۃً حدیث رسول کی مخالفت کی اور مقابلہ کی صُورت بنائی تھی، کس قدر سخت معاملہ کیا، حالانکہ اس نے کدو کا مذاق نہیں کیا بلکہ صرف اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ پس کیا حال ہوگا، ان کا جنہوں نے نہ صرف یہ کہ داڑھی نہیں رکھی بلکہ داڑھی کو ناپسند کیا اور مذاق اُڑایا۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ اِلَّا اَنْ یَّسْتَخِفَّهٗ فَیَقُوْلُ هٰذَا فِعْلُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَنَ لَا اَفْعَلُهٗ فَحِیْنَئِذٍ کَفَرَہٗ یعنی مگر یہ کہ کسی سُنّت کو ہلکا سمجھے اور یوں کہے کہ یہ کام رسول اللہ صلعم نے کیا ہے، لیکن میں نہیں کرونگا، تو اب وہ شخص کافر ہوگیا۔ شریعت کا قاعدہ ہے کہ اِسْتِحْلَالُ الْمَعْصِیَةِ کُفْرٌ یعنی کسی گناہ کو حلال و جائز سمجھنا کفر ہے۔ اب ذرا غور کرو داڑھی مُنڈانے والوں میں ۹۵ فیصدی وہ ہیں جو اس کو گناہ نہیں سمجھتے۔ اُن کے ایمان و اسلام کا کیا حال ہوگا۔ اب میں اس مسئلہ کو فقہ کی روشنی میں دکھانا چاہتا ہُوں۔ مندرجۂ بالا آیاتِ قرآنی و احادیثِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم و اصولِ شریعتِ مذکورۂ بالا سب کا لحاظ اور سب پر غور و فکر کرتے ہُوئے فقہا میں سے بعض نے داڑھی کو سُنّتِ

مؤکدہ کہا ہے، مگر یہ قول ضعیف ہے، لیکن اس قول کے لحاظ سے بھی داڑھی رکھنا ضروری ہوا، کیونکہ سنتِ مؤکدہ[1] واجب کے قریب ہوتی ہے۔ اس کا تارک گمراہ ہے اور ترکِ سنتِ مؤکدہ مکروہِ تحریمی ہے جو حرام[2] کے قریب ہے اور امام محمد کے نزدیک حرام ہے اور مکروہِ تحریمی کا بار بار مرتکب ہونا گناہِ کبیرہ[3] ہے۔ پس اس ضعیف قول کے مطابق بھی داڑھی رکھنا واجب کے قریب اور منڈانا گناہِ کبیرہ ہُوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے۔ ایک مٹھی سے زائد کٹانا بھی جائز نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ایک مٹھی بھر داڑھی رکھنا واجب ہے جس کا وجوب حدیث سے ثابت ہے اور مٹھی سے زائد کٹوانا واجب ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ صرف داڑھی رکھنا واجب ہے اور مونڈنا حرام ہے۔ مٹھی بھر کی داڑھی رکھنا سنت[4] ہے۔ یہی قول سب سے زیادہ معتبر ہے۔ دلائلِ معتبرہ سے یہی ثابت ہے۔ بہر حال ان تینوں اقوال میں متفق طور پر یہ فیصلہ ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے اور منڈانا حرام ہے اور حرام کا کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ لہٰذا تینوں اقوال سے داڑھی منڈانا گناہِ کبیرہ ہے۔ الحمد للہ کہ اس مسئلہ پر قرآن و حدیث اور فقہ سے کافی روشنی پڑ چکی ہے۔ اب میں تہذیبِ اسلامی کے لحاظ سے سر کے بالوں کے احکام بیان کرتا ہوں۔ شریعت کی تہذیب بالوں کے متعلق یہ ہے کہ مسلمان اگر بال رکھے تو پورے رکھے اور مسنون ہے کہ کانوں کی لو تک ہوں اور نہ رکھے تو سب کو منڈائے یا سب کو کترائے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ اور کوئی تیسری صورت اسلامی تہذیب میں جائز نہیں۔ اس زمانے میں جو انگریزی بال رکھے جاتے ہیں شریعتِ اسلامیہ میں اس فیشن کی کوئی جگہ نہیں۔ اس کے ناجائز

---

[1] السنن الموکدۃ قریبۃ من الواجب یضل تارکھا لان ہ استخفاف بالدین (شامی) انہ الی الحرام اقرب (ہدایہ) وفی عالمگیریہ قال محمد کل مکروہ حرام [2] کل معصیۃ اصر علیھا العبد کبیرۃ (شرح عقائد نفی) ۱۲

[4] ماخوذ از تحریرات مولانا شاہ [illegible] العزیز رح ۱۲

ہونے کی ایک بڑی دلیل تو یہ ہے کہ ممالکِ مشرقیہ میں ایسے بال رکھنا شعار ہے
نصاریٰ اور یہود وغیرہ کا۔ پس ان کے رکھنے میں تشبہ بالکفار ہے، لہٰذا ناجائز
ہے۔ اس کے علاوہ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قزع سے منع فرمایا
ہے اور قزع کا مطلب خود راوی نے یہ بیان کیا ہے کہ پیشانی اور دونوں جانب کے
بال چھوڑ کر باقی بال مونڈھے جائیں اور ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و
سلم نے ایک لڑکے کو دیکھا جس کے سر کے بال مونڈھے ہوئے اور بعض چھوڑے
ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا "یا سب مونڈو یا سب چھوڑ دو۔ (شیخین) ابوداؤد کی ایک
روایت میں ہے کہ پہلی صورت یہود کی ہیئت ہے اور رُوح البیان جلد اول میں ہے کہ
ایک شخص اپنے لڑکے کو لے کر حضرت ابوبکرؓ کی مجلس میں حاضر ہوا۔ اُس لڑکے کے بعض
بال مونڈے ہوئے اور بعض چھوڑے ہوئے تھے تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کو قتل کا حکم
دیا، لیکن اس نے توبہ کی اور معذرت چاہی تو آپ نے معاف کر دیا۔ اندازہ فرمایئے کہ
طریق سُنّت اور حضورؐ کے حُکم کے خلاف کرنے پر حضرت ابوبکرؓ نے کس قدر غصّہ
فرمایا ہے۔ پس اے مسلمانو! اگر ہم آپ واقعی صحیح معنوں میں مُسلمان ہیں اور ہمارے
دل میں ذرا بھی خدا کا خوف ہے اور حضورؐ کی شفاعت کی اُمید ہے تو داڑھی اور
بالوں کے بارے میں خُدا سے ڈرنا چاہیئے اور حضورؐ کے حُکم کی مخالفت نہ کرنا چاہیئے۔
ورنہ یاد رکھئے کہ اس بداعمالی کا انجام بہت ہی بُرا ہے۔ مَیں سمجھتا ہُوں کہ آپ سب
نیک دل ہیں، لیکن داڑھی کی اہمیت آپ لوگوں کو صاف طور پر معلوم نہیں تھی۔
اس لئے آپ اس غلطی میں اب تک مبتلا رہے ورنہ ضرور عمل کرتے۔ خُدا کرے کہ
میرا یہ خیال صحیح نکلے۔ اب دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور جملہ مُسلمانوں کو ہر
حرام کام سے بچائے اور ہر گناہِ کبیرہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے پتھر
کے سے دلوں میں اپنا خوف پیدا فرمائے۔ ہمیں آمنہ... داڑھی رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور

پچھلی غلطیاں معاف فرمائے ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۞

ع۔ اعوذ باللہ الخ مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۞ بارک اللہ الخ

خطبۂ جمعہ چہارم ماہِ جمادی الثانی درآدابِ معاشرۃِ اسلامیہ ۹ بسلسلہ تہذیبِ اسلامی

تہذیب و تعلیم نسوان اور پردہ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ زَوْجَیْنِ ۞

وَفَطَرَهُمَا عَلٰی سَجِیَّتَیْنِ عَلٰاحِدَتَیْنِ ۞

لِیَتَّقُوْا بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ فِیْ عِبَادَةِ

خَالِقِ الْكَوْنَیْنِ ۞ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا

اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ فِی الثَّقَلَیْنِ ۞ وَاَشْهَدُ اَنَّ

سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِمَامُ

الْقِبْلَتَیْنِ ۞ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

فِی الدَّارَیْنِ ۞ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْحَاضِرِیْنَ ۞ اِعْلَمُوْا

اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ مِنْ وَّظَائِفِ حَیَاةِ

الرِّجَالِ ۞ رَفْعَ الْمُؤْنَةِ عَنِ الْاَهْلِ وَالْاِنْفَاقِ

عَلَی الْعِیَالِ ۞ وَجَعَلَ مِنْ وَّظَائِفِ حَیَاةِ الْمَرْاَةِ

تَسْکِیْنَ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ۞ وَتَوْلِیْدَ اَوْلَادِهِمْ وَ

تَرْبِیَةَ اَطْفَالِهِمْ ۞ وَحِفْظَ مَتَاعِهِمْ فِیْ بُیُوْتِهِمْ ۞

وَاِنْصِرَامَ حَوَائِجِ الْبُیُوْتِ لَهُمْ ۞ وَاِخْتِصَاصَ

ذَوَاتِهِنَّ ۞ بِالْعِصْمَةِ وَالْعِفَّةِ لِاَزْوَاجِهِنَّ ۞

وَقَدْ قَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ[1] اَلْمَرْاَةُ عَوْرَةٌ

فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّیْطَانُ ۞ وَعَنْ

اُمِّ سَلْمَةَ رض[2] قَالَتْ کُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

وَعِنْدَهٗ مَیْمُوْنَةُ + فَاَقْبَلَ اِبْنُ اُمِّ مَکْتُوْمٍ وَ

---

[1] ترمذی ۱۲ [2] ترمذی ۱۲

ذَالِكَ بَعْدَ اَنْ اُمِرْنَا بِالْحِجَابِ + فَدَخَلَ عَلَيْنَا

فَقَالَ اِحْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ + اَلَيْسَ

هُوَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا + قَالَ اَفَعَمِيَا

وَاِنْ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ

الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ چہارم ماہِ جمادی الثانی درآدابِ معاشرۃ اسلامیہ بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی

تہذیب و تعلیمِ نسواں اور پردہ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

برادرانِ ملت! کائناتِ عالم پر ایک گہری نظر ڈالئے تو آپ کو ثابت ہوگا کہ قُدرت نے ہر چیز کا جوڑا پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ حیوانات کا جوڑے دار ہونا تو ظاہر ہے، لیکن ماہرینِ نباتات و اشجار کی تحقیقات سے معلوم و ثابت ہوا ہے کہ درختوں اور پتھروں میں بھی نر اور مادہ پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ قُدرت کا یہ

کام حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ پھر نر اور مادہ کی تخلیق کچھ اس انداز سے کی گئی ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے وجود کو قائم اور مقصدِ حیات کو ادا کرنے میں دوسرے کا محتاج ہے اور قدرت نے ہر ایک کے وظائفِ حیات الگ الگ مقرر کر دئیے ہیں کہ ایک کے وظائف دوسرا کماحقہٗ پورا نہیں کر سکتا۔ یہ قوانینِ فطرت جس طرح تمام مخلوقات میں جاری وساری ہیں، اسی طرح انسان میں بھی اپنا کام کر رہے ہیں کہ اس کا بھی جوڑا بنایا گیا اور ہر ایک کو دوسرے کی خدمت کا محتاج کیا گیا اور ہر ایک کے وظائف زندگی اس کی ساخت قوت اور استعداد کے مطابق مقرر کئے گئے۔ مذہب اسلام چونکہ عین فطرت کے مطابق ہے، اس لئے مرد و عورت میں ہر ایک کے وظائفِ زندگی ایسے مقرر کئے گئے ہیں جو اس کی فطری قوتِ استعداد اور ساخت کے مناسب ہیں۔ مرد کے فرائضِ زندگی مجمل طور پر یہ ہیں کہ خدا کی عبادت کرنے کے بعد حلال روزی کمائے اور اپنی بیوی بچوں کو کھلائے اور ان کو کسبِ معاش کی مشقت سے بچائے، حتی الامکان ان کی حفاظت کرے۔ دنیا میں انصاف قائم کرے اور اس کے لئے میدانِ قتال میں شجاعت کے جوہر دکھائے اور اپنی بلند شان کے مناسب دنیا میں کارہائے نمایاں انجام دے، اسی لئے شریعت میں مرد پر عورت کا نان ونفقہ، رہنے کا گھر، جماعت وجمعہ و عیدین میں حاضری اور جہاد وغیرہ فرض کیا گیا، لیکن عورتوں پر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی فرض نہیں کی گئی۔ جرمنی اور برطانیہ عورتوں سے فوجی خدمات لینے میں غلطی کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں، لیکن قدرت کی فطری نظر انتخابِ فرائض میں کبھی لغزش نہیں کر سکتی۔ اسلام نے عبادت کے بعد عورتوں کے فرائضِ حیات یہ مقرر کئے ہیں کہ وہ اپنے حسن وزینت سے اپنے شوہروں کی تفریحِ طبع کا سامان مہیا کریں۔ ان کے لئے انہیں کے تخم سے بچے جنیں اور ان کی اولاد کی پرورش کریں ان

کے خانگی متاع واسباب کی حفاظت کریں اور مردوں کے آرام وآسائش سے متعلق ضرورتوں کو پورا کریں اور ہر مرد کی بیوی اپنی عفت عصمت کو قائم رکھتے ہوئے اپنی ذات اپنے حسن اور اپنے دلکش سامانِ فرحت و سرور کو صرف اپنے شوہر کے لئے مخصوص کر دے۔ ان فرائض کے متعلق دلائل کا کافی ذخیرہ قرآن وحدیث اور فقہ میں موجود ہے۔ اسلام کا یہ انتخاب فرائض اتنا صحیح ہے کہ ان کے خلاف میں کبھی کوئی مرد یا عورت کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جس طرح مرد بچہ جننے کی خدمات کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح عورت میدانِ جنگ میں دادِ مردانگی نہیں دے سکتی، کیونکہ وہ عموماً جوہرِ مردانگی سے خالی پیدا کی گئی ہے۔ ان فرائض پر غور کرنے کے بعد باسانی یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ مردوں کی معاشرتی تہذیب اسلامی لحاظ سے کیا ہوسکتی ہے اور عورتوں کی کیا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے ہر مرد کی معاشرتی تہذیب میں وہ تمام علوم وفنون، صنعت وحرفت، مہارتِ جنگ وجدال وغیرہ داخل ہوں گے جو مرد کے فرائضِ حیات انجام دینے میں ممد ومعاون ہوں اور ان سے کسی قسم کا فساد پیدا نہ ہو، اسی طرح عورتوں کی معاشرتی تہذیب میں صرف وہی امور داخل ہونگے جو نسوانی فرائضِ حیات انجام دینے میں ممد ومعاون ہوں، لہٰذا ایک لڑکی کی اسلامی نقطۂ نظر سے معاشرتی تہذیب صرف یہی ہوسکتی ہے کہ اس کو بقدرِ ضرورت علمِ دین اور بقدرِ کفایت لکھنا پڑھنا سکھا دیا جائے۔ عام اصولِ حفظانِ صحت اور بچوں کی تربیت کا طریقہ شوہر کی خدمات انجام دینے اور انتظام خانہ داری کا سلیقہ سکھایا جائے۔ اس کو برے اخلاق سے محفوظ اور اچھے اخلاق وعادات اختیار کرنے کا عادی بنایا جائے۔ کھانا پکانا، کپڑا اور دستکاری کی تعلیم دی جائے اور یہ سب صرف اُس حد تک کہ جہاں تک والدین کو یا خود لڑکی کو خلافِ شریعت کاموں کا ارتکاب کرنا لازم نہ آئے۔ اس حد سے آگے جو تہذیب

بھی آپ لڑکی کو سکھائیں گے وہ سب غیر اسلامی تہذیب ہوگی، جس میں آپ اور لڑکی سب کے
سب گنہ گار اور خدا کے نافرمان قرار پائیں گے۔ لڑکیوں کے متعلق اسلامی تہذیب کے
دائرہ کو خوب سمجھ لیجئے، کیونکہ آج مسلمان لڑکیوں کے متعلق بھی نئی روشنی کے
تاریک غار میں ایسے گرتے چلے جارہے ہیں کہ انہیں ہوش ہی نہیں آتا۔ تہذیبِ
نسواں کے متعلق اس مختصر گفتگو کے بعد اب میں ایک ضروری مسئلہ پر کچھ عرض کرنا
چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ عورتوں کے جو فرائضِ زندگی اسلام نے مقرر فرمائے ہیں اُن پر
غور کرنے سے بشرطِ عقل سلیم خود بخود یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس کو اپنے
فرائض ادا کرنے کے لئے زیادہ وقت اپنے گھر میں صرف کرنا پڑے گا اور اس کا
دائرۂ عمل زیادہ تر گھر ہی میں محدود رہے گا، خصوصاً عفت و عصمت کی حفاظت
اپنی ذات اور اپنے حسن کی دلچسپیوں کو صرف شوہر کے لئے محفوظ رکھنے کے فرائض کی
ادائیگی کے لئے تو اس کو لازماً گھر ہی میں رہنا ہوگا، ورنہ باہر سے باہر والوں
کو بھی اس کی نسوانی دلفریبیوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے گا، جس
میں شوہر کی خیانت ہے۔ جو روپیہ آپ صرف اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتے ہیں
ظاہر ہے کہ اُسے ایسے موقعہ پر نہیں چھوڑا جاسکتا، جہاں ہر شخص کی رسائی
ہوسکے بلکہ اُسے صندوقوں، تجوریوں، تالوں اور بینکوں کے دائرہ میں محدود اور محفوظ
کردیا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح شریعتِ اسلامیہ نے عورت اور اس کی تمام نسوانی خصوصیات
کو گھر کے دائرہ میں محدود کرتے ہوئے پردہ کا تالا لگادیا ہے تاکہ کسی غیر شخص کی اس
تک کسی طرح بھی رسائی نہ ہوسکے۔ اسلام میں پردہ کا قانون ایسا ضروری تھا کہ اگر یہ قانون شریعت
میں نہ پایا جاتا تو یہ ایک بڑا زبردست نقص ہوتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اور
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں اس قانون کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا
جو کہ عقلِ سلیم اور فطرۃِ نسوانی کے عین مطابق ہے اور اس قانون کے خلاف پردہ کا

اُٹھا دینا، عورتوں کو کھُلے بندوں باہر نکلنے اور مردوں سے آزادانہ اختلاط کرنے اور مرد و عورت کے مل کر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دینا عقلی حیثیت سے بھی نہایت خطرناک چیز ہے۔ مسلمان عورت کے لئے پردہ میں رہنا نہایت ضروری ہے (۱) صنفی حیثیت سے اس لئے کہ عورت بوجہِ ضعفِ جسمانی بدمعاشوں کا شکار بنے گی جس سے وہ تباہ ہو جائے گی۔ (۲) اخلاقی حیثیت سے پردہ اس لئے ضروری ہے کہ بے پردگی اور آزادی شہوت کو برانگیختہ کرتے ہوئے قوموں کے اخلاق تباہ کر دے گی (۳) صحتِ جسمانی کے لحاظ سے پردہ اس لئے ضروری ہے کہ بے پردگی اور آزادی شہوانی قوتوں میں ہیجان پیدا کرتے ہوئے بکثرت اور بلا تمیز موقعہ و محل جوہرِ مردمی کے اخراج سے قوموں کی صحتِ جسمانی کو تباہ کر دے گی۔ (۴) تمدنی لحاظ سے پردہ اس لئے ضروری ہے کہ بے پردگی اور آزادی عورت کو بالآخر نکاحی رشتوں کی قید و بند کو توڑنے پر آمادہ کر کے قوموں کے تمدن کو برباد کر دے گی۔ (۵) نسلی حیثیت سے پردہ اس لئے ضروری ہے کہ بے پردگی اور آزادی طرفین کے قوائے شہوانیہ میں اشتعال پیدا کر کے لاکھوں ناجائز حمل اور نطفے ضائع کرا کر قوموں کی نسلوں کو برباد کر دے گی جو قومی زوال کا پیش خیمہ ہے۔

آزادیٔ نسواں اور بے پردگی کے یہ خطرناک نتائج فرضی نہیں بلکہ ان کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔ نظر کے عادی ہو جانے کے بعد شہوانی ہیجان نہ پیدا ہونے کا خیال صرف عقلی دھوکہ ہے جو تجربہ سے باطل ثابت ہو چکا ہے۔ ان مہلک خطرات کی مشاہدہ سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ مغربی ممالک میں آزادیٔ نسواں اور بے پردگی کے نظریہ کا عرصہ سے تجربہ کیا جا رہا ہے، جس کے اخلاقی نتائج حسبِ ذیل ہیں:۔ (۱) انگلستان کے ہوم آفس کی حالیہ رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ کمسن لڑکے لڑکیوں میں جرائم کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر بالٹیمور کی

رپورٹ ہے کہ اس کے شہر میں ایک سال کے اندر ایک ہزار مقدمات درپیش ہوئے جن میں کم عمر لڑکیوں کے ساتھ مباشرت کی گئی۔ امریکہ میں مستقل طور پر زناکاری کا پیشہ کرنے والی عورتوں کی تعداد چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے (۲) تمدنی نتائج یہ ہیں کہ ۱۹۲۳ء میں ڈینور میں ہر شادی کے ساتھ ایک طلاق واقع ہوئی۔ فرانس میں فی ہزار سات آٹھ افراد کے شادی کرنے کا اوسط ہے۔ باقی سب غیر شادی شدہ رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ عدالت سین سے ۱۸۸۴ء میں چار ہزار طلاقیں ۱۹۰۰ء میں ساڑھے سات ہزار طلاقیں، ۱۹۱۳ء میں سولہ ہزار اور ۱۹۳۱ء میں اکیس ہزار طلاقیں حاصل کی گئیں (۳) بے پردگی اور آزادی کے جسمانی نتائج یہ ہیں کہ جنگ عظیم کے ابتدائی دو سالوں میں صرف مرض آتشک کے مریض سپاہیوں کی تعداد پچھتر ہزار تھی۔ فرانس میں صرف آتشک وغیرہ کی وجہ سے تیس ہزار جانیں ہر سال ضائع ہوتی ہیں (۴) بے پردگی اور آزادی کے سیاسی نتائج یہ ہیں کہ یورپ کے ماہرین فن نے اعلان کیا ہے کہ فرانس میں ہر سال کم از کم چھ لاکھ نطفے اور تین چار لاکھ حمل ساقط کئے جاتے ہیں اور انگلستان میں ہر سال نوے ہزار اور ماں خود تربیت اولاد کی قید سے آزاد ہونے کے لئے بخوشی اپنے بچے کو قتل کر کے مسرت محسوس کرتی ہے اور یہ وبا تیزی سے پھیل رہی ہے۔ فرانس میں ۱۹۱۸ء میں لوآر کی عدالت میں دو لڑکیاں پیش ہوئیں، جن میں سے ایک نے اپنے بچے کو پانی میں ڈبو کر ہلاک کیا تھا۔ دوسری نے اپنے بچہ کا اول گلا گھونٹا اور پھر دیوار پر اس طرح دے مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ ایک اور رقاصہ پیش ہوئی جس نے اپنے بچہ کی اول زبان حلق سے کھینچنے کی کوشش کی۔ پھر اس کا سر پھوڑا اور آخر میں اس کا گلا کاٹ ڈالا اور یہ سب مجرم عورتیں عدالت کی نظر میں مجرم نہ ٹھہریں اور بری کر دی گئیں (تعریف اہل یورپ)

ا؎ مندرجہ بالا تمام نتائج اور واقعات اور حوالے ترجمان القرآن سے شکریہ کے ساتھ نقل کئے گئے ۱۲

برادرانِ اسلام! اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا آپ مغربی طرزِ معاشرۃ کے ان نتائجِ بد کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں جو یورپ اور امریکہ میں رُونما ہو رہے ہیں۔ کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ آپ کی قوم مسلم میں بھی وہی ہیجان انگیز ماحول پیدا ہو کر اُسی طرح بے عصمتی اور فواحش کی کثرت ہو۔ امراضِ خبیثہ کی وبائیں پھیلیں۔ خاندان اور گھر کا نظام برباد ہو۔ طلاق اور تفریق کا زور ہو نوجوان مرد و عورت آزاد شہوت رانی کے عادی ہو جائیں۔ منعِ حمل، اسقاطِ حمل اور قتلِ اولاد سے نسلیں منقطع ہو جائیں۔ ان کی بہترین عملی قوتیں اور تندرستیاں برباد ہو جائیں؟ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر آپ کے دلوں میں ذرہ برابر بھی ایمان اور عقل کا نور ہوگا تو آپ ہرگز ان مہلک نتائج کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہونگے۔ اگر ایسا ہے تو آپ کو فوراً اپنا رُخ تہذیبِ مغرب کی طرف سے ہٹا کر اسلامی تہذیب کی طرف پھیر لینا چاہئیے۔ اس طرح کہ آپ کے قلب میں مغربی تہذیب کے متعلق سخت نفرت اور حقارت کے جذبات جوش پر آجائیں اور جب تک آپ اس منحوس تہذیب کے مقابلہ پر جوشِ نفرت سے کام نہ لیں گے، آپ کے اہل و عیال اس کی نحوست سے بچ نہیں سکتے۔

پردہ پر عقلی حیثیت سے بحث کرنے کے بعد اب میں مذہبی تصریحات کی روشنی اس مسئلہ پر ڈالنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ عرض ہے کہ قرآنِ کریم کی متعدد آیات پردہ کے اُصول کا ببانگِ دہل اعلان کر رہی ہیں، منجملہ ان کے سورۂ احزاب کے چوتھے رکوع کی آیت ہے جس کا ترجمہ[1] یہ ہے کہ "اپنے گھروں میں ٹھہری رہو، اور زمانۂ جاہلیت کی طرح ناز و انداز نہ دکھلاتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ و رسول کی اطاعت کرو۔" اس آیت سے معلوم ہُوا کہ عورت کا دائرۂ عمل صرف گھر ہے۔ اُسے گھر ہی میں ٹھہرے رہنا چاہئیے اور بلا ضرورۃ گھر سے نکلنا چاہئیے۔

---

[1] وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ ۱۲

آیت کے اس حکم کا ازواجِ نبی صلعم کے ساتھ خاص ہونے کا خیال غلط ہے، کیونکہ اس صورت میں اس آیت کے تمام احکام بھی انھیں کے ساتھ خاص ہوں گے ورنہ ترجیح بلامرجح لازم آئے گی۔ دوسری آیت سورہ نور کے چوتھے رکوع کی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "مومنین[1] سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ان کے لئے پاکیزگی اسی میں ہے اور مومنات سے فرما دیجئے کہ وہ (بھی) اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔" نظر نیچی کرانے سے یہی مقصود ہے کہ اجنبی عورت و مرد ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اور پردہ سے بھی یہی مقصود ہے۔ لہٰذا پردہ گویا اس حکم کی تعمیل کی عملی صورت ہوئی اور نظر نیچی رکھنے کے عنوان سے اس مفہوم کو اس لئے ادا کیا گیا کہ اگر اتفاقاً بے پردگی ہو بھی جائے تب بھی دیکھنے کا موقع باقی نہ رہے۔ اسی آیت کے اگلے ٹکڑے کا ترجمہ یہ ہے کہ "اور عورتیں اپنی زینت (خود) ظاہر نہ کریں مگر جو خود بخود کھل جائے۔" مطلب یہ کہ اتفاقاً اگر خود بخود بغیر اپنے فعل کے خوبصورتی کا کوئی حصہ کھل جائے تو وہ معاف ہے۔ اسی کے آگے ارشاد ہے کہ "اور پیروں کو زمین پر اس طرح مارتی نہ چلیں کہ پیروں کی زینت (زیور وغیرہ) جو چھپا رکھی ہے ظاہر ہو جائے (آواز وغیرہ سے)" آپ نے دیکھا کہ زینت کو چھپانے کا حکم کس اہمیت سے دیا جا رہا ہے کہ زیور کی آواز تک غیروں کے کان میں نہ پہنچے۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ چہرہ اور ہتھیلیاں اجنبی کے سامنے کھولنا جائز ہے کس قدر غلطی ہے۔ بھلا چہرہ کھلوا دینے کے بعد

---

[1] قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم ذالک ازکی لھم وقل للمؤمنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا ولا یضربن بارجلھن وما یخفین من زینتھن ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن او آبائھن او آباء بعولتھن او ابناء بعولتھن او اخوانھن او بنی اخوانھن او بنی اخواتھن او ما ملکت ایمانھن او التابعین غیر اولی الاربۃ او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ۱۲

زیور کی آواز چھپانے کا حکم دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اسی آیت کا اس سے اگلا ٹکڑا یہ ہے کہ "اور وہ (عورتیں) اپنی زینت کو کسی کے سامنے (بالکل) ظاہر نکریں سوائے شوہروں، باپوں، خسروں، بیٹوں، سوتیلے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، اپنی میل جول کی عورتوں، غلاموں، بے عقل خادموں اور ناسمجھ بچوں کے۔" سورۂ احزاب کی ایک اور آیت میں یہ حکم ہے کہ "(اے مردو) جب عورتوں سے کوئی سامان مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔" اس آیت میں غور کرنے کی یہ بات ہے کہ اگر پردہ معاشرتِ اسلامی میں داخل ہی نہ تھا اور اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا تو پھر پردہ کے پیچھے سے مانگنے کا حکم دینے کا کیا مطلب ہے؟ معلوم ہوا کہ اسلام میں پردہ کے وجود کو تسلیم نکرنا ہی حماقت اور جہالت ہے۔ سورۂ احزاب کی ایک اور آیت میں حکم ہے کہ "اے نبی[1]! اپنی ازواج، اپنی بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنے اوپر سے (اپنی) چادریں لٹکا لیا کریں۔" غور کیجئے اوپر سے چادریں لٹکانے کے حکم سے چہرہ، سینہ وغیرہ چھپانا مقصود ہوگا یا کچھ اور۔ اس کو ایک معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس اسکی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مومنین کی عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے سروں، چہروں کو جلباب سے ڈھک لیا کریں سوائے ایک آنکھ کے (خازن $\frac{\text{ص } ۲۲۷}{\text{ج } ۵}$) سورۂ نور کی ایک اور آیت میں بوڑھی عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ "وہ بوڑھی[2] عورتیں جن کو کسی کے نکاح میں آنے کی امید نہیں، ان کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے (یعنی چادر وغیرہ جن سے چہرہ چھپاتی تھیں نامحرم کے سامنے) اتار رکھیں، بشرطیکہ زینت کے مواقع کا اظہار نکریں، لیکن اگر اس سے بھی احتیاط رکھیں تو ان کے لئے اور زیادہ بہتر ہے۔" اس میں بوڑھی عورتوں کو حکم ہے۔ معلوم ہوا کہ

---

[1] یا ایھا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ۱۲۔
[2] والقواعد من النساء الاتی لا یرجون نکاحا الآیہ ۱۲

جوان یا قابلِ نکاح مستورات کو پردہ کے لئے چادر وغیرہ کا استعمال ضروری ہے۔ قرآن کریم کی پردہ کے متعلق اس قدر صاف تصریحات کے بعد کوئی مسلمان پردہ کے ضروری ہونے سے انکار نہیں کر سکتا۔ سوائے اس کے جس کے قلب میں خوفِ خدا نہ ہو بلکہ اس کی جگہ خواہشاتِ نفسانی نے لے رکھی ہو۔ قرآن کریم کی ان آیات سے پردہ قطعی طور پر ثابت ہے۔ اب اس مسئلہ پر احادیث بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تاہم مزید تائید کے لئے صرف ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔ حضرت اُمِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور آپؐ کی زوجہ میمونہؓ حضورؐ کے پاس تھے کہ ابنِ مکتومؓ (نابینا) آئے اور یہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ پس وہ (نابینا) اندر آئے تو حضورؐ نے فرمایا تم دونوں ان سے پردہ کرو (یعنی پردہ میں ہو جاؤ)" ہم نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا وہ نابینا نہیں ہیں کہ وہ نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچان سکتے ہیں۔ فرمایا کیا تم بھی ان کو نہیں دیکھ سکتیں"۔ (ترمذی) اور ایک روایت میں ہے، کیا تم بھی اندھی ہو گئیں"۔ اس حدیث پر غور فرمائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریہ پردہ کے بارے میں کس قدر سخت ہے۔

میں خیال کرتا ہوں کہ اس مختصر گفتگو سے پردہ کے مسئلہ میں آپ کو پورا اطمینان ہو گیا ہو گا۔ اب بھی اگر کوئی اشکال باقی رہ گیا ہو تو قابل علماء ربانی سے دریافت کر کے اطمینان حاصل کریں۔ اب پردہ کے متعلق چند ضروری مسائل عرض کرتا ہوں۔ مسئلہ: عورت کو اپنا سارا بدن سر سے پیر تک اجنبی مردوں سے چھپانا واجب ہے۔ چہرہ، پیر اور ہتیلیاں بھی بلا ضرورتِ شرعیہ کھولنا جائز نہیں۔ البتہ بوڑھی عورت کو چہرہ، ہتیلیاں، ٹخنے سے نیچے پیر کھولنا جائز ہے۔ باقی بدن کا کھولنا اس کو بھی جائز نہیں۔ مسئلہ: دیور یا جیٹھ، بہنوئی، نندوئی، چچازاد، پھوپی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد بھائی وغیرہ سب غیر محرم ہیں ان سے

گہرا پردہ واجب ہے۔ مسئلہ محرم لوگ جیسے باپ، خُسر، بیٹا، حقیقی و سوتیلا بھائی، بھتیجے، بھانجے سے پردہ واجب نہیں۔ مسئلہ اگر ان محرم لوگوں کے سامنے چہرہ، سینہ، بازو، پنڈلی کُھل جائیں تو کچھ گناہ نہیں۔ البتہ پیٹ پُشت ران وغیرہ ان کے سامنے بھی کھولنا حرام ہے۔ مسئلہ: کافر عورتیں جیسے دھوبن، بھنگن وغیرہ کے سامنے بھی عورت سوائے مُنہ ہاتھ گٹے تک، پیر کا قدم ٹخنے تک کے باقی جسم کا کھولنا جائز نہیں۔ مسئلہ: نامحرم کے ساتھ تنہا بیٹھنا اگرچہ خود پردہ میں ہو جائز نہیں۔ مسئلہ: مجبوری کے وقت نامحرم کو بدن کا کوئی حصہ بقدرِ ضرورت دکھلانا جائز ہے۔ مسئلہ غیر محرم پیر کے سامنے بھی آنا حرام ہے۔ مسئلہ عورتوں کو ایسی تعلیم یا ایسے طریقے سے تعلیم دلانا جس سے وہ پردہ قائم نہ رکھ سکیں ناجائز ہے۔ ہاں اس طرح تعلیم دلانا جس سے غیر مردوں یا کافر عورتوں کے سامنے بے پردگی نہ ہو جائز ہے۔ اب دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اسلامی مسائل سمجھنے کے لئے عقلِ سلیم عطا فرمائے اور اسلامی معاشرت اختیار کرنے کی توفیق دے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ع

ع اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى ؕ بارک الخ

خطبۂ جمعۂ پنجم ماہِ جمادی الثانی در آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی

تہذیبِ مجلس وصحبت واخوّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ

اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَلَا عِدْلًا ○
وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ
رَسُوْلُهُ الْعَظِیْمُ خُلُقًا وَّخَلْقًا ○ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ قَالِبًا وَّقَلْبًا ○
اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِنَّ مِنْ اٰدَابِ
الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِیَّةِ ○ اٰدَابُ اللِّقَاءِ وَالتَّحِیَّةِ ○
وَالْمُصَاحَبَةِ وَالْمُوَاخَاةِ فِی الْاَحِبَّةِ ○ فَقَدْ قَالَ[عله]
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا انْتَهٰی اَحَدُكُمْ اِلٰی
مَجْلِسٍ فَلْیُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ یَّجْلِسَ فَیَجْلِسْ ثُمَّ
اِذَا قَامَ فَلْیُسَلِّمْ فَلَیْسَتِ الْاُوْلٰی اَحَقُّ بِالثَّانِیَةِ ○

عله لابی داؤد ۱۲

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ[1] إِذَا اسْتَأْذَنَ

أَحَدُكُمْ ثَلَاثًا فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهٗ فَلْيَرْجِعْ ○ وَ

قَالَ[2] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلْمَجَالِسُ بِالْأَمَانَةِ[3]

(الحدیث) وَقَالَ[4] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلْمَرْءُ عَلٰى

دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ ○

وَقَالَ[5] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ أَوْثَقُ عُرَى

الْإِيْمَانِ اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ ○

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ فَأَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ

يُرِدْ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا الخ

عہ۱ للصحاح الخمسہ ۱۲ عہ۲ للترمذی ۱۲ عہ۳ وقال علیہ الصلٰوۃ والسلام لایتناجان اثنان دون واحد (لابی داؤد) وقال علیہ الصلٰوۃ والسلام انزلوا الناس منازلھم (لابی داؤد) وقال علیہ الصلٰوۃ والسلام اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ (للطبرانی) عہ۴ للترمذی ۱۲ عہ۵ الاحیاء ۱۲

وعظ جمعہ پنجم ماہِ جمادی الثانی در بیانِ آدابِ معاشرۂ اسلامیہ[1] بسلسلہ تہذیب اسلامی

تہذیبِ مجلس و صحبت و اخوّت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملت۔ اسلام چونکہ ایک کامل و مکمل مذہب ہے لہذا ناممکن تھا کہ اس میں باہمی ملاقات نشست و برخاست اور اخوۃ و محبت کے متعلق ہدایت نہ دی جاتی۔ چنانچہ اس نے ان ابواب میں بھی نفیس ترین ہدایات دی ہیں، جن کو آج میں آپ کی خدمت میں مختصر طور پر پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ عرض ہے کہ اسلام میں آداب ملاقاۃ یہ ہیں۔ جس سے آپ ملاقاۃ کرنا چاہتے ہیں وہ اگر کافر ہے تو اس کو ابتداءً سلام نہ کریں اور وہ خود سلام کرے تو ہاتھ کے اشارے سے جواب دے دیں یا زبان سے ہداک اللہ کہہ دیں۔ اگر ابتداءً سلام کرنے کی ضرورۃ پیش آئے تو ہاتھ کا اشارہ کرے۔ اگر دل میں اس کافر کی محبت یا عظمت نہ ہو تو رسماً ہاتھ ملا سکتا ہے اور اگر دل میں اس کی عظمت و محبت ہو تو ہاتھ ملانا جائز نہیں۔ ان مسائل میں شریعت کا یہ اصول کام کر رہا ہے کہ خدا اور رسولؐ کے دشمن کے ساتھ مسلمان کو دوستی محبت اور عزت کا برتاؤ کرنا جائز نہیں۔ قرآنِ مجید بانگِ دہل اس اصول کی تعلیم دے رہا ہے کہ "اے[1] ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمن کو دوست مت بناؤ" کیونکہ دشمنِ خدا سے دوستی کرنا گویا خدا کے ساتھ دشمنی میں مدد دینا ہے۔ بلکہ دشمنانِ خدا کے ساتھ جذباتِ بغض و نفرت قلب میں رکھنا واجب ہے۔ اگر آپ کا ملاقاتی بدعتی یا فاسق مسلمان ہے اور آپ کی حیثیت ایسی ہے کہ اگر آپ آدابِ ملاقات اس سے نہ برتیں تو اس کو تنبیہ ہو، شرمندگی ہو، جس سے اس کے ہدایت پانے کی اُمید

---

[1] یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء ۱۲

نوٹ:۔ اگر وقت نہ ملے تو اس مضمون کو دو جمعوں میں بیان کیا جائے۔

ہو تو پھر اس سے ملتے وقت آدابِ ملاقات کی رعایت کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کی رعایت نہ کرنا، سلام نہ کرنا، مصافحہ نہ کرنا ایسی صورت میں افضل ہے۔ اگر آپ کا ملاقاتی اچھا مسلمان ہے تو بات سے پہلے اس پر سلام کرے۔ مجلس میں آتے اور جاتے وقت بھی سلام کرے۔ سلام کا طریقہ یہ ہے کہ السلام علیکم کہے اور جواب میں رحمۃ اللہ وبرکاتہٗ بھی بڑھائے۔ اگر کسی کے گھر جائے تو اول اجازت چاہیے۔ اگر جواب نہ ملے تو تین بار اجازت طلب کرنے کے بعد واپس ہو جائے اور اجازت نہ دینے پر بُرا نہ مانے بلکہ یہ سمجھے کہ کسی عذر کی وجہ سے وہ ملاقات نہ کر سکا۔ جب ملاقات ہو تو مصافحہ کرے۔ مصافحہ دونوں ہاتھ سے یا ایک ہاتھ سے کرے۔ دونوں طرح جائز ہے۔ دونوں طریقے حدیث میں آئے ہیں۔ سلام کرنے میں جھکنا بُرا ہے۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے (ترمذی عن انسؓ) نیز ہاتھ اٹھا کر سلام نہ کرے بلکہ صرف زبان سے سلام کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت مت کرو۔ یہود کا طریقہ انگلیوں سے اشارہ کرنا اور نصاریٰ کا ہتھیلی کے اشارہ سے سلام کرنا ہے (ترمذی) پس مستحب طریقہ یہ ہے کہ صرف زبان سے سلام کرے۔ ہاں اگر دور سے سلام کرنا ہو تو ہاتھ کا اشارہ بھی کر دینے میں مضائقہ نہیں۔ سوار پیدل چلنے والے پر، چلنے والے بیٹھے ہوئے پر، چھوٹا بڑی عمر والے پر سلام میں سبقت کرے تو مستحب ہے، لیکن جو بھی سبقت کر لے وہی اللہ کے نزدیک پسندیدہ شخص ہے۔ (الترمذی) حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر بھی سلام کرتے تھے (ابوداؤد عن انس) جماعت میں سے اگر ایک شخص سلام کر لے یا سلام کا جواب دے دے تو یہ سب کی طرف سے کافی ہے۔ آدابِ مجلس میں سے ایک ادب یہ ہے کہ کسی مجلس میں بغیر مجلس والوں کی اجازت کے نہ بیٹھے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ بغیر اجازت کوئی شخص دو شخصوں کے درمیان نہ بیٹھے (ابوداؤد) دوسرا ادب یہ ہے کہ ایک

مجلس میں دو شخص تیسرے شریکِ مجلس کو چھوڑ کر باتیں اور کانا پھوسی نہ کریں۔ (شیخین) حدیث میں حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔ اس ممانعت کی وجہ ظاہر ہے کہ اگر دو شخص تیسرے کو چھوڑ کر گفتگو کریں گے تو یہ طرزِ عمل اس کے لئے رنج اور بدگمانی کا سبب ہوگا۔ اسی طرح مجلس میں اگر کوئی شخص کسی سے ایسی زبان میں گفتگو کرنے لگے جس کو دوسرے نہ سمجھیں تو یہ بھی آدابِ مجلس اسلامی کے خلاف اور مکروہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں یہ بھی بیٹھنے والوں کو رنج اور بدگمانی پیدا ہونے کا باعث ہوگا۔ تیسرا ادبِ مجلس یہ ہے کہ اگر شرکاءِ مجلس میں کوئی بوڑھا مسلم یا عالم دین یا حافظِ قرآن یا حاکم عادل آ جائے تو اس کی عزت کریے، حدیث شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا خدا کی تعظیم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان اور عالم قرآن کی جو قرآن کو گا کر نہ پڑھتا ہو اور قرآن سے بے تعلق نہ ہو یعنی اس پر عامل ہو، تلاوت کرتا ہو اور حاکم عادل کی عزت کی جائے (ابوداؤد) ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک بوڑھا شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کرتا ہوا مجلسِ نبویؐ میں آیا تو لوگوں نے ہٹ کر جگہ دینے میں دیر کی۔ حضورؐ نے فرمایا اس شخص کا ہم سے کوئی تعلق نہیں جو (بڑا ہو کر) ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے (یعنی رحمت وشفقت کا برتاؤ نہ کرے) اور (جو چھوٹا ہو کر) بڑے (عمر والے) کی عزت نہ کرے (ترمذی) بعض جگہ لوگوں میں یہ طرزِ عمل دیکھا جاتا ہے کہ چھوٹے لوگ بڑی عمر والے شخص کے آنے پر بھی اپنی جگہ سے ہٹ کر اس کو جگہ نہیں دیتے اور اس میں اپنی ہتکِ شان سمجھتے ہیں یہ طرزِ عمل نہایت قابلِ نفرت ہے۔ چوتھا ادبِ مجلس یہ ہے کہ جب کسی قوم کا سردار آئے تو اس کی بھی عزت کی جائے۔[1] پانچواں ادب یہ ہے کہ لوگوں سے ان کے مرتبہ کے موافق برتاؤ کیا جاوے (از حدیث ابوداؤد) چھٹا ادب یہ ہے کہ مجلس میں تھوک

---

[1] از حدیث طبرانی در اوسط

وغیرہ آئے تو ایسی طرح دفع کرے کہ کسی شریکِ مجلس کے بدن یا کپڑے پر نہ لگے۔
(از حدیثِ بزاز) ساتواں ادب یہ ہے کہ کسی شریکِ مجلس سے کوئی بات خلافِ
آدابِ مجلس ہو جائے یا کوئی غلطی سرزد ہو تو ایک دوسرے کو معاف کر دیا کریں۔
(از حدیثِ بزاز) آٹھواں ادب یہ ہے کہ مجلس میں اگر کسی کو جمائی آوے تو مُنہ
پھاڑ کر ہا ہا نہ کرے بلکہ حتی الامکان جمائی کو دبائے۔ اگر نہ دبے تو مُنہ پر ہاتھ
رکھ لے (از حدیثِ شیخین) نواں ادب یہ ہے کہ راستوں میں بیٹھ کر مجلس نہ جمائی
جائے اور اگر کبھی راستے میں بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر ہی کچھ گفتگو کرنا ضروری ہو
تو اس وقت یہ خیال رکھا جائے کہ کچھ راستہ چھوڑ کر بیٹھیں۔ راستہ میں جو عورتیں
گذریں اُن سے نظر نیچی رکھیں۔ کسی کو تکلیف نہ دیں۔ سلام کرنے والوں کو جواب
دیتے رہیں اور جس کو کوئی ناجائز کام کرتے دیکھیں اس کو روکیں اور اچھائی کی
ترغیب دیں اور مصیبت زدہ کی امداد کریں اور جو راستہ بھول گیا ہو اُسے راستہ
بتائیں (شیخین و ابوداؤد) یہ آٹھ باتیں راستہ کے حقوق ہیں۔ اگر راستہ میں ملاقات
کرنی ہے، تو ان حقوق کو ادا کریں۔ دسواں ادب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی بیٹھے
ہوئے شخص کو اُٹھا کر اُس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے۔ ہاں اہلِ
مجلس ذرا دب کر اس کے لئے جگہ دے دیں (ماخوذ از حدیثِ شیخین) گیارھواں ادب
یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیٹھا ہُوا کسی ضرورت سے چلا جائے اور پھر واپس آئے تو وہی
(اپنی) سابقہ جگہ کا زیادہ حقدار ہے۔ ایسی صورت میں دوسرا اس کی جگہ پر قبضہ نہ
کرے (از حدیثِ مسلم) بارھواں ادب یہ ہے کہ کسی مجلس میں جو راز کی باتیں ہوں ان
کی حفاظت کرے اور دوسروں سے بیان کر کے حقوقِ مجلس میں خیانت نہ کرے۔ سوائے
قتلِ ناحق، زنا اور ناجائز طور پر کسی کا مال حاصل کرنے کی باتوں کے۔ ان کو ظاہر
کرنا مظلوم کی اعانت کے لئے جائز ہے (ماخوذ از حدیثِ ابوداؤد) ایک حدیث میں

آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے کوئی بات کر کے چلا جائے، تو وہ بات اس شخص کے پاس امانت ہے (ابوداؤد) مطلب یہ کہ اُسے پوشیدہ رکھے۔ یہ تمام آداب جو بیان کئے گئے ہیں سب احادیث سے ثابت ہیں۔ مجلس خواہ بڑی ہو یا چھوٹی، یعنی دو، تین کی ہو، تب بھی ان آداب کا خیال رکھنا ہر مسلمان کو ضروری ہے۔ پھر اگر آپ کی ملاقات کسی کافر یا بدعتی یا فاسق فاجر مُسلمان سے ہو رہی ہے اس میں اگر مقصد کوئی دنیوی نفع یا دفعِ ضرر ہے تو ایسی ملاقات محض بقدرِ ضرورت ہونی جائز ہے۔ ضرورت سے زیادہ ایسے لوگوں سے ملاقات رکھنا سخت مکروہ ہے اور تفریح ضرورتِ شرعیہ میں سے نہیں ہے۔ لہٰذا محض تفریحِ طبع کے لئے کافروں، بدعتیوں اور فاسق فاجر مُسلمانوں سے ملنا جائز نہیں۔ ہاں بوجہِ ضرورت ان سے ملنا معاملہ کرنا وغیرہ جائز ہے، بشرطیکہ بقدرِ ضرورت ملاقات رکھی جائے۔ تعارف اور ملاقات کے بعد دوستی اور محبت پیدا ہو جانا ایک قُدرتی امر ہے۔ لہٰذا میں اس سلسلہ میں دوستی اور اخوت کے چند مسائل بھی مختصر طور پر ذکر کر دینا مُناسب سمجھتا ہوں۔ چنانچہ عرض ہے کہ شریعت میں کسی لائق شخص سے دوستی اور اخوت کا تعلق رکھنا بہت عمدہ اور بہتر سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ حدیثِ شریف میں آیا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مومن کی شان سے محبت کرنے والا اور محبوب بننے والا ہونا) ہے (احیاء) ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو صالح اور نیک دوست عطا فرما دیتا ہے کہ اگر وہ بھولے تو یہ دوست اس کو یاد دلادے، اور اگر یاد کرے، تو اس کی مدد کرے (احیاء) اس ارشادِ عالی کا مقصد اخوت اور دوستی قائم کرنے کی ترغیب دلانا ہے۔ معلوم ہُوا کہ شریعت میں یہ طریقۂ زندگی بھی پسند نہیں کہ ایک مسلمان دُنیا کے تمام مسلمانوں سے الگ تھلگ رہے اور کسی سے دوستی نہ کرے۔

لیکن معاشرۂ اسلامی کے ماتحت کسی سے دوستی کرنے کے متعلق چند آداب و حقوق ہیں، جن کو مدِنظر رکھنا ایک مسلمان کے لئے ناگزیر ہے۔ ان میں سے پہلی چیز دوستی کی غرض یا سبب اور وجہ کا متعین کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوستی کا مقصد یا دنیا ہوگی یا دین۔ وہ دوستی جو کسی دنیوی غرض کے لئے کی جائے وہ نہ قابلِ اعتبار ہے اور نہ قابلِ تعریف بلکہ بسا اوقات قابلِ مذمت ہے اور ایسے دوستی نہیں بلکہ مصاحبت کہنا چاہئے کیونکہ دوستی اور محبت میں خلوص اور بے لوثی جزوِ اعظم ہے اور جب غرض کے ماتحت دوستی کی جائے تو ظاہر ہے کہ خلوص کہاں رہے گا تاہم دنیوی غرض سے مصاحبت کے جائز ہونے کے لئے مندرجۂ ذیل شرائط ہیں: (۱) وہ دنیوی مقصد عند الشرع جائز ہو، مثلاً کسبِ معاش کے لئے کسی کی ملازمت و مصاحبت کی جائے تو جائز ہے، لیکن اگر مثلاً زناکاری کے لئے کسی کے ساتھ رہے تو حرام ہے (۲) دوسرے یہ کہ جس کی مصاحبت کی جائے وہ اگر کافر یا مشرک، یا بدعتی یا فاسق و فاجر ہے تو اس کے کفر و شرک، بدعتی خیالات و اعمال اور فسق و فجور کا اثر اس نیک مسلمان پر نہ پڑے اور اس کے دین کے خراب ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی مصاحبت جائز ہے، مثلاً کسی کافر کی دوکان میں ملازمت بوجہ کسبِ معاش جائز ہے، جب کہ اس کے کفر وغیرہ کا اثر ملازم پر نہ پڑے، مثلاً ایک شرابی کی دکان پر شراب پلانے یا فروخت کرنے کے کام پر ملازم ہونا ناجائز ہے، کیونکہ اب اس کو بھی یہ حرام کام کرنا اور گناہ میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ یہی عیسائی، قادیانی، بدعتی فاسق وغیرہ کی ملازمت اور مصاحبت کا حکم ہے، کیونکہ مسلمان کو اپنے دین کا محفوظ رکھنا تمام دنیوی مقاصد سے مقدم اور لازمی فرض ہے۔

اب رہی دوسری غرض یعنی مسلمان کسی سے دینی مقصد کے لئے دوستی کرے اسی کا بیان کرنا میرا مقصد ہے اور اسی کی ترغیب حضورؐ نے دی ہے

اور یہی قابلِ تعریف ہے اور یہی دوستی آدمی کو اجرِ عظیم کا مستحق بنا دیتی ہے۔ یہ بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ یہ دینی دوستی کسی دینی غرض کے ماتحت ہو، مثلاً یہ کہ کوئی مسلمان کسی عالمِ دین سے دوستی کرے تاکہ اس سے دین کی تعلیم حاصل کرے یا کوئی مُرید کسی شیخِ کامل سے تعلق قائم کرے تاکہ قلب کے روحانی امراض کا علاج کرائے اور خُدا کے یاد کرنے کے طریقے سیکھے یا آخرۃ میں اُس کی شفاعت کی اُمید کے لئے محبّت کرے جیساکہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ حفاظ، علماء اور صالح مومنین کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور وہ شفاعت کریں گے۔ لہٰذا اس اُمید پر دوستی کرے۔ دوسرے یہ کہ نہ علم سیکھنا مقصود ہے نہ امراضِ رُوحانی کا علاج بلکہ دوسرے مُسلمان سے تعلقِ محبت و اخوت قائم کرے، محض اس وجہ سے کہ وہ خُدا کا دوست اور اس کا چاہنے والا ہے اور محبوب سے نسبت رکھنے والی ہر چیز عاشق کو محبوب ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا خُدا کا عاشق خُدا کے چاہنے والوں کو بھی چاہنے لگتا ہے۔ یہ دونوں قسم کی محبّتیں اَلْحُبُّ لِلّٰہ میں داخل ہیں، کیونکہ ان دونوں میں کسی انسان کو چاہنے کی اصل وجہ خُدا ہی کی محبّت ہے۔ اگرچہ پہلی صُورت میں غرض ہے، مگر وہ غرض بھی خدا کی محبّت ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بہر حال یہ للّٰہی محبت انسان کے کارناموں سے ایک بہت بڑا کارنامہ ہے، جس کا اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بلند درجہ ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص محض اللہ کے لئے کسی کو اپنا بھائی یا (دوست) بنائے، اللہ تعالیٰ اس کو ایک ایسے درجہ پر بلند کرتا ہے، جس کو اور کسی عمل کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جاسکتا (الاحیاء) ایک اور حدیث میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ (قیامت میں) عرش کے آس پاس نور کے کچھ منبر ہوں گے جن پر ایسے لوگ بیٹھے ہوں گے، جن کے لباس اور چہرے نور کے ہوں گے اور یہ لوگ نہ انبیاء ہوں گے نہ شہداء (ان کی قابلِ رشک عزت

دیکھ کر) انبیاء اور شہداء بھی ان پر غبطہ کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ان کی صفت بیان فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا وہ ایسے لوگ ہیں جو محض اللہ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور محض اللہ کے لئے آپس میں مل کر بیٹھتے تھے اور محض اللہ کے لئے ایک دوسرے کی زیارت (یعنی ملاقات) کرتے تھے۔ (احیاء) مگر یہ جُزئی فضیلت ہے، ورنہ کُلّی فضیلت انبیاء علیہم السلام ہی کے لئے ہوگی۔ بہرحال محض للّٰہی محبّت کا اس قدر بڑا درجہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جس دن سوائے خُدا کے ظِلِ عاطفت کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا (یعنی قیامت میں) اُس دن اللہ تعالیٰ جن کو اپنے (خاص) سایۂ رحمت میں رکھے گا، وہ سات قسم کے آدمی ہوں گے، جن میں سے وہ دو شخص بھی ہوں گے جو محض اللہ کے لئے آپس میں محبت رکھتے اور اسی محبّت کی بنا پر ملتے اور اسی کو لئے ہُوئے جُدا ہوتے ہیں۔ معزّز بزرگو اور دوستو آج آپ کو معلوم ہوگیا کہ بِلا غرضِ دینوی محض خُدا کے لئے کسی سے دوستی، محبّت اور اخوّت قائم رکھنے کا کیا نتیجہ ہے اور کس قدر کامیابی ہے، لہٰذا کوشش کرو کہ اپنی زندگی بھر کم از کم کسی ایک مسلمان کو محض اللہ کے لئے اپنا دوست بنالو اور قیامت کے خوفناک دن میں اللہ کے یہاں کا یہ اعزاز و مرتبہ حاصل کرلو، لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ یہ للّٰہی دوستی کس شخص سے کرنی چاہیے اور کس سے نہ کرنی چاہیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آدمی اپنے دوست کے دین پر ہُوا کرتا ہے۔ پس دوستی کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ غور کر کے دیکھ لے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے (ترمذی) چنانچہ عرض ہے کہ یہ للّٰہی محبت اس سے قائم کرنی چاہیئے، جس میں مندرجۂ ذیل صفتیں ہوں۔ پہلی صفت یہ کہ وہ شخص عقلمند ہو۔ مجنوں اور خبط الحواس نہ ہو، لیکن عقلمندی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سَو سے لاکھ پیدا کرنا جانتا ہو، مالدار اور دُنیاوی بڑا ہو۔ ایسے

لوگ تو مادی نقطۂ نظر سے اکثر ناعاقبت اندیش اور آخرۃ سے غافل ہوا کرتے
ہیں۔ ان کی دوستی سخت مُضر ہے بلکہ عقلمندی کا مطلب یہ ہے کہ وہ انسانی
زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کا صحیح نقطۂ نظر معلوم کر سکتا ہو اور ہر باب میں
خُدا اور رسولؐ کے احکام سے پُوری طرح واقف ہو۔ دوسری صفت یہ کہ وہ عُمدہ
اخلاق رکھتا ہو۔ اچھے اخلاق سے یہ مطلب نہیں کہ وہ انگریزی بدتہذیبی کے
مطابق فرمائشی قہقہہ لگاتا، بے وجہ سیٹی بجاتا، بات بات پر شکریہ کا وظیفہ پڑھتا
اور دل میں نفاق رکھ کر بظاہر محبّت و تعظیم کے ساتھ ملتا ہو بلکہ حُسنِ اخلاق
سے مُراد یہ ہے کہ اس میں تکبّر، غرور، کینہ، چھچھوراپن، فحش گوئی، بخل وغیرہ
صفاتِ ذمیمہ نہ ہوں اور عاجزی، انکساری، تواضع، ایثار، سخاوت، حلم، محبّت
وغیرہ اچھی صفات ہوں۔ تیسری صفت یہ ہے کہ وہ پابندِ سنّت ہو۔ بدعتی خیالات
واعمال میں گرفتار نہ ہو۔ بدعتی سے مُراد ہر وہ شخص ہے جو اہل السنّۃ والجماعۃ کے
عقائد کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہو یا ان کاموں میں دین سمجھ کر مبتلا ہو جن کا
کوئی معقول ثبوت شریعت میں نہ ہو۔ اس مفہوم میں وہ تمام جدید تعلیم یافتہ جو
مذہب کے مُسلّمات میں سے کسی میں شک، تردّد یا مخالف نظریہ رکھتے ہوں اور وہ تمام
جاہل لوگ جو رسم و رواج اور بدعتوں کے پابند ہوں داخل ہیں۔ ان سب سے دوستی قائم
کرنا سخت مُضر ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ قانع ہو، یعنی ایسا مسلمان ہو کہ
بقدرِ ضرورت مال و دولت حاصل کر کے عبادتِ خُدا میں مصروف رہے۔ پانچویں
صفت یہ کہ وہ فاسق یعنی کسی گناہِ کبیرہ میں مبتلا نہ ہو، جیسے تارکِ جماعت،
زانی، شرابی، جواری، بے نمازی وغیرہ۔ امام غزالیؒ نے ان شرائط کے یہ وجوہ بیان
کئے ہیں کہ دوست اگر بے وقوف ہو تو بیوقوف دوست سے عقلمند دشمن بہتر ہوتا ہے
اگر بدخلق ہوگا تو اُس سے نقصان اور رنج اُٹھانا پڑے گا۔ اگر دُنیادار اور مال کا

حریص ہوگا تو اس کی صحبت دیندار کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ اگر بدعتی ہو تو اس سے
تعلق منقطع کرنا خود ہی واجب ہے۔ اگر دوست فاسق ہوگا تو اس کی صحبت میں رہ
کر گناہ سے نفرۃ نکل کر رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ فاجر یعنی
کبیرہ گناہ کرنے والے کے ساتھ مت بیٹھ کہ اس کا فجور سیکھ جائے گا اور نہ اس کو
اپنی پوشیدہ چیزوں کی خبر کر اور اپنے دین کے بارہ میں ان سے مشورہ ۔ جو خُدا کا
خوف رکھتے ہوں (احیاء) حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ فاسق سے تعلق توڑنا اور اس
سے بغض رکھنا اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہونے کا ذریعہ ہے (احیاء) قرآن کریم میں
خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد[1] ہے کہ (اے مسلمان) جو ہماری یاد سے اعراض کرے تو
اس سے اعراض کر۔ نیز ارشاد ہے کہ "اس[2] کی پیروی کر جو ہماری طرف
رجوع ہوا"۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ جس قسم کے لوگوں سے دوستی رکھنا
منع ہے، ان سے دل میں نفرۃ اور بغض رکھنا بھی ضروری ہے۔ بحیثیت انسان
ہونے کے نہیں بلکہ خُدا کا نافرمان ہونے کی وجہ سے یہ نفرۃ بھی طاعت و عبادۃ
ہے، لیکن اگر فاسق توبہ کرلے تو اب اُس سے محبّت ضروری اور نفرت کرنا ناجائز
ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ایمان کا مضبوط رشتہ اللہ کے لئے محبت رکھنا اور
اللہ کے لئے بغض رکھنا ہے (احیاء) اور حضورؐ نے دُعا فرمائی کہ اے خدا کسی
فاجر کا کوئی احسان مجھ پر نہ کر کہ پھر اُس کی محبّت پیدا ہو جائے" (الاحیاء) غور
فرمائیے کہ حضورؐ فاسق کا احسان گوارا نہیں فرماتے، اس لئے کہ احسان سے محبّت پیدا
ہو جاتی ہے۔ حالانکہ فاجر سے عداوۃ ہونی چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا ہے
کہ گناہ کرنے والوں سے بغض رکھ کر اللہ کے دوست بن جاؤ۔ اُن سے

---

[1] فاعرض عمن تولّٰی عن ذکرنا الآیہ ۱۲
[2] فاتبع سبیل من اناب الی الآیہ ۱۲

دُور ہٹ کر خُدا کے قریب ہو جاؤ۔ اُن پر غصّہ کر کے اللہ کی خوشنودی تلاش کرو۔ لوگوں نے کہا، تو ہم کس کے پاس بیٹھیں یا رُوح اللہ۔ فرمایا اس کے پاس بیٹھو جس کے دیکھنے سے خُدا یاد آجائے، جس کی باتیں تمہارا علم زیادہ کریں اور جس کا عمل تم کو آخرت کے بارے میں رغبت دلانے والا ہو۔ (احیاء) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں قسم ہے خُدا کی اگر میں تمام دن روزہ رکھوں۔ تمام رات نماز پڑھوں کہ بالکل نہ سوؤں اور تمام گراں قیمت مال اللہ کے لئے خرچ کر دوں اور موت کے دن مر جاؤں اس حالت میں کہ میرے دل میں خُدا کی فرمانبرداری کرنے والوں کی محبّت اور نافرمانی کرنے والوں سے بغض نہ ہو تو مجھے ان عبادتوں کا کچھ نفع نہ پہنچا یا (احیاء) مطلب یہ کہ ان تمام عبادتوں کا قلب پر یہ اثر ہونا چاہئے کہ حُب فی اللہ اور بغض فی اللہ پیدا ہو جائے۔ اگر اتنا بھی اثر نہ ہُوا تو کوئی نتیجہ حاصل نہ ہُوا۔ — حقیقت یہ ہے کہ آج جو ہر ہر شہر ہر ہر محلہ ہر ہر خاندان کا نیک آدمی بھی کسی نہ کسی گناہِ کبیرہ میں برابر مبتلا پایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہی ہے، کہ وہ مسلمان خود تو نیک تھا، لیکن اپنے فاسق، فاجر اور بدمعاش رشتہ داروں اور دوستوں کی صحبت کی وجہ سے خود بھی فاسق و بدکار بن گیا۔ کوئی پُورا بن جاتا ہے اور کوئی ادھورا، بارہا کا تجربہ ہے، کئی آدمی پہلے نماز پڑھتے تھے، لیکن پھر چند بے نمازی دوستوں سے تعلقات ہو گئے تو یہ خود بھی ویسا ہی ہو گئے۔ ہمارے لڑکے عموماً بالغ ہونے تک نیکی پر رہتے ہیں، لیکن سمجھدار ہو جانے کے بعد جب گھر کے فاسقوں، اسکول کے فاجروں اور محلّہ کے بدکرداروں کی صحبت ملتی ہے تو اب بگڑ جاتے ہیں۔ غرضیکہ فاسقوں سے دوستی رکھنا بہت ہی مضر چیز ہے، اور کافروں کی دوستی تو اُس سے بھی زیادہ بُری۔ پس اُس شخص کو جو واقعی سچا مُسلمان بن کر زندگی گزارنا چاہتا ہے، ضروری ہے کہ وہ کافروں

فاسقوں، بدعتیوں، جاہلوں، مال کی حرص رکھنے والوں سے ہرگز دوستی اور محبّت نہ رکھے۔ بقدرِ ضرورت ملے اور علاحدہ ہو جائے اور ان لوگوں کے افعال سے دل میں نفرت و بغض رکھے۔ نیز عقلمندوں، پابندِ سُنّت، اچھے اخلاق والے، قناعت کرنے والے اور پرہیزگاروں سے محبّت اور صحبت رکھے، نجاتِ آخرۃ کا یہ وہ کامیاب نسخہ ہے کہ اگر کسی نے اس کو اختیار کر لیا تو سو فیصدی یقینی کامیابی اس کو حاصل ہوگی۔

رستہ خدا رسولؐ کا بتلائے جاتے ہیں ؎ مانو نہ مانو ہم تمہیں سمجھائے جاتے ہیں

اس کے بعد سمجھئے کہ دوستی اور اخوت کے چند حقوق بھی ہیں، جن کا خیال رکھنا چاہئے۔ وہ حقوق یہ ہیں کہ جان و مال سے بوقتِ حاجت بلا طلب مدد کرنا۔ اس کے ساتھ ایثار برتنا، بُرائیوں سے سکوت، بھلائیوں کو پھیلانا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا، غلطیوں سے درگذر کرنا، زندگی اور مرنے کے بعد بھی دُعائے خیر کرنا، خلوص رکھنا، تعلق کو آخر وقت تک نباہنا، حتی الامکان دوست کو تکلیف نہ دینا۔ اگر کوئی شخص دوستی کے قابل مل جائے تو چاہئے کہ اُسے بڑی نعمت سمجھے اور اس کے ساتھ دوستی کر کے ان حقوق کو ادا کرتا رہے۔ اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مُسلمانوں کو نیک بنائے۔ نیکوں سے دوستی رکھنے کی توفیق دے۔ کافروں، فاسقوں کی دوستی، محبّت اور صحبت سے بچائے اور معاشرتِ اسلامی کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۱۲

اعوذ باللہ الخ فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَاہ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

نوٹ:۔ محرم سے جمادی الثانی تک چھ ماہ کے خطبات یہاں ختم ہوئے۔ باقی چھ ماہ کے خطبے جلدِ ثانی میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲

خُطباتِ جمُعہ

موسوم بہ

خُطبَاتِ موَعِظت

(جِلد دُوم)

تبصرہ از ماہر علوم شرعیہ جناب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب دامت برکاتہم

تبصرہ نگار ماہنامہ "بینات" کراچی (پاکستان)

اسلام نے خاص خاص خطبات کے ذریعہ ذکرِ الٰہی، تعظیم شعائر اللہ، تذکیرِ آخرت، تہذیبِ نفس اور اصلاحِ اُمّت کا جو نظام قائم فرمایا ہے۔ بہت کم خطباء اور سامعین اس کی اہمیت سے عُہدہ برآ ہوتے ہیں، اس لئے ضرورت تھی کہ خطبات و مواعظ کا ایک عُمدہ مجموعہ مرتب کیا جائے، جس سے خطباء اور عامۂ مسلمین مستفید ہو سکیں۔ خدا تعالیٰ مولانا ذاکر حسن صاحب کو جزائے خیر دیں کہ اُنہوں نے "خطباتِ موعظت" لکھ کر ملّت کی اس ضرورت کو بخوبی پورا فرمایا ہے۔

اس مجموعہ میں ۶۰ خطباتِ جمعہ اور ۶۰ مواعظ کے علاوہ خطبۂ عیدین مع احکامِ ضروریہ، خطبۂ نکاح مع مسائل اور خطبۂ استسقاء وغیرہ کو مرتب کیا گیا ہے۔ مواعظ میں ہر ماہ کی مناسبت سے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کے تقریباً تمام اہم مسائل آ گئے ہیں۔ زبان شگفتہ، سلیس اور علمی ہے اور اندازِ بیان ناصحانہ مشفقانہ اور مصلحانہ ہے، شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے جس میں خطبۂ عربی کی بحث کے علاوہ ائمۂ مساجد، خطباء اور متولیانِ مساجد کو ان کے فرائض کی طرف متوجہ فرمایا گیا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب مفتی مظاہر العلوم سہارن پور اور مولانا محمد شفیع صاحب (سابق) مفتی دار العلوم دیوبند نے پوری کتاب کو حرفاً حرفاً پڑھ کر تقریظ لکھی ہے اور حسبِ ضرورت اصلاح بھی فرمائی ہے۔ ہمارے خیال میں اس کتاب کا مذاکرہ عقائد و اعمال اور اخلاق و معاشرت کی اصلاح کے لئے بڑا مفید ہوگا۔ واللہ الموفق۔

خطبۂ جمعہ اول ماہِ رجب در آدابِ معاشرۂ اسلامی نمبر ۱۱

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی : تہذیبِ سفر و تفریح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْعَمَ عَلَیْنَا بِمِنَّتِہٖ وَکَرَمِہٖ مَا لَا یُحْصٰی ○ وَخَلَقَ لَنَا کُلَّ مَا نَحْتَاجُ اِلَیْہِ مِنَ الْغِذَاءِ وَالْھَوَاءِ ○ لِتَقْوِیَۃِ الْجِسْمِ وَتَفْرِیْحِ الْقَلْبِ وَالْقُوٰی ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ فِی الذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَالْعَطَاءِ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سَیِّدُ الْوَرٰی ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ فَازُوْا بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰی ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِنَّ

مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ اٰدَابُ التَّنَزُّهِ

وَالسَّفَرِ ○ فَاعْلَمُوْا اَنَّ الشَّرِيْعَةَ جَوَّزَتِ

التَّفَرُّجَ وَالسَّفَرَ ○ بِشَرْطِ اَنْ لَّا يُفْضِيَ اِلٰى

اَمْرٍ مُّنْكَرٍ ○ وَقَدْ قَالَ[1] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَمَرَنِيْ رَبِّيْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِيْرِ وَالْاَوْثَانِ

وَالصُّلُبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ ○ وَقَالَ[2] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ

وَالسَّلَامُ الْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا

يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَلَا تَكُوْنُوْا

كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ

النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

---

[1] رواہ احمد ۱۲ [2] بیہقی ۱۲

وعظِ جمعہ اول ماہِ رجب در آدابِ معاشرۂ اسلامی ۱۱

بسلسلۂ تہذیب اسلامی: **تہذیبِ سفر و تفریح**

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد۔ برادرانِ ملت! اسلامی طریقہ پر زندگی گذارنے کے لئے آدابِ سفر اور آدابِ سیر و تفریح کا جاننا بھی ضروری ہے، لہٰذا عرض ہے کہ اسلام میں جائز مقصد کے لئے ہر قسم کا سفر خواہ وہ خشکی کا ہو یا دریا کا، اور پیدل کا ہو یا ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ کا ہر طرح اور ہر جگہ کا جائز ہے۔ بشرطیکہ کوئی امر شرعی مانع نہ ہو۔ سفر کے لئے اسلام میں کوئی دن یا تاریخ یا ساعت وغیرہ منحوس نہیں۔ سفر کرتے وقت کسی بدشگونی کا اثر لینا جائز نہیں۔ سفر پر روانگی گو ہر دن اور ہر وقت جائز ہے، لیکن اچھا یہ ہے کہ جمعرات کے دن کیا جائے یا اگر جمعہ کو کیا جائے تو بعد نمازِ جمعہ اختیار کیا جائے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کو سفر کرنا پسند فرمایا کرتے تھے (بخاری) اور صبح کے وقت سفر کرنا بہتر ہے، کیونکہ آپؐ نے صبح کے لئے برکت کی دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ میری امت کی صبح میں برکت عطا فرما (ابوداؤد) خطرات کے موقعہ پر رات کو تنہا سفر نہ کرے تو بہتر ہے۔ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے، کیونکہ خطرہ ہے (بخاری) اور مناسب ہے کہ رفیقِ سفر تلاش کرے۔ مل جائے تو بہتر ہے۔ اگر تین کا ساتھ ہو جائے تو ان میں سے ایک کو امیرِ سفر بنا لیں (ابوداؤد) اگر سفر میں کہیں قیام کرنا پڑے تو ایک ساتھ سب ٹھہریں (ابوداؤد) سفر میں ہوشیاری سے سوئیں کہ حضورؐ سفر میں بہت ہوشیاری سے استراحت فرماتے تھے (مسلم) سفر میں کتا اور گھنٹی اپنے ساتھ نہ لیں۔ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے (مسلم) سفر میں فرض نماز کا

خاص خیال رکھیں اور سُستی نہ کریں۔ اہتمام کرنے سے سب کچھ آسان ہو جاتا ہے اور ذکر اللہ کی کثرۃ رکھیں کہ اس سے فرشتہ کی مصاحبت نصیب ہوتی ہے (طبرانی کبیر) سفر پر جاتے وقت اپنے اعزا و اقربا کو سلام کر کے جائیں تاکہ ان کی سلامتی کی دُعائیں شاملِ حال ہوں (طبرانی اوسط) جب سفر کا مقصد حاصل ہو جائے تو جلد واپس ہوں۔ بلاوجہ دیر نہ لگائیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ وہ تمہیں (باطمینان) کھانے پینے سونے سے روکتا ہے۔ اس لئے جب کام پُورا ہو جائے تو جلد واپس آجانا چاہیئے (متفق علیہ) واپسی پر اپنے محلّہ کی یا بستی کی مسجد میں اول دو رکعت نماز نفل پڑھ کر پھر گھر جانا بہتر ہے (ابو داؤد) وطن واپس ہوتے وقت بچوں اور اقربا کے لئے بشرطِ وسعت کچھ سوغات لانا بہتر ہے اس سے ان کی خوشی زیادہ ہوتی ہے (احیاء) رات کو ایک دم گھر نہ پہنچے بلکہ دن میں پہنچے، اور اگر ممکن ہو تو پہلے خبر پہنچا دے (جمع الفوائد) اگر سفر تین منزل یا زائد کا ہو تو نماز میں قصر کرنا چاہیئے۔ تین منزل سفر کا اندازہ علماء نے ۴۸ میل، بعض نے ۵۰ میل کیا ہے۔ سفر خواہ ریل کا ہو یا موٹر دہوائی جہاز کا، تکلیف دہ ہو یا آرام کے ساتھ ہو، بہر حال حنفیہ کے نزدیک قصر ہی کرنا واجب ہے۔ جہاں پہنچا ہے وہاں اگر پندرہ روز یا زائد ٹھہرنا ہو یا ٹھہرنے کی نیّت ہو تو اب قصر نکریں بلکہ پوری نمازیں پڑھیں اور اگر اس سے کم قیام کی اُمید ہو تو قصر واجب ہے۔ اگر جماعت سے مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھیں تو پوری پڑھی جائے۔ قصر صرف ظہر، عصر اور عشاء کی چار رکعت فرض میں ہوگا کہ چار کی جگہ دو پڑھے۔ باقی نمازیں فجر و مغرب کی پوری پڑھے۔ سُنّتیں اگر بسہولت پڑھ سکتا ہے تو ہرگز نہ چھوڑے، لیکن اگر موقعہ نہ ملے تو چھوڑ دے اور ان کی قضا بھی نہیں۔ عورۃ کو بغیر محرم کے سفر کرنا ایک دن رات کا ناجائز ہے (للستہ) اور آج کل تو اس سے چھوٹا سفر بھی بغیر محرم کے نہ کیا جانا بہتر ہے۔ یہ سب مسائل و آداب، حدیثِ شریف

اور فقہ سے بیان کئے گئے ہیں۔ زیادہ تفصیل دینی کتابیں پڑھ کر معلوم کریں۔

اب میں آدابِ سیر و تفریح بیان کرتا ہوں۔ قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مسلمان کی زندگی کا اصل مقصد اور نصب العین صرف یہ ہے کہ وہ خدا کی عبادت و اطاعت میں اپنی زندگی گذارتے ہوئے اس کی رضا حاصل کرے۔ اگر آپ مسلمان ہیں اور آپ نے اپنی زندگی کا آخری مقصد یہ نہیں بنایا یا نہیں سمجھا تو یہ بڑی بھاری غلطی ہے۔ اس کی فوراً اصلاح کیجئے اور اس کے بعد سمجھئے کہ اسلام نے سیر و تفریح کو مطلقاً منع نہیں کیا بلکہ بعض اوقات حکم بھی دیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے کہ اُن کو (یعنی مومنین کو) اللہ کے فضل پر فرحت محسوس کرنی چاہئے۔ (قرآن) ایک جگہ ارشاد ہے کہ پس[1] سیر کرو زمین کی۔ پس دیکھو کہ (انبیاء علیہم السلام کے) جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا (قرآن) ان دونوں آیتوں میں فرحت حاصل کرنے اور سیر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن ساتھ ہی شریعت نے سیر و تفریح کا ایک ضابطہ بھی مقرر کیا ہے اور کلی قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ سیر و تفریح جس سے مسلمان کے مذکورہ بالا اصل مقصدِ زندگی میں مدد ملتی ہو اُس میں اجر و ثواب ملے گا اور عبادۃ میں شمار ہوگی، بشرطیکہ ثواب کی نیت سے کی جائے اور ہر وہ سیر و تفریح جس سے اُس مقصدِ اصلی میں مدد نہ ملتی ہو، لیکن اُس کے خلاف بھی کوئی اثر پیدا نہ کرے تو ایسی سیر و تفریح جائز ہوگی، مگر ثواب نہ ملے گا، اور ہر وہ سیر و تفریح جو اصل مقصد کو مضر ہو وہ ناجائز ہوگی۔ مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ ہر وہ سیر و تفریح جس سے تکمیلِ دین میں خرابی واقع ہوتی ہو جائز نہ ہوگی۔ بس اس قاعدہ کلیہ کے لحاظ سے ہر قسم کی سیر و تفریح کا حکم آپ معلوم کر سکتے ہیں۔ میں صرف بطورِ مثال چند سیر و تفریح کے احکام بیان کرتا ہوں۔

تفریح کا ایک طریقہ عید منا کر فرحت حاصل کرنا ہے۔ اسلامی عید صرف

---

[1] فسیروا فی الارض فانظروا کیف ۔۔۔ عاقبۃ المکذبین ۲

دو ہیں ۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ۔ ان عیدوں میں خوشی منانا اور فرحت حاصل کرنا جائز ہے ۔ کوئی حرج نہیں، لیکن ان کے علاوہ اور عیدیں ایجاد کرنا یا مشرکوں کی عیدوں میں شریک ہو کر تفریح کرنا قطعاً ناجائز اور حرام ہے (درمختار) نیز وہ باتیں جو دوسرے دنوں میں ناجائز ہیں وہ ان عیدوں میں بھی ناجائز ہیں ۔ عید کی وجہ سے حرام باتیں حلال نہیں ہو جاتیں ۔

تفریح کا ایک طریقہ مجمع لگانا اور اس میں شرکت کرنا ہے ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ مجمع کسی شرعی یا جائز مقصد کے لئے لگائے گئے ہوں جیسے تبلیغی جلسہ وغیرہ یا تقریب نکاح وغیرہ کے اور ان میں ناجائز کام نہ ہو تو ان سے تفریح کرنا جائز ہے اور اگر ان کا مقصد خلافِ شرع ہو یا ان میں خلافِ شرع کام کئے جاتے ہوں تو اب شرکت کر کے تفریح حاصل کرنا ناجائز ہو جائے گا، مثلاً میلے ٹھیلے، نمائش، تماشے اور ایسے عرس کہ جن میں خلافِ شرع کام کئے جائیں ان سب میں جانا شریک ہونا وغیرہ ناجائز ہے ۔

تفریح کا ایک طریقہ قدرتی مناظر کا دیکھنا، پہاڑوں اور سرسبز زمینوں میں چلنا پھرنا ہے ۔ یہ بالکل جائز ہے جبکہ کسی ناجائز کام کا ان میں ارتکاب نہ کیا جاوے ۔ تفریح کا ایک طریقہ خوشبوؤں کا استعمال کرنا ہے ۔ یہ شریعت میں پسندیدہ تفریح ہے جبکہ خوشبو پاک ہو اور اس کے استعمال میں کوئی ناجائز نہ کیا گیا ہو ۔

تفریح کا ایک طریقہ اشعار سننا یا بنانا یا پڑھنا ہے ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اشعار سے کسی کی مدح میں مبالغہ نہ ہو، کسی کی ہجو یا مذمت نہ ہو، کسی معین عورت کے حسن و اعضاء کی تعریف نہ ہو اور مضمون ایسا نہ ہو جن سے جذباتِ شہوۃ بھڑکیں اور شعر کہنے بنانے اور پڑھنے میں کسی اور ناجائز کام کا ارتکاب نہ کیا جائے تو اب اشعار سے

ع۱ اشارۃ الی امدادات اعیاد بدعیۃ ۱۲

تفریح حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں (در مختار وغیرہ) علم و حکمت اور نصیحت کے اشعار پڑھنا بہتر ہے، لیکن موجودہ زمانہ کی شعر و شاعری اور مشاعرے جو عموماً منہیاتِ شرعیہ سے خالی نہیں ہوتے ناجائز ہیں، مسلمانوں کو ان میں شرکت نہیں کرنا چاہیئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ تم میں کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچ لہو اور پیپ بھر لے یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ اپنے پیٹ میں شعر بھرے (متفق علیہ) ایک بار حضورؐ سفر میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک شاعر ملا جو شعر پڑھ رہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا پکڑو اس شیطان کو اور روکو۔ تم میں سے کسی کا پیپ سے پیٹ بھر لینا بہتر ہے شعر کے بھرنے سے (مسلم) غالباً وہ خراب قسم کے اشعار پڑھ رہا ہوگا۔ بعض شاعروں اور اشعار کی آپ نے تعریف بھی فرمائی ہے جنھوں نے نصیحت کی باتیں شعر میں بیان کی تھیں۔

تفریحِ طبع کا ایک طریقہ مزاح یعنی مذاق کرنا بھی ہے۔ یہ بھی جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ مذاق سے کسی کی دل شکنی نہ ہو، مذمت نہ ہو، غیبت نہ ہو۔ جس سے مذاق کیا جائے اُسے ناگوار نہ ہو، کذبِ صریح نہ ہو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی گئی تو ایسا مذاق حرام ہوگا، مثلاً مذاق میں ناگوار نام رکھنا جیسے پستہ قد کو گِٹّا یا ٹھِنگنا، نابینا کو اندھا کہہ کر پکارنا، کسی کو بھینس، بانس، بِلّی کہہ کر پکارنا اور اس قسم کے الفاظ سے خطاب کرنا، اگر ایسے بیہودہ الفاظ بحالتِ غصّہ کوئی کہے تو یہ غیبت ہیں یا ہتکِ عزّت کے جرم میں داخل ہوں گے اور اگر بطور ہنسی کے بولے تو اب یہ ناجائز مذاق میں داخل ہوں گے اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا، کیونکہ توہینِ مسلم حرام ہے۔ اسی طرح تمام ایسے مذاق جن سے شریعت یا اس کے کسی ادنیٰ حکم کی توہین ہو، مثلاً نماز کی، یا داڑھی کی یا عالمِ دین یا علماء کی توہین ہو تو اگر ناواقفی میں کیا تو حرام ہوا اور اگر مسئلہ جان قصداً ایسا کیا تو کفر ہو جائے گا۔

تفریح کا ایک طریقہ لہو و لعب اور کھیل ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان

سے کسی مقصد شرعی میں مثلاً فریضۂ جہاد میں مدد ملتی ہو اور کوئی دوسری ناجائز بات اس میں شامل نہ ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں، مثلاً گھوڑے دوڑانا، یا کشتی لڑنا، یا کبڈی کھیلنا، لکڑی کھیلنا یا فٹ بال ہاکی وغیرہ کھیلنا، یہ سب کھیل جائز ہیں اور اگر ان سے کوئی خاص شرعی فائدہ مقصود نہ ہو تو اب ایسے کھیل ناجائز ہوں گے۔ مثلاً بٹیر بازی، تیتر بازی، کبوتر بازی وغیرہ۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص ایک کبوتری کے پیچھے بھاگا جا رہا تھا تو آپؐ نے دیکھ کر فرمایا کہ شیطان شیطانہ کا پیچھا کر رہا ہے (ابوداؤد) اسی طرح تمام جانوروں کی بازی اور ان کو لڑانا ناجائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو بھڑکا کر آپس میں لڑانے سے صاف طور پر منع فرمایا ہے (ابوداؤد) اور جب ان میں ہار جیت بھی ہو تو اب بالکل حرام ہوں گے، کیونکہ اب یہ قمار (جوئے) میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح نرد بازی شطرنج بازی بھی حرام ہے۔ حدیث میں ہے جس نے نرد بازی کی اس نے گویا خنزیر کے خون میں اپنے ہاتھ بھرے (مسلم) یہی حکم شطرنج کا بھی ہے۔ جبکہ اس میں انہماک ہو جائے اور واجبات سے غفلت پیدا ہو۔

تفریح کا ایک طریقہ گانا بھی ہے: اس کا حکم یہ ہے کہ جب اشعار کا مضمون جائز قسم کا ہو، باجہ ساتھ نہ ہو، تنہائی ہو تو گانا جائز ہے (قاضی خاں) عورتوں کو مرد کا اور مرد کو عورت کا گانا سننا ناجائز ہے (شامی) اور یہی احکام گراموفون کے لئے بھی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گانا قلب میں نفاق پیدا کرتا ہے جیسے کہ پانی کھیتی اگاتا ہے (احیاء) اسی طرح سوائے اس دف کے جس میں جھانجھ نہ ہو باقی تمام باجے، ڈھول، طبلہ، سارنگی وغیرہ بجانا اور ان کا قصداً سننا سب حرام ہے اور گانا سن کر وجد لانا خلافِ شریعت ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں کہ وہ (یعنی وجد لانا) مکروہِ تحریمی ہے اور اس کی دین میں کوئی اصل

نہیں (صفحہ ۳۵۱ ج ۵ شامی مصری) اور جوہر نیرہ میں ہے کہ ہمارے زمانے کے بناوٹی صوفی جو کچھ (سماع وجد وغیرہ) کرتے ہیں، یہ سب حرام ہے۔ اس کا قصد کرنا اس میں بیٹھنا بھی جائز نہیں اور وجد کے بارے میں جو حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجد لانے کی بیان کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں اور تتارخانیہ میں عیون سے نقل کیا ہے کہ سماع اگر قرآن و وعظ کا ہو تو جائز ہے اور اگر سماع غنا (یعنی گانا سننا) ہو تو بالاجماع حرام ہے اور جن صوفیاء کرام نے اس کو مباح کہا ہے تو وہ اس شخص کے لئے ہے جس کا دل لہو ولعب سے پاک ہو اور تقویٰ و پرہیزگاری سے مزین ہو (اور بہت سی شرطیں ہیں) حاصل یہ کہ ہمارے زمانے میں سماع کی رخصت نہیں ہے اور حضرت جنیدؒ نے اپنے زمانے میں سماع سے توبہ کرلی تھی (کذا از شامی صفحہ ۳۰۶ ج ۵ مصری) اور بزازیہ میں ہے کہ ملاهی (یعنی باجے) کی آواز سننا (قصداً) حرام ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ملاهی (یعنی باجے وغیرہ) کی آواز سننا گناہ ہے اور اس میں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت حاصل کرنا کفر ہے، یعنی کفرانِ نعمت ہے کہ اس نے اعضاء کو ایسے کام میں صرف کیا، جس کے لئے وہ پیدا نہیں کئے گئے۔ پس واجب ہے اور پوری طرح واجب ہے کہ ایسی آوازیں سننے سے بچے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے مزامیر کی آواز سن کر اپنے کانِ مبارک میں انگلی دے لی تھی۔ (کذا از شامی صفحہ ۳۰۶ ج ۵ مصری)

جس طرح ناجائز گانا اور باجے سننا حرام ہے، اسی طرح گانے بجانے کے بارہ میں روپیہ صرف کرنا بھی حرام ہے (شامی) کیونکہ یہ اسراف ہے اور اسراف حرام ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ گانے والی لونڈیاں نہ فروخت کرو نہ خریدو۔ ان کی تجارۃ میں خیر نہیں ہے اور ان کا روپیہ حرام ہے اور ایسے کاموں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ

الابہ (ترمذی) اور آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے ہدایت و رحمت بناکر بھیجا ہے اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے آلاتِ لہو (طبلہ وڈھول وغیرہ) اور باجے اور بُت کدے اور صلیب اور جاہلیت کی رسمیں مٹانے کا اور میرے رب نے قسم کھائی ہے اپنی عزّت کی کہ جو کوئی بندہ ایک گھونٹ شراب پیئے گا تو میں اُس کو ضرور اتنا ہی پیپ پلاؤں گا اور جو میرے خوف سے شراب نہ پیئے گا تو اپنے قُدس کے حوضوں سے اس کو پلاؤں گا (احمد)

ہائے افسوس مسلمانو غور کرو کہ جن چیزوں کو حضورؐ مٹانے تشریف لائے تھے ہم آج انھیں چیزوں کو اپنے ہاتھوں، مالوں اور دماغوں سے قائم کر رہے ہیں۔ کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھلی دشمنی نہیں ہے اور حضورؐ کے دشمنوں کا کیا انجام ہوگا یہ آپ کو معلوم ہے۔ اس لئے جلد از جلد ایسے گناہوں سے توبہ کرو، اور اپنے گھروں، محلوں سے ایسی چیزوں کو مٹا دو۔

آج کل تفریح کا ایک طریقہ تصویر یا فوٹو اُتارنا بھی ہے۔ بے جان چیزوں کی تصویر بنانا جائز ہے، لیکن جاندار چیزوں کی تصویر بنانا، بنوانا حرام ہے اور خریدنا اور بیچنا اور تصاویر گھر میں رکھنا یہ سب مکروہِ تحریمی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں کتّا یا تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ (متفق علیہ) اور آپؐ نے فرمایا ہے کہ سب سے زیادہ عذاب (کے مستحق) لوگوں میں سے اللہ کے نزدیک تصویر بنانے والے ہیں (متفق علیہ) اور قیامت میں مُصوّر سے رُوح ڈالنے کو کہا جائے گا (بخاری) نہ ڈال سکے گا تو عذاب دیا جائے گا اور ایک حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ عذاب (کے مستحق) لوگوں میں سے وہ ہوگا جو نبی کا قاتل ہو اور وہ جو نبی کے ہاتھ سے قتل ہوا اور وہ جو اپنے والدین میں سے کسی کو قتل کر دے اور تصویر بنانے والا اور وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہ کرے (مشکوٰۃ) مسلمانو خدا کے لئے

ذرا سوچو کہ مُصوّر اور قاتلِ نبی کا ایک ہی درجہ ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہُوا، لہٰذا ایسے بُرے عمل سے فوراً توبہ کرو۔

تفریح کا ایک طریقہ سینما اور تھیٹر وغیرہ قسم کے تماشے دیکھنا ہے۔

یہ بھی علماء محققین اور باعمل متقی علماء کے نزدیک قطعاً حرام ہے، اس لئے کہ سینما وغیرہ تو تمام خباثت اور بُرے کاموں کی جڑ ہے۔ ہندوستان میں سینما بینی سے ۹۵ فیصدی بُرے نتائج ہی پیدا ہوتے ہیں۔ مسلمانو! خوب کان کھول کر سن لو کہ سینما حرام ہے اس لئے کہ اس کے دیکھنے سے شہوۃ کے جذبات بھڑکتے ہیں۔ سینما حرام ہے اس لئے کہ اس سے عموماً ناجائز عشق کی تعلیم ملتی ہے۔ سینما حرام ہے۔ اس لئے کہ اس غیر محرم عورتوں کی تصویریں نیم عُریاں حالت میں اور بوسہ بازی وغیرہ دکھائی جاتی ہے جس سے حیا و شرم اور مروّۃ جاتی رہتی ہے اور یہ سب افعال شیطانی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شیطان[1] کے قدم بقدم نہ چلو وہ تمہارا کھُلا دشمن ہے۔ سینما اس لئے بھی حرام ہے کہ اُس میں ناچ ہوتا ہے اور ناچ کرنا اور اُس کا دیکھنا سب حرام ہے۔ سینما دیکھنا اس لئے بھی منع ہے کہ اس میں عموماً فاسق فاجر لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اور ان کی صحبت ہوتی ہے جو ممنوع ہے سینما اس لئے بھی منع ہے کہ اس میں تصاویر ہوتی ہیں جو اللہ و رسولؐ کے نزدیک مبغوض ہیں۔ اس لئے ان سے بچنا اور قلب کو اُن کی چاہت سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ نیز سینما دیکھنا اس لئے بھی حرام ہے کہ اس کے دیکھنے میں اور اس کے متعلق مال خرچ کرنے میں اور اس کو پسند کرنے میں ان چیزوں کی عزت و شہرت بڑھتی ہے حالانکہ مُسلمانوں کو حُکم دیا گیا ہے کہ حرام چیزوں کی توہین و تذلیل کی جائے اور اُن کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔ سینما بینی اس لئے بھی حرام ہے کہ اس وصفت میں

---

[1] ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین

زندہ مخلوقِ خدا کے ساتھ تصاویر کو زیادہ سے زیادہ مشابہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے حالانکہ تشابہ بخلق اللہ حرام اور مبغوض ہے جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ سخت عذاب کے مستحق وہ لوگ ہیں جو خلق اللہ کی مشابہت کرتے ہیں (یعنی تصویر گری میں) (للستہ) پس اس کا دیکھنا، اس کا شوق رکھنا اور اس کے لئے مال خرچ کرنے میں اس صنعت کی امداد و معاونت ہے اور حرام کام کی مدد بھی حرام[1] ہے۔ سینما بینی اس لئے بھی حرام ہے کہ اس کا بار بار دیکھنا، اس کا رواج دینا، اس میں مال خرچ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصدِ بعثت سے دشمنی کرنا ہے کہ آپؐ ایسی چیزوں کو مٹانے کے لئے تشریف لائے تھے جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گذرا۔ سینما[10] اس لئے بھی حرام ہے کہ اس میں گانا بھی ہوتا ہے جو حرام ہے (کمامر) نیز[11] سینما اس لئے بھی حرام ہے کہ اس میں گانے کے ساتھ باجے وغیرہ بھی ہوتے ہیں، جن کا حرام ہونا اوپر بیان ہو چکا۔ سینما[12] بینی اس لئے بھی حرام کہ یہ محض لہو ہے اور حضورؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کا ہر کھیل حرام ہے سوائے اپنی بیوی سے دل لگی کرنے اور گھوڑے کو سدھانے اور تیر بازی کرنے کے (درمختار) نیز سینما بینی اس لئے بھی حرام[13] ہے کہ یہ لہو ہے جس میں مال خرچ کرنا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے۔ نیز[14] اس لئے بھی حرام ہے کہ اس کے دیکھنے سے فاسقوں، فاجروں، کافروں کی مدد ہوتی ہے جو اس کا پیشہ کرتے ہیں اور حرام کاموں، گانے بجانے اور ناچنے وغیرہ کی مدد ہوتی ہے۔ یہ بھی حرام ہے۔

اور عورتوں اور بچوں کو سینما دکھانا سخت در سخت حرام ہے کیونکہ ان کی طبیعت میں دوسرے کے اثر کو قبول کرنے کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ پس وہ ان محرمات کا اثر قبول کریں گے، جس سے ان کا اخلاقِ اسلامی خراب ہو گا اور

---

[1] لقولہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان

اس خرابی کی وجہ سے مدۃ العمر بچے جس قدر سینما دیکھیں گے اور اُس کو دیکھ کر جو بُرے افعال ظاہرًا یا باطنًا کریں گے ان سب کا گناہ ان لوگوں کو ہوگا جنھوں نے ابتداءً اُن کو سینما دیکھنا سکھایا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جس نے کسی گمراہی کی دعوت دی اُس پر تمام عمل کرنے والوں کے گناہ ہوں گے (مسلم) پس ہمیں چاہیئے کہ سیر و سفر شریعت کے مُطابق کریں اور جائز تفریحات پر اکتفا کرتے ہُوئے تمام ناجائز اور حرام تفریحات سے توبہ کریں۔ دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مُسلمانوں کو اسلامی طریقے پر زندگی گذارنے کی توفیق دے اور تمام گناہوں اور حرام تفریحوں اور کاموں سے بچائے۔ آمین یا رب العالمین و صلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیّدنا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خُطبہ جُمعہ دُوم ماہِ رجب در آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ ۱۲

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی: تہذیبِ اکل و شرب و نوم و یقظہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَفَلَ اَرْزَاقَ الْاَنَامِ ۝ وَفَصَّلَ اَنْفَعَھَا بِحَلَالٍ وَاَضَرَّھَا بِحَرَامٍ ۝ وَھُوَ الْعَلِیْمُ بِمَصَالِحِ الْاَحْکَامِ ۝ اَشْھَدُ

اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۝ وَاَشْہَدُ اَنَّ
سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
الْمَبْعُوْثُ اِلٰی کَافَّۃِ الْاَنَامِ ۝ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْکِرَامِ ۝
اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ۝ اِنَّ مِنْ
آدَابِ الْمُعَاشَرَۃِ الْاِسْلَامِیَّۃِ + تَہْذِیْبَ
النَّوْمِ وَالْیَقْظَۃِ وَالْبُطْنَانِ[1] ۝ فَاعْلَمُوْا
اَنَّ کُلَّ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَہُوَ
حَرَامٌ ۝ فَکُلُوْا مَا عَدَاہُ وَاتَّبِعُوْا سُنَنَ
سَیِّدِ الْاَنَامِ ۝ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ۝

[1] جمع البطن والمراد ما یشبع بہ البطن ۱۲

فِی النَّوْمِ وَالْیَقْظَۃِ وَالشُّرْبِ وَاَکْلِ الطَّعَامِ ۝ فَمِنْہَا الْوُضُوْءُ[1] قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَہٗ ۝ وَالْاَکْلُ مُجْتَمِعًا حَافِتَتِیْہِ بِالْبَسْمَلَۃِ ۝ وَالْاَکْلُ جَالِسًا بِالْیَمِیْنِ وَ فِی الشُّرْبِ کَذَا ۝ وَاَنْ لَّا یَاْکُلُ مُتَّکِئًا ۝ وَلُعُوْقُ الْاَصَابِعِ بَعْدَ الطَّعَامِ ۝ وَمِنْ سُنَنِ النَّوْمِ اَنْ لَّا یَنَامُ قَبْلَ الْعِشَاءِ ۝ وَلَا یَسْمُرُ بَعْدَ الْعِشَاءِ ۝ وَ فِی الْبَابَیْنِ اَحَادِیْثُ رُوِیَتْ عَنْہُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ۝ لَا یَسَعُ ذِکْرَہَا الْمَقَامُ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلَالًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا

---

[1] ای غسل الیدین والمضمضۃ ۱۲

خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ دوم ماہِ رجب در آدابِ معاشرۂ اسلامی نمبر ۱۲

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی : **تہذیبِ اکل و شرب و نوم و یقظہ**

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملّت! تہذیبِ معاشرۂ اسلامی کا ایک اہم جز تہذیبِ اخلاق ہے اور تہذیبِ اخلاق کا ایک اہم حصّہ تہذیبِ اکل و شرب و نوم و یقظہ یعنی کھانے پینے، سونے جاگنے کو مہذّب بنانا بھی ہے۔ آج کے وعظ میں اسلامی تہذیب کے اس حصّہ کے متعلق بعض آداب مختصراً پیش کرتا ہوں۔

چنانچہ عرض ہے کہ کھانے پینے کے آداب میں پہلا ادب یہ ہے کہ مسلمان صرف وہی غذا کھائے پئے جو حلال طریقہ سے حاصل کی گئی ہو، کیونکہ حرام غذا قلب میں سختی اور ظلمت پیدا کرتی ہے۔ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو جسم حرام غذا سے پلا ہو وہ جنّت میں داخل نہ ہوگا (جمع الفوائد) یعنی ابتداءً اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ اُس کی دُعا قبول نہ ہوگی (مسلم)، پس اسلامی معاشرۃ میں ضروری ہے کہ جب مسلمان کچھ کھائے پئے یا کوئی شے استعمال کرے تو اول یہ ضرور غور کرلے کہ وہ چیز حرام طریقہ سے حاصل ہوئی ہے یا حلال طریقہ سے۔ ہم اکثر نمازیں پڑھ پڑھ کر دعائیں کرتے ہیں، لیکن ان کی قبولیت کا اثر نہیں دیکھتے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کی ایک زبردست وجہ یہ بھی ہو کہ ہم کمانے کھانے

ہیں، حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو کسی نے لاعلمی میں غلط طریقہ سے حاصل کی ہوئی غذا کھلا دی تھی۔ معلوم ہونے پر دونوں نے انگلی ڈال کر قے کر دی اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کی۔ (احیاء) دوسرا ادب یہ ہے کہ مسلمان جو غذا کھائے یا پئے وہ قانونِ حکومتِ الٰہیہ میں منع نہ ہو، مثلاً مُردہ جانور جو اس قانون میں حرام ہے، شاید اس لئے کہ وہ صحتِ انسانی کے لئے مُضر ہے۔ خون پینا بھی حرام ہے۔ شاید اس لئے کہ اس سے درندگی پیدا ہوتی ہے۔ خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے۔ شاید اس کے کھانے سے بےحیائی بےغیرتی پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ خنزیر کھانے والی قوموں میں اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ نیز شاید اس لئے بھی کہ وہ صحتِ انسانی کے لئے سخت مُضر ہے، جیسا کہ بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اسکے متعلق یہ رائے قائم کی ہے۔ نیز کُتّا بھی حرام ہے۔ شاید اس لئے کہ اس سے قلب میں قوم پروری کے جذبات فنا ہو کر قوم دشمنی، قبولیتِ غلامی اور اپنے ہم جنس سے حسد و بغض کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ مختلف حیوانات کے گوشت کھانے سے انسان کی طبیعت میں حیوانات کے خواص پیدا ہو جانا، اب ایک مسلّمہ نظریہ بن چکا ہے۔ جس کا اس زمانہ میں انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح ہر وہ جانور یا وہ چیز جو کسی غیر اللہ کے نام پر ذبح کی جائے یا تیار کی جائے یا کسی غیر کی خوشنودی کے لئے چڑھائی جاوے حرام ہے، مثلاً شیخ سدو کے نام کا بکرا یا جو جانور کسی بزرگ کے مزار پر چڑھایا گیا ہو یا جو ناریل وغیرہ کسی مزار پر بطور چڑھاوے کے چڑھایا گیا ہو یہ سب حرام ہے۔ کسی غیر اللہ پر نامزد کرنے کی صورتیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ نامزد کرنے والے نے زبان یا دل سے یوں کہا ہو کہ یہ بکرا یا یہ کھانا یا مٹھائی فلاں بزرگ کی خوشنودی کے لئے ذبح کرتا ہوں یا دیتا ہوں تو اب یہ قطعاً حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ یوں کہا ہو کہ یہ بکرا یا کھانا یا مٹھائی وغیرہ خدا کے نام پر دیتا ہوں اور اس کا

ثواب فلاں بزرگ کو پہنچاؤں گا تو اب یہ کھانا وغیرہ کھانا دوسروں کو حلال ہے۔ اسی طرح گدھے، خچر اور تمام وہ درندے جن کے کیلے ہوتے ہیں اور تمام وہ پرندجو پنجہ والے ہیں ان سب کا گوشت حرام ہے۔ اسی طرح ہر وہ حلال جانور جس پر ذبح میں قصداً اللہ کا نام نہ لیا جاوے کھانا حرام ہے۔ نباتاتی چیزوں میں ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز حرام ہے، جیسے افیون، گانجہ، چرس، شراب، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے (للستۃ) ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ ہر وہ شئے جس کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے، اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے (ترمذی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے شراب پی اور اُسے نشہ نہ ہوا تو جب تک اس کے پیٹ میں یا رگوں میں رہے گی اُس وقت تک اس کی نماز قبول نہ ہو گی اور اگر وہ مرا تو (گویا) کافر کی موت مرا اور اگر نشہ ہو گیا تو چالیس روز تک اسکی نماز قبول نہ ہو گی اور اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو کافر کی موت مرا (نسائی) نیز آپؐ نے فرمایا کہ شراب سے بچو اس لئے کہ وہ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے (نسائی) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ لعنت فرمائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارہ میں دس شخصوں پر شراب بنانے والے، بنوانے والے، پینے والے، پلانے والے، اُٹھانے والے، اُٹھوانے والے، بیچنے والے، بکوانے والے، دینے والے اور شراب کی قیمت کھانے والے پر (ترمذی) آدابِ اکل وشرب میں سے یہ دو ادب ایسے اہم ہیں کہ اُن کا خیال رکھنا ہر مُسلمان کو ہر وقت ضروری ہے۔ ان کے علاوہ دیگر آداب بھی ہیں، جن کا خیال رکھنا مستحب ہے۔ جس طرح عبادات میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا باعثِ سعادۃ ہے، اسی طرح عادات واخلاق اور کھانے پینے کے طریقوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسند فرمودہ طریقوں اور غذاؤں کا اتباع

کرنا باعثِ برکت اور ثواب ہے۔ چنانچہ آدابِ مسنونہ میں سے ایک یہ ہے کہ کھانا زیادہ پیٹ بھر کر نہ کھائے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمان ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر اور منافق سات آنتوں میں کھاتا ہے۔ (شیخین) یعنی کافر مسلمان کی بہ نسبت سات حصّے زیادہ کھاتا ہے اور مسلمان کافر سے اسی قدر کم کھاتا ہے، کیونکہ کافر کھانے کے لئے جیتا ہے اور مسلمان عبادۃِ خدا اور رضاءِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے کھاتا ہے۔ یہ اُن مسلمانوں کا ذکر ہے جو واقعی مسلمان ہیں اور نام کے مسلمانوں کا حال تو بہت ہی بدتر ہے۔ نیز حضورؐ نے فرمایا کہ دو کا کھانا تین کو اور تین کا چار کو کافی ہوتا ہے (شیخین) یعنی کافی ہونا چاہئے۔ حضرت ابنِ عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ڈکار لی تو آپؐ نے فرمایا کہ اپنی ڈکار ہم سے روک۔ یقیناً دنیا میں زیادہ پیٹ بھرنے والے قیامت کے دن زیادہ عرصہ تک بھوکے رہنے والے ہوں گے (ترمذی) دوسرا ادب یہ ہے کھانا دسترخوان پر کھائے، میز وغیرہ پر نہ کھائے۔ حضورؐ نے کبھی ایسی چیزوں پر کھانا نہیں کھایا (بخاری) بلکہ آپؐ دسترخوان پر تناول فرمایا کرتے تھے (بخاری) میز وغیرہ پر کھانا کھانا مالدار متکبّروں کا طریقہ ہے نیز اس میں مشابہت بالکفّار بھی ہے۔ اکثر دعوتوں میں جو میز کرسیوں پر کھانے کا انتظام کیا جاتا ہے، یہ طریقہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اس میں غیر ضروری تکلّف اور مشابہت بالکفّار ہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ بیٹھ کر کھائے پئے، کھڑے ہو کر نہ کھاوے پیوے۔ حدیث میں ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا ہے۔ لوگوں نے حضرت انسؓ (راوی حدیث) سے پوچھا کہ اور کھانا؟ تو کہا یہ اُس سے بھی زیادہ سخت ہے (مسلم) چوتھا ادب یہ ہے کہ تکیہ لگا کر نہ کھائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی تکیہ لگا کر کھاتے ہوئے

نہیں دیکھا گیا (ابوداؤد) آپؐ کبھی ایک پیر کھڑا کرکے اور دوسرا بچھا کر اور کبھی دونوں گھٹنوں کو کھڑا کرکے قدموں کے بل بیٹھ کر کھاتے اور یہ فرماتے کہ میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح غلام بیٹھتا ہے (احیاء) سبحان اللہ قربان جائیے ایسے رسولؐ کے جو تمام کائنات کے سردار و آقا ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو غلام تصوّر فرما رہے ہیں۔ اسی لئے آپؐ نے متکبّرین کی کوئی چال وضع وہیئت اختیار نہیں فرمائی۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ ایسے دستر خوان پر کھانا نہ کھائے جس پر شراب پی جاتی ہو (اگرچہ خود نہ پئے) حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے شراب کے دستر خوان پر بیٹھنے سے اور پیٹ کے بل لیٹ کر کھانے پینے سے، اور دائنے وغیرہ تکیہ لگا کر کھانے کی اجازۃ دی (جمع الفوائد) چھٹا ادب یہ ہے کہ چھری کانٹے سے نہ کھائے بلکہ ہاتھ سے کھائے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ (پکا ہوا) گوشت چھری سے کاٹ کر مت کھاؤ۔ یہ عجمیوں (یعنی کفار) کا طریقہ ہے، دانت سے توڑ کر کھاؤ (ابوداؤد) ساتواں ادب یہ ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھوئے اور کلّی کرے۔ آٹھواں ادب یہ ہے کہ گرم گرم نہ کھائے، لیکن جن چیزوں سے گرمی ہی پہنچانا مقصود ہو، وہ مستثنیٰ ہیں، جیسے چائے وغیرہ۔ نواں ادب یہ ہے کہ اگر مجمع میں ہو تو جو شخص مجمع میں سب سے بزرگ ہو پہلے وہ ہاتھ بڑھائے۔ پھر سب شروع کریں۔ حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ جب ہم کھانے میں حضورؐ کے ساتھ ہوتے تو اپنے ہاتھ کھانے میں نہ رکھتے یہاں تک کہ حضورؐ شروع فرماتے اور اپنا دستِ مبارک رکھتے (مسلم) دسواں ادب یہ ہے کھانے میں جو چیز پسند آئے کھائے۔ ناپسند ہو تو چھوڑ دے، مگر کھانے کو بُرا نہ کہے۔ آنحضرتؐ کی عادۃِ مبارکہ یہی تھی (شیخین) گیارھواں ادب یہ ہے کہ بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کرے۔ بارھواں ادب یہ ہے کہ سب

الگ الگ پلیٹوں میں نہ کھائیں بلکہ کئی کئی آدمی ایک ایک برتن میں اکٹھے کھائیں اس میں بڑی برکت ہے اور یہی سُنّت طریقہ ہے۔ آج کل جو ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ ہر شخص علاحدہ رکابی میں کھاتا ہے۔ یہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہے اور دراصل ہندوؤں یا نصاریٰ سے ہم میں آیا ہے کیونکہ یہ قومیں بہت وہم پرست ہیں۔ ان کو کسی کا جھوٹا کھانے سے بیماری کا ڈر رہتا ہے۔ اس بیہودہ خیال کی بنا پر وہ سب الگ کھاتے ہیں۔ اسلام نے ان تمام توہم پرستیوں کو اُٹھا دیا ہے۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اہتمام سے اپنے گھروں سے اس بیہودہ طریقے کو نکالیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام کے ساتھ کھانا کھلانے کے طریقہ کو رائج فرمایا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپؐ کے پاس ایک بڑا قصعہ تھا یعنی پیالہ تھا جس میں بہت سے آدمی مل کر کھاتے تھے۔ (جمع الفوائد) نیز حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلم) ہم کھاتے ہیں، مگر پیٹ نہیں بھرتا۔ فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تم سب اکھٹے ہو کر کھانا کھاؤ اور بسم اللہ پڑھا کرو۔ تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ خُدا کے نزدیک پسندیدہ کھانا وہ ہے جس میں بہت سے ہاتھ پڑیں (جمع ج ۱) نیز حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک مجذوم (کوڑھی) کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ پیالہ میں رکھا اور فرمایا کھاؤ خُدا پر اعتماد اور اس پر بھروسہ کرکے (ترمذی) ظاہر ہے کہ قصداً کوڑھی کا ہاتھ پکڑ کر ساتھ کھلانے سے یہی مقصود تھا کہ کسی بیماری میں ذاتی طور پر اثر نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو لگ جائے جب تک کہ خُدا نہ چاہے کسی کو کوئی بیماری نہیں لگ سکتی۔ لہٰذا اس وہم سے جُدا جُدا کھانا غلطی ہے۔ ہاں اگر کسی کو واقعی کوڑھ کی بیماری ہو اور خود ضعیف الاعتقاد ہو تو ایسی صورت میں اگر اس کو علیحدہ کھلائے تو کچھ حرج نہیں۔ مجذوم سے علیحدگی اختیار کرنا

بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے، لیکن صرف وہم کی وجہ سے علاحدہ کھانے کا رواج ڈال لینا اور ساتھ کھانے کو مکروہ سمجھنا محض غلط ہے، مگر افسوس آج مسلمان بکثرت اسی وہم میں مبتلا ہیں۔ کوئی کسی کا جھوٹا کھانا نہیں کھاتا۔ پانی نہیں پیتا اور اس طرح اللہ کی یہ بڑی نعمتیں کثیر مقدار میں ضائع کر دی جاتی ہیں۔ مسلمانو! خدا سے ڈرو اور رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف کوئی طریقہ اختیار نہ کرو۔ بہترین طریقہ کھانے کا یہ ہے کہ ایک بڑی سینی یا تھال میں کھانا نکال کر حسبِ ضرورۃ سالن ڈال کر سب ساتھ کھائیں مگر کھانے میں روٹی ہے تو بڑے پیالہ میں سالن نکال کر سب اس میں سے لقمہ لگا لگا کر کھائیں۔ جو سچا مسلمان بننا چاہے اس کو چاہئے کہ اپنے پیارے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پیارا طریقہ اختیار کرے اور یاد رکھو کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کسی طریقہ یا سُنّت کو بُرا کہنا یا بُرا سمجھنا کفر ہے۔ پس اے مسلمانو! اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔ تیرھواں ادب یہ ہے: کھانے پینے کی چیزوں میں پھونک نہ مارے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے (طبرانی کبیر)۔ چودھواں ادب یہ ہے کہ پینے کی چیز تین سانس میں پئے اور برتن میں سانس نہ لے۔ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے (شیخین)۔ پندرھواں ادب یہ ہے کہ اگر لقمہ گر جائے تو اُسے اُٹھا کر صاف کر کے کھالیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ اگر صاف دسترخوان پر بھی کچھ گر جائے تو اُٹھا کر کھانا معیوب سمجھتے ہیں۔ یہ ہماری بناوٹی تہذیب اسلامی تہذیب میں انتہائی بدتمیزی ہے۔ اس بدتمیزی کا کھاتے وقت ضرور خیال رکھو، کیونکہ اس میں سُنّت کا خلاف ہے اور کھانا بھی ضائع ہوتا ہے۔ سولھواں ادب یہ ہے کہ اگر کھانے وغیرہ میں مکھی گر جائے تو اُسے پوری طرح ڈبو کر نکال کر پھینک دے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہارے برتن میں مکھی گر جائے تو اسے ڈبو دو۔ کیونکہ اسکے

ایک بازو میں مرض اور دوسرے میں شفا ہے (بخاری) سترھواں ادب یہ ہے کہ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لے۔ چاٹنے سے پہلے کپڑے سے نہ پونچھے۔ بعض جگہ یہ بدتمیزی بھی دیکھی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے انگلیوں کو چاٹنے اور رکابی کو صاف کرنے کا (مسلم) نیز فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو چاہئے کہ اُسے اٹھالے اور صاف کرکے کھالے اور شیطان کے لئے اُسے نہ چھوڑے اور کوئی شخص رومال (وغیرہ) سے ہاتھ نہ پونچھے یہاں تک کہ انگلیاں چاٹ لے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ کھانے کے کونسے حصّے میں برکت ہے (مسلم) اٹھارواں ادب یہ ہے کہ جب تک سب نہ کھا چکیں کوئی نہ اُٹھے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جب دسترخوان لگایا جائے تو جب تک وہ نہ اٹھایا جائے کوئی نہ اٹھے اور کوئی اپنا ہاتھ نہ اُٹھائے اگرچہ فارغ ہو چکا ہو، یہاں تک کہ قوم فارغ نہو جائے اور چاہئے کہ (کھانے والے کو) معذور سمجھے۔ پس تحقیق آدمی اپنے ہمنشیں سے شرمندہ ہوکر ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور بسا اوقات اُسے کھانے کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ اس قدر آدابِ طعام بیان کر دینا کافی ہے۔

سونے کے آداب یہ ہیں کہ باوضو سوئے۔ حدیث میں اس کی فضیلت آئی ہے اور بسم اللہ کہہ کر دروازہ بند کرے۔ شیطان اسے کھول نہ سکے گا اور برتن ڈھانک دو۔ سال میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں وباء نازل ہوتی ہے اور جس کھلے ہوئے برتن سے ہو کر گزرتی ہے اس میں داخل ہو جاتی ہے (یعنی اس میں وبائی جراثیم کا اثر ہو جاتا ہے اور چراغ اگر دیسی ہو تو بجھا دو تاکہ چوہے وغیرہ کے گرانے سے آگ لگنے کا اندیشہ نہ رہے اور چولہے کی آگ بجھا دو۔ یہ سب مضمون احادیث سے ثابت ہے۔ عشا کی نماز کے بعد جلدی سو جائے تاکہ صبح کو نماز کے لئے اُٹھنے میں تکلیف نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد (دنیوی) باتوں کو مکروہ سمجھتے

تھے۔ آج کل جو ہم میں یہ عادت ہوگئی ہے کہ ہم نمازِ عشا کے بعد جمع ہوکر گپ شپ اُڑایا کرتے ہیں۔ یہ اسلامی تہذیب کے بالکل خلاف ہے۔ البتہ علمِ دین کی ضروری گفت گو کرنے میں حرج نہیں۔ جب سوئے تو چاروں قُل اور الحمد اور آیۃ الکرسی پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر دم کر کے جہاں تک پہنچے بدن پر پھیر لے۔ جب جاگے تو یہ دُعا پڑھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ (بخاری) سورۂ حشر کی آخری آیات ھُوَاللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ سے آخر تک پڑھے (حصن حصین) اور بھی دعائیں آئی ہیں چاہے اُن کو پڑھے۔ پھر اُٹھ کر اول اپنے دونوں ہاتھ دھوئے۔ بغیر ہاتھ دھوئے کسی برتن میں نہ ڈالے۔ پھر استنجے سے فارغ ہوکر وضو کرے اور نمازِ فجر ادا کرے۔ اب دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو کھانے پینے سونے جاگنے اور تمام اعمالِ زندگی میں اسلامی تہذیب اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری گذشتہ غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کرے اور آئندہ گناہوں، غلطیوں سے بچنے کی ہمت عطا فرمائے۔ کافروں کی تہذیب سے محفوظ رکھ کر اسلامی تہذیب کا پابند بنائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ہ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا الخ

خطبۂ جمعہ سوم ماہِ رجب در آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ ۱۲

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی

تہذیبِ خواہشاتِ نفس و آدابِ نکاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحَلَّ النِّکَاحَ وَحَرَّمَ السِّفَاحَ ○

وَجَعَلَ التَّزْوِيْجَ وَسِيْلَةَ التَّنَاسُلِ وَالنَّجَاحِ ○

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ○

وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ

رَسُوْلُهٗ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰۤى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

اَجْمَعِيْنَ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○

اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ ○

عِيْشَةٌ بِالنِّكَاحِ وَالْاِجْتِنَابُ عَنِ

الرُّهْبَانِيَّةِ ○ فَاِنَّهٗ سُنَّةٌ وَّعِنْدَ التَّوَقَانِ

وَاجِبٌ اِذَا خَافَ فِتْنَةَ الشَّهْوَانِيَّةِ ○

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + يَا مَعْشَرَ

ع۱ ای وسیلة النجاح من مهلکات الشهوانیة ۱۲ ع۲ واعلموا ان الله تعالیٰ حرم علیکم الزناء فانه معصیة کبیرة قال الله تعالیٰ ولا تقربوا الزنا انه کان فاحشة وساء سبیلا وقال النبی صلی الله علیه وسلم + ملعون من عمل عمل قوم لوط ۱۲ ع۳ متفق علیه ۱۲

الشَّبَابِ + مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ
فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْسَنُ
لِلْفَرْجِ + وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ
فَإِنَّهٗ لَهٗ وِجَاءٌ ۝ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَ
السَّلَامُ + تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسْبِهَا
وَلِجَمَالِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ
تَرِبَتْ يَدَاكَ ۝ وَعَنْ عُمَرَ رض اَنَّهٗ قَالَ
فِىْ خُطْبَةٍ لَا تُغَالُوْا فِىْ صَدُقَاتِ النِّسَاءِ
فَاِنَّ ذَالِكَ لَوْكَانَ مَكْرِمَةً فِى الدُّنْيَا وَ
تَقْوٰى عِنْدَ اللهِ كَانَ اَوْلَاكُمْ بِهٖ رَسُوْلُ
اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (الحديث) اَعُوْذُ بِاللهِ الخ

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا الخ

وعظِ جمعہ سوم ماہِ رجب دربیانِ آدابِ معاشرۃ اسلامیہ ۱۳

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی

تہذیبِ خواہشاتِ نفس و آدابِ نکاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملت! اسلامی تہذیب اور آدابِ معاشرۃ کا ایک اہم جز تہذیبِ خواہشاتِ نفس اور آدابِ نکاح بھی ہے، لہٰذا ان کا جاننا بہت ضروری ہے۔ بندگو! شریعت اسلامیہ نے تہذیب قوۃ شہوانیہ میں ایسا اعتدال مدنظر رکھا ہے کہ جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ نہ جانوروں کی طرح آزاد شہوۃ رانی کی اجازت دی گئی ہے اور نہ ہمارے فطری جذباتِ شہوانیہ کو بالکل مٹا دینے کا حکم دیا ہے، بلکہ مناسب شرائط و قیود کے ساتھ تقاضائے شہوۃ پورا کرنے کی اجازۃ دی گئی ہے۔ ایک طرف زِنا و سفاح حرام قرار دیا گیا ہے۔ دوسری طرف لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ کا اعلان فرما کر ایک سے چار بیویاں تک کرنے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں ضروری ہے کہ ہم غلط طریقہ پر اپنی اس قوۃ کو برباد نہ کریں اور نکاح کا مناسب و مفید طریقہ چھوڑ کر ہرگز زِناکاری میں مبتلا نہ ہوں۔ یاد رکھیے کہ زنا حرام اور سخت گناہِ کبیرہ ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "زِنا کے قریب (بھی) مت جاؤ، وہ بے حیائی (کی بات) ہے اور بہت بُرا طریقہ ہے۔" اتنا بُرا کہ اکثر کبیرہ گناہوں کی سزا تو آخرۃ میں دی جائے گی، مگر چند گناہوں میں سے

اس کی سزا بھی دُنیا ہی میں دی جانی مقرر ہے اور سزا بھی کتنی سخت کہ اگر ایک دفعہ کسی کو دے دی جائے تو عمر بھر زِنا کا نام بھی نہ لے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی سزا سَو کوڑے مارنا مقرر ہے اور شادی شدہ زانی وزانیہ کی سزا شریعت میں یہ ہے کہ مسلمانوں کے بھرے مجمع میں پتھروں سے اس قدر مارا جائے کہ اُن کی زندگی ہی ختم ہو جائے۔ (اللہ ہم سب کو اس گناہ سے بچائے) اور جس طرح زِنا حرام ہے اسی طرح لواطت بھی حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ملعون ہے وہ شخص جو قومِ لوط کی سی بدفعلی کرے (جمع الفوائد) اور فرمایا کہ جسے قومِ لوط کا سا عمل کرتے دیکھو تو فاعل ومفعول کو قتل کر دو (ترمذی) اسی طرح استمنا بالید یعنی جلق لگانا بھی حرام ہے۔ نیز اپنی منکوحہ عورۃ سے فطری طریقہ کے خلاف صحبت کرنا بھی حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ (رحمت کی) نظر نہ فرمائے گا، اُس شخص کی طرف جس نے کسی مرد یا عورۃ کے ساتھ پیچھے کی راہ سے صحبت کی (جمع الفوائد ص ۲۸۹ / ج ۱) اسی طرح عورتوں کی تصویر کے ذریعہ اُن کا تصوّر (خیال) قائم کر کے جماع کی لذّۃ حاصل کرنا یا بِلا تصویر [illegible] کا صرف تصوّر کر کے لذّۃ حاصل کرنا بھی سخت گناہ اور حرام ہے، کیونکہ بتصریحِ حدیث یہ قلب کا زِنا ہے۔ نیز یہ عادۃ مفضی الی الزنا ہے اور زِنا انسانی زندگی کی تباہی کا زبردست پیش خیمہ ہے۔ ہزارہا فسادات، نااتفاقیوں اور جان ومال کی بربادی کا باعث ہے۔ اس کے برخلاف نکاح جذباتِ شہوۃ کو سرد کرنے کا بہترین طریقہ، ہزارہا تعلقات وابستہ ہونے کا وسیلہ اور بقاءِ نسلِ انسانی کا عُمدہ ذریعہ ہے۔ اسی لئے احادیث میں نکاح کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشاد ہے کہ "اے نوجوانوں کی جماعت تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھے اُسے چاہئے کہ وہ نکاح کرے، کیونکہ وہ

نگاہ نیچی رہتی ہے، شرمگاہ کی حفاظت کرنے میں بہت مفید ہے اور جو طاقت نہ رکھے وہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ شہوت کے لئے توڑ ہے[1]"، (متفق علیہ) نیز آپؐ نے فرمایا کہ "محبت کرنے والی اور بچے جننے والیوں سے نکاح کرو، کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری زیادتی پر فخر کروں گا۔ (ابوداؤد) نیز نکاح کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اگر وہ[2] فقیر ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا" معلوم ہوا کہ نکاح بڑی بابرکت چیز ہے جس سے انسان کی دنیا اور دین دونوں درست ہوتے ہیں، لیکن نکاح کے کچھ قواعد و آداب ہیں، جن کا خیال رکھنا ہر مسلمان کو ضروری ہے۔ چنانچہ سُنئے کہ محرمات سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ محرمات یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح کرنا حرام ہے، یہ ہیں :- اپنے والد کی منکوحہ، اپنی والدہ، دادی، نانی وغیرہ اُوپر تک۔ اپنی بیٹی، پوتی، نواسی، نیچے تک۔ اپنی بہن حقیقی یا باپ شریک یا ماں شریک اپنی پھوپی، خالہ، بھتیجی۔ اس میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد در اولاد سب داخل ہیں۔ اپنی بھانجی، اس میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد در اولاد سب داخل ہیں۔ یہ سب حرام ہیں اور جس طرح یہ سب عورتیں نسب کے رشتہ سے حرام ہیں، اسی طرح یہ سب دُودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہوجاتی ہیں۔ نیز اپنی خوشدامن (ساس)، اور اپنی زوجہ کی بیٹی جس زوجہ سے تم نے صحبت کرلی ہے اور اپنے بیٹوں، پوتوں، نواسوں کی عورتیں، ان سب سے بھی نکاح حرام ہے اور اپنی سالی سے جب تک کہ اُس کی بہن تمہارے نکاح میں ہے اور اپنی زوجہ کی پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں۔ جب تک کہ وہ زوجہ تمہارے نکاح میں ہے اور دوسرے کی منکوحہ جب تک کہ وہ کسی کے نکاح میں ہے۔ ان سب سے نکاح کرنا حرام ہے اور

---

[1] وجاء بمعنی الاختصاء والمراد کاسر الشہوۃ ۱۲ [2] ان یکونوا فقراء یغنہم اللہ من فضلہ ۱۲

بغیر نکاح صحبت کرنا تو سخت در سخت گناہ اور حرام ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جو محرم عورۃ سے زِنا کرے اُسے قتل کر ڈالو۔ (ترمذی از جمع الفوائد ص ۳۸۹ ج ۱)

آج کل سُنا گیا ہے کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کا گناہ پھیلتا جا رہا ہے۔ جس شہر یا بستی میں ایسا کوئی واقعہ پیش آئے وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ پر ایسے خبیث النفس لوگوں کو ایسی حرکت شنیعہ سے سختی کے ساتھ روکیں ورنہ سب مُسلمان سخت گنہ گار اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کے مستحق ہوں گے۔

نکاح سے قبل منگنی کی جاتی ہے۔ اس میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ لڑکی اور لڑکے میں سب سے پہلے دینداری کی تحقیق کی جاوے۔ اس لئے کہ اگر لڑکا دیندار نہ ہوگا تو بیوی کے حقوق ہرگز ادا نہ کرسکے گا، جس سے آپ کی پیاری بیٹی کی زندگی برباد ہو جائے گی۔ آج کل عموماً یہی ہو رہا ہے کہ لڑکے کی صرف مالی حیثیت اور خاندان دیکھتے ہیں، مگر دینداری کا ذرا خیال نہیں کرتے اسی وجہ سے طلاق، خلع اور معلق لٹکا دینے کے واقعات بکثرۃ پیش آرہے ہیں۔ کتنی بیٹیاں ہیں جو اپنے شوہروں کے ظلموں سے زندہ درگور ہو رہی ہیں۔ نہ مر سکتی ہیں اور نہ زندوں میں اُن کا شمار ہے اور اگر بیوی دیندار نہ ہوگی تو وہ بھی اپنے شوہر کے حقوق ادا نہیں کرسکتی، جس سے آپ کا گھر آباد ہونے کی جگہ برباد ہو جائے گا۔ یہ واقعات بھی بکثرۃ پیش آرہے ہیں۔ ذرا اپنے اپنے گھروں کی حالت پر غور فرمائیے کہ آپ کی بیویوں کی جہالت اور بے دینی، بے تمیزی کی وجہ سے آپ کو کس قدر تکلیف اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "عورۃ سے اُس کے مال، خوبصورتی، شرافتِ خاندانی اور دینداری کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ پس اے ابوہریرہ! تم دیندار عورۃ سے

کامیابی حاصل کرو۔" (متفق علیہ) افسوس کہ ہم دین سے اتنے دُور ہو گئے ہیں کہ اچھے اچھے نمازیوں کو بھی منگنی کرتے وقت لڑکے لڑکی کی دینداری کے متعلق تحقیق کرنے کا خیال تک نہیں آتا۔ منگنی کے وقت دوسری بات قابلِ لحاظ یہ ہے کہ لڑکی کا رشتہ کرتے وقت لڑکے میں کفو کا خیال بھی کیا جائے۔ عورۃ کی جانب سے کفو کا اعتبار نہیں۔ کفو کا لحاظ عرب کے سوا باقی تمام دُنیا کے عجمی مسلمانوں کے لئے صرف چند امور میں شرعاً معتبر ہے۔ حریت میں، قدیم الاسلام ہونے میں، پیشہ میں، مالی حیثیت میں، دینداری میں، لیکن نسب میں کفاۃ کا لحاظ عجمیوں کے لئے معتبر نہیں، کیونکہ اُنھوں نے اپنے انساب کو ضائع کر دیا ہے البتہ عربوں اور اُن عجمی مسلمانوں کے لئے جن کا نسب کسی عرب قبیلہ سے ملتا ہے۔ نسب میں کفاۃ معتبر ہے۔ (از ردالمختار ص ۳۱۹ ج ۱) منگنی کے بعد تاریخ مقرر کرتے وقت یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت میں نکاح کے لئے کوئی ماہ یا تاریخ یا دن نہ مقرر ہے نہ منحوس ہے۔ اکثر جاہل لوگ شوال، ذیقعدہ، صفر اور جمادی الاول و آخر کو نکاح کے لئے منحوس سمجھتے ہیں۔ یہ قطعاً غلط اور بالکل بے اصل ہے۔ بعض لوگ میّت کے گھر یا خاندان میں سال بھر تک کوئی تقریب شادی وغیرہ کرنا معیوب سمجھتے ہیں، یہ بھی غلط ہے۔ میّت کی بیوہ کو عدۃ تک، دیگر اقرباکو صرف تین دن تک سوگ کرنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں۔ بعض حالتوں میں اس بیہودہ رسم کی وجہ سے بڑے بڑے گناہ اور نقصانات ہوتے دیکھے گئے ہیں۔ لہٰذا اس غلط رواج کو مٹانا بھی بہت ضروری ہے۔ اس کے بعد مہر اور جہیز کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ بعض شہروں میں یہ رواج ہے کہ دولہا والے لڑکی والوں سے زیادہ سے زیادہ جہیز متعین کراتے ہیں کہ کیا کیا دو گے۔ یہ طریقہ مردوں کے لئے بڑا شرمناک ہے۔ جہیز کی فرمائش کرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے

کہ یہ نکاح عورۃ کی دینداری کی وجہ سے نہیں کیا جارہا ہے بلکہ مال کی وجہ سے کیا جارہا ہے، حالانکہ حضورؐ نے دین کی وجہ سے نکاح کرنے کی ترغیب دی ہے نیز اخلاقاً بھی ایسی فرمائشات کرنا انتہائی بے غیرتی کی بات ہے، کیونکہ انسان مرد اسی لئے بنایا گیا ہے تاکہ وہ اپنی قوۃِ بازو سے کماکر کمزور عورۃ کی پرورش کرے یہی وجہ ہے کہ شریعت میں بیوی کا خرچہ شوہر کے ذمہ قرار دیا گیا ہے۔ مرد کو قوۃ اس لئے نہیں دی گئی ہے کہ وہ کمزور عورۃ پر اپنا بار ڈالے اور جورو کے ٹکڑوں کا اُمیدوار رہے۔ مرد حاکم ہے اور عورۃ محکوم، لیکن جس مرد کا گذارہ عورت کے مال پر ہوگا، اُسے اپنی جورو کا غلام بننا پڑے گا، کیونکہ شریف انسان احسان کا غلام ہوتا ہے اور زن مرید انسان دین و دنیا میں کوئی ترقی نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ غریب لڑکیوں کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا اور بعض کنجوس بخیل مالداروں کی لڑکیاں باپ کے بخل کا شکار ہوکر جذباتِ جوانی کو پامال کرتے کرتے بیمار ہوجاتی ہیں اور یا اپنی ناجائز حرکتوں کے ذریعہ اپنے خاندان کی آبرو برباد کردینے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ آج کل بکثرۃ ناجائز حمل گرانے کے واقعات پیش آنے کا ایک بڑا سبب یہ غلط اور شرمناک رواج بھی ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کو توڑنے اور مٹانے کی کوشش کریں۔ اسی طرح لڑکی والوں کی جانب سے مہر کے زیادہ مقرر کئے جانے پر اصرار کرنا بھی سخت غلط ہے۔ زیادتیٔ مہر عزۃ کی بات سمجھی جاتی ہے، حالانکہ حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ عورتوں کے مہروں میں زیادتی نہ کرو۔ اگر مہر کی زیادتی کوئی عزۃ کی یا عند اللہ تقویٰ کی بات ہوتی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق تھے لیکن آپ نے بارہ اوقیہ ذہب سے زیادہ کسی کا مہر مقرر نہیں فرمایا (للستہ) حضورؐ کی لختِ جگر حضرت فاطمہ زہراؓ کا مہر تو کل ایک سو چار تولہ ۲ ماشہ چاندی تھی (علم الفقہ)

کیا ہماری بیٹیاں حضورؐ کی صاحبزادی سے بھی زیادہ باعزّۃ ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ گو شریعت نے مہر کی تحدید نہیں کی، تاہم ہمیں خود غور کرنا چاہئیے کہ دولھا کی کیا حیثیت ہے۔ وہ کس قدر ادا کرسکتا ہے۔ اُس کی حیثیت سے زیادہ مہر کا اصرار نہیں کرنا چاہیئے۔ یاد رکھو۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص تھوڑے یا زیادہ مہر پر کسی عورۃ سے نکاح کرے اور اُس کے جی میں مہر ادا کرنے کی نیّت نہ ہو تو وہ زانی شمار ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگا (احیاء) یہ کتنی سخت وعید ہے، جس کو مہر مقرر کرتے وقت ہرگز نہ بھولنا چاہیئے۔

تاریخِ نکاح کی اطلاع کے لئے معمولی اور سادہ خطوط طبع کرانے میں مضائقہ نہیں، لیکن ان خطوط کی چھپائی میں تکلّف کرنا، قیمتی کارڈ طبع کرانا۔ پھر لفافوں میں رکھ کر بھیجنا محض اسراف ہے بلکہ ان فضول خرچیوں سے روپیہ بچا کر غریبوں میں تقسیم کردو تو سینکڑوں لوٹے ہوئے دل آپ کی سلامتی اور ترقی کی دُعائیں دیں گے، جس سے آپ دین و دُنیا میں پھُولے پھلیں گے۔ تنگدستی کی حالت میں نکاح سے قبل دُولھا کے یہاں ضیافت ہونا یا بعدِ نکاح بلا ضرورۃ دُلھن کے گھر کی ضیافت بالکل غیر ضروری اور اکثر حالات میں ناجائز ہے۔ دولھا کے گھر نکاح سے قبل ضیافت ہونا اور زفاف کے بعد ولیمہ نہ کرنا انتہائی جہالت و حماقت ہے، کیونکہ قبل کی ضیافت کوئی شرعی چیز نہیں اور ولیمہ شرعی اور مسنون چیز ہے۔ اب میں نکاح کی حقیقت عرض کرتا ہُوں۔ سُنئے نکاح نام ہے صرف ایجاب و قبول کا، یعنی دو گواہوں کے سامنے عورۃ یا اُس کا وکیل یا ولی یا نائب وکیل مرد سے کہے کہ میں نے اپنا یا فلاں مسماۃ کا نکاح اس قدر مہر کے عوض تمہارے ساتھ کردیا اور مرد کہہ دے کہ میں نے قبول کیا تو بس نکاح ہوگیا۔ البتہ اعلان کے ساتھ نکاح ہونا مسنون ہے۔ نکاح کا خُطبہ فرض نہیں ہے بلکہ صرف سُنّت ہے۔ اس لئے خُطبہ پڑھا جانا چاہئے۔

خطبہ کے علاوہ اور جو کلمے وغیرہ اور بعض دُعائیں ضروری سمجھی جاتی ہیں، اُنکا ضروری سمجھنا غلط ہے، کیونکہ وہ کتاب و سُنّت سے ثابت نہیں ہیں۔ جو لباس عام حالات

ضمیمہ۔ خطبہ کے بعد دولھا کو بلا ضرورۃ کلمے اور استغفار پڑھوانا کوئی ضروری چیز نہیں ہے۔ اس کا ضروری سمجھنا بدعت ہے۔ ہاں ضرورۃ کے وقت پڑھا لینے میں مضائقہ نہیں۔ اسی طرح دُولھا سے عربی میں نکاح کا قبول کرانا بھی بے اصل بات ہے، بلکہ مادری زبان میں جس کو وہ سمجھتا ہو قبول کرانا ضروری ہے، گواہوں اور دولھا کو لڑکی کا نام مع ولدیت، تعدادِ مہر سنانا ضروری ہے۔ اس میں کوئی بات قابلِ شرم نہیں لیکن سارے مجمع کو ایجاب و قبول کی آواز سنانا غیر ضروری ہے۔ اسی طرح خطبۂ نکاح سب کو سنانے کی کوشش کرنا اور اس کے لئے لاؤڈسپیکر لگوانا، گلا پھاڑ پھاڑ کر خطبہ پڑھنا یا دولہن اور مستورات کے مجمع کو خطبہ کی آواز پہنچانا غیر ضروری باتیں ہیں دینی ضرورۃ سمجھ کر یا اظہارِ فخر و شان کے لئے آلۂ مکبّر الصّوت لگوانا، اس میں روپیہ خرچ کرنا اسراف ہے۔ ایجابِ قبول کے بعد دُعائے ماثورہ کے صیغے مثلاً بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ پڑھنا چاہئے اور رواجی دعا اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَهُمَا كَمَا اَلَّفْتَ بَيْنَ اٰدَمَ وَحَوَّاءَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ الخ محض رواجی ہے۔ کتبِ حدیث و فقہ میں اس کا غالباً کہیں وجود نہیں اور اگر بالفرض ہو تب بھی اس کو ضروری سمجھنا محض بدعت ہے۔ اسی طرح رسمی الفاتحہ بدعت ہے۔ اعلانِ نکاح کے لئے دف بجانا گو چند شرائط کے ساتھ جائز ہے، مگر ضروری نہیں ہے اور بینڈ باجہ و دیگر باجوں کو دف کے قائم مقام سمجھ کر سُنّت قرار دینا انتہائی جہالت و حماقت اور علومِ شرعیہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ دف کے علاوہ باقی تمام قسم کے باجے شریعت میں حرام ہیں ۱۲

میں حرام ہیں، وہ شادی کے وقت بھی حرام ہیں، مسلاً خالص سلک یا ریشم کا لباس زری کی ایسی پگڑی جس میں کپڑا بالکل نظر نہ آوے، سہرا باندھنا، ہار پھول پہننا بازوبند اور شیخ ضامن کے نام کا روپیہ باندھنا یہ سب ناجائز کام ہیں اور جو روپیہ ان میں خرچ کیا جاتا ہے وہ اسراف میں داخل ہے۔ نکاح کے بعد اعلان کر کے نوشاہ کو تحفے دینا اظہارِ احسان اور فخر وشان جتاتے ہوئے ناجائز ہے۔ تحفہ میں ایسی چیز دینا جن کا استعمال حرام ہو مکروہ اور اضاعتِ مال ہے۔ جہیز کا برادری میں دکھلا کر دینا بھی بُری رسم ہے۔ لڑکیوں کو مایوں دیا مانجھے) بٹھانا، آرسی مصحف کی رسم کرنا، جلوہ کرنا، چار جمعگی یا چوتھی بھوڑے کی رسوم کرنا یہ سب ناجائز ہیں۔ اسی طرح تمام وہ رسوم جن میں کوئی شرعی خرابی لازم آتی ہو سب ناجائز ہیں۔ ان سب کو ترک کرنا چاہیئے اور نہایت سادگی سے عقدِ نکاح کی سُنّت ادا کرنی چاہیئے۔ نکاح کے پورے مسائل کے لئے کسی اردو کی معتبر کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور نکاح کے بعد اُن حقوق کو جاننا بھی ضروری ہے جو نکاح کے بعد مسلمان پر عائد ہوتے ہیں۔ اب دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو کافرانہ رسوم و رواج سے بچائے اور طریقۂ سُنّت پر چلنے کی توفیق دے۔ ہماری گذشتہ غلطیوں، گناہوں کو معاف فرما کر آئندہ اسلامی طریقۂ معاشرہ کے مُطابق زندگی گذارنے کی ہمّت و جُرأت عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ؏

؏ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۞ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَ لَکُمْ الخ

خطبۂ جمعہ چہارم ماہِ رجب در آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ ۱۴

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی **بیانِ تہذیبِ کلام و ذمِ کذب وغیرہ**

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيْمِ الْخَبِيْرِ ○ بِكُلِّ قَوْلٍ وَّ فِعْلٍ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ ○ وَاَصْحَابِهٖ وَ اَتْبَاعِهٖ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ مِنْ آدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ تَهْذِيْبُ الْاَخْلَاقِ ○ كَيْ تَعِيْشُوْا بِالْاِتِّفَاقِ ○ فَقَدْ قَالَ[۱] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ○

[۱] للشیخین ۱۲

سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهٗ كُفْرٌ ○ وَ
قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ + اَلْكِذْبُ يَنْقُصُ
الرِّزْقَ ○ وَقَالَ[2] اَيْضًا - اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ
قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ + قَالَ ذِكْرُكَ اَحَدَكُمْ
اَخَاهُ بِمَا يَكْرَهُ (الحديث) وَقَالَ[3] اَيْضًا: مِنْ حُسْنِ
اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ ○ وَقَالَ[4] اَيْضًا
لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ + وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا
فَتُخْلِفَهٗ ○ وَقَالَ اَيْضًا اَنَا وَاَتْقِيَاءُ اُمَّتِيْ بُرَاءُ
مِنَ التَّكَلُّفِ[5] ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ يَا اَيُّهَا

---

[1] الاحیاء ۱۲ [2] جمع الفوائد ۱۲ [3] ترمذی جمع الفوائد ۱۲ [4] احیاء ۱۲ [5] و فی الباب احادیث منها قولہ علیہ السلام لا یدخل الجنة نمام (احیا) ومنها ایضا یا معشر من اسلم بلسانه و لم یفض الایمان الی قلبه لا تؤذوا المسلمین ولا تعیروهم ولا تتبعوا عوراتهم فان من اتبع عورة اخیه المسلم یتبع الله عورته ومن یتبع الله عورته یفضحه ولو فی جوف رحله ۱۲ [6] وتمام الحدیث فقال رجل ارایت ان کان فی اخی ما اقول قال ان کان فیه فقد اغتبته وان لم یکن فیه ما تقول فقد بهته (رواه الترمذی) ۱۲

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ۔ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

وعظِ جمعہ چہارم ماہِ رجب در آدابِ معاشرۃ اسلامیہ ۱۲

بسلسلۂ تہذیب اسلامی

بیانِ تہذیبِ کلام و ذمِ کذب وغیرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملت! آدابِ معاشرۃ اسلامیہ میں سے ایک ضروری ادب حُسنِ اخلاق ہے۔ جب تک کسی قوم کی اکثریت کے اخلاق عمدہ نہ ہوں گے۔ اُن میں اتفاق و اتحاد پیدا نہ ہو سکے گا اور ہو گا بھی تو دیرپا نہ ہو گا۔ بداخلاقی بکثرت پھیل جانا ہی جڑ ہے نااتفاقی کی۔ اتفاق پر وعظ اور لیکچر دینے سے اتحاد پیدا نہیں ہوتا بلکہ اتفاق و اتحاد ایک قدرتی نتیجہ یا ثمرہ ہے حُسنِ اخلاق کا۔ جب کسی قوم کے افراد میں عمدہ اخلاق رواج پا جائیں گے تو یقیناً وہ خود بخود متفق و متحد ہو جائیں گے اور یہ اتحاد بھی پائیدار ہو گا جو اس قوم کے عروج و ترقی کا سبب بن جائیگا۔

پس نااتفاقی کا دُکھڑا رونے سے پہلے ہمیں اپنے اور اپنے متعلقین کے اخلاق درست کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اسی لئے آپ میں قسط وار تہذیبِ اخلاق کے سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر سے اولاً بُرے اخلاق و عادات کو بیان کروں گا۔ پھر عمدہ اخلاق کی تفصیل کروں گا تاکہ میں اور آپ بُرے اخلاق سے بچنے بچانے اور عمدہ اخلاق اختیار کرنے اور کرانے میں مصروف ہو کر اپنے آپ کو مہذب بنا سکیں اور پھر پوری قومِ مسلم مہذب ہو کر متحد ہو جائے۔ جس سے مسلمانوں کے روشن مستقبل اور عروج

دہ ترقی کے خواب کی تعبیر ظاہر ہو سکے، ورنہ اس طریقہ کار کو اختیار کئے بغیر ترقی کے خواب دیکھنا بازیچۂ اطفال سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اب سُنئے کہ تہذیبِ اخلاق کے سلسلہ میں سب سے بڑی کڑی تہذیبِ لسان و زبان یا تہذیبِ کلام ہے۔ بدتہذیبی کی گفتگو ہی تمام فسادات اور نااتفاقیوں کی جڑ ہے۔ اگر ایک گھر کا ہر شخص اپنی زبان کو مہذب بنالے تو پورے گھر میں اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ پھر اگر ایک محلّہ کے تمام گھر والے ایسا کرلیں تو پورے محلہ میں اور سب محلّہ والے ایسا کرلیں تو پورے شہر میں اتفاق پیدا ہو جانا یقینی ہے۔ زبان یا کلام کو مہذب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ جس جس قسم کی گفتگو اور کلام سے شریعتِ الٰہیہ میں منع کیا گیا ہے، اُن سے اپنی زبان کو ہر ہر شخص محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ غلط گفتگو کرنے کے چونکہ ہم عادی ہو گئے ہیں، اس لئے اولاً کچھ دشواری پیش آئے گی، لیکن میں اکابر کے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگر ہم صرف چالیس روز اپنی زبان کو غلط گفتگو کرنے سے بچانے کی کوشش اور مشق کرلیں گے تو پھر یہ کام بالکل آسان ہو جائیگا اور پھر ہماری گفتگو مہذّب ہو جائے گی۔ اب سُنئے کہ ناجائز کلام کی ایک قسم لعن طعن گالی گلوچ والی گفتگو ہے۔ ایسی گفتگو کا نتیجہ اکثر بُرا ہی ہوتا ہے کہ سُننے والے کی طبیعت میں ضد پیدا ہو جاتی ہے۔ نرم کلام سے ممکن تھا کہ وہ آپ کی بات مان جاتا، لیکن اس سخت گفتگو سے اور زیادہ انکار پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ غیر مہذب لوگوں میں تو یہ مرض بکثرت پایا ہی جاتا ہے، جس سے ہزارہا جھگڑے آئے دن پیدا ہوتے رہتے ہیں، لیکن مہذّب اور تعلیم یافتہ لوگوں میں بھی یہ بُری خصلت موجود ہے۔ تمام حالات میں اگرچہ وہ گالیاں نہیں بکتے، مگر غصّہ کی حالت میں انکی زبان بھی نہیں رکتی۔ اسلامی تہذیب یہ ہے کہ مسلمان تمام حالات میں کسی درجہ کے آدمی سے بھی ایسی بدتہذیبی کے ساتھ گفتگو نہ کرے۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہت طعن و تشنیع کرنے والا اور بہت لعنت کرنے والا اور بہت فحش بکنے والا اور بہت بیہودہ گفتگو کرنے والا مومن نہیں ہے۔ (احیاء) نیز آپ نے فرمایا کہ ہر فحش بکنے والے پر جنت میں داخل ہونا حرام ہے (یعنی ابتداءً) (احیاء) نیز آپ نے فرمایا کہ مومن کو گالیاں دینا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔ (یعنی عملی) (شیخین) کسی سبب سے یا بلا سبب کسی کو گالیاں دینا دونوں صورۃ میں یہ فعل گناہِ کبیرہ ہے جس سے فوراً توبہ کرنی چاہیئے۔ ناجائز کلام کی ایک قسم جھوٹ بولنا ہے۔ یہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔ آج کل کی مروجہ تہذیب تو یہ ہے کہ عام حالات میں سچ سے کام لیا جائے اور ضرورۃ یا نفع کے وقت جس قدر بھی بول دیا جائے تو مضائقہ نہیں، مگر مسلمانو تمہاری تہذیب اسلامی میں جھوٹ بولنا حرام ہے۔ قرآنِ کریم نے جھوٹ بولنے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور اس بدخصلت سے دنیا کا بھی نقصان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جھوٹ رزق کو کم کر دیتا ہے۔ (احیاء) یعنی اس سے نقصان کی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں، جس کی وجہ سے جھوٹ سے کمایا ہوا سب مال برباد ہو جاتا ہے۔ اس جھوٹ کی وجہ سے بھی ہم میں ہزاروں نا اتفاقیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ پس عروجِ ملت کی صورت یہی ہے کہ نا اتفاقی کی ان جڑوں کو بالکل کاٹ دیا جائے۔ ناجائز کلام کی ایک قسم چغلی کرنا ہے۔ یہ بد تہذیبی انسانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ اس قوم میں ہرگز ہرگز اتفاق نہیں رہ سکتا، جس قوم کے اکثر افراد میں چغل خوری کی عادت موجود ہو۔ قومِ مسلم میں عموماً یہ مہلک مرض موجود ہے۔ اسی لئے اس کا شیرازہ ملت اس قدر بکھرا ہوا ہے کہ کسی طرح بھی اتحاد پیدا نہیں ہونے پاتا۔ تہذیب اسلامی میں چغلخوری گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ اس پر بھی سخت وعید آئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چغلخور جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (احیاء) یعنی ابتداءً۔ نیز

آپؐ نے فرمایا کہ جس شخص کے دنیا میں دو مُنہ ہوں (کہ ایک سے ایک طرح بات کرے دوسرے سے اور طرح) تو اس کی قیامت میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (احیاء)
ناجائز کلام کی ایک اور قسم غیبت ہے۔ یہ گفتگو تمام فسادات کی بنیاد ہے، اور اس میں ہر چھوٹا بڑا تعلیم یافتہ اور جاہل مبتلا ہے۔ اسلامی معاشرہ کی تہذیب میں یہ بھی زبردست جرم اور گناہِ کبیرہ اور حرام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق حکم دیا ہے کہ تم میں ؑ سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ "کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مُردہ بھائی (کی نعش) کا گوشت کھائے۔" یعنی غیبت کرنا ایسا ہے جیسا کہ مُردہ کی لاش کا گوشت کھانا خصوصاً بھائی کی نعش کا۔ ظاہر ہے کہ انسان کو مُردہ کی، پھر وہ بھی بھائی کی نعش کا گوشت کھانا نہایت ناپسند ہے۔ پس اسی طرح غیبت کو ناپسند کرنا چاہیئے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ معراج میں میں ایک ایسی قوم کے پاس سے ہو کر گذرا جن کے ناخن تانبے کے تھے۔ جن سے وہ اپنے چہروں کو کھرچ رہے تھے۔ میں نے کہا اے جبرئیلؑ یہ کون ہیں — اُنھوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور اُن کی آبرو ریزی (غیبت سے) کرتے تھے (ابوداؤد) نیز حضورؐ نے فرمایا کہ "کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟" صحابہ نے عرض کیا۔ "اللہ اور اس کے رسولؐ ہی زیادہ جانتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرنا کہ اُسے بُرا لگے" (یہی غیبت ہے) کسی شخص نے عرض کیا کہ "اگر میرے بھائی میں وہ بات ہے (جس کو میں بیان کروں) تب کیا ارشاد ہے۔" فرمایا: "اگر اُس میں وہ بات ہے (اور تم ذکر کرو) تو یہی غیبت ہے اور اگر اس میں وہ بات نہیں ہے (جو تُم نے کہی تو) یہ تو بہتان ہُوا۔" (ترمذی) غرضیکہ غیبت کرنا اکثر حالات میں حرام ہے۔ البتہ نو صُورتوں

؏ ولا یغتب بعضکم الخ ۱۲

ہیں جائز ہے (۱) مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا ظلم دفع کرنے کی نیّت سے (احیاء)
(۲) کسی کے گناہ کا ذکر ایسے شخص سے کر دینا جو گنہگار کی اصلاح کر سکے اور اس
گناہ کو مٹا سکے سمجھا کر یا تنبیہ سے (احیاء) (۳) ایسے شخص کی غیبت کرنا بھی جائز
ہے جس کا ظاہر اچھا ہو مگر اُس سے کسی فتنہ کے کھڑا کر دینے کا قوی احتمال ہو،
جیسے ایک شخص پیر بنا ہُوا ہے یا عالِم نُما ہے یا حکیم بنا ہے، مگر در حقیقت وہ
چور ڈاکو ہے یا نیم مُلّا یا نیم حکیم ہے، جس سے لوگ دھوکا کھاتے ہوں (در مختار)
(۴) مسئلہ دریافت کرنے کے لئے غیبت جائز ہے (احیاء) (۵) کوئی کسی کے متعلق
مشورہ چاہتا ہو کہ مثلاً میں اس کو شریکِ تجارۃ کرنا چاہتا ہوں تو مشورہ دینے والے کو
اگر ضرورۃ پڑے تو غیبت جائز ہے (احیاء) (۶) اگر کسی کی غیبت سے مقصود اظہارِ
غصّہ وغیرہ نہ ہو بلکہ کسی دوسرے مسلمان کی خیر خواہی یا دفعِ ضرر مقصود ہو تو اب بھی
جائز ہے (احیاء) (۷) اگر کسی کا لقب اس کے کسی عیب پر دلالت کرتا ہو اور وہ
اسی لقب سے مشہور ہو تو اب اُس کو اس لقب سے پکارنا یا ذکر کرنا جائز ہے۔
(۸) فاسق معلن یعنی وہ شخص جو کھلم کھلا کسی گناہِ کبیرہ میں مبتلا ہو شراب پیتا ہو یا
زِنا کرتا ہو تو اس کی غیبت کرنا بھی جائز ہے یعنی جن عیبوں، گناہوں کو وہ برملا ظاہر
کرتا ہو اگر اس کے پیچھے ان عیوب کا کوئی ذکر کرے تو گنہ گار نہ ہوگا (احیاء) (۹) اگر
کوئی شخص بدعتی یا بد عقیدہ ہو مثلاً قادیانی، نیچری، رافضی وغیرہ تو اُس کے پیچھے
اس کے ایسے عقائد کا ذکر کرنا گناہ نہیں (در مختار) نیز اگر کسی شخص کی غیبت کرے اور
نام نہ لے اس طرح کہ سُننے والے اُسے پہچان نہ سکیں یا بغیر معین کئے کسی شہر والوں یا کسی
جماعت کی غیبت کرے تو یہ جائز ہے۔ غیبت میں شمار نہیں (در مختار) مثلاً کہے
فلاں شہر والے بیوقوف ہوتے ہیں۔ اگر غلطی سے کبھی کسی کی غیبت ہو جائے تو اُس
کے گناہ کے معاف ہونے کی صورۃ یہ ہے کہ جس کی غیبت کی ہو اُس سے اپنا

قصور معاف کرالے اور ایک ضعیف حدیث[1] میں ہے کہ اُس کے لیئے استغفار کرے اور حضرت مجاہد سے منقول[2] ہے کہ غیبت کے عوض اس کی تعریف اور اس کے لئے دُعا کرے۔ ناجائز کلام کی ایک اور قسم جھوٹی گواہی دینا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! جھوٹی گواہی (قرآن میں) شریک باللہ کے برابر بیان کی گئی ہے۔ پھر آپ نے (یہ آیت) پڑھی۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الآیۃ) (ابوداؤد) یہ بھی گناہِ کبیرہ ہے، جس سے بچنا لازم ہے۔ ناجائز کلام کی ایک قسم کسی کی عیب جوئی کرنا ہے۔ بعض لوگوں کی عادۃ ہے کہ وہ ہر چیز میں ہر شخص میں عیب تلاش کیا کرتے ہیں، اور پھر ان کو بیان کرکے دوسرے گناہ مول لیا کرتے ہیں۔ یاد رکھئے کہ یہ بھی بہت بُری خصلت ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے کسی مُسلمان پر کوئی بات کہی جس سے عیب لگانا مقصود ہو تو بروزِ قیامت جہنّم کے پُل پر بٹھایا جائے گا (ابوداؤد) اور آپ نے فرمایا کہ اے کچے مُسلمانو دوسرے مُسلمانوں کو تکلیف نہ دو۔ انھیں عار نہ دلاؤ۔ ان کے مخفی حالات کے پیچھے مت پڑو۔ (ترمذی) اور آپ نے فرمایا کہ جو بندہ کسی کے عیب چھپائیگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خود اُس کے عیوب چھپائیگا (مسلم) کلام کی یہ تمام ناجائز قسمیں اسلامی قانونِ معاشرۃ میں سخت غیر مہذب قرار دی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ غیر مہذب کلام کی ایک قسم فضول گفتگو یا گپ شپ ہے۔ اسلامی تہذیب میں یہ بھی بدتہذیبی میں شمار ہے۔ چنانچہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کی گفتگو بکثرۃ ہوگی، اس کی لغزشیں زیادہ ہوں گی اور جس کی لغزش زیادہ ہوگی اُس کے گناہ زیادہ ہونگے اور جس کے گناہ زیادہ ہوں گے تو دوزخ ایسے شخص کو زیادہ مستحق ہے (احیاء)

---

[1] بیہقی عن انس رض ۱۲ [2] مشکوٰۃ ۱۲

نیز فرمایا کہ آدمی کے اسلام کی عمدگی میں سے یہ ہے کہ وہ تمام فضولیات کو چھوڑ دے (ترمذی) نئی روشنی کی یہ تہذیب کہ جب دو شخص آپس میں ملیں تو فضول گفتگو ضرور کی جائے، اسلامی تہذیب کے قطعاً خلاف ہے۔ اسی طرح آج کل جو احباب سے ملاقات کے سلسلہ میں بے فائدہ مجلسیں جمائی جاتی ہیں، جن میں گھنٹوں وقت ضائع کیا جاتا ہے، یہ اسلامی نقطۂ نظر سے مذموم اور قابلِ ترک ہیں۔ ایسے مجلسوں میں شریک ہونا بھی اکثر گناہ سے خالی نہیں ہوتا، اس لئے ان سے بچنا چاہیئے۔ غیر مہذب کلام کی ایک قسم بیہودہ مذاق کرنا ہے کہ مذاق میں فحش اور گندی باتیں کہی جاویں یا مذاق کے لئے جھوٹ سے کام لیا جاوے یا مذاق اس طرح کیا جاوے کہ کسی کی دل شکنی یا حقارت اور توہین ہو۔ ایسے مذاق خواہ زبان سے کئے جائیں یا عمل سے یا اشارہ سے سب ناجائز ہیں۔ ہاں البتہ اگر تفریحِ قلب کے لئے کبھی ایسا مذاق کیا جاوے جس میں فحش اور جھوٹ نہو، کسی کی توہین و دل آزاری نہو تو یہ جائز ہے، مگر اس پر بھی ہمیشگی نہ کرنی چاہیئے، کیونکہ زیادہ مذاق کرنا قلب میں غفلت پیدا کرتا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں (بھی) مزاح کرتا ہوں، مگر حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتا (احیاء) نیز آپ نے فرمایا کہ بعض مرتبہ آدمی کوئی بات ایسی کہہ دیتا ہے کہ تمام مجلس والوں کو ہنسا دیتا ہے (مگر) وہ اس ایک کلمہ کی وجہ سے دوزخ کے بعید ترین مقام میں گر جاتا ہے (احیاء) یعنی مستحق ہو جاتا ہے۔ علاوہ اس عذابِ آخروی کے ناجائز قسم کا مذاق اکثر بڑے بڑے فسادات پیدا کر دیتا ہے۔ جس سے دین و دنیا دونوں تباہ ہو جاتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بتوں کی عبادۃ اور شراب پینے کی ممانعت کے بعد سب سے پہلی چیز جس کا مجھ سے میرے رب نے عہد لیا اور مجھکو منع کیا ہے، وہ لوگوں کی مذاقیہ نمکین گفتگوئیں ہیں (احیاء)۔ جب حضورؐ کو اس سے منع کیا گیا تو ہمارے لئے اس سے بچنا بہت ہی ضروری ہوا۔

نئی روشنی میں یہ غلط مذاق گویا فیشن میں داخل ہو گیا ہے اور عموماً ان کا ایسا مذاق سیدھے سادے مسلمانوں کے لئے دل آزار ہوتا ہے، مگر اسلامی نقطۂ نظر سے یہ ان لوگوں کی انتہائی بدتمیزی ہے اور ایسا مذاق گناہِ کبیرہ میں داخل ہے۔ میرے معزز تعلیم یافتہ دوستو! خدا سے ڈرو اور اپنے آپ کو اس حماقت اور گناہِ کبیرہ سے بچاؤ۔ غیر مہذب کلام کی ایک قسم مراء اور جدال ہے۔ مراء ہر اُس اعتراض کو کہتے ہیں جو کسی کے کلام پر کیا جاوے تاکہ اس میں کوئی نقص لفظی یا معنوی یا بدنیتی وغیرہ ثابت کی جاوے، جس سے مقصود دوسرے کی کم علمی اور اپنی ہمہ دانی کا اظہار ہو۔ اس قسم کے اعتراض کرنا اسلامی تہذیب میں سخت مذموم ہے۔ مسلمان کو چاہئے کہ جب کوئی کلام سُنے اگر وہ صحیح ہو تو تصدیق کرے۔ اگر غلط ہو اور وہ کلام دین کے متعلق نہ ہو تو سکوت اختیار کرے۔ آج کل اس مراء مذموم کی صحیح مثال شعر اور شاعری اور اخبارات کی تنقیدات ہیں، جن میں دین کا کوئی مسئلہ یا مذہب اسلام کی حمایت نہیں بلکہ دین سے غیر متعلق شاعری اور شعروں کی لفظی و معنوی بحث ہوتی ہے جس میں آج مسلمانوں کا ہزارہا روپیہ اور وقت برباد ہو رہا ہے، حالانکہ ان سے دین کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس قسم کی تمام قیل و قال اسلامی تہذیب کے قطعاً خلاف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے بھائی (کے کلام پر بلا دینی فائدہ کے) اعتراض مت کرو اور نہ اُس سے بیہودہ مذاق کرو اور نہ اُس سے وعدہ خلافی کرو (احیاء) اور فرمایا کہ کوئی بندہ ایمان کی حقیقت کو کامل (طور پر حاصل) نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ اعتراض کرنا چھوڑ دے، اگرچہ خود حق پر ہو (احیاء) بعض لوگوں کی عادۃ ہوتی ہے کہ ہر جگہ ہر موقع پر اپنی قابلیت جتانے کے لئے زبانِ اعتراض دراز کرتے رہتے ہیں۔ یہ انتہائی بدتمیزی ہے۔ بعض وقت اس سے لڑائی یا کسی کی دل آزاری ہو جاتی ہے۔

ایسی صورت میں بہ اعتراض گناہِ کبیرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور جدال اس کلام کو کہتے ہیں جو دوسرے کو ساکت اور عاجز کرنے اور اُس کو جاہل قرار دینے کے لئے بولا جائے۔ اس سے بھی مقصود اپنی بڑائی علمیت وغیرہ جتانا ہوتا ہے۔ یہ شرعاً نہایت مذموم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہدایت یافتہ قوم گمراہ ہوئی انھیں جدال ضرور دیا گیا (احیاء) اور فرمایا کہ سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے یہاں سخت ضدی جھگڑالو آدمی ہے (احیاء)

غیر مہذب کلام کی ایک قسم تصنّع اور تکلّف کی باتیں ہیں یعنی آدمی ہر بات کو بنا بنا کر قافیہ بندی اور تشبیہات کے ساتھ بولنے کی کوشش کرے جیسا کہ آج کل بعض وہ جدید تعلیم یافتہ لوگ جن کو ادبیت کا ہیضہ ہو گیا ہے، اکثر بن بن کر اسی طرح کلام کیا کرتے ہیں یا بعض وہ علماءِ سُوء جن کو قافیہ بندی کا جنون ہو گیا ہے کیا کرتے ہیں۔ اسلامی تہذیب یہ ہے کہ بات نہایت صاف اور سادہ طور پر کی جائے، جس سے مخاطب مقصود کو اچھی طرح سمجھ جائے اور اپنا پورا مطلب ادا ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں اور میری اُمّت کے متقی لوگ تکلّف سے بری ہیں۔" (احیاء) نیز فرمایا کہ "میری نظر میں سب سے زیادہ مبغوض اور مجھ سے سب سے زیادہ دور باعتبار مجلس کے، بکثرت بولنے والے، بات بڑھا کر کہنے والے فصاحت جتا کر کلام کرنے والے لوگ ہیں۔" اور فرمایا کہ "میری اُمّت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو نعمت دیئے گئے ہوں کہ رنگ برنگ کے کھانے کھاتے ہوں قسم قسم کے کپڑے پہنتے ہوں اور بات چیت میں اپنی ادبیت جتاتے ہوں (احیا) دوستو اور بزرگو غور کرو کہ کہیں ہم ہی ان بدترین لوگوں میں سے تو نہیں ہیں۔ کلام میں سادگی اور تکلّف و بناوٹ سے منع کرنا بھی بہت سی عمدہ مصلحتوں پر مبنی ہے اور اس میں بہت سے فوائد ہیں جو ہر غور کرنے والا سمجھ سکتا ہے۔

پس اسلامی تہذیب یہ ہے کہ اس بیہودہ خصلت سے بھی اپنے آپ کو بچایا جائے۔ غیر مہذب کلام کی یہ چند قسمیں بیان ہوئی ہیں اور باقی اقسام کا ذکر بوجہِ خوفِ طوالت ترک کر دیا گیا ہے۔ اپنی زبان کو ان تمام ناجائز اور غیر مہذب کلاموں سے بچانا ہی تہذیبِ زبان و بیان ہے اور تہذیبِ زبان تہذیبِ اخلاق کا جزءِ اعظم ہے اور تہذیبِ اخلاق اتحاد و اتفاق کی اصلِ عظیم ہے۔ پس ہمیں یعنی ہم میں سے ہر ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ اسلامی تہذیب کے مطابق اپنے اخلاق درست کرے اور اپنی زبان کو مہذب بنائے تاکہ قوم میں اتحاد کی جڑ پیدا ہو، جس سے ترقی کے ثمرات حاصل ہوں۔ اب دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو موجودہ دور کی غیر اسلامی تہذیب سے بچائے اور اسلامی تہذیب اختیار کرنے کی توفیق دے۔ ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔[1]

---

[1] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۔ بارک الخ

خُطبۂ جمعہ پنجم ماہِ رجب در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ نمبر ۱۵

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی

تہذیبِ مالیات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْخَلْقَ وَوَسَّعَ الرِّزْقَ ○

وَاَفَاضَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ اَصْنَافَ الْاَمْوَالِ ○

وَابْتَلَاهُمْ فِيْهَا بِتَقَلُّبِ الْاَحْوَالِ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ اٰدَابَ الْاَمْوَالِ بِاَدَاءِ وَظَائِفِهَا ○ فَاِنَّهَا حَيَاتٌ يُتَّقٰى مِنْ سَمِّهَا وَيُنْتَفَعُ مِنْ تِرْيَاقِهَا ○ وَلَا يُسْتَطَاعُ ذٰلِكَ اِلَّا بَعْدَ مَعْرِفَتِهَا ○ فَالْوَظَائِفُ الْمَالِيَّةُ خَمْسَةٌ مِنْهَا تَصْحِيْحُ النِّيَّةِ فِى الْكَسْبِ

وَالْاِنْفَاقِ بِاَدَاءِ حُقُوْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْعِبَادِ[1] ○

وَاتَّقُوْا يَا عِبَادَ اللّٰهِ مُحَاسَبَةَ يَوْمَ التَّنَادِ ○

فَقَدْ قَالَ[2] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ

اُمَّةٍ فِتْنَةً وَاِنَّ فِتْنَةَ اُمَّتِى الْمَالُ ○ وَقَالَ[3]

عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ دَعُوا الدُّنْيَا لِاَهْلِهَا

مَنْ اَخَذَ مِنَ الدُّنْيَا فَوْقَ مَا يَكْفِيْهِ اَخَذَ

حَتْفَهٗ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ يَا اَيُّهَا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ

عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ

هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ

---

[1] ومنها النظر الی طریق الاخذ والکسب من الحلال والحرام والمشبهة والنظر الی قدر الضرورة والنظر الی وجوه الانفاق والامساک وتصحیح النیة فی الکسب والانفاق واداء حقوق اللہ والعباد فصل الغزالی فی الاحیاء احسن تفصیلا ۱۲ [2] الاحیاء ۱۲ [3] الاحیاء ۱۲

وعظِ جمعۂ پنجم ماہِ رجب در آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ نمبر ۱۵

بسلسلۂ تہذیبِ اسلامی :

تہذیبِ مالیات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اما بعد. برادرانِ ملت!

مذہب اسلام نے جس طرح انسان کی عبادات، اعتقادیات اور معاشیات میں آداب وتہذیب کے قوانین مرتب کئے ہیں، اُسی طرح اُس نے انسان کی اقتصادیات کے متعلق بھی خاص نظریات قائم کئے ہیں جو دُنیا کے تمام مذاہب واقوام کے خیالات سے بہتر وبالاتر ہیں. مادّی ترقیات کو دُنیا کی اکثر اقوام نے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا ہے، لیکن اسلام نے مُسلمان کا اصلی نصب العین محض رضاءِ الٰہی مقرر کیا ہے اور مادیات کو صرف اسی حد تک اہمیت دی ہے جس حد تک وہ اس مقصد کیلئے مفید ہو سکے. مال کی ضرورت جس طرح ایک کافر کو ہے اسی طرح مُسلمان کو بھی ہے. شریعت نے انسان کی اس ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا لیکن کافر کی نظر میں نہ تو مال حاصل کرنے کی کوئی حد ہے اور نہ اُس کا کوئی خاص طریقہ ہے بلکہ وہ ہر جائز وناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کو اپنے لئے مفید سمجھتا ہے، مگر اسلام نے مسلمان کے لئے مال جمع کرنے کو مقصود بنانے سے روکا ہے اور اس کو نہایت قبیح ومذموم سمجھا ہے، جس پر بہت سی آیات واحادیث شہادت دے رہی ہیں. کفر واسلام اور کافر ومُسلمان کے اقتصادی نظریات کے اس بنیادی فرق کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے اور پھر غور فرمائیے کہ ہمارے قلوب کی گہرائیوں میں کونسا نظریہ جاگزیں ہے اور پھر اسی نظریہ کے معیار پر ہمیں اپنے کفر واسلام کا فیصلہ کر کے ایک طرف ہو جانا چاہئے. یہ دو رنگی جو آج کل ہم نے اختیار کر رکھی ہے کہ دعوئے اسلام کا ہے اور خیالات واعمال کا اسلام سے کچھ واسطہ نہیں

رکھتے۔ اسی سرکشی نے ہمیں برباد کر رکھا ہے کہ ہم نہ دین کے رہے نہ دُنیا کے رہے

مسلمان ہے دورنگی چھوڑ دے یکرنگ ہو جا، سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ

کیا تم قرآن کے بعض احکام کو مانتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو۔ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ پس اس "دورنگی چال" کی سزا سوائے دُنیا میں رسوائی حاصل ہونے کے اور کچھ نہیں اور قیامت کے دن وہ سخت عذاب کی طرف لوٹا دئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہاری کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔" دیکھا آپ نے کہ ہمارے اعمال ہمارے دعویٰ اسلام سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے۔ دوغلے پن اور دورنگی چال کی قانونِ قدرت نے بھی یہی سزا مقرر کر رکھی ہے جو مسلمانوں کو مل رہی ہے کہ آج تمام دُنیا میں سب سے زیادہ ذلیل پسماندہ اور محتاج قوم مسلمانوں ہی کی سمجھی جاتی ہے۔ آج آپ کے عوام آپ کے خواص آپ کے لیڈر سب اسی کا رونا رو رہے ہیں کہ ہائے مسلمان ذلیل ہو گئے، تباہ ہو گئے۔ ہر قوم مسلمانوں کی دشمن ہے۔ خون کی پیاسی ہے۔ کیوں نہ ہو نزلہ بر عضوِ ضعیف میریزد۔ زبردست کا نزلہ ہمیشہ ضعیف و کمزور ہی پر اترا کرتا ہے، مگر اس میں ہمارے دشمنوں کا بالکل قصور نہیں۔ جو کچھ قصور ہے وہ ہمارا ہی ہے۔ اگر ہم صرف اور خالص اسلامی رنگ میں رنگے ہوتے تو ترقی یافتہ قوموں کی صفِ اوّل میں ہوتے۔ تجربہ کے لئے صحابہ کے زمانے پر غور فرما لیجئے۔ مال و جاہ کی ترقی کو اُنھوں نے اپنا مقصدِ زندگی کبھی نہ بنایا۔ مال و دولت سے کبھی محبّت نہیں کی۔ صرف رضاءِ الٰہی ان کا مقصدِ زندگی تھا۔

ان کے پاس نہ پوری طرح ہتھیار تھے۔ نہ عُمدہ لباس تھے، نہ عُمدہ بنگلے اور کوٹھیاں تھیں نہ خزانوں کے دھانے تھے۔ ہاں ایک چیز تھی جو دنیا کی کسی قوم کے پاس نہ تھی۔ وہ کیا؟ صرف قوتِ ایمانی۔ پھر کیا وہ اپنے زمانے کی کافر قوموں میں ہماری طرح ذلیل و رُسوا تھے؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں۔ جس نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ یہ یکرنگی مُسلمان وہ تھے جن کے نام سے قیصر و کسریٰ تھرا جاتے تھے۔ اُس وقت دُنیا کی قوموں میں سب سے زیادہ معزّز، مہذب اور ترقی یافتہ قوم صرف یہی یکرنگی مُسلمان تھے۔ اے ترقی ترقی چلّانے والے مُسلمانو! اے ترقی کے لئے کافروں کی چوکھٹ پر جبینِ نیاز جُھکانے والو۔ اے ترقی کے لئے سُود اور جُوا اور ہر قسم کی بے ایمانیاں جائز اور گوارا کرنے والو۔ اے ترقی کی دُھن میں قومی عصبیت کا جوش پھیلا کر وحدتِ ملّت کو پاش پاش کرنے والو غور کرو، اپنی موجودہ ذلّت اور صحابۂ کرام کی عزّت پر۔ اسلام کو اس کی پرواہ نہیں کہ مُسلم قوم کی کافرانہ ذہنیت رکھنے والی اکثریت اپنے کُفر کا کُھلم کُھلا اقرار کرکے صفِ کفّار میں جا ملے۔ اللہ جو اپنے دین کا محافظ ہے کسی اور قوم کو پیدا کر دے گا، جو اس کے دین کی حفاظت اور اس کے احکام پر پورا عمل کرے گی۔ پس اگر تم کو اسلام پیارا نہیں، اس کی تعلیمات قبول نہیں تو مُسلم قوم کی صف سے باہر نکل جانے سے کون روکنے والا ہے، مگر یاد رکھو کہ اس کی سزا خلود فی النّار ہے۔ لیکن اگر تم کو اسلام فی الواقع پیارا ہے اور اس کی تعلیمات پسند ہیں تو پھر اپنے نظریات، اپنے اعمال اپنی سیاست و معیشت اور مالیات سب کو اسلامی احکام کے مُطابق بناؤ۔ دوستو اور بزرگو اب میں اقتصادیات اور مالیات کے متعلق اسلامی نظریہ کی مختصر تشریح کرنا چاہتا ہوں۔ سُنئے کہ مالِ دُنیا بالطبع اس سانپ کے مثل ہے، جس کا زہر بہت سخت ہو اور جس کے سر میں تریاق یا سنگِ پارس بھی ہو۔ عقلمند اور سچّا مُسلم

وہ ہے جو اس سانپ کے زہر سے ہوشیاری کے ساتھ بچ کر اس کا تریاق یا سنگ پارس حاصل کرے۔ مال مسلم کے لئے بہت مفید بھی ہے اور سخت مضر بھی۔ مال کا مفید ہونا تو ظاہر ہے، لیکن مال کے زہریلے اثرات اور اس کے نقصانات پر بھی گہری نظر سے غور فرمائیے کہ مال کا ہونا انسان کو گناہوں اور شہوتوں پر ابھارتا ہے۔ مال نہ ہونے کی حالت میں اکثر آدمی بہت سے گناہوں سے اس لئے رکا رہتا ہے کہ اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں، لیکن جہاں مال ملنے کی اُمید ہوئی اور گناہوں پر قدرت حاصل ہوئی بالطبع آدمی کی خواہشاتِ نفس میں ایک ہیجان سا پیدا ہوجاتا اور نفس خود بخود معاصی سے لذت حاصل کرنے کا محرک ہوجاتا ہے اور یہ تحریک اتنی قوی ہوتی ہے کہ شاید ہزار میں ایک ہوگا جو اس سے متاثر نہ ہوتا ہو ورنہ دولت کا نشہ سب کو مست و بیخود بنا دیتا ہے۔ پھر ان گناہوں اور اتباعِ خواہشات کی وجہ سے ہزاروں فسادات، نزاعات، حسد و رقابت، عداوۃ، عبادات سے غفلت، جھوٹ، غیبت، تکبر و غرور وغیرہ سینکڑوں آفتیں اس کے ایمان کو گھیر کر آخر کار تباہ کر دیتی ہیں۔ کیا آپ نے غور کیا؟ کہ مال سے جان و ایمان کا کس قدر نقصان ہوتا ہے؟ اس لئے مال سمِ قاتل ہے ایمان کے لئے۔ پھر اگر کوئی اللہ کا بندہ اس کی تحریک پر معاصی سے متاثر نہ ہوا تو وہ کم از کم مباح اور جائز اشیاء و اعمال سے لذت حاصل کرنے کی طرف ضرور ہی مائل ہوگا۔ اس میلان سے سوائے اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اور کوئی بچ نہیں سکتا اور جب لذتوں کا خوگر ہو جائے گا تو پھر اگر جائز طور پر لذتیں نہ حاصل ہو سکیں گی تو ضرور نفس ناجائز طور پر لذت حاصل کرنے کی طرف مائل ہوگا اور گناہوں میں مبتلا ہو جائے گا۔ یہ ہے مال کا زہر۔ یہ حال مالِ حلال کے فساد کا تھا اور آج ہمارے پاس تو حلال کا سوال ہی نہیں۔ پھر مالِ حرام کے فسادات کا اندازہ

فرمایئے۔ اس لئے شریعت نے مال کے ان تریاقی منافع اور ان زہریلے مفاسد کو پیش نظر رکھ کر مسلمان کی مالیات کے لئے کچھ ایسے آداب مقرر کئے ہیں کہ اگر اُن آداب کے مطابق ہم نے اپنے مالیات کو بنا لیا تو مال کے تمام منافع بھی حاصل ہو سکیں گے اور مسلمان اس زہریلے سانپ کے اثر سے بھی محفوظ رہے گا۔ مسلمان رہ کر ایمان کی حفاظت کرتے ہوئے اگر آپ مال کمانا چاہتے ہیں تو ان آداب کو غور سے سنئے اور ان کے مطابق اپنی مالیات کو درست کیجئے۔ سنئے مال کے متعلق پانچ آداب ہیں۔ پہلا ادب یہ ہے کہ آپ کماتے وقت ہمیشہ اپنی نظر اس پر ضرور رکھیں کہ آپ کس طریق اور راہ سے کمائے ہیں۔ ہر وہ طریقہ جس سے مال کمانا مکروہ ہو یا مشتبہ مال ہو جائے یا حرام ہو جائے اس طریقہ کو فوراً چھوڑ دیجئے اور اگر کمائی کی گاڑی حلال راستہ سے حرام کی طرف مُڑنے لگے تو فوراً شریعت کا بریک لگا کر روک دیجئے اور اپنے نفس سے صاف کہہ دیجئے کہ میں مسلمان ہوں لہذا حرام اور کافرانہ طریقہ پر ہرگز نہ کماؤں گا۔ دوکان کھولتے ہی، ملازمت پر جاتے ہی مالیات کا یہ ادب اسلامی آپ پر واجب ہو جاتا ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ بطریق حلال کمانے کے وقت اپنی نظر اپنی واقعی ضروریات پر ہمیشہ رکھئے اور یہ دیکھئے کہ آپ کو کس قدر کمانے کی واقعی ضرورت ہے۔ انسان کی واقعی ضروریات یہ ہیں: کھانا، کپڑا اور گھر، اپنے لئے اور اپنے ان متعلقین کے لئے جن کے حقوق اس پر عائد ہیں۔ پھر یہ تینوں ضروری حاجتیں تین درجہ پر ہیں۔ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ۔ ان میں سے اپنے لئے وہ درجہ اختیار کیجئے جو مالی مفاسد نہ پیدا کر سکے۔ پس اپنی ضروریات کا صحیح اندازہ لگا کر کمانا شروع کیجئے اور بقدرِ ضرورت کما کر اللہ کی یاد میں زندگی بسر کیجئے بلکہ کمانے کے اوقات میں بھی یادِ خدا سے غفلت نہ کیجئے۔ زیادہ مال جمع ہو گا تو

وہ گناہوں اور ناجائز خواہشوں کا محرک ہوگا اور بالذتوں کا عادی بنادے گا، جس کے خوفناک نتائج آپ سُن چکے ہیں، لیکن اگر آپ کی نظر میں دوسرے مسلمانوں کی حاجتیں بھی ہیں اور آپ کی قوتِ ایمانی اتنی مضبوط ہے کہ وہ چاہتی ہے کہ مخلوقِ خُدا کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے، جس سے رضاءِ الٰہی مقصود ہو تو اب محض دوسروں کے نفع کی نیّت سے حلال طریقہ پر جتنا ممکن ہو دل کھول کر کما سکتے ہیں۔ اسلام اس کی کبھی ممانعت نہیں کرتا۔ اسلام کے اس نظریہ کی تصدیق آپ کو حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے طریقہ کسب میں ملے گی کہ وہ یا تو بقدرِ ضرورت کسب کر کے عبادت میں لگ جاتے تھے اور جب حضورؐ نے صدقہ کی فضیلت بیان فرمائی تو جن کو اپنے لئے ضرورۃ نہ تھی وہ بھی بازار گئے اور اتنی محنت و مزدوری کی کہ پسینہ بہہ گیا اور جب شام کو مزدوری ملی تو فوراً کسی مستحق مسکین کو دے دی اور اپنے لئے ایک حبہ بھی نہ رکھا۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ بطریقِ حلال بقدرِ ضرورۃ کما کر جب حفاظت رکھنے لگے تو اس وقت ہمیشہ یہ غور کرلے کہ اس وقت اس مال کا رکھنا جائز اور مناسب بھی ہے یا نہیں۔ اگر شرعاً اس وقت اس کا روکنا، خرچ نہ کرنا، کسی کو نہ دینا ہی ضروری یا مناسب ہو تو خرچ نہ کرے بلکہ ہاتھ روک لے، مثلاً ایک ملازم مہینہ پر اپنی تنخواہ لایا جو ادنیٰ درجہ کی معیشت رکھتا ہے اور اس کی تنخواہ سے اس کا بمشکل گذارہ ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں ایک سائل نے ایک روپیہ مانگا جو دینے کا مستحق ہے۔ دل چاہتا ہے کہ دے دے، لیکن دینے سے خود کو پریشانی ہو جائے گی، تو اب نہ دے بلکہ ہاتھ روک لے یا دینے کی گنجائش تو ہے، لیکن سائل جواری، شرابی، افیونی ہے تو نہ دے۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ خرچ کرتے وقت یہ غور کرے کہ اس میں خرچ کرنا جائز اور مفید بھی ہے یا نہیں۔ اگر جائز یا واجب یا مفید ہے شرعاً مگر

محبتِ مال سے دل خرچ کرنے پر آمادہ نہو تو ایسے وقت ہرگز نہ رُکے بلکہ ضرور خرچ کرے۔ مالیات کے اعتبار سے انسان کی چند قسمیں ہیں۔ ایک وہ کہ جو اپنے اوپر واجب شدہ امور کو بطیبِ خاطر ادا کرے۔ ایسے شخص کو سخی کہتے ہیں اور انسان پر دو واجب ہیں۔ ایک واجب بالشرع جیسے زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی کفارات وغیرہ۔ دوسرے واجب بالمروۃ والعادۃ مثلاً معاملات میں تنگی نہ برتنا اور حقیر حقیر چیزوں کو شمار میں نہ لانا۔ ان دونوں کے درجات حسبِ حیثیت مختلف ہیں۔ دوسری قسم کا وہ آدمی ہے جو کہ اپنے دونوں واجبات ادا کرتا ہے مگر طیبِ خاطر سے نہیں بلکہ اس کے قلب پر شاق گزرتا ہے۔ ایسا شخص سخی نہیں بلکہ متسخّی یعنی بتکلف سخی بننے والا ہے۔ تیسرے وہ جو ان واجبات کو ادا نہ کرے وہ بخیل ہے۔ چوتھے وہ جو کہ علاوہ ان واجبات کے زیادہ بھی خرچ کرتا ہے تاکہ درجاتِ عالیہ اور فضیلت حاصل کرے۔ ایسا شخص جوادؔ کہلاتا ہے۔ شریعت کی نظر میں ہر مسلمان کو جواد یا سخی اور کم از کم متسخّی کے درجہ میں ضرور ہونا چاہئے کہ وہ واجب بالشرع و واجب بالمروّۃ دونوں کو ادا کرے۔ خواہ طیبِ خاطر سے یا جبر علی القلب سے لیکن کسی مسلمان کو لئیم اور بخیل کے درجہ میں رہنا شریعت کی نظر میں کسی طرح پسند نہیں۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں کہ بخل اور ایمان کسی بندہ کے قلب میں جمع نہیں ہوتے (احیاء) نیز آپؐ نے فرمایا کہ سخاوۃ ایک درخت ہے جنّت کا جس کی شاخیں زمین پر لٹکی ہوئی ہیں۔ پس جس نے سخاوۃ اختیار کی، اس نے اس کی شاخ کو پکڑ لیا۔ اب یہ شاخ اس کو نہ چھوڑے گی، یہاں تک کہ وہ جنّت میں داخل ہو جائے اور بخل ایک درخت ہے دوزخ کا جس کی شاخیں زمین تک ہیں۔ جس نے بخل اختیار کیا، اس نے جہنمی درخت کی شاخ پکڑ لی ہے اب

مننہ ان تعریفات میں بہت اختلاف ہے تاہم عوام کے لئے اتنا ہی کافی ہے ۱۲

وہ شاخ اُسے نہ چھوڑے گی، یہاں تک کہ وہ دوزخ میں داخل ہوجائے۔ (احیاء)
سخاوۃ کی تعریف اور بخل کی مذمت میں آیات و احادیث بکثرۃ وارد ہیں، جن کی تفصیل کی اس وقت گنجائش نہیں۔ اتنا ثابت ہوا کہ اسلامی آداب مالیات میں سے یہ ضروری ہے کہ مسلمان کسی طرح بخیل ثابت نہ ہو اور نہ مسرف اور فضول خرچ ہو۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ بطریقِ حلال بقدرِ ضرورۃ کمائے، کمانے اور خرچ کرتے وقت اپنی نیت نیک اور صحیح رکھے۔ یعنی بقدرِ ضرورۃ کماتے وقت دل میں یہ پختہ نیت رکھے کہ میں خواہشاتِ نفس پورا کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے بدن کی قوۃ قائم رکھنے کے لئے کماتا ہوں تاکہ عبادۃ کرسکوں۔ زائد از ضرورت کسب میں یہ نیت رکھے کہ اپنے لئے نہیں بلکہ مخلوقِ خدا کو نفع پہنچانے کے لئے کماتا ہوں اور پھر ایسا ہی کرے۔ جب خرچ کرے تو یہ نیت کرے کہ احسان جتانے شہرۃ حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ تعمیلِ حکمِ خداوندی یا حصولِ رضاءِ الٰہی کے لئے خرچ کرتا ہوں۔ اسی طرح تمام مالی حالات میں اپنی نیت کو صحیح کرے۔ یہ پانچ آداب ہیں مالیات کے۔ جو ان کو خیال رکھ کر ان کے مطابق کمائے گا اور صرف کریگا وہ مال کی سمیت سے محفوظ اور اس کے تریاق سے دنیا و آخرۃ میں فائدہ حاصل کرلے گا اور جو اِن کا لحاظ نہ کرے گا، وہ یقیناً اپنا دین و ایمان اور آخرت خراب و برباد کرلے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا دنیا والوں کے لئے چھوڑ دو۔ جس نے ضرورۃ سے زیادہ اُسے لیا اُس نے اپنی تباہی حاصل کی۔ حالانکہ وہ ناواقف ہے (احیاء) اور آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کی اُمت کے سب سے زیادہ بُرے لوگ کون ہیں؟ فرمایا مالدار لوگ۔ (احیاء) یعنی وہ مالدار جو اپنے مال سے حقوق اللہ و حقوق العباد نہ ادا کریں[1]۔ اب دُعا فرمایئے کہ اے خدائے قدوس

---

[1] مالیات کے باقی احکام و مسائل خطبۂ پنجم ماہ ربیع الثانی میں ملاحظہ فرمائیں ۱۲

تو ہم پر رحم فرما اور ہمیں مالیات کے متعلق آدابِ اسلامی کا پابند بنا دے۔
یا اللہ ہمارے دلوں میں اتنی وسعت دے کہ ہم کما کر دوسروں کو نفع پہنچانے
کی آرزو کریں۔ اے خدا بقدرِ ضرورت دے کہ ہمیں کسی کا محتاج نہ بنا اور تھوڑے
پر قناعت کرنے کی توفیق دے۔ زیادتی کی حرص سے محفوظ فرما۔ ہماری گذشتہ
غلطیوں اور گناہ کو معاف فرما۔ آئندہ صحیح اسلامی راہ پر چلنے کی توفیق دے۔
آمین بجاہِ سیّدالمرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین عہ

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ اول ماہِ شعبان در تعلیمِ ضروریاتِ دین

فضائلِ ماہِ شعبان و شبِ براۃ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ دَوَّرَ بِقُدْرَتِہِ الزَّمَانَ ○
وَقَدَّرَ الْمَقَادِیْرَ فِیْ شَعْبَانَ اِلٰی شَعْبَانَ ○
وَجَعَلَہٗ تَوْطِئَۃً لِّبَرَکَاتِ رَمَضَانَ ○
اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْكَ
لَہٗ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا
عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ ○

وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ

الْاِخْوَانِ ○ قَدْ جَاءَ شَهْرُ شَعْبَانَ ○ وَ

قَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْصُوْا هِلَالَ

شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ[1] ○ وَعَنْ اُسَامَةَ رضؓ قُلْتُ

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؛ لَمْ اَرَكَ تَصُوْمُ مِنْ شَهْرٍ

مِّنَ الشُّهُوْرِ مَا تَصُوْمُ شَعْبَانَ ؛ قَالَ

ذَالِكَ شَهْرٌ يَّغْفُلُ النَّاسُ عَنْهُ بَيْنَ رَجَبَ

وَرَمَضَانَ ؛ وَهُوَ شَهْرٌ تُرْفَعُ فِيْهِ الْاَعْمَالُ

اِلٰى رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ؛ فَاُحِبُّ اَنْ يُّرْفَعَ عَمَلِىْ

وَاَنَا صَائِمٌ[2] ○ فَصُوْمُوْا وَاجْتَنِبُوْا عَمَّا

تَعَوَّدَ النَّاسُ فِيْهِ مِنَ الْبِدْعَاتِ[3] ○ فَاِنَّهَا

[1] للترمذی ۱۲ [2] للنسائی ۱۲ [3] ای ایقاد السرج علی البیوت والحیطان واحراق الکبریت بالنیران واللهو واللعب وغیرها من الخرافات ۱۲

مُحَرَّمَاتٌ وَسَیِّاتٌ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ اِنَّا
اَنْزَلْنَاہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبَارَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ ○
فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ ○ اَمْرًا مِّنْ
عِنْدِنَا ط اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ ○ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

وعظِ جمعہ اول ماہِ شعبان

دربیانِ فضائلِ شعبان و شبِ براۃ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْد - برادرانِ ملت! ماہِ محرم سے اب تک مذہب اسلام کے ٹھوس اور صحیح نظریات و عقائد بہترین عملی اصول اور معاشرۂ اسلامی کے عمدہ ترین تہذیبی آداب کا کافی حصہ آپ کے گوش گذار کیا جاچکا ہے اور جو باقی ہے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ایک ایک قسط میں آتا رہے گا۔ فی الحال وقت کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی توجہات بیان شدہ اصول و احکام پر عمل کرنے کی طرف منعطف کرائی جائے۔ بزرگو اور دوستو! خدا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکامات بیان کرنے کا مقصد صرف سُننا اور سُنانا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد عمل کرنا ہے۔ آپ نے اور مَیں نے جو کچھ کہا یا سُنا اگر اس پر عمل نہیں کیا گیا تو صرف محنت اور وقت ضائع ہونے کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ باز پرس ہونے کا بھی خوف ہے کہ معلوم

ہونے کے باوجود غفلت کیوں کی گئی اور اب وقت ایسا نازک آگیا ہے کہ اگر ہم نے عمل کرنے میں ذرا بھی غفلت کی تو اندیشہ ہے کہ کہیں دربارِ الٰہی سے ہم کسی سخت گرفت میں مبتلا نہ ہو جائیں اور تمام بادشاہوں کا بادشاہ پوری کائنات کا مالک کہیں ہم سے ناراض نہ ہو جائے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ بارگاہِ ذوالجلال کے دفاتر اور حساب و کتاب کے نئے سال کا پہلا مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ خُدائی رعایا کے متعلق سالِ رواں کی تمام رپورٹیں کراماً کاتبین کے ذریعہ تقریباً مکمل ہو چکی ہیں۔ اب صرف چند روز باقی ہیں، جن کی کارگذاری اس سال کے بہی کھاتوں میں درج ہو سکے گی اور ہمیں بہت معتبر ذریعہ سے اُس حکومت کے صیغہٴ راز کی یہ خبر ملی ہے کہ بتاریخ ۱۵ شعبان المعظم بوقتِ شب رعایا کی تمام رپورٹیں بارگاہِ قدس عزّ و جلّ میں پیش کی جائیں گی اور جس قدر لوگ اس سالِ نو میں منصبِ وجود کو سنبھالنے کے قابل نہیں رہے، انکے نام مخلوقاتِ موجودہ کی فہرست سے نکال کر انہیں ختم کرنے کے احکام صادر کر دیئے جائیں گے، نیز جس قدر مزید انسان تماشہ گاہِ عالم میں امتحان و عبادۃ کے لئے ربّ العلیٰ منظور کرے گا ان کی فہرست مرتّب کر دی جائے گی۔ اوقاتِ آمد و رفت متعیّن ہو جائیں گے اور اس بارگاہِ عالی متعالی سے جس جس انسان کو جس قدر سالانہ راشن ملنا منظور ہُوا ہے، وہ فرشتوں کے حوالے کر کے، اُتار دیا جائے گا اور یہ بھی معلوم ہُوا ہے کہ اُسی شب احکم الحاکمین قلمروئے دُنیا و آخرت کے مالکِ واحد اپنے مراحم خسروانہ کے ساتھ تمام رعایا کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ ہر مانگنے والے کو ملے گا۔ ہر فریادی کی داد رسی کی جائے گی۔ ہر معافی چاہنے والے مجرم کو معافی دی جائے گی۔ باغی متکبّر مجرم کے لئے یہ وقت بہت نازک ہے اور نیاز مند فرمانبردار رعایا کے لئے یہ وقت بہت بڑی نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ بزرگو

اور دوستو! میں نے معتبر اشخاص کے ذریعہ یہ خبریں بارگاہِ الٰہی کے ایک خاص الخاص رازداں ہستی سے بڑی کوششوں اور محنتوں سے حاصل کر کے آپ تک پہنچادی ہیں تاکہ آپ اس عظیم الشان اور نادر موقعہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھا سکیں۔ اب میں آپ کو وہ لائحہ عمل بتاتا ہوں جس کے مطابق کام کرنے سے اس موقعہ پر بڑی زبردست کامیابی کی اُمید ہے۔ سب سے پہلا کام جو آپ کو اس شاہانہ نوازشات کے موقع پر اولین فرصت میں انجام دینا چاہئے یہ ہے کہ آج ہی سے اپنے تمام دن اور رات کے کاموں پر غور کر کے اُن میں سے ایسے کاموں کو چھانٹ لیجئے جن کا کرنا ایک مسلم کے لئے اللہ کے دربار میں بڑا جرم شمار کیا جاتا ہے، مثلاً جھوٹ، فریب، حرام کمائی، حرام کھانا، عورتوں سے ناجائز تعلقات، خدائی ٹیکس یا زکوٰۃ نہ ادا کرنا، نماز چھوڑنا، جماعت چھوڑنا، سودی کاروبار کرنا وغیرہ۔ ان سب سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرلیں۔ پھر آپ اُن احکام پر غور کریں جن پر عمل کرنے کا بارگاہِ الٰہی سے حکم دیا گیا ہے، مثلاً نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، جماعت کی پابندی کرنا، حلال کمانا وغیرہ۔ ان کو خیال میں لاکر فوراً کپڑے وغیرہ پاک کر کے ایسے تمام حکموں پر عمل شروع کردیں اور پھر بُرے کاموں سے بچنے کے لئے اور تمام اچھے کام کرنے میں اپنی پوری ہمّت صَرف کریں، اور اب سے اسلامی تہذیب وآداب کے مطابق زندگی گذارنا شروع کردیں۔ جب شاہانہ مراحم کی وہ خاص تاریخ قریب آئے تو بہت اچھا ہو کہ آپ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵ تاریخوں میں روزہ رکھ لیں تاکہ نفسِ امّارہ کی تمام آلودگی اور گناہوں کا تمام میل کچیل روزوں کی برکت سے نکل جائے اور جوہرِ رُوح صاف وشفاف ہوجائے۔ چودھویں تاریخ گذار کر پندرھویں کی شب کو نماز مغرب کے بعد تھوڑی غذا کھائیں جو زود ہضم ہو۔ پھر قدرے آرام کر کے عشاء کی نماز باجماعت ادا کریں۔ ساتھ ہی اپنے

بال بچوں اور عورتوں کو بھی اس عمل کی تاکید کریں۔ اب بعدِ عشا جس قدر عبادت کی جائے کریں اور جس قدر مانگا جائے مانگیں اور جس قدر اپنے گناہوں پر رویا جائے روئیں اور جس قدر توبہ کی جاسکے کریں مگر توبہ صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ واقعتہً دل سے ہو۔ اس طرح کہ گذرے ہوئے گناہوں پر پچھتاتا ہو آئندہ کے لئے پختہ قصد ہو کہ پھر گناہ کے پاس بھی نہ جائیں گے۔ اللہ سے دعا ہو کہ وہ معاف کر دے اور دل میں امید ہو کہ وہ اپنے فضل سے معاف کر دے گا۔ پھر زبان سے بار بار توبہ کریں اور معافی چاہیں اور اس شب میں جو بدعتیں کی جاتی ہیں، اُن سے قطعاً بچتے رہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ اُس بارگاہِ قدس سے وہ سب کچھ پالیں گے جو آپ کو ملنا چاہیئے اور اب آپ اس بارگاہ کے مقربین اور خاص لوگوں میں سے انشاء اللہ شمار ہوں گے۔ بے حد وحساب نوازشات آپ کو حاصل ہوسکیں گی جو اعلیٰ ترین کامیابی ہے۔ اب میں اس ماہِ مبارک شعبان اور اُس کی اس مُبارک شب، شبِ براۃ کے فضائل میں واردشدہ احادیث کا ترجمہ عرض کرتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ اس عظیم الشان وقت اور ماہ کے لئے جو کچھ کہا گیا ہے وہ بہت کام کی باتیں ہیں۔ چنانچہ عرض ہے کہ کتبِ احادیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شعبان کا چاند شمار کیا کرو رمضان کے لئے (ترمذی) نیز ارشاد فرمایا کہ رمضان سے ایک دو روز پہلے روزے نہ رکھا کرو۔ سوائے اس کے جسے عادت ہو اُن دونوں میں روزہ کی اور وہ دن رمضان سے ذرا قبل آجائیں (ابوداؤد) حضرت اسامہؓ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ حضورؐ میں نے آپ کو شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ فرمایا کہ یہ ایک بابرکت مہینہ ہے، رجب اور رمضان کے درمیان جس سے اکثر لوگ غافل ہیں۔ یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس میں (بندوں کے) اعمال رب العالمین (کی بارگاہ میں)

پیش کئے جاتے ہیں تو میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش کئے جائیں کہ میں روزہ سے ہوں (نسائی) اور آپ نے شبِ برات کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس سال کے اندر ہر پیدا ہونے والے اور مرنے والے انسان کو اس رات میں لکھ دیا جاتا ہے اور اسی شب بندوں کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور اُن کا رزق اُتار دیا جاتا ہے (بیہقی) نیز فرمایا کہ ایک شعبان سے آئندہ شعبان تک (واقع ہونے والی) موتوں کے (پروانے) کاٹ دیئے جاتے ہیں، حتیٰ کہ ایک شخص نکاح کرتا ہے۔ اس کے بچہ ہوتا ہے، حالانکہ اس کا نام مُردوں میں نکل چکا ہے۔ (بغوی) نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ، شبِ برات (نصف شعبان کی رات) میں آسمانِ دُنیا کی طرف اپنی رحمتوں کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے، غروبِ شمس کے بعد سے صُبح تک اور پھر فرماتا ہے کہ کیا کوئی بخشش چاہنے (والا مجرم) ہے کہ میں اُسے بخش دُوں، ہے کوئی روزی طلب کرنے والا ہے کہ اُسے روزی دُوں؟ ہے کوئی مریض جو دُعا کرے تو اُسے عافیت دُوں؟ ہے کوئی ایسا؟ ہے کوئی ایسا؟ (ابنِ ماجہ) غرضیکہ اس شبِ مبارک میں اُس بارگاہِ مقدس سے بہت کچھ دیا جائے گا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اُس وقت سب سے زیادہ کمالیں۔ ہاں یہ بھی اُسن لیجئے کہ بعض اعمال ایسے بھی ہیں جن کی نحوست اس قدر زیادہ ہے کہ اُس کی وجہ سے اس عام نوازش وکرم کی مبارک شب میں بھی آدمی محروم رہ جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس شب میں بخش دیتا ہے مگر کاہن، جادوگر، شرابی، والدین کا نافرمان اور زانی کو (نہیں بخشتا) (تفسیر سراج المنیر) اور ایک روایت میں ہے کہ حاسد، قاطع رحم، ٹخنے سے نیچا پاجامہ پہننے والے کو (بھی) نہیں بخشتا (بیہقی) مطلب یہ کہ یہ لوگ اگر توبہ نہ کریں اپنے اعمال سے تو محروم

رہیں گے۔ غور کیجئے کہ یہ اعمال کس قدر منحوس ہیں کہ مسلمان ان کی وجہ سے ایسی رات میں بھی بخشش سے محروم ہو جاتا ہے، حالانکہ اس شب میں لاتعداد مسلمان بخشے جاتے ہیں۔ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا ہے کہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے (بھی) زیادہ لوگوں کی بخشش ہوگی (ترمذی) قبیلۂ بنی کلب کے پاس اُس وقت سب سے زیادہ بکریاں تھیں۔ ایک بکری کے بالوں کی تعداد معلوم کرنا محال ہے تو کُل بکریوں کے بال کس قدر ہوں گے۔ اسی قدر مسلمان بخشے جاتے ہیں، مگر پھر بھی مذکورہ بالا قسم کے گنہ گار محروم ہیں۔ پس ہمیں چاہئے کہ اولین فرصت میں ہم ان گناہوں سے فوراً توبہ کریں تو امید ہے کہ انشاء اللہ بخشش ہو جائے گی اور یہ بھی یاد رہے کہ اس مبارک شب میں جس طرح عبادات کا ثواب واجر اس قدر زیادہ ہے، اسی طرح اس میں گناہوں کا وبال بھی بہت بڑھا ہوا ہے۔ اس شب کی بدعات مثلاً گھروں اور دیواروں پر دیوالی کی طرح بکثرت چراغ روشن کرنا اور کھیل کود کرنا، پٹاخے اور بارود جلانا یہ تمام حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں، جن سے ہر مسلمان کو بچنا لازم ہے۔ اس شب کو عید منانا اور سڑکوں پر گشت کرتے پھرنا بڑا گناہ اور انتہائی بدقسمتی ہے۔ نیک مسلمان کو ہرگز یہ رات اس طرح ضائع نہیں کرنی چاہئے۔ مسلمانو! ہر کاروبار کا ایک خاص موسم آیا کرتا ہے۔ گیہوں، چاول، شکر وغیرہ کی زراعت کا ایک خاص موسم ہے۔ اکثر تجارتوں کا بھی ایک خاص سیزن آیا کرتا ہے۔

اسی طرح سمجھئے کہ تجارتِ آخرت کا بھی ایک خاص سیزن ہے، جو عنقریب آرہا ہے۔ اُس سیزن کے لئے پہلے سے تیاری کر لیجئے۔ تاجر لوگ سیزن سے پہلے مال وغیرہ مہیا کرنے کا خاص انتظام کیا کرتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو چاہئے کہ آخرت کی تجارت کے سیزن سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے لئے

ابھی سے تیاری شروع کرے۔ ماہ شعبان اُس موسمِ عبادۃ کے لئے تیاری کا مہینہ ہے شعبان کی تمام فضیلتیں غالباً اسی لئے ہیں تاکہ مُسلمان اس میں ہر طرح رمضان کی عبادتوں کے لئے تیار ہو جائے۔ پس ہمیں بھی اس موقع پر غافل نہیں رہنا چاہیئے۔ اب دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مُسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم سب شبِ برات کی فضیلتیں حاصل کرنے کی ہمت کریں اور ہمیں اُس مخصوص شب کی برکتوں سے مالا مال فرمائیے اور شعبان کے بعد رمضان کی برکتیں نصیب فرمائیے۔ ہمارے گناہ معاف فرمائیے اور ہم کو دین و دنیا میں کامیابی عطا فرمائیے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ؏

؏ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ ۃ بَارَكَ اللّٰہُ الخ

ضمیمہ :- شبِ براۃ کو عید منانا، مساجد میں خلافِ معمول اہتمام کرنا، ضرورۃ سے زیادہ روشنی کرنا، حلوہ پکانے کو ثواب اور دین کی بات سمجھنا یہ سب باتیں بدعت اور ناجائز ہیں، جن کا کوئی ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ہے۔ لہٰذا ان سے بچنا ضروری ہے۔

خُطبۂ جمعہ دُوم ماہِ شعبان در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ نمبر ۱۴

بسلسلۂ تہذیبِ اخلاق

ترغیب اتفاق و وفاءِ عہد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَنَا مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّنَا مِنْھُمَا اِلٰی

مَا شَاءَ ۝ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ

لَا شَرِيْكَ لَهٗ فَعَّالٌ لِّمَا يَشَاءُ ۝ وَاَشْهَدُ

اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

سَيِّدُ الْاَنْبِيَاءِ ۝ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ

وَاَصْحَابِهٖ وَالسُّعَدَاءِ ۝ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ

الْاِخْوَانِ ۝ اِنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ ۝

عِيْشَةٌ مُّتَّحِدَةٌ غَيْرُ مُتَفَرِّقَةٍ ۝ فَقَدْ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[1] مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ

فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مِثْلُ

الْجَسَدِ اِنِ اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ

سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى ۝ وَقَالَ عَلَيْهِ

[1] للشیخین ۱۲

الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ: لَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ○ وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ○ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

وعظِ جمعہ دوم ماہِ شعبان در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ نمبر ۱۶

بسلسلۂ تہذیبِ اخلاق

ترغیبِ اتفاق و وفاءِ عہد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۔ اَمَّا بَعْدُ ۔

برادرانِ ملّت! اسلام نے جس طرح انفرادی زندگی میں معاشرۃ کے بہترین طریقے بتلائے ہیں، جن کو آپ قسط وار سُن رہے ہیں۔ اسی طرح اُس نے اجتماعی زندگی کے لئے بھی معاشرۃ کے آداب بتائے ہیں۔ اجتماعی معاشرۃ کا ایک زرّین اصول

جو اسلام نے سکھایا ہے وہ یہ کہ تمام مسلمان آپس میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ زندگی گذاریں۔ آج کے وعظ میں اس اصول کے متعلق شرعی نقطۂ نظر آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ بزرگو اور دوستو! آج امتِ مسلمہ کی نکبت فلاکت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ اب سوچنا یہ ہے کہ ہماری ایسی حالت کیوں ہو گئی؟ اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ ہم نے اکثر احکام الٰہی پر عمل کرنا چھوڑ رکھا ہے۔ چنانچہ ایسے احکام میں سے ایک حکم باہمی اتفاق واتحاد سے رہنا ہے، جس پر عمل نہ کرنے سے صدہا مصائب میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ اس لئے اتفاق پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اور[1] اللہ (کے دین) کی رسّی کو مضبوط پکڑو اور پھوٹ اختیار نکرو۔" دوسری جگہ فرمایا ہے کہ "خدا[2] اور رسول کی اطاعت کرو۔ آپس میں جھگڑا مت کرو۔ ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو (یعنی ایک مرکز پر قائم رہو) یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے (یعنی استقامت اختیار کرنے والوں) کے ساتھ ہے۔" نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "آپس میں تعلقات منقطع نہ کرو۔ ایک دوسرے کے پیچھے مت پڑو اور آپس میں بغض وعداوت رکھو اور تم سب اللہ کے بندے (آپس میں) بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اپنے دوسرے بھائی کے ساتھ تین دن سے زیادہ ترکِ تعلقات کرے۔" (ترمذی) ایک اور حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مومنین میں باہمی محبت و رحمت اور ایک دوسرے کی طرف میلان ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ انسان کے اعضا میں باہم تعلق ہے کہ اگر ایک عضو کو تکلیف ہو جاتی ہے تو سارا بدن بیداری اور بخار سے اس کا شریکِ غم ہوتا ہے۔" (مسلم) لیکن ایسا اتحاد

---

[1] واعتصموا الخ [2] اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا الخ

تقریروں میں صرف "متحد ہو جاؤ" کہہ دینے سے حاصل نہیں ہوتا تاوقتیکہ مندرجۂ ذیل سوالات کا صحیح جواب نہ دیا جائے: اول یہ کہ (۱) کس چیز پر ہم متحد ہوں۔ دوسرے یہ کہ اتحاد واتفاق کے حدود کیا ہیں۔ تیسرے یہ کہ کن وسائل اور ذرائع سے اتحاد پیدا کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ سوالات ہیں جن کے جوابات سمجھنے اور ان پر عمل کرنے میں ہماری ترقی کا راز مضمر ہے۔ میں انہی سوالات کا صحیح جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ پہلا سوال کہ کس چیز پر متحد ہوں۔ اس کا جواب لوگوں نے اپنی اپنی ذہنیت کے مطابق مختلف دیا ہے۔ کسی نے اتحاد کا مرکز وطنیت کو بنایا ہے۔ کسی نے زبان کو، کسی نے رنگ کو، کسی نے نسل کو اور کسی نے سیاست کو، لیکن یہ سب نظریات انتہائی تنگ نظری کا نتیجہ ہیں۔ اسلامی نظریہ ان سب سے زیادہ وسیع، بلند، مستحکم اور دلائل قطعیہ پر مبنی ہے۔ اسلام نے اتحاد کی بنا صرف دین کو قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے صرف یہی مرکز اتحاد مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا یعنی اللہ (کے دین) کی رسی کو مضبوط پکڑلو" معلوم ہوا کہ ہمیں دین پر متحد ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور دین ہی کو مرکز بنایا گیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ" اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو۔" جھگڑا نہ کرنے کے حکم کی بنا اطاعت خدا اور رسول کو بنایا گیا ہے اور قرآن وحدیث میں کہیں بھی قومیت وطنیت، نسل ورنگ پر اتحاد کرنے کا حکم وارد نہیں۔ معلوم ہوا کہ ہمارے لئے مرکزِ اتحاد صرف دین ہے، مگر وائے بدقسمتی کہ ایک عرصہ سے ہمارے انداز فکر کو یورپ کے سانچوں میں ڈھالا جارہا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم نے قرآن کا مرکزِ اتحاد چھوڑ کر اپنی زندگی، بقا اور ترقی کے لئے وہی غلط

اصول تجویز کر لئے ہیں، جن پر یورپ نے اپنی ترقی کی تعمیر کی ہے یعنی مذہبی اصول کو چھوڑ کر تمدنی اور معاشی اصول اختیار کرنا (۲) مذہبی اخوۃ کے نظریہ کو ترک کر کے قوم پرستی اور وطن پرستی کو اپنا مرکزِ اتحاد بنانا (۳) مذہب اور سیاست کو الگ الگ سمجھنا اور پھر سیاسی غیر شرعی نظریات کو ذریعۂ ترقی سمجھنا۔ مسلمانوں میں قومیت کی بنیاد صرف اسلام تھا، لیکن چونکہ یورپ نے قومیت کی بنیاد وطن و نسل اور سیاسی نظریات کو قرار دے لیا تھا، اس لئے ہم نے بھی نسل و وطن اور سیاست کو اپنا نقطۂ اتحاد بنا لیا اور وہ سارے نظریات قبول کر لئے جو نسلی یا سیاسی بُت کے گرد طواف کر رہے تھے بلکہ اب تو پیشوں کے لحاظ سے بھی اتحادِ اسلامی کے شیرازے کو پُرزے کر کے برباد کیا جا رہا ہے، حالانکہ جس اُستادِ مغرب کی ہم نے یہ اندھی تقلید کی تھی، وہ خود آج اس سیاسی نسلی اور وطنی تفریق کی سزا بھگت رہا ہے۔ مسلمانو! کیا دوسرے کو ڈوبتے دیکھ کر بھی ہمارے سنبھلنے کا وقت نہیں آیا۔ یاد رکھو کہ جن کمزور اور محدود بنیادوں کو ہم اپنے اتحاد کی اساس بنا کر ترقی کے خواب دیکھ رہے ہیں وہ ہماری تعمیر کا نہیں بلکہ تباہی کا پیش خیمہ ہیں۔ تمام نسلی انجمنیں، نسلی مدرسے، نسلی مسجدیں، نسلی عبادتیں، نسلی اجتماعات اسلامی نقطۂ نگاہ سے باعثِ تشتت و موجبِ افتراق ہیں۔ جب تک کہ حدودِ شریعت کو ملحوظ نہ رکھا جائے سب غلط ہیں۔ اسی طرح تمام سیاسی انجمنیں، جماعتیں، کانفرنسیں، جن میں مذہب کو رہنما نہ تسلیم کیا جائے اور جن کی بنیاد دین پر نہ رکھی گئی ہو، بالکل غلط ہیں، کیونکہ اسلام کے سوا جس چیز پر بھی کسی اجتماع کی بنیاد رکھی جائیگی وہ چیز یقیناً مسلمانوں میں جذبۂ فرقہ بندی پیدا کرے گی اور یہ جذبہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعصب اور نفرۃ و حقارۃ کے جذبات ضرور پیدا کرے گا جو باہمی جنگ و جدال کا باعث ہوگا۔ یورپ میں یہی ہو رہا ہے مسلمانوں میں بھی یہ خوفناک

نتیجہ پیدا ہو کر رہے گا۔ چنانچہ مشاہدہ کر لیجئے کہ ہند میں جہاں کہیں یہ غیر اسلامی تحریکات زوروں پر ہیں وہاں مسلمانوں میں باہمی لڑائیاں، جھگڑے، خونریزیاں مقدمہ بازی کی واردات آئے دن ہوتی رہتی ہیں۔ اسلام میں نسل اور پیشوں وغیرہ کو محض چند احکام میں معتبر مانا گیا ہے اور جہاں معتبر مانا ہے، وہاں بھی صرف ایسے تعارف کے لئے جس سے مزید اتحاد پیدا ہو اور باہمی حقوق کی ادائیگی میں سہولت ہو اور رابطۂ اخوت و مودت مضبوطی سے قائم رہے۔ ان معدودے چند احکام کے سوا اور تمام تعلیماتِ اسلام میں ان چیزوں کو قطعاً دخل نہیں دیا گیا۔ پس خلاصہ یہ ہوا کہ اسلام نے اتحاد کا مرکز صرف مذہب کو قرار دیا ہے اور مذہب و سیاست کو جدا سمجھنا بھی غلط ہے بلکہ مذہب کا ہر حکم سیاسی ہے اور سیاست کا ہر مسئلہ مذہبی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲۳ سالہ مساعی سے بادشاہت قائم نہیں کی بلکہ مذہب کو قائم فرمایا اور سیاست کو اس کی لونڈی قرار دیا۔ مذہب کی روشنی اور سیاست کی خدمت سے جو مجموعی چیز پیدا ہوئی وہی چیز حضورؐ کی زندگیٔ مبارک کا ماحصل تھی، جس کو حکومتِ الٰہیہ یا خلافتِ اسلامیہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس شرعی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی جماعتوں میں سے صرف وہی جماعت صحیح اسلامی جماعت ہے، جس کی بنیاد میں مذہب اور سیاست دونوں اجزا موجود ہوں۔ اس کے علاوہ دوسری جماعتیں جن میں مذہبی مرکز پر اتحاد نہیں قائم کیا گیا بلکہ صرف سیاست یا نسل یا پیشہ وغیرہ پر اتحاد قائم کیا گیا ہے، ایک سچے مسلمان کے لئے اس اتحاد سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہی صحیح راہِ عمل ہے۔ دوسرا سوال کہ اتحاد کے حدود کیا ہیں اس کا جواب شرعی نقطۂ نظر سے یہ ہے کہ اتحاد اس حد تک کیا جائے کہ جس حد تک کہ کوئی گناہ لازم نہ آئے ورنہ یہ اتحاد ناجائز ہوگا اور اب اختلاف کرنا ہی ضروری ہوگا، مثلاً اگر کوئی جماعت سود لے کر مدرسہ یا

انجمن چلانے کے فیصلہ پر متحد ہو جائے تو اس موقع پر ہر سچے مسلمان کو اس سے اختلاف کرنا واجب ہوگا یا مثلاً ایک جماعت تعزیہ نکالنے، صندل نکالنے کا فیصلہ کرے، تو اس سے اتفاق کرنا حرام اور اختلاف کرنا ضروری ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ ہر وہ اتحاد جس کی وجہ سے کوئی فرض، واجب، سنّتِ موکدہ ہیں فرق آئے یا کسی حرام یا مکروہِ تحریمی کام کا کرنا یا اس میں شریک ہونا لازم آئے۔ اس قسم کے اتحاد میں شریک ہونا یا ایسے امور پر اتحاد کرنا ناجائز ہے اور ہر مباح یا مستحب یا فرض، واجب، سنّتِ موکدہ کے ادا کرنے پر یا ہر حرام و مکروہِ تحریمی سے بچنے پر اتحاد کیا جائے تو یہ مستحسن ہے اور جب کوئی جماعت ایسے مقاصد پر متحد ہو جائے تو اب اس کے ہر فرد پر اتحاد و اتفاق خدائی حکم کے تحت واجب ہے۔ اتفاق کے چند حدود بھی ہیں۔ اس کے خلاف اتحاد اور افتراق شریعت میں گناہِ کبیرہ اور سخت حرام ہے۔ اب تیسرا سوال کہ اتفاق کن اسباب و ذرائع سے پیدا کیا جائے۔ اس سوال کا حل بہت ضروری ہے کیونکہ برسوں سے "متحد ہو جاؤ" کا نعرہ ہمارے لیڈر لگا رہے ہیں، لیکن اب تک اتحاد قائم نہیں ہو سکا، جس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اتحاد پیدا کرنے کے جو اسباب ہیں وہ نہ بتلائے جاتے ہیں نہ اختیار کئے جاتے ہیں۔ پھر بھلا اتفاق کیسے ہو۔ کیا بغیر گیہوں کی کاشت کے روٹی مل سکتی ہے؟ نہیں۔ تو اسی طرح سمجھ لیجئے کہ مسلمانوں میں ہرگز اتحاد پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اتحاد پیدا کرنے کے جو قدرتی ذرائع ہیں اُن کو اختیار نہ کیا جائے۔ ان اتحاد کے قدرتی اسباب کو مختصر لفظوں میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ تمام احکامِ اسلام کی پوری پابندی اتحاد پیدا کرتی ہے اور اس کی خلاف ورزی اختلاف و تفرقہ پیدا کرتی ہے۔ کوئی قوم قلباً و قالباً یعنی عملی طور پر اور دلی طور پر متحد ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ وہ تمام احکامِ اسلام کی پوری پابند نہ ہو جائے، کیونکہ اسلامی تعلیمات ہی وہ چیز ہے، جو

قلوب میں اثر کرتی، دلوں کو ملاتی ہے اور دل مل جانے کے بعد عمل میں اتحاد پیدا ہو جانا یقینی بات ہے۔ دلی اتحاد کے بغیر ہر عملی اتحاد ناپائدار اور عارضی ہوگا، لہٰذا پائدار اتحاد کے لئے مذہب کی پوری پابندی اولین شرط ہے۔ یہ اس سوال کا مختصر جواب تھا، لیکن عمل پر آمادہ کرنے کے لئے صرف اتنا بتا دینا کافی نہیں اس لئے اس کی تفصیل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ عرض ہے کہ ماہِ محرم سے لے کر اس وقت تک جو کچھ احکامات تعلیمات اور حقوق و آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ آپ سن چکے ہیں فرداً فرداً ہر شخص پر ان سب کا اختیار کرنا اتحاد پیدا کرنے کے لئے ضروری اسباب میں سے ہے۔ ان میں سے ہر حکم اتفاق پیدا کرنے کا مستقل سبب ہے۔ پہلے ہر ہر شخص کو یہ احکام اختیار کرنے چاہئیں، جس سے خود بخود خاندانی اتفاق پیدا ہوگا اور پھر ان کے اتفاق سے محلہ واری اتفاق اور پھر اس سے شہر واری اتفاق نشو نما پائے گا۔ جب اسی طرح ہر ہر شخص میں یہ لہر دوڑ جائیگی تو یقیناً اب پوری قومِ مسلم ایک مرکز پر آسکے گی۔ ہمارا اور ہمارے لیڈروں کا یہ حال ہے کہ ہم پہلے اپنی ذات کے لئے قوانینِ معاشرۃِ اسلامیہ کی پابندی اختیار نہیں کرتے، حالانکہ ان کا نہ اختیار کرنا ہی افتراق و اختلاف کی جڑ ہے اور جب اختلاف کی جڑیں مضبوطی پکڑتی جائیں تو بھلا صرف تقریروں اور جلسوں سے اتحاد کہاں پیدا ہو سکتا ہے۔ جب ہم میں خود خوفِ خدا نہ ہوگا تو معاشرۃِ اسلامیہ کی پابندی کیسے ہو سکے گی اور جب ان اصولوں کی پابندی نہ ہوگی تو یقیناً غلطیاں حق تلفیاں ہم سے سرزد ہوں گی جس سے دوسروں کو تکلیف اور شکایت ہوگی۔ یہ شکایت ہی افتراق و اختلاف کی اصل ہے۔ اسلام نے احکامِ عبادۃ نماز، روزہ حج و زکوٰۃ اور آداب و حقوقِ معاشرۃ اسی لئے فرض کئے اور تعلیم دئے ہیں تاکہ خوفِ خدا اور ہمدردیٔ انسانی پیدا ہو کر تمام انسان ایک دوسرے کو اذیت دینے سے رکیں

اور دوسروں کے لئے نفع رسانی کی کوشش میں مصروف ہوں۔ انھیں دونوں چیزوں سے باہمی محبت اور سب کی باہمی محبت سے قومی اتحاد پیدا ہوگا، لیکن ہم رات دن عبادۃ اور حقوق کی ادائیگی سے غفلت کرتے ہوئے صرف جلسوں، تقریروں سے اتحاد پیدا کرنا چاہتے ہیں مگر ع این خیال است و محال است و جنوں مرضِ اختلاف کی دوا کے اجزا کچھ تو وہ ہیں جو محرم سے اب تک عبادۃ و حقوق و آدابِ معاشرۃ کے سلسلہ میں بیان کئے جاچکے ہیں۔

اور کچھ اجزا نیز اس مریض کے لئے ضروری پرہیز آئندہ خطبات کے سلسلہ میں انشاءاللہ پیش ہوں گے۔ امید ہے کہ آپ مسلمانوں کی یہ شکایت کرتے وقت کہ ابھی مسلمانوں میں اتفاق نہیں یا یوں کہتے وقت کہ "متفق ہو جاؤ" یہ بھی غور فرمائیں گے کہ آپ نے خود اتفاق پیدا ہونے کے اسباب و ذرائع اختیار کئے ہیں یا نہیں۔ جب تک ہر شخص خود اپنے لئے اسبابِ اتفاق اختیار نہ کرے گا، دوسروں کو حکم دینے یا دوسرے مسلمانوں کی شکایت کر دینے سے ہرگز اتفاق پیدا نہ ہوگا۔

چنانچہ اب بقیہ اسبابِ اتفاق سنئے۔ منجملہ دیگر اسبابِ اتفاق کے ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہر مسلمان اپنے عہد وعدہ اور شرعی ذمہ داری کو پورا کرے۔ یہ بھی معاشرۃِ اسلامیہ کے اہم آداب میں سے ہے۔ اکثر اوقات آدمی اپنے مطلب کے وقت بہت کچھ وعدے اور عہد کر لیتا اور قسمیں کھا لیتا ہے، لیکن مطلب برآری کے بعد وہ اپنی ذمہ داری کو پورا نہیں اور اس وجہ سے بھی ہزارہا لڑائیاں جھگڑے مقدمات، جان و مال کی بربادی مسلمانوں میں پھیل رہی ہے۔ دوستو اور بزرگو خوب یاد رکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار عادتیں ایسی ہیں کہ جس میں وہ پائی جائیں وہ (عملی) منافق ہے۔ وہ یہ کہ جب امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو خلافِ عہد

کرے اور جب جھگڑا ہو تو فحش بکے۔ بعض روایت میں ہے کہ جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔ عہد کا خلاف کرنا گناہ ہے اور اسلامی تہذیب و اخلاق کے قطعاً خلاف ہے اور نااتفاقی پیدا ہونے کا بڑا سبب ہے، اس لئے ہر مسلمان کو اپنے عہدوں اور وعدوں کو پورا کرنا چاہیئے اور خلافِ وعدہ کرنے سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اسبابِ اتفاق اختیار کرنے، وعدوں اور عہدوں کو پُورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارے گناہوں کو بخشے، ہم پر رحم فرمائے اور دنیا و دین میں ہمیں ذلّت و رُسوائی سے بچائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعینؑ۔

علہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ؎ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ سوم ماہِ شعبان در آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ نمبر ۱۷

بسلسلۂ تہذیبِ اخلاق

ذمِ خیانت و سرقہ و غصب و ظلم و رشوۃ وغیرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدٰنَا بِالرُّسُلِ وَالْکُتُبِ اِلَی الْحَسَنَاتِ ○ وَاَمَرَنَا بِاَدَاءِ الْاَمَانَاتِ وَحَرَّمَ عَلَیْنَا الْخِیَانَاتِ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ فِی الذَّاتِ وَ

الصِّفَاتِ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا
مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سَيِّدُ الْكَائِنَاتِ ○
عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ
وَاَزْكَى التَّحِيَّاتِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ
الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ آدَابِ الْمُعَاشَرَةِ
الْاِسْلَامِيَّةِ ○ اَلْاِجْتِنَابُ عَنْ تَنْقِيْصِ
الْمِكْيَالِ وَالْمِيْزَانِ وَالسَّرِقَةِ وَالْغَصَبِ
وَالْخِيَانَةِ[عہ۱] ○ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا

عہ۱ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مومن ولا یشرب الخمر حین یشرب وھو مومن ولا ینتھب نھبۃ یرفع الناس الیہ فیھا ابصارھم حین ینتھبھا وھو مومن ولا یغل احدکم حین یغل وھو مومن فایاکم وایاکم (للمسلم) ۱۲ عہ۲ لاحمد ۱۲

عَهْدَ لَهٗ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ:

اَلَا لَا تَظْلِمُوْا اَلَا لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ اِلَّا

بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ ○ وَاِنَّ النَّبِيَّ[2] صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لَعَنَ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ فِي الْحُكْمِ ○ اَعُوْذُ

بِاللّٰهِ الخ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ

هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ج وَاَوْفُوا

الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ○ تَبَارَكَ اللّٰهُ الخ

وعظِ جمعہ سوم ماہِ شعبان دربیانِ آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ نمبر ۱۷

بسلسلۂ تہذیبِ اخلاق

ذمِ خیانت و رشوۃ و سرقہ و غصب وغیرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى - اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ میں سے ایک ضروری ادب یہ ہے کہ مسلمان اپنے معاملات نہایت صاف رکھے۔ معاملات میں چوری، غصب، خیانت وغیرہ

عہ للبیہقی ص۲۵۵ ۱۲ عہ[2] للترمذی ۱۲

سے اپنے دامن کو پاک رکھے۔ معاملات کی صفائی انسان کو جس طرح آخرۃ میں کامیاب بناتی ہے، اسی طرح دُنیا میں بھی فلاح و ترقی کی ضامن ہے۔ سچے اور معاملہ فہم رکھنے والے بیوپاری کا کاروبار نہایت جلد ترقی کرتا ہے اور بازار میں اس کی ساکھ قائم ہو جاتی ہے۔ برخلاف اس کے بددیانت اور بدمعاملہ آدمی اگرچہ کچھ عرصہ تک ترقی کرتا ہُوا معلوم ہوتا ہے، مگر بہت جلد اس کا دیوالہ نکل جاتا ہے۔ دیانتداری میں بڑی برکت ہے۔ بعض بیوپاری ابتداءً دیانتداری سے تجارۃ کرتے ہیں، لیکن جب دُوکان چلنے لگتی ہے تو پھر بددیانتی شروع کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ ابتدائی دیانتداری کی برکت سے بددیانتی کے بعد بھی کچھ دِنوں کامیاب ہوتے ہیں، لیکن آخر بددیانتی پھر اپنا اثر دکھاتی ہے اور ذلیل و خوار کرتی ہے۔ معاملات میں صفائی رکھنے سے محبّت قائم رہتی ہے۔ تعلقات جو وابستہ ہیں اور پختہ ہو جاتے ہیں۔ اُس قوم پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے جو دینوی معاملات میں بددیانتی اختیار کرتے ہیں اور دینوی فوائد کی وجہ سے آخرۃ کی سلامتی کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ حدیثِ شریف میں آیا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ کلمۂ لاالٰہ الّا اللہ ہمیشہ مخلوق کے اُوپر سے اللہ کے غصّہ کو دفع کرتا رہتا ہے۔ جبتک کہ مخلوق آخرۃ پر دُنیاوی معاملہ کو ترجیح نہ دے اور ایک روایت میں ہے کہ جب تک کہ لوگ دین کی سلامتی کی خاطر دُنیوی نقصان کی پرواہ نہ کریں لیکن جب لوگ دین کے مقابلہ پر دینوی نفع کو پسند کرنے لگیں اور پھر کلمۂ لاالٰہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تُم جھوٹے ہو تُم اس کلمہ کے پڑھنے میں سچّے نہیں ہو (احیاء) اس حدیث کو سُننے کے بعد اب ذرا آپ اور میں اپنے اپنے دل میں غور کریں کہ کیا ہم سینکڑوں مرتبہ شرعی احکام سے بے پرواہ ہو کر نفع کے بہت سے معاملات نہیں کرتے؟ اگر ایسا کرتے ہیں تو پھر ہمیں کلمہ پڑھنے اور اپنے دعوے

کو اس حدیث کی روشنی میں جانچنا چاہئیے۔ دوستو خدا سے ڈرو اور معاملات میں بددیانتی ہرگز کسی حال میں بھی اختیار نہ کرنا۔ جنت کی نعمتیں خدا سے ڈرنے والے کے لئے ہیں وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ۔ جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے (حساب دینے سے) خوف کھایا اور اپنے نفس کو ناجائز خواہشات سے روکا تو جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے۔ بعض لوگ نمازیں وظیفے خوب پڑھتے ہیں، مگر موقع ملنے پر بددیانتی سے بھی باز نہیں آتے اور پھر سمجھتے ہیں کہ ہم دیندار ہیں۔ یہ انتہائی غلط خیال ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ یعنی جس میں امانتداری نہیں اس میں ایمان ہی نہیں اور جس کو عہد کا پاس نہیں اس میں دین نہیں (رواہ احمد) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بددیانتی سے ایمان کا بھی خطرہ ہے تو پھر بھلا دینداری کہاں سے قائم رہی۔ یاد رکھئے کہ امانت میں خیانت کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ خائن دیندار تو کیا ہوتا اس کے تو ایمان ہی کا خطرہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اٰيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ وَاِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (مسلم) یعنی منافق کی نشانیاں تین ہیں۔ اگرچہ وہ روزے رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ اس حدیث کے الفاظ پر غور فرمائیے اور اپنی اپنی حالت ملاحظہ فرمائیے۔ ہم سمجھتے ہیں کسی کا مال قانونی رد سے ہضم کر دبا لینے سے ہم مالدار ہو جائیں گے، مگر نہیں، خیانت

سے مال بڑھتا نہیں گھٹتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو شریکِ معاملہ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ رہتا ہے جب تک کہ وہ خیانت نہ کریں اور جب وہ خیانت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ (برکت کا) ہاتھ اٹھا لیتے ہیں۔ پس اب خیانت سے ان کا مال زیادہ نہیں ہوتا جس طرح کہ صدقہ کرنے سے مال گھٹتا نہیں (احیاء) صالح اور دینداروں کا تجربہ یہ ہے کہ بد دیانتی اور خیانت سے اگرچہ مال آتا معلوم ہوتا ہے مگر قدرتی طور پر کچھ ایسے حوادثات بھی پیش آجاتے ہیں، جن سے مال وجان کا نقصان ہو جاتا ہے اور صدقہ سے اگرچہ بظاہر مال جاتا نظر آتا ہے، لیکن کچھ قدرتی اسباب بھی ایسے پیدا ہو جاتے ہیں، جن سے کافی منافع اور نقصانات سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زانی بحالتِ ایمان زنا نہیں کرتا۔ چور ایمان کی حالت میں چوری نہیں کرتا، شرابی ایمان کی حالت میں شراب نہیں پیتا۔ غاصب جبکہ لوگ اس کی طرف نظریں دوڑا رہے ہوں بحالتِ ایمان غصب نہیں کرتا اور تم میں سے کوئی ایمان کی حالت میں خیانت نہیں کرتا (متفق علیہ) اب خیانت کی چند صورتیں سُنیئے۔ کسان اور کاشت کار کی خیانت یہ ہے کہ وہ دوسروں کی زراعت سے نفع اُٹھائے، مثلاً گنا، گھاس، مویشیوں کا چارہ دوسروں کی زمینوں سے بلا اجازتِ مالک حاصل کرے۔ تاجر کی خیانت یہ ہے کہ وہ مال کا عیب چھپا کر بیچے یا اس کی قیمت یا اوصاف کے متعلق جھوٹ بولے۔ ہُنرمندوں کی خیانت یہ ہے کہ وہ عُمدہ چیز بنا کر نہ دیں اور قیمت پوری وصول کریں۔ علماء کی خیانت یہ ہے کہ وہ مسائل اپنی امکانی تحقیق کے بغیر بتائیں اور حق بات اپنے ذاتی نفع کی وجہ سے بیان نہ کریں۔ خطیبوں اور اماموں کی خیانت یہ ہے کہ وہ اپنی قوم کو صحیح راستہ اور صحیح تعلیم نہ بتائیں۔ انکی اصلاح میں کوشش نہ کریں اور ذاتی

نفع کی خاطر غلط بات میں بھی ان کی تائید کرتے رہیں۔ ملازموں کی خیانت یہ ہے کہ وہ پوشیدہ طور پر اپنے فرائضِ ملازمت ادا کرنے میں کوتاہی کریں۔ خیانت کبھی انفرادی ہوتی ہے، جس کا تعلق صرف ایک شخص سے ہوتا ہے اور کبھی اجتماعی خیانت ہوتی ہے، جس کا تعلق بہت سے لوگوں سے ہوتا ہے جیسے قومی، مذہبی اداروں کی ذمہ داری لے کر اس کو ادا نکرنا، مثلاً یتیم خانوں کے انتظام کی ذمہ داری حصولِ عزت کے لئے حاصل کرلینا، لیکن اس کو پورا نکرنا بہت بڑی خیانت اور سخت گناہ ہے۔ اسی طرح مسجدوں اور مدرسوں کے انتظامی عہدوں کو حاصل کرکے پوری ذمہ داری کے ساتھ ان کا خیال نہ رکھنا بڑی زبردست خیانت اور گناہِ کبیرہ ہے۔ مسجدوں میں بدعات کا رائج کرنا اور رواجی بدعات کو دور نہ کرنا نااہل ملازمین کے ذریعہ کام چلانا، مسجد کا روپیہ، مسجد کی ضرورتوں کے علاوہ غیر ضروری رواجوں اور بدعتوں میں صرف کرنا، اسی طرح قومی ادارہ قائم کرکے اس کی ذمہ داریاں اپنے سر پر لے کر انکو پورا نکرنا اور ان اداروں کو اپنی ذاتی وجاہت اور منافع و ترقی کا ذریعہ بنانا خیانت اور گناہِ کبیرہ ہے۔ کسی نااہل کو ووٹ دینا یا کسی نا اہل کا صدر وغیرہ بنانا یا کسی نااہل کو کوئی عہدہ دینا یا دلوانا یا کسی نااہل کو کسی معاملہ میں پنچ بنانا، فاسقوں، فاجروں کے ہاتھ میں مسلمانوں کی قیادۃ کی باگ دے دینا، یہ سب بڑی زبردست خیانتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جس نے کسی نااہل کو کوئی ذمہ داری سپرد کی، حالانکہ اس کی رعیت میں اس سے بہتر شخص موجود ہے تو اس نے اللہ اور رسولؐ اور مسلمانوں کی امانت میں خیانت کی۔" (روح البیان) نیز آپؐ نے فرمایا کہ "جب رہنمائی کا کام نااہلوں کے سپرد کیا جانے لگے تو قیامت

عہ من قلد انسانا وفی رعیتہ من ھو اولی منہ فقد خان اللہ ورسولہ وجماعۃ المومنین (روح ص $\frac{۳۳۶}{۳۲}$) ۱۲ عہ۲ اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ ۱۲

کا انتظار کرو۔" (بخاری)

بدمعاملگی کی ایک صورۃ رشوۃ خوری ہے، جس کے متعلق حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی رشوت دینے والے، دلانے والے اور لینے والے پر (مشکوٰۃ) سوچیے کہ جس پر حضورؐ لعنت فرمائیں اُس کا انجام کیا ہوگا؟

بدمعاملگی کی ایک صورۃ زبردستی کسی کی چیز یا زمین دبالینا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ جس نے بغیر حق کے ایک بالشت بھر زمین دبالی وہ قیامت میں زمین کے سات طبق تک دھنسا یا جائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ وہ زمین سات طبقوں تک اس کے گلے میں ڈالی جائے گی۔ (جمع الفوائد)

بدمعاملگی کی ایک صورۃ چوری کرنا ہے۔ یہ اس قدر سخت گناہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "چور چوری کرتے وقت مومن نہیں رہتا" (مشکوٰۃ) اور گناہوں کی سزا تو آخرۃ میں ملے گی، مگر یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ دُنیا ہی میں اس کی سزا شریعت نے مقرر فرمادی ہے اور سخت بھی کتنی سخت کہ اُس کا ہاتھ کاٹ کر ہمیشہ کے لئے ایک ہاتھ سے محروم کردیا جائے۔ اللہ اکبر کتنی سخت سزا ہے۔

بدمعاملگی کی ایک صورۃ ظلم ہے۔ یاد رکھیے کہ مسلمان وہی ہے، جس کے ہاتھ اور زبان کی ایذا دہی سے مسلمان محفوظ رہیں، جیساکہ حدیث میں آیا ہے۔ نیز حضورؐ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے مال کی حُرمت اُس کے خون کی طرح ہے (جمع الفوائد) یعنی جس طرح مسلمان کی جان لینا حرام ہے، اسی طرح اُس کا مال بغیر حق کے لینا حرام ہے اور آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کی ہر ہر چیز (بغیر حق کے) دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اُس کا خون، اُس کی آبرو، اُس کی آبرو، اُس کا مال (جمع الفوائد) یہ سب حرام ہے۔ یاد رکھیے کہ بندوں کے حقوق کا معاملہ بڑا سخت ہے۔ یہ توبہ سے بھی معاف

نہیں ہوتے، تا وقتیکہ دُنیا یا آخرۃ میں ان کا تدارک نہ کیا جائے۔ شہید کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر قرض (جمع الفوائد) کہ وہ بندوں کا حق ہے۔ لہٰذا معاف نہیں ہوتا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ (گناہوں کے) تین دفتر ہیں۔ ایک دفتر ایسا ہے جو بالکل بخشا نہ جائے گا اور وہ خُدا کے ساتھ شرک (کرنے کے گُناہوں کا دفتر ہے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ شرک کو نہ بخشے گا اور ایک دفتر ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ (بغیر حساب و کتاب کے) نہ چھوڑے گا، یہاں تک کہ بعض (حق والوں کا) بدلہ دوسرے (حق تلفی کرنے والوں سے) لے لے اور ایک دفتر ایسا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی پرواہ نہیں کرتا اور یہ حقوق اللہ میں ظلم کرنا ہے، تو یہ اللہ کی طرف ہے۔ اگر چاہے گا عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو معاف فرما دیگا (مشکوٰۃ) غرضیکہ بندوں کے حقوق بہت اہم ہیں، خیانت، چوری، غصب، ظلم یہ سب بندوں کے ہی حقوق ہیں۔ ان کے بارہ میں بہت احتیاط چاہئیے اور اگر کسی نے کسی کی ذرا بھی حق تلفی کی ہو، اُس کا تدارک یہیں کر لینا چاہئیے، ورنہ وہاں ان کا بدلہ دینا ہوگا۔ مال تو ہوگا نہیں لہٰذا ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلائی جائیں گی اور بعض کتبِ فقہ (درمختار) میں لکھا ہے کہ مال اور نیکیوں کا شرح تبادلہ اس طرح ہوگا کہ اگر کسی نے کسی کا ایک دانق (پونے چار رتی مال) ظلماً لے لیا ہے تو آخرۃ میں مظلوم کو ظالم کی سات سو باجماعت مقبول نمازیں دینی ہوں گی، اس حساب سے مظلوم کا حساب ادا کرنا بہت مشکل ہو جائے گا اور اپنی نیکیاں دیتے دیتے ہم مفلس ہو جائیں گے، اس لئے ہمیں یہیں اپنا معاملہ صاف کر لینا چاہئیے۔ اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو حق تلفی سے بچائے اور اب تک جو حقوق ہم نے کسی کے تلف کئے ہوں، اس کے تدارک کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا

یا رب العالمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ چہارم ماہِ شعبان در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ نمبر ۱۸

سلسلۂ تہذیبِ اخلاق

حسد و بغض اور غصہ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْقَاهِرِ ذِی الْبَطْشِ الشَّدِیْدِ ۝ لَا مَنْجَاءَ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ اِلَّا بِفَضْلِهِ الْمَزِیْدِ ۝ اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۝ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۝ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰۤی اٰلِهٖ ۝ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ۝ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ۝ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِیَّةِ ۝ تَهْذِیْبَ

النُّفُوْسِ وَتَزْكِيَتِهَا مِنَ الْحَسَدِ وَالْعَدَاوَةِ وَتَحْلِيَتِهَا بِكَظْمِ الْغَيْظِ وَالْعَفْوِ عِنْدَ الْقُدْرَةِ ۞ وَقَدْ رُوِيَ[1] اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مُرْنِيْ بِعَمَلٍ وَاَقْلِلْ قَالَ لَا تَغْضَبْ[2] ۞ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا ۞ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ

---

[1] الاحیاء ۱۲ [2] وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام الغضب یفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل (احیاء) وقال ایضًا الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب (رواہ ابوداؤد) [3] مسلم ۱۲

لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّاءِ وَ الضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

وعظِ جُمعہ چہارم ماہِ شعبان در آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ [۱۸]

بسلسلۂ تہذیبِ اخلاق

حسد و بغض اور غصّہ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى - اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملّت! آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ کا دائرہ صرف انسان کے ظاہری حالات ہی تک محدود نہیں، جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ اسلامی اصولِ زندگی کی طرف سے ہماری غفلت کا یہ حال ہے کہ ہم نے اسلامی زندگی کا معیار صرف چند ظاہری افعال کو سمجھ لیا ہے، مثلاً نماز، روزہ ادا کرلینا، گوشت کھالینا یا مل کر کھالینا، تہہ بند یا اِزار (پاجامہ) پہن لینا۔ پس جو شخص یہ کام کرلے وہ سمجھ لیتا ہے کہ مَیں اسلامی زندگی بسر کررہا ہُوں اور سچ پُوچھئے تو اس زمانہ میں کوئی کام بھی اسلامی معیار پر قائم نہیں رہا۔ جو نماز روزہ نہیں ادا کرتا وہ بھی اپنی زندگی اسلامی بتاتا ہے اور جو ہندوانی لنگی باندھتا ہے وہ بھی اپنا طرزِ زندگی اسلامی سمجھتا ہے۔ غرضیکہ اسلامی زندگی کا کوئی بھی معیار قائم نہیں۔ مَیں آدابِ معاشرۃِ اسلامی سلسلہ وار اسی لئے بیان

کر رہا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ آج زندگی گذارنے کا جو طرز ہم نے اختیار کیا ہے، وہ کسی طرح بھی اسلامی زندگی نہیں ہے اور تاکہ آپ جانیں کہ اسلامی زندگی انسان کے تمام حالات میں شامل ہے۔ چند کاموں کے کر لینے سے ہماری زندگی اسلامی زندگی نہیں بن جاتی۔ دُنیا کی حکومت کا مدار صرف انسان کے ظاہر حالات پر ہے، لیکن اسلام کی حکومت کا دائرہ انسان کے ظاہری حالات سے گذر کر باطنی حالات تک اور جسم سے گذر کر اس کے دل و دماغ اور نفس و عقل تک وسیع ہے۔ کوئی مسلمان جب تک کہ وہ اپنے تمام ظاہری و باطنی حالات میں آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کا پابند نہ ہوگا۔ اس وقت تک صحیح معنی میں اس کی زندگی اسلامی زندگی کہلائے جانے کی مستحق نہ ہوگی۔ ظاہری زندگی کے اکثر آداب گوش گذار ہو چکے ہیں۔ اب میں انسان کے باطن کی تہذیب کے کچھ آداب بیان کرنا چاہتا ہوں، جن میں سے پہلی چیز تہذیبِ نفس ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو بُری خصلتوں سے بچا کر عُمدہ عادات کا عادی بنا کر مہذب بنائے۔ نفس کے بُرے خصائل جن سے ہر مسلمان کو اپنے نفس کی حفاظت کرنا چاہیئے بہت سے ہیں، جن میں ایک بڑی مذموم خصلت تیز غصّہ ہے۔ غصّہ شیطان کا ایک زبردست ہتھیار ہے، جس کے ذریعہ سے وہ اچھے سے اچھے آدمی کو بھی اپنی انگلیوں کے اشارہ پر نچا دیتا ہے۔ ہماری باہمی نااتفاقیوں کے اسباب میں سے ایک زبردست سبب غصّہ کی عادت بھی ہے کہ جس سے ہزاروں جھگڑے روزمرہ ہماری زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں۔ اسلام نے انسان کے قہرمانی جذبات کی بھی حد بندی کی ہے اور غصّہ کو سخت مذموم حرکت قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بار بار غصّہ کرنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ حدیث شریف

میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و سلم) مجھے کوئی (نیک) عمل بتلائیے اور بہت مختصر فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ لاتغضب یعنی غصّہ مت کرو۔ (احیاء) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ وہ کیا چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے غصّے سے مجھے بچالے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ غصّہ مت کرو (احیاء) حضرت ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنّت میں داخل کر دے۔ آپ نے فرمایا غصّہ مت کرو۔ (احیاء) نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ غصّہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسا کہ ایلوا شہد کو کڑوا کر دیتا ہے۔ (احیاء) نیز آپ نے فرمایا کہ غصّہ شیطانی اثرات میں سے ہے اور شیطان کی پیدائش آگ سے ہے اور آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے۔ پس جب تم میں سے کسی کو غصّہ آجائے تو اسے چاہیئے کہ وضو کرلے۔ (ابوداؤد) نیز فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصّہ آجائے تو اگر وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے (ابوداؤد) نیز آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصّہ آجائے تو اسے چاہیئے کہ خاموش ہوجائے (احمدؒ) نیز آپؐ نے فرمایا کہ لوگوں میں سے وہ شخص بہتر ہے، جسے غصّہ بہت دیر میں آئے اور جلد چلا جائے اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص غصّہ برداشت کرجائے، حالانکہ وہ اپنا غصّہ[2] نکال سکتا تھا تو حق تعالیٰ تمام دُنیا کے سامنے (اعزازاً) اس کو پکاریں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ وہ

---

[1] للترمذی فی حدیث طویل اخذت منہ جملۃ واحدۃ ۱۲

[2] مقتضیات غضب کو پورا کرسکتا ہے ۱۲

جس حورِ جنّت کو چاہئے اپنے لئے پسند کرے (ابو داؤد) الغرض غصّہ کو برداشت کرنا اسلامی زندگی کا دستور العمل ہے اور برداشت نہ کرنے کی صورت میں اگر آدمی غصّہ کے وحشیانہ جذبات کو پورا کر سکتا ہے تو اب وہ بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے مثلاً عداوت رکھنا، بغض رکھنا یا جان و مال کا نقصان پہنچا کر ظلم کے گناہ میں مبتلا ہو جانا وغیرہ اور اگر غصّہ میں انتقام سے عاجز رہا تو اب قلب میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور جب یہ کینہ بڑھتا ہے تو بالآخر حسد میں گرفتار ہو جاتا ہے حالانکہ عداوت، کینہ، حسد یہ سب گناہِ کبیرہ ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (ابو داؤد) حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں ایک دن ہم حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر تھے (اچانک) آپؐ نے فرمایا ابھی اس راستے سے ایک جنتی شخص آئے گا۔ ایسا ہی ہُوا کہ انصار میں سے ایک شخص آیا، جس کی داڑھی سے وضو کے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس کے بائیں ہاتھ میں جوتے تھے۔ دوسرے دن پھر حضورؐ نے ایسا ہی فرمایا اور وہی شخص پھر حاضر ہُوا۔ تیسرے دن پھر ایسا ہی فرمایا اور وہی شخص پھر حاضر ہُوا۔ تیسرے روز جب آپ کی مجلس برخواست ہوئی تو عبداللہ بن عمرو بن العاص اس کے پیچھے ہوئے اور اس شخص سے کہا کہ میرا والد سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ کیا آپ تین دن تک جگہ دے سکتے ہیں۔ کہا ہاں۔ عبداللہ تین شب وہاں رہے تو انہیں دیکھا کہ وہ رات میں کچھ بھی نفلیں نہیں پڑھتا تھا، سوائے اس کے کہ جب کروٹ لیتا تو اللہ کو یاد کرتا اور سوائے اچھی بات کے اور کوئی بات نہ کرتا۔ میں اس کے عمل کو حقیر سمجھنے لگا تھا کہ میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے میرے والد اور مجھ میں کوئی جھگڑا اور جدائی نہ تھی، لیکن میں نے حضورؐ سے تین بار تمہارے متعلق جنّتی ہونا سُنا تو میں نے چاہا کہ تمہارے اعمال

دیکھوں، مگر میں نے تم کو زیادہ عبادت کرتے نہیں دیکھا۔ پھر آخر کیا بات ہے، جس نے تم کو اس مرتبہ پر پہنچایا۔ اُس نے کہا جو کچھ تم نے دیکھا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ جب میں وہاں سے چلا آیا تو اس نے بُلا کر کہا، جو کچھ تم نے دیکھا ہے اس کے علاوہ اور کوئی عمل نہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میں اپنے نفس میں کسی مسلمان کے متعلق کوئی حسد اور کینہ نہیں پاتا۔ تب میں نے کہا بس بس یہی چیز ہے جس نے تم کو اس بلند مرتبہ تک پہنچایا اور یہی وہ بات ہے جس کی ہم میں طاقت نہیں (احیاء) اس واقعہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حسد نہ رکھنا کتنی بڑی بات ہے۔ لہٰذا ہمیں اس بُری خصلت سے بچنے کی پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ بزرگو حسد عموماً سات اسباب کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پہلا سبب یہ کہ کسی سے عداوت قلب میں ہو جائے اور بدلہ لینے سے عاجز رہے تو اب وہ دوسرے کا بُرا چاہنے لگتا ہے، جیسے حسد کہتے ہیں۔ دوسرا سبب عزّت ہے کہ ایک شخص کی کسی معاملہ میں عزّت کی جاتی ہو تو اس کو یہ ناگوار ہو کہ کوئی اور وہ عزّت پائے۔ ایسی حالت میں پہلا شخص کسی دوسرے کا اُس صفت میں بڑھنا گوارہ نہ کرے اور اس نعمت کا زوال چاہے۔ تیسرا سبب حسد کا تکبّرِ طبعی ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر سمجھے اور ان سے خدمت و اطاعت کا اُمیدوار ہو۔ اب اگر دوسروں کو بھی اس کی برابر نعمت حاصل ہو تو یہ اس کا زوال چاہے۔ چوتھا سبب حسد کا شدّتِ تعجب ہے جیسا کہ انبیاء کو نبوّت ملنے پر ان کی اُمتوں اور قوموں کو سخت تعجب ہوا جس نے اُن کے قلوب میں حسد پیدا کر دیا۔ پانچواں سبب حسد کا اپنے مقاصد کے فوت ہو جانے کا خوف ہے جبکہ دو شخصوں کا مقصد ایک ہی ہو، جیسے بادشاہ کے یہاں رسوخ حاصل کرنا چند [illegible] کا ایک دل میں عزّت پانا وغیرہ ایسی

حالت میں ہر ایک چاہتا ہو کہ دوسرے کی نعمت زائل ہو جائے تاکہ اس کو یہ مرتبہ حاصل نہ ہو سکے۔ چھٹا سبب حسد کا حبِّ جاہ ہے۔ جاہ طلب شخص چاہتا ہے کہ میں بے مثال و بے نظیر رہوں۔ اب اگر اور کوئی بھی ترقی کرتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے۔ ساتواں سبب حسد کا خبثِ نفس ہے کہ آدمی کا نفس اس قدر خبیث ہو کہ وہ دوسرے کی بھلائی دیکھ ہی نہ سکے۔ یہ اسباب ہیں، جن کی وجہ سے حسد پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اول ہم غور کریں کہ ہمارے قلب و نفس میں حسد ہے بھی یا نہیں۔ اگر موجود ہو تو پھر اس کے سبب پر غور کریں کہ کس سبب سے پیدا ہوا ہے۔ جو سبب معلوم ہو پہلے اس کو دُور کریں اور پھر حسد کی بُرائی میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان پر غور کریں۔ تب یہ مرض انشاء اللہ تعالیٰ زائل ہو گا۔ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ حسد چار قسم کا ہوتا ہے۔ اول یہ کہ آدمی صرف دوسرے کی نعمت کے جاتے رہنے کی خواہش اپنے نفس میں رکھے۔ اگرچہ خود اس کے حاصل ہونے کی تمنّا نہ ہو اور یہ قسم انتہائی درجہ کی خباثت ہے اور ایسا حسد حرام ہے۔ دوسری قسم یہ کہ دوسرے کی نعمت کا زوال اس لئے چاہے تاکہ خود اسے وہ چیز حاصل ہو جائے۔ حسد کی یہ قسم بھی حرام ہے۔ تیسری قسم یہ کہ خود بعینہٖ وہی نعمت نہیں چاہتا جو دوسرے کے پاس ہے بلکہ اس کے مثل نعمت چاہتا ہے اور جب وہ نہ مل سکے تو اب دوسرے کی نعمت کا بھی زوال چاہے۔ یہ بھی بڑا حسد ہے۔ چوتھی قسم یہ کہ دوسرے کی جیسی نعمت اپنے لئے چاہے پھر اگر وہ نہ ملے تو دوسرے کی اس نعمت کا زوال نہ چاہے۔ اس قسم کا حسد اگر دُنیاوی امور میں ہو تو معاف ہے اور آخرت کے امور میں ہو تو محمود ہے۔ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے حسد مت رکھو۔ بغض مت رکھو تعلقات منقطع نہ کرو اور تم سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔ (احیاء)

نیز آپؐ نے فرمایا کہ تم سے پہلی اُمتوں کا مرض تم میں آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے جو حسد و بغض ہے اور بغض مومن کو مونڈ دینے والا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بال مونڈتا ہے بلکہ وہ دین کو برباد کرنے والا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تم جنت میں نہ جا سکو گے جب تک کہ مومن نہ ہو جاؤ اور مومن نہ ہو سکو گے جب تک آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تم کو محبت کا ذریعہ نہ بتا دوں؟ آپس میں سلام کرنا پھیلاؤ (احیاء) الغرض ہر مسلمان کو ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو غصہ، حسد، کینہ، بغض وغیرہ سے پاک کرے اور غصہ برداشت کرنے، معاف کرنے کی عادت ڈال کر اس کو مہذب بنائے۔ اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم اسلامی طرزِ زندگی اختیار کریں۔ اپنے نفس کو ان بُری عادات سے بچائیں۔ غصہ پینے، معاف کرنے اور ہر ایک کی خیر و بھلائی چاہنے کے جذبات ہمارے نفوس میں پیدا ہوں۔ ہماری گذشتہ غلطیوں، گناہوں کو معاف فرمائے اور آئندہ ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ؏

؏ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ پنجم ماہِ شعبان در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ نمبر ۱۹

بسلسلۂ تہذیبِ اخلاق

تہذیبِ نفس و عقل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○ وَنَوَّرَهٗ بِنُوْرِ الْعَقْلِ فَاَفْهَمَهٗ مَا لَمْ یَفْهَمْ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ذُو الْجُوْدِ وَالْكَرَمِ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الْمُكَرَّمُ ○ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ وَالْخُلَّانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ آدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِیَّةِ تَهْذِیْبَ النَّفْسِ وَالْعَقْلِ وَتَزْكِیَتَهُمَا مِنْ خِصَالٍ قَبِیْحَةٍ ○ كَحُبِّ الْجَاهِ وَالرِّیَاءِ

وَالْكِبْرِ وَغَيْرِهَا مِنْ خِصَالٍ ذَمِيمَةٍ ○

وَرَدَتْ فِيْ ذَمِّهَا الْاَخْبَارُ ○ حَذَفْنَاهَا

لِلْاِخْتِصَارِ ○ وَاقْتَصَرْنَا مِنْهَا عَلٰى مَا قَالَهُ

سَيِّدُ الْاَبْرَارِ ○ لِكُلِّ شَيْءٍ دِعَامَةٌ

وَدِعَامَةُ الْمُؤْمِنِ عَقْلُهٗ ○ فَبِقَدْرِ عَقْلِهٖ

تَكُوْنُ عِبَادَتُهٗ ○ اَمَا سَمِعْتُمْ قَوْلَ

الْفُجَّارِ فِي النَّارِ ○ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ

مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا

ع۔ کقوله علیه السلام حب المال والجاه ینبتان النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل (احیاء) وقوله ولا تمادحوا واذا رایتم المداحین فاحثوا فی وجوهم التراب وقوله علیه السلام یقبل الله عز وجل عملا فیه مثقال حبة من ریاء (الکل من الاحیاء) ۱۲

لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظ جمعہ پنجم ماہِ شعبان در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ نمبر ۱۹

بسلسلۂ تہذیبِ اخلاق

تہذیبِ عقل و نفس از کبر و عجب و جاہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بعد۔ برادرانِ ملت! باطنی آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کا ایک دوسرا اہم جزو دماغ اور نفس و عقل کو مہذب بنانا ہے۔ جب تک کسی قوم کے دماغ اور نفوس و عقول مہذب نہ ہوں گے ان میں ہرگز اجتماعی طور پر زندگی گذارنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا نہ ہوگی۔ ہماری موجودہ نااتفاقیوں کی جڑ اسی بنیادی غفلت پر قائم ہے، لہٰذا آج میں آپ کی توجہ تہذیبِ نفس کے اس سبب کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ نفسِ انسانی کے مہذب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اس کو کمینہ خصلتوں کا خوگر بننے سے بچائے اور بہترین اخلاق کا عادی بنائے۔ نفس اور دماغ کی سب سے کمینہ اور بُری خصلت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھے اور دوسروں کو اپنے سے کمتر اور حقیر جانے اس بدخصلت کو تکبر کہا جاتا ہے اور جب بلا مقابلہ اپنے کو بڑا سمجھے تو اس کو عُجب بولا جاتا ہے۔ تکبر اور عُجب یا بڑائی اور خود پسندی ایسی ذلیل خصلتیں ہیں کہ ایک شریف اور مہذب انسان کو دوسرے کی نگاہوں میں غیر مہذب اور

ذلیل ثابت کرتی ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں متکبر انسان اس لئے ذلیل ہوتا ہے کہ دیگر شرفاء اس کو مغرور، متکبر اور کمینہ خصلت سمجھتے ہیں اور آخرت میں ذلیل ہونا تو ظاہر ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1] کہ جبار اور متکبر لوگ قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے کہ لوگ اپنے پیروں سے ذلت کے ساتھ روندتے چلے جائیں گے۔ جیسا کہ آج ہم زمین پر چلتے ہوئے اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ چیونٹی پیر کے نیچے آجائے گی۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کی روح بدن سے اس حالت میں جدا ہوئی کہ وہ تین چیز یعنی تکبر، قرض اور خیانت سے بری ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (احیاء) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخیوں اور جنتیوں کی ایک عجیب نشانی بتلائی ہے جس سے ہر شخص اپنے متعلق آخرت میں اپنے مرتبہ اور مقام کا پتہ چلا سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہر سخت عادت والا، زیادہ بکنے والا اور متکبر، مال جمع کرنے والا اہل دوزخ میں سے ہے اور کمزور و مغلوب لوگ اہل جنت ہیں (احیاء) نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً بروز قیامت تم میں سب سے زیادہ ہم کو محبوب اور ہمارے قریب وہ ہوگا جو سب سے زیادہ بہتر اخلاق والا ہو اور تم میں سب سے زیادہ ہماری نظر میں مبغوض اور ہم سے دور، حق کے خلاف بہ کثرت کام کرنے والے لوگوں کا مذاق اڑانے والے اور اپنی بڑائی جتانے والے ہونگے (احیاء) نیز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر اور عظمت میری ازار ہے۔ پس جو شخص ان کو مجھ سے چھینے گا، (یعنی خود ہی بڑا اور متکبر بننا چاہے گا) میں اسے

---

[1] ترمذی ۱۲

جہنّم میں ڈال دونگا اور (بالکل) پرواہ نہ کروں گا (جمع الفوائد) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے قلب میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبّر ہوگا، وہ جنّت میں داخل نہ ہوگا۔" (جمع) کیونکہ جنّت کے دروازے اخلاقِ حسنہ پر ہی قائم کئے جائیں گے اور تکبّر وغرور آدمی کو اچھے اخلاق برتنے سے روکتے ہیں۔ متکبر کبھی اخلاقِ حسنہ مثلاً تواضع وعاجزی وغیرہ سے متصف نہیں ہوسکتا تو گویا تکبّر تمام بداخلاقیوں کی جڑ ہے جس کا پھل جنّت کی نعمتوں سے محرومی ہونا ہی چاہئے اور متکبّر دینی نعمتوں سے بھی محروم رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "میں اپنی آیات (قرآن) سے ان لوگوں کو پھیر دونگا جو زمین میں بیجا تکبّر کرتے ہیں"۔ اس کا مطلب یہ بھی بتایا گیاہے کہ ان کے دلوں میں سے قرآن کا فہم اور اس کی سمجھ اٹھالوں گا۔ اللہ اکبر کتنی بڑی محرومی ہے۔ اب سنئے کہ متکبّرین کی تین قسم ہیں ایک حق تعالیٰ اور احکم الحاکمین کے ساتھ تکبّر برتنے والے یعنی اس کی عبادت اور اس کے احکام کو تسلیم کرنے سے انکار کرنے والے۔ یہ گروہ کفّار کا ہے اور اس کی سزا ابدی عذابِ جہنّم ہے۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو رسولوں کے احکامات سے تکبّر کا برتاؤ کرتے ہیں اور ان کو اپنے جیسا بشر سمجھ کر ان کے احکامات کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ رسولوں کی سنّت اور طریقہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ بھی کفر ہے اور اس کی سزا بھی دائمی جہنّم ہے۔ نماز، روزہ اور دیانت داری، امانت داری اور داڑھی وغیرہ کا مذاق اڑانے والے سوچیں کہ وہ کس قسم کے متکبّرین میں داخل ہیں۔ تیسری قسم تکبّر کی یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسولوں سے نہیں بلکہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ تکبّر کا برتاؤ کرتے ہیں کہ دوسروں کو کم درجہ کا اور اپنے کو بڑا اور بڑی پوزیشن والا سمجھتے ہیں۔ اس قسم کا تکبّر گناہ کبیرہ اور حرام ہے اور یہی تکبّر کی وہ قسم ہے جس کے متعلق مذکورۂ بالا احادیث آپ سن چکے

۱؎ ساصرف عن آیاتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق ۱۲

ہیں. پھر اس کی دو قسم ہیں. ایک یہ کہ عام لوگوں سے اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور دوسری یہ کہ کسی بندے سے کوئی حق بات سُنے تو اسے قبول نہ کرے بلکہ اس شخص کو حقیر سمجھتے ہُوئے اس حق بات کو رد کر دے. یہ کافروں اور منافقین کا اخلاق ہے اور یہی وہ تکبّر ہے، جس کی وجہ سے لوگ وعظ سُنتے ہیں. مگر حق بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس پر عمل نہیں کرتے اور کہہ دیتے ہیں اجی ان کا تو دھندا ہی یہ ہے. ہمیں اپنا کام کرتے رہنا چاہیئے. ایسے ہی لوگوں کی مذمت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ یعنی اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خُدا سے ڈرو تو عزت (کا خیال) اس کو گناہ پر (بھی) قائم رکھتا ہے." یعنی وہ خُدا سے ڈر کر گناہ سے باز نہیں آتا۔ حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آدمی کو گُنہ گار بننے کے لئے یہ کافی ہے کہ جب اسے کہا جائے کہ خُدا سے ڈر تو وہ کہہ دے کہ تم اپنا کام دیکھو (تم کو ہماری کیا پڑی ہے) (احیاء) حاضرین۔ اس تکبّر پر غور فرمایئے، کیونکہ یہ عادت ہم میں بہت زیادہ ہے. پھر تکبّر کبھی علم پر ہوتا ہے جو سخت مذموم ہے. کبھی عمل پر ہوتا ہے جو سخت قبیح ہے، کبھی حسب و نسب پر ہوتا ہے. وہ بھی معیوب ہے. کبھی جمال و خوبصورتی پر ہوتا ہے، جو محض خیالی دھوکہ ہے. کبھی مال پر ہوتا ہے جو انتہائی حماقت کی دلیل ہے. کبھی طاقت و قوت پر ہوتا ہے، حالانکہ پنجۂ موت اس سے زیادہ قوی ہے. کبھی کثرتِ مریدین و تلامذہ پر، کبھی کثرتِ خدام و ملازمین پر، کبھی کثرت احباب و انصار پر تکبّر ہوتا ہے، حالانکہ ان میں سے کوئی چیز بھی نہ قائم رہنے والی ہے اور نہ قابلِ اعتماد ہے. غرض کہ تکبّر و غرور خواہ کسی چیز پر ہو، کسی وجہ سے ہو حرام ہے. اسلامی تہذیب میں دماغ کو اس عیب سے پاک و صاف کرنا اور نفس کو تواضع کا خوگر بنانا نہایت اہم کام ہے عجب

اور تکبر کے بعد ایک اور بھی دماغی بدتہذیبی رہ جاتی ہے۔ وہ یہ کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر تو نہیں سمجھتا، لیکن اپنے کو بڑا بنانے کا خیال دماغ میں قائم رکھتا ہو اور چاہتا ہو کہ کسی طرح بڑا بن جاؤں۔ اسلامی قانون معاشرت کے لحاظ سے یہ بھی ایک نفسانی بدتہذیبی ہے، جس کا نام حُبِ جاہ ہے، جس سے ہر مسلمان کو اپنا دماغ پاک کرنا چاہئے۔ جاہ و عزت کی طلب تین طرح سے کی جاتی ہے۔ ایک اس طریقہ پر کہ لوگوں میں اپنے متعلق ایسی باتیں ثابت کی جائیں جو خود میں نہیں ہیں تاکہ ان کے قلوب میں عزت پیدا ہو جائے، مثلاً چند کتابیں پڑھ کر یا چند تقریریں یاد کر کے یا چند اشعار کہہ کر یا چند مضامین لکھ کر مولانا اور علامہ و لیڈر بن جائے یا چند نمازیں پڑھ کر عابد و زاہد کہلوائے یا کچھ روپیہ خرچ کر کے سخاوت کا ڈھنڈورا پیٹے تو اس طریقہ پر جاہ و منزلت حاصل کرنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اور عموماً لوگ اسی طریقہ سے جاہ طلبی میں مبتلا ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ کہ آدمی جاہ و مرتبہ کسی ایسی بات یا صفت کے ذریعہ سے چاہے جو حقیقتاً اس میں ہو اور اس شخص کو اس مرتبہ کی ضرورت ہو اور محض ضرورت کے لئے ایسا چاہے تو یہ جائز ہے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی کو کوئی مرتبہ حاصل ہے اور وہ اپنے عیب کو اس لئے چھپاتا ہے تاکہ اس کا درجہ کم یا زائل نہ ہو، لیکن پہلے درجہ سے زیادہ کا دعویدار نہ ہو تو یہ بھی جائز اور مباح ہے۔ غرض کہ وہ حبِ جاہ مذموم ہے جو خلافِ حقیقت اوصاف حالات و واقعات کے ذریعہ سے حاصل کی جائے، مثلاً ایک شخص فی الواقع سخی نہیں بخیل ہے، لیکن ایک موقع پر دو چار ہزار اس لئے خرچ کرنے پر تیار ہو جائے کہ لوگ اسے سخی سمجھنے لگیں۔ آدمی اپنے اعمال میں ریاء و نمود حبِ جاہ ہی کی وجہ سے اختیار کرتا ہے تاکہ اس کے اعمال و افعال کی شہرت

دُور دُور ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مال و جاہ کی محبت دل میں اسطرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی سبزی کو اگاتا ہے (احیا) نیز آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ خواہشات کی پیروی اور اپنی تعریف کی چاہت میں لوگوں کی ہلاکت ہے (احیاء) نیز فرمایا کہ خبردار آپس میں ایک دوسرے کی تعریفیں مت کیا کرو اور جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی جھونک دو (احیاء) اور حبِ جاہ کی وجہ سے اعمال میں جو ریاء و نمود ہو جاتا ہے اس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا جس میں ایک ذرہ کی برابر بھی ریا ہو (احیاء) اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ آخرت کا گھر (اور اس کی نعمتیں) ہم ان لوگوں کے لئے (مخصوص) کر دیں گے جو زمین میں بلندی (یعنی تکبر و جاہ پسندی) اور فساد (پھیلانے کا ارادہ) نہیں کرتے اور جو لوگ عاجزی اور تواضع اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں بلندی و ترقی عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کی خوشنودی کے لئے تواضع اختیار کی، اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بلند فرماتا ہے (احیاء) نماز میں انسان سے رکوع اور سجدہ کرانے کا غالباً ایک مقصد یہ بھی ہے کہ انسان تواضع اور عاجزی کا خوگر بنے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا کیا بات ہے کہ میں تم میں عبادت کی حلاوت نہیں دیکھتا۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ عبادت کی حلاوت کیا ہے۔ فرمایا تواضع (احیاء) تہذیبِ نفس کی طرح تہذیبِ عقل بھی اسلام کے ضروری آدابِ معاشرۃ میں سے ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر شئی کا ایک ستون ہوتا ہے اور مومن کا ستون عقل ہے پس مومن کی عبادت اس کی عقل کے مطابق ہو گی۔ کیا تم نے دوزخ میں فاجروں کا قول نہیں سنا (جب وہ کہیں گے) کہ اگر ہم سنتے (احکامِ خدا) اور سمجھتے تو دوزخیوں میں سے نہ ہوتے (احیاء ج ۱) عقل کو مہذب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی عقل کو شریعت کے تابع کرے اور اس کے کمال یا نقص کا معیار قرآنی تعلیمات کو بنائے اور غور کرے کہ

اپنی عقل عقائد و نظریات اور احکاماتِ شرعیہ کو بلا چون و چرا تسلیم و قبول کرتی ہے تو یہ عقل قطعاً مہذب اور صائب ہے اور انسان کے لئے دُنیا و آخرت میں ترقی و فلاح کا ذریعہ ہے، اور اگر ہماری عقل مذہب اسلام کے عقائد و احکام کو قبول و تسلیم کرنے پر تیار نہ ہو تو اب وہ یقیناً غیر مہذب اور مریض عقل ہے جس کا علاج ضروری ہے۔ بعض لوگ اسلامی احکام و عقائد کو اپنی عقل پر پرکھنا چاہتے ہیں اور چونکہ انسان کا دامنِ عقل بہت ہی کوتاہ ہے اس لئے بعض اوقات یہ عقل کل کے ارشادات کے مصالح نہیں سمجھ سکتی اور کوتاہی سے مذہب کی باتوں میں اعتراض و عیب نکالتی ہے اور پھر ایسے ظنیات کے میدان میں قدم رکھتی ہے، جہاں عمر بھر کسی نظریہ پر بھی قلبی اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎ نکل جا عقل سے آگے کہ یہ نور تو چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے۔ ایسی عقل سخت مریض ہے جس کا علاج فوری طور پر ضروری ہے ورنہ یہ مسلمان کو الحاد و دہریت تک پہنچا دیتی ہے۔ اس کا عمدہ علاج یہ ہے کہ ایمان بالغیب میں پختگی پیدا کرے، جس کی ایک تدبیر یہ ہے کہ صحبتِ صالحین و کاملین اختیار کرے۔ دوسری فوری تدبیر یہ ہے کہ اس بات پر غور کرے کہ بدلائلِ قاہرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و رسالت ثابت ہے، جس سے کسی طرح انکار ہی نہیں کیا جا سکتا اور حضورؐ نے بارہا ارشاد فرمایا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور کلامِ خدا میں کوئی بات حق کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ یقیناً صحیح ہے۔ اگرچہ میری عقل میں اس کی کیفیت وغیرہ نہ آسکے۔ غرضیکہ ایک مسلمان کو مسلمان رہتے ہوئے زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی عقل کو مہذب یعنی تابع شریعت بنائے۔ بس اب دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم اپنے دماغ و عقل اور اپنے نفس کو بُرے خصائل و عادات سے بچا کر مہذب بنائیں۔ اے خدائے قدوس تو ہمارے قلوب و نفوس سے تکبر

وخود پسندی، حبِ جاہ ومال، خیالِ ریاء ونمود کو دُور فرما۔ ہماری عقلوں کو اپنے دین کے لئے مسخر فرما۔ ہماری طبیعتوں میں تواضع، عاجزی، انکساری عطا فرما۔ اے خدائے رحمٰن ورحیم تو ہمارے گذشتہ گناہوں، غلطیوں کو معاف فرما اور آئندہ اچھے اعمال وافعال کی توفیق عنایت فرما۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ؏

؏ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ تَبَارَکَ اللّٰہُ لَنَا الخ

خطبۂ جمعہ اول ماہِ رمضان در تعلیم ضروریاتِ دین

فلسفہ وفضائلِ رمضان شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ دَوَّرَ عَلَیْنَا خَیْرَ الزَّمَانِ ○ وَاَعَادَ لَنَا سَیِّدَ الشُّھُوْرِ رَمَضَانَ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی

اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا
مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ قَدْ اَظَلَّنَا شَھْرُ رَمَضَانَ ○
الَّذِیْ رُوِیَ فِیْہِ عَنْ سَلْمَانَ رضؓ ○ قَالَ خَطَبَنَا
رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ⁂ فِیْ آخِرِ یَوْمٍ مِّنْ
شَعْبَانَ ○ فَقَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّکُمْ
شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُّبَارَکٌ ⁂ شَھْرٌ فِیْہِ
لَیْلَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ⁂ شَھْرٌ جَعَلَ
اللّٰہُ صِیَامَہٗ فَرِیْضَۃً وَّقِیَامَ لَیْلِہٖ تَطَوُّعًا +
مَنْ تَقَرَّبَ فِیْہِ بِخَصْلَۃٍ مِّنَ الْخَیْرِ کَانَ
کَمَنْ اَدّٰی فَرِیْضَۃً فِیْمَا سِوَاہُ + وَمَنْ اَدّٰی
فَرِیْضَۃً فِیْہِ کَانَ کَمَنْ اَدّٰی سَبْعِیْنَ فَرِیْضَۃً

فِيْمَا سِوَاهُ ۔ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ
ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ ۔ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ
يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ ۔ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ
صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ
رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ ۔ وَكَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِهٖ
مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئٌ
(الحدیث) اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ
اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ
مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ

عہ وتمام الحدیث قلنا یا رسول اللہ لیس کلنا یجد ما نفطر به الصائم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یعطی اللہ هذا الثواب من فطر صائما علیٰ مذقة لبن او تمرة او شربة من ماء ومن اشبع صائما سقاه اللہ من حوضی شربة لا یظماء حتیٰ یدخل الجنة وهو شهر اوله رحمة واوسطه مغفرة و آخره عتق من النار من خفف عن مملوکه فیه غفر اللہ له واعتقه من النار (رواه البیهقی) ۱۲

الشَّھْرَ فَلْیَصُمْہُ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا الخ

وعظ جمعہ اول ماہِ رمضان در تعلیم ضروریاتِ دین

فلسفہ و فضائلِ رمضان شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! اگر آپ کائناتِ عالم اور اس کے تغیرات پر ایک گہری نظر ڈالیں گے تو آپ کو قدرت کے ایک مخفی قانون کا پتہ چلے گا جو عالم کی ہر ایک شے میں کار فرما نظر آئے گا۔ وہ یہ کہ ہر چیز میں تین دَور گذرتے ہیں۔ ایک ابتدائی پھر درمیانی، پھر انتہائی جن میں سے درمیانی دَور اس کی ترقی و عروج اور شباب کا دَور ہوتا ہے۔ جمادات، نباتات، حیوانات کی طرح آدمی کے قویٰ آثار و عملیات اور جذبات پر بھی یہ قدرتی قانون کار فرما ہے۔ انسان کے جذباتِ خیر و شر ایک وقت جوش پر آتے ہیں۔ پھر ایک وقت سرد پڑ جاتے ہیں۔ اس جمود کے وقت اگر انسان کو عروج اور جوش پر لانے والے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں تو اس کے جذبات میں ایک تازہ روح پیدا ہو جاتی ہے، ورنہ منجمد شدہ جذبات بالآخر فنا ہو جاتے ہیں۔ جذباتِ انسانی کلّی طور پر دو قسم میں منقسم ہیں: جذباتِ خیر اور جذباتِ شر۔ جذباتِ شر کا مرکز انسان میں اس کا نفسِ امّارہ ہے اور جذباتِ خیر کا مرکز اس کی روح ہے۔ مادّی غذائیں قوائے نفسانی کو تقویت دے کر جذباتِ شر میں جوش و ہیجان پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں اور روحانی غذائیں روحانی قوتوں کو تقویت دے کر جذباتِ خیر میں جوش و عروج کے رونما ہونے کا باعث بنتی ہیں۔

مذہب کی ضرورت ہمیشہ سے دُنیا میں اسی لئے رہی تاکہ وہ انسان کے جذباتِ شر کو اعتدال پر قائم رکھے اور جذباتِ خیر کو ترقی دیتا رہے، جس سے انسان چین و امن کے ساتھ زندہ رہ کر اس وقت تک دُنیا کو معمور بنائے رکھے جب تک کہ خالق کائنات کو اس کا آباد رکھنا منظور ہو۔ پس ضروری تھا کہ ایک عالمگیر اور قیامت تک جاری رہنے والے مذہب کا مقنّن کائناتِ عالم اور خصوصاً انسانی زندگی کے ان تغیّرات اور جذبات کے عروج و زوال کو مدنظر رکھ کر ایسے اصول اُس مذہب میں قائم کرے جن سے جذباتِ شر سرد اور کم ہوتے رہیں اور جذباتِ خیر کی کمی اور جمود دُور ہو کر ان میں ہیجان اور جوش پیدا ہو۔ اسلام چونکہ دُنیا کے تمام مذاہبِ حقّہ میں سے قیامت تک باقی رہنے والا مذہب ہے۔ اس لئے اس کے اصول میں اس فطری اور مخفی قانون کو پوری پوری رعایت رکھی گئی ہے اور نفسِ انسانی کے جذباتِ شر کو منجمد اور کم کرنے یا ان کو اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے ایسے اصول وضع کئے گئے ہیں جن کو اختیار کرنے کے بعد لازمی طور پر یہ مقصود حاصل ہوتا ہے۔ یہ اصول وہی ہیں جو آپ آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کے سلسلہ میں اکثر سُن چکے ہیں اور باقی آئندہ انشاء اللہ سُن لیں گے۔ اسی طرح رُوحانی جذباتِ خیر کے انجماد کو دُور کرنے اور ان میں ہیجان و جوش پیدا کرنے کے لئے ایسے اصول وضع کئے گئے ہیں، جن سے یہ مقصد کامل طور پر حاصل ہوتا ہے۔ یہ اصول وہ ہیں جو عباداتِ اسلامیہ کے عنوان سے تعبیر کئے جاتے ہیں اور جس طرح خالقِ کائنات نے ہر ہر شئے کے جوش و عروج پر آنے کے اوقات مقرر کر دئے ہیں، اسی طرح روحانی عروج اور ترقی کو جوش پر لانے اور جذباتِ خیر میں نئی زندگی پیدا کرنے کے لئے بعض اوقات و ازمنہ کو متعین کر دیا ہے اور ان اوقات و ازمنہ میں ایسے اسباب مہیّا فرما دئے ہیں کہ جن سے روحانی جذبات میں ایک نیا

جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اسباب کچھ تو وہ ہیں جو صرف خالقِ فطرت کا عطیہ ہیں اور کچھ وہ ہیں جو خود انسان سے مہیا کرائے جاتے ہیں۔ چنانچہ یومِ جمعہ عشرۂ محرم، عشرۂ ذی الحج، لیلۃ البرأۃ، ماہ رمضانِ مبارک، شبِ قدر اور ایامِ عیدین کی جس قدر فضیلتیں، برکتیں احادیث میں بیان کی گئی ہیں، وہ سب قدرت کے ایسے عطیات ہیں، جن سے فائدہ اُٹھانے والے انسان کی روحانیت میں غیر معمولی تموج اور جوش پیدا ہوتا ہے اور ان اوقات میں جو عبادتیں فرض، واجب یا مسنون کی گئی ہیں، ان کے ذریعہ بندہ کی طرف سے ایسے اسباب مہیّا کرائے گئے ہیں، جن سے جذباتِ خیر کی فراوانی اور روحانیت میں ترقی پیدا ہو۔ پس جذباتِ خیر میں تموّج پیدا کرنے کے لئے خاص اوقات اور مہینوں کا مقرر کرنا عین قانونِ فطرت کے مطابق ہے۔ ان مقررہ زمانوں میں مخصوص فضائل و برکات کا عطا کیا جانا مذکورۂ بالا مقصد کے لئے اس قدر اہم ہے کہ اگر اسلام میں ان تعینات کے ساتھ یہ فضائل و برکات عطا نہ کئے جاتے تو آدمی اپنی روحانی ترقی کے بڑے اہم مواقع سے محروم رہ جاتا۔ عبادات و فضائل کے دیگر مخصوص اوقات و ازمنہ کی طرح ماہِ رمضان المبارک کی مخصوص عبادت روزہ، تلاوتِ قرآن اور تراویح وغیرہ ہیں اور اس کی تمام فضیلتوں اور برکتوں کا ایک بڑا فلسفہ یہ بھی ہے کہ بندہ کی عبادات اور بندہ پرور خُدا کی عنایات سے ایسے اسباب مہیّا کئے جائیں جن سے روحِ انسانی قوتِ ایمانی اور جذباتِ خیر کے جمود و خمود کو زائل کیا جائے اور ان میں نیا جوش، نیا ولولہ اور جذباتِ خیر کی نئی اسپرٹ پیدا کی جائے۔

دوستو اور بزرگو روحانیت کی تجدید و ترقی کا موسم عبادتِ الٰہی کا خاص سیزن، برکاتِ ربانی کا مخصوص زمانہ یعنی ماہ رمضان المبارک اپنی

بے شمار برکتوں کے ساتھ ہمارے لئے آپہنچا ہے۔ اس ماہ کی قدر کرو اور جس قدر تجارتِ آخرت کے اِس موسم میں جو کچھ کمایا جاسکے کمالو۔ اس ماہِ مبارک کی سب سے پہلی قدر و عزّت یہ ہے کہ روزے رکھو اور جو لوگ شرعی عذر یا اپنی بدبختی کی وجہ سے روزے نہ رکھیں وہ کھلم کھُلا سب کے سامنے قطعاً کچھ کھاتے پیتے نہ پھریں۔ دن میں ہوٹلوں کو بند کردیں اور اگر بند نہ کرسکیں تو کم ازکم پردے ڈال دیں کہ بدبختوں کی بداعمالی اور بے حیائی پر پردہ پڑا رہے۔ اے خُدا کے بندو! خُدا کے غصّہ اور غضب سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ ماہِ رمضان کی بے حرمتی کرنے سے اس کا غضب جوش میں آجائے اور وہ اپنی دی ہُوئی ساری نعمتیں تم سے چھین لے۔ یاد رکھو کہ خود رب العالمین نے اپنے پاک کلام میں اس ماہ کی عظمت بیان فرمائی ہے فرمایا کہ "رمضان ہی کا وہ (مبارک) مہینہ ہے جس میں قرآن کریم نازل کیا گیا ہے۔" یہ اندازِ بیان رمضان شریف کی بڑی عظمت ثابت کررہا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس ماہِ مبارک کی عظمت بیان فرمانے کے لئے ایک مستقل خطبہ ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شعبان کے آخری دن خطبہ دیا، جس میں ارشاد فرمایا کہ" اے لوگو تم پر ایک بہت بڑے عظیم الشان مہینے نے سایہ کیا ہے۔ وہ ایک مبارک مہینہ ہے۔ اس میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ نے اس کے روزے فرض قرار دیئے ہیں، اور اس کی راتوں میں عبادت کرنا نفل فرمایا ہے۔ جس نے اس ماہ میں کسی نیک عمل سے اللہ کا تقرب حاصل کیا تو اس عمل کا ثواب دوسرے مہینوں کے فرائض کے برابر حاصل ہوگا اور جس نے اس ماہ میں کوئی فرض ادا کیا تو اس کا ثواب اس شخص کے برابر ہوگا، جس نے دوسرے زمانے میں ستر فرض ادا کئے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا ثواب جنّت ہے۔ یہ غمخواری کا مہینہ ہے اس ماہ میں مومن کا

رزق بڑھا دیا جاتا ہے. جس شخص نے اس ماہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرایا تو یہ عمل اس کے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہوگا اور دوزخ سے اس کی گردن آزاد ہو جانے کا باعث بنے گا. افطار کرانے والے کو روزہ دار کے روزہ کے برابر ثواب ملے گا، مگر روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی نہ کی جائے گی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے ہر شخص تو اتنا نہیں پاتا کہ کسی کو افطار کرائے آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ ثوابِ عظیم اللہ تعالیٰ اس کو بھی عطا فرمائے گا جو کسی روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا کھجور یا پانی سے روزہ افطار کرادے، اور جو پیٹ بھر کر کسی روزہ دار کو کھلائے تو اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض سے پانی پلائے گا، جس کے بعد جنّت میں جانے تک پیاسا نہ ہوگا اور یہ ایسا مہینہ ہے کہ جس کا پہلا عشرہ رحمت ہے اور دوسرا عشرہ مغفرۃ ہے اور تیسرا عشرہ دوزخ سے آزادی کا ہے اور جس نے اپنے غلام پر اس ماہ میں تخفیف کی (یعنے ہلکا کام لیا) تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کردیگا اور دوزخ سے آزاد کردے گا (بیہقی) اس حکم میں ملازمین اور خدام بھی داخل ہیں. ان پر بھی کام میں تخفیف کرنی چاہیئے. دوستو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ زبردست خطبہ جس میں اللہ تعالیٰ کی بے حد وحساب عنایات کا انکشاف حضورؐ نے فرمایا ہے، آپ نے سُن لیا؟ اس خطبہ کے ہر ہر لفظ سے اس ماہِ مبارک کی فضیلت و عظمت ظاہر ہو رہی ہے اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس خطبہ سے مقصد ہے کہ تمام مسلمانوں کے قلوب میں اس ماہ کی عظمت و احترام پیدا ہو. پس اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقصد کو پورا کرو اور اس کی پوری پوری عزت کرو. اپنے اپنے گھروں اور محلوں میں روزہ نہ رکھنے والوں کو رمضان کی بے حرمتی کرنے سے مناسب طریقہ پر روکو اور رمضان کا احترام کرنے کی ترغیب دو اور اتنا باضابطہ احترام کرو کہ غیر مسلموں، ہندوؤں، عیسائیوں کو

سبھی معلوم ہو جائے کہ مسلمان اس ماہِ مبارک کا کس قدر احترام کرتے ہیں اور اپنے خدا کا کس قدر حکم مانتے ہیں کہ برابر ایک ماہ تک محض اس کے حکم کی وجہ سے دن میں نہ کچھ کھاتے نہ پیتے ہیں بلکہ بھوکے پیاسے رہ کر اپنے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں جناب ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دئے جاتے ہیں (متفق علیہ) ترمذی کی حدیث میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ ایک پکارنے والا (فرشتہ) پکارتا ہے کہ اے بھلائی تلاش کرنے والے آ اور اے بُرائی کا ارادہ کرنے والے ٹھہر جا اور اللہ کے لئے بہت لوگ رمضان کی برکت سے آزاد کئے ہوئے ہیں اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ ختم ہو جائے۔" سبحان اللہ کتنا بابرکت مہینہ ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس ماہ کا پورا پورا احترام کریں۔ نیز یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جس ماہ یا ایام میں جس قدر عبادت وطاعات کا ثواب زیادہ ہوگا، اسی قدر ان دنوں میں بُرے کاموں کا گناہ بھی زیادہ بُرا اور مذموم ہے۔ چنانچہ ابنِ عباسؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے، جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اور جس نے اس میں (یعنی رمضان میں) کوئی نشہ کرنے والی چیز پی یا کسی مومن پر غلط بہتان لگایا یا کوئی اور گناہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے سال بھر کے عمل ضبط کر دیں گے یعنی ان کا کوئی ثواب نہ دیا جائے گا۔ پس رمضان میں زیادتی (یعنی گناہ) کرنے سے ڈرو۔ اس لئے کہ وہ اللہ کا مہینہ ہے۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے گیارہ مہینے تنعم اور لذت حاصل کرنے کے لئے مقرر کر دئے ہیں اور رمضان کا مہینہ اپنی ذات کی عبادت

کے لئے) مقرر کیا ہے۔ پس ماہِ رمضان میں گناہوں سے بچو۔" (جمع الفوائد) میں خیال کرتا ہوں کہ ایک سچے مسلمان کے لئے اس قدر احادیث بیان کر دینا عظمتِ ماہِ رمضان کے سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے۔ (نوٹ :- اگر وقت ہو تو دعا سے پہلے ضمیمہ کا مضمون بھی پڑھیں جو حوض میں درج ہے)

اب خلوصِ قلب سے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو رمضان کی پوری پوری برکتیں اور فضیلتیں عطا فرمائے۔ اس کے فیوضات سے ہمیں مستفیض فرمائے۔ اس ماہ کی عبادتوں کا کامل اجر و ثواب عطا فرمائے۔ ہماری عبادتیں، روزے اور تراویح وغیرہ قبول فرمائے اور ہمارے گذشتہ تمام گناہوں کو اس ماہِ مبارک کی برکت سے معاف کر دے۔ اس ماہ میں اور اس کے بعد بھی تمام برے اعمال سے بچنے کی توفیق دے۔ روزہ رکھنے اور ہر قسم کی عبادتیں کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

ضمیمہ :- اب میں بعض ضروری مسائل بیان کرتا ہوں، جن کی عام طور پر ضرورت ہوا کرتی ہے۔ حاضرین غور سے سنیں۔ مسائلِ رویتِ ہلال۔ رمضان اور عید الفطر کا چاند دیکھنے والے معتبر آدمی خواہ مرد ہو یا عورت یا غلام پر جبکہ صرف اسی نے چاند دیکھا ہو واجب ہے کہ فوراً اس شب اپنے شہر کے لوگوں کو خبر کر دے۔ (درمختار) رمضان کے چاند کے لئے صرف ایک عادل (جو فاسق نہ ہو) عاقل، بالغ مسلمان کی خبر بھی کافی ہے، جبکہ مطلع صاف نہ ہو، لیکن عید الفطر کے چاند کے لئے دو عادل مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے اور جبکہ مطلع صاف ہو تو اس قدر آدمیوں کی شہادت ضروری ہے جن کی گواہی پر یقین یا ظنِ غالب

ے أَعُوذُ بِاللهِ الخ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ج فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ، بَارَكَ الخ

ہو جائے۔ شہادت دینے کا مطلب یہ ہے کہ یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں جگہ سے فلاں وقت بچشمِ خود چاند دیکھا ہے۔ چاند کی جو خبر خط سے یا تار سے یا ٹیلیفون وغیرہ سے ملے وہ معتبر نہیں۔ ہاں قاضی کا خط قاضی کو شرعی طور پر آئے تو معتبر ہے، لیکن اگر ٹیلیفون وغیرہ کی متواتر خبروں سے قاضی کو یقین ہو جائے تو وہ چاند ہونے کا حکم لگا سکتا ہے۔

مسائلِ روزہ :- ہر عاقل بالغ مسلمان پر رمضان کے روزے رکھنا فرض ہیں، لیکن بیمار، مسافر، حاملہ، مرضعہ (دودھ پلانے والی) اور مجاہد کو جائز ہے کہ ان عذروں کی وجہ سے خاص رمضان میں روزے نہ رکھیں بلکہ بعد میں قضا کر لیں۔ شیخ فانی کو روزہ کے بدلہ فدیہ دینا بھی جائز ہے۔ حائضہ کو روزہ رکھنا جائز نہیں۔ وہ بعد میں قضا رکھے۔ ہر روزہ کی نیت کرنا شرط ہے۔ نیت کا مطلب دل سے ارادہ کرنا ہے۔ لفظوں میں کہنا ضروری نہیں، لیکن زبان سے کہہ لینا بہتر ہے۔

مسنوناتِ روزہ :- زیادہ عبادت کرنا، سحری دیر سے کھانا، افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

روزہ توڑ دینے والے کام یہ ہیں :- قصداً کھانا پینا، جماع کرنا، حقنہ (انیما) کرنا، حقہ، سگریٹ وغیرہ پینا، ناس لینا، قصداً مُنہ بھر قے کرنا، کان میں تیل ڈالنا، ان سب کاموں سے روزہ بالکل ٹوٹ جاتا ہے۔

وہ کام جن سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے مگر ٹوٹتا نہیں :- بِلا عذر ذائقہ چکھنا کوئی چیز بِلا عذر چبا کر تھوک دینا، انزال ہونے کا ڈر ہو اور اس حال میں بیوی کا بوسہ لینا یا بغلگیر ہونا، دونوں مخصوص مقام کے علاوہ عورت کے دوسرے حصۂ بدن سے لذّت حاصل کرنا، کوئی ایسا کام کرنا، جس سے ضعف ہو کر

روزہ توڑنے کا خیال ہوجائے۔ ان سب کاموں کے کرنے سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں، لیکن مکروہ ہوجاتا ہے۔ وہ کام جن سے روزہ نہ ٹوٹتا ہے نہ مکروہ ہوتا ہے یہ ہیں۔ بھول کر کھانا پینا، جماع کرنا، بے اختیار حلق میں مکھی مچھر، دھواں، غبار کا چلا جانا، سر یا بدن میں تیل لگانا، سرمہ لگانا، احتلام ہوجانا، بغیر غسل کئے روزہ رکھ لینا، انجکشن کرانا، کان میں پانی چلا جانا، بے اختیار قے ہوجانا، خواہ کم ہو یا مُنہ بھر کر ہو، قے کا بے اختیار اندر چلا جانا، قصداً اتنی قے کرنا جو مُنہ بھر کر نہ ہو، ناک کا بلغم نگل جانا، خوشبو پھول وغیرہ سونگھنا، بعدِ زوال مسواک کرنا، سخت گرمی کی وجہ سے بار بار کُلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، نہانا، کپڑا تر کرکے بدن پر ڈالنا، ان تمام کاموں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (اکثر مسائل درمختار اور ردالمختار سے نقل کئے گئے ہیں)

خطبۂ جمعہ دوم ماہِ رمضان المبارک در تعلیم ضروریاتِ دین

بقیہ ارکانِ اسلام

رُکنِ سوم روزہ اور اُس کا فلسفہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَالْاِیْمَانِ ۝ وَفَتَحَ لَنَا اَبْوَابَ الْجِنَانِ فِیْ رَمَضَانَ ۝ اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ

سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ

رَسُوْلُہٗ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی

اٰلِہٖ ○ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ ○ اَمَّا

بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا

اَنَّ ھٰذَا شَهْرٌ عَظِیْمٌ شَهْرُ رَمَضَانَ ○

فَاسْعَوْا اِلٰی تَحْصِیْلِ بَرَکَاتِہٖ بِالصَّوْمِ

وَالطَّاعَاتِ وَالتَّنَزُّہِ عَنِ الْعِصْیَانِ ○

فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم کُلُّ عَمَلِ

ابْنِ اٰدَمَ یُضَاعَفُ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا

اِلٰی سَبْعِ مِاَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِيْ وَأَنَا أَجْزِيْ بِهٖ ؀ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِيْ ؀ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ ؀ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ ؀ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ ؀ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ ؀ وَإِذَا كَانَ صَوْمُ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ فَلْيَقُلْ إِنِّيْ امْرَءٌ صَائِمٌ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ[2] اُغْزُوْا تَغْنَمُوْا وَصُوْمُوْا تَصِحُّوْا وَسَافِرُوْا تَسْتَغْنُوْا ○ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ

---

[1] رواہ البیہقی ۱۲ [2] طبرانی اوسط من جمع الفوائد ۱۲

آمنوا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ ○ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

وعظِ جمعہ دُوم ماہِ رمضان دربیانِ تعلیمِ ضروریات دین

بسلسلۂ ارکانِ اسلام

رکنِ سوم روزہ اور اس کا فلسفہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت ! آپ کو یاد ہوگا کہ اس سے قبل مذہبِ اسلام میں انسان کی اجتماعی زندگی کے بنیادی اصول بیان کئے گئے تھے، جن میں سے پہلا اصول نماز اور دوسرا زکوٰۃ تھا، جن کو قدرے تفصیل کے ساتھ عرض کیا جا چکا ہے۔ آج کے وعظ میں اسلام کا تیسرا بنیادی اصول بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ عرض ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو ایک اور بہترین اصول کی تعلیم دی ہے جو علاوہ مذہبی اہمیت کے اپنی لاجواب اور جامع افادیت کے لحاظ سے بھی انسانی زندگی کیلئے نہایت اہم ہے۔ ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ ہم بلا کسی دنیوی وجہ اور غرض و غایت کے محض اپنے حاکمِ اعلیٰ کا احترام کرتے ہوئے ایک مہینے تک بھوکے پیاسے رہ کر اپنے شہنشاہ کے ساتھ وفاداری اور اطاعت گذاری کا ثبوت دیں۔ جس طرح سرکاری کالجوں میں امتحانات کے اوقات مقرر ہیں، اسی طرح دربارِ خداوندی سے بھی انسان کے صبر و ضبط اور

تعمیلِ حکم کے امتحان کا وقت اور مہینہ معیّن کر دیا گیا ہے اور یہ مہینہ رمضان المبارک کا ہے۔ اس ماہ میں محض احترام خداوندی کی وجہ سے فاقہ کشی اور ترکِ خواہشات کو روزہ کہتے ہیں۔ گو روزہ دیگر مذاہب میں بھی عبادت قرار دیا گیا ہے لیکن اس کی جو مکمل اور مفید صورت مذہبِ اسلام میں اختیار کی گئی ہے کسی دوسرے مذہب میں قطعاً نہیں ہے۔ کسی مذہب میں روزہ کا ایسا خوفناک تصوّر قائم کیا گیا ہے جو اکثر حالات میں انسانی زندگی ہی کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور بعض نے اتنا آسان کر دیا ہے کہ صرف چند غلّوں یا جنسوں کے علاوہ روزہ دار سب کچھ کھا پی سکتا ہے اور ایسے روزہ میں کسی صبر آزما حالت سے کوئی سابقہ ہی نہیں پڑتا۔ اس افراط و تفریط کے درمیان میں اسلامی روزہ ہے جس میں ہر طرح اعتدال کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔ غرض روزوں کی مدت نہ اتنی طویل ہے کہ عام حالات میں انسان اس کو برداشت نہ کر سکے، نہ اتنی کم ہے کہ روزہ سے پیدا شدہ انقلابی حالت مستحکم نہ ہو سکے۔ اسلام میں روزۂ رمضان کو اس کے بے شمار گہرے نتائج و فوائد کے لحاظ سے بنیادی اصول اور فرض کی جگہ دی گئی ہے تاکہ حکومتِ الٰہیہ کی رعایا کا کوئی فرد بھی اس اصول کے فوائد و برکات سے محروم نہ رہے۔ جس طرح بعض ترقی پسند خیر خواہ حکومتوں نے اپنے نظریہ اور حوصلہ کے مطابق جبری تعلیم کا قانون نافذ کر دیا ہے تاکہ تعلیمی برکات سے رعیت کا کوئی متنفس محروم نہ رہے۔ اس سے بڑھ کر اپنی لامحدود شفقت و رأفت کے ماتحت ارحم الرّاحمین نے روزہ کو فرضِ عین قرار دے کر اپنی پوری رعیت کو اس کے برکات سے نوازنا چاہا ہے۔ ایک طرف آپ اپنے احکم الحاکمین کی اس انتہائی رحمت اور نوازش و کرم کے برتاؤ کو دیکھئے اور دوسری طرف ان مغرب زدہ دماغوں کی ذہنیت کو دیکھئے جن کو روزہ ایک بلا وجہ فاقہ کشی اور ایک

بھاری مصیبت نظر آتی ہے اور ان صورتوں کو دیکھئے جن پر روزہ نہ رکھنے کی وجہ سے پھٹکار برس رہی ہے۔ مغربی تقلید نے ہمارے دماغوں میں اس قدر تنگ خیالی پیدا کردی ہے کہ ہمیں خواہشاتِ نفس کے خلاف کسی مذہبی چیز میں کوئی خوبی ہی نظر نہیں آتی۔ حالانکہ روزہ کے فوائد اس قدر ظاہر ہیں کہ ذرا سے فکر سے انسان ان کو معلوم کرسکتا ہے۔ بزرگو اور دوستو! روزہ کو جس پہلو سے بھی دیکھئے مفید ہی مفید ہے۔ روزہ سیاسی اعتبار سے بھی ایک ترقی پسند قوم کے لیے اس لئے مفید ہے کہ اس میں بلا کسی ظاہری وجہ معلوم کئے محض حکمِ حاکم کی تعمیل کے لئے بھوکے، پیاسے اور تکلیف سہنے کی عادت پڑتی ہے اور کامل طور پر اطاعت امیر ترقی کی سب سے پہلی کڑی ہے۔ جس قوم میں یہ چیز نہ ہوگی وہ کبھی ترقی نہ کرسکے گی خواہ کتنی ہی متمول اور قوی ہو۔ مسلمانوں کو روزہ کے ذریعہ اللہ یا اللہ کے خلیفہ کے ہر حکم کے سامنے کامل اطاعت اور اپنی ضروری اور لابدی خواہشات کو بھی چھوڑ دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ فوجی اور سپاہیانہ نقطۂ نظر سے بھی روزہ ایک اولوالعزم قوم کے لئے بہترین ذریعہ تربیت ہے، اس لئے کہ محاذِ جنگ پر گھنٹوں بھوکے پیاسے رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنا اور مٹھی بھر چنے وغیرہ پر پورا پورا دن گذارنا پڑتا ہے۔ جو قوم روزہ رکھنے کی عادی ہوگی وہ ایسے نازک موقع پر پوری ہمّت سے کام کرسکے گی اور بھوک و پیاس اس کی جرأت و ہمّت کو کم نہ کرسکے گی۔ اقتصادی لحاظ سے بھی روزہ مفید ہے اس لئے کہ روزہ رکھ کر دن میں دو یا تین وقت کا کھانا وغیرہ بچتا ہے اور اپنی خواہشِ نفس کو روک کر بچت اور پس انداز کرنے کی تعلیم ملتی ہے۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ سب فوائد تو ہمیں حاصل نہیں ہوتے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اگر دوا صحیح طریقہ پر استعمال نہ کی جائے اور مریض کو فائدہ نہ ہو تو یہ کس کا قصور ہے؟ دوا کا یا مریض کا؟ ہم دو وقت کی خوراک ملتوی کرکے شب میں جس قدر کھانے کی کوشش اور اہتمام کرتے ہیں

یہ روزے کے تمام فوائد پر پانی پھیر دیتا ہے۔ اس میں روزے کا کیا قصور اور
سنئے اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی روزہ بے حد مفید ہے، کیونکہ خود بھوکے پیاسے رہ کر
ہی دوسرے کی بھوک پیاس کی تکلیف کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور قلب میں ہمدردی
وغمخواری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ماہِ رمضان کو شَھرُ المُوَاسَاۃ یعنی غمخواری کا مہینہ فرمایا ہے۔ اس مختصر لفظ
میں دراصل آپ نے رمضان کے ظاہری فلسفہ کو گہرے طور پر بیان فرما دیا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ ہر روزہ دار کے روزہ کا ماحصل اور خلاصہ کم از کم یہ ہونا چاہئے
کہ روزوں سے اس کی طبیعت میں قومِ مسلم کے ہر کمزور وضعیف اور مفلس و نادار
فرد کے ساتھ ہمدردی وغمخواری اور اعانت و امداد کے جذبات پیدا ہو جائیں۔
اگر روزہ رکھ کر بھی کسی کی طبیعت میں یہ جذبات پیدا نہ ہوئے تو سمجھ لیجئے کہ
اس کے ہاتھ میں بادام کا صرف چھلکا رہا اور مغز جاتا رہا۔ اے معزز حاضرین کیا
میں امید کروں کہ آپ روزہ کا صرف چھلکا نہیں بلکہ اس کا مغز بھی حاصل کرنے
کی کوشش کریں گے؟ اچھے اخلاق میں سے ایثار ایک بہت بلند اور عظیم
الشان خلق ہے جو انبیاء علیہم السلام اور اکثر اولیاء کرام میں پایا جاتا ہے لیکن
رحیم وکریم خدا نے روزہ کے ذریعہ ہر مسلمان کو ایثار کی تعلیم دی ہے تاکہ کوئی
مسلم بھی اس عمدہ خلق سے محروم نہ رہے۔ ایثار کا مطلب یہ ہے کہ اپنی
حاجت اور سخت ضرورت روک کر دوسرے کی حاجت پوری کرنا، ماہِ رمضان
میں ہم کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ خود تو بھوکے رہو اور دوسروں کے ساتھ
غمخواری کرو۔ جس قدر سخاوت اور بخشش کی جاسکے کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے صحابہ نے اسی طرح روزہ رکھ کر انتہائی سخاوت اور بخشش
کا عملی نمونہ ہمارے لئے قائم کیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آپ

رمضان شریف میں ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوتے تھے، یعنی ہوا جس طرح ہر خاص وعام کو ہر وقت فائدہ پہنچانے کے درپے ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ حضور دوسروں کی غم خواری اور اعانت وامداد میں مصروف رہتے تھے۔ یہی چیز روزہ رکھ کر ہم میں نمایاں ہونی چاہیے۔ اخلاقی اعتبار سے روزہ اس لئے بھی مفید ہے کہ روزہ سے شہوانی قوت کمزور ہو کر نفس کا رجحان گناہوں یا بداخلاقیوں کی طرف نہیں رہتا یا کم ہو جاتا ہے۔ روزہ روحانی ترقی کے اعتبار سے بھی مفید ہے۔ اس لئے کہ روزہ میں روح انسانی مادی آلودگیوں سے محفوظ رہ کر عبادت کی روحانی غذاؤں سے تقویت پا کر اپنے مبداء فیاض کی طرف پورے طور پر ترقی اور عروج کرتی ہے اور وہاں سے ربانی فیوضات حاصل کرتی ہے اور عالم امر سے اس کا تعلق نہایت قوی ہو جاتا ہے۔ گویا روزہ کے ذریعہ روحانیت کے پاور ہاؤس سے مضبوط کنکشن قائم ہو کر روح زیادہ سے زیادہ کرنٹ حاصل کرتی ہے اور اس میں ایک نئی طاقت پیدا ہو جاتی ہے جس سے کارخانہ روحانیت کا ہر پرزہ متحرک ہو کر بہترین طریقہ پر روحانی ضرورتوں اور کاموں کو انجام دینے لگتا ہے۔ روزہ جسمانی صحت کے لحاظ سے بھی بے انتہا مفید ہے۔ اس سائنس اور عقل پرستی کے زمانہ میں تو یہ مسئلہ اس قدر صاف اور منقح ہو چکا ہے کہ اب کسی کو مجال انکار ہی نہیں رہا۔ یونانی اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ ۹۵ فی صدی امراض جسمانی مختلف قسم کی رطوبت کی زیادتی سے پیدا ہوتے ہیں جو معدہ اور دماغ میں جمع ہو جاتی ہیں اور جن کا علاج یہی ہے کہ دواؤں کے ذریعہ ان کو قابل اخراج بنا کر مسہل کی ادویہ سے نکالا جاتا ہے، لیکن روزہ اور فاقہ کشی خود بخود ان رطوبات کو فنا کر دیتی ہے۔ اب ڈاکٹروں کی شہادت سنئے۔ ڈاکٹر جان ہینف امریکی

لکھتا ہے کہ "انسان کو علاج الامراض کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جن چیزوں نے حیران اور بے سمجھ بنا رکھا ہے، وہ کرشمۂ قدرت ہے۔ امراض دور کرنے کے لئے سب سے زیادہ حیرت انگیز اور پُرتاثیر اگر کوئی چیز ہے تو وہ فاقہ کشی روزہ یا برت ہے جو قدیم زمانے سے انسانوں کے تقریباً ہر گروہ میں پایا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ روزہ انسان کو جسمانی تندرستی اور بہبودی کا عمدہ پھل پیش کرتا ہے کہ اگر اس کے فوائد کو آب زر سے لکھا جائے تو بجا ہے۔" جارج جانسٹن کا تجربہ ہے کہ جو لوگ فاقہ کشی کر سکتے ہیں ان میں قوتِ برداشت کمال درجہ کی آجاتی ہے اور انھیں موت سے دوچار ہو جانے کی خاص طاقت حاصل ہو جاتی ہے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ کوئی غیر معمولی روحانی قوت ان میں پیدا ہو جاتی ہے۔" ڈاکٹر جان ہیڈن لکھتے ہیں کہ اگر لوگوں پر روزہ کی اہمیت واضح ہو جائے اور وہ کم از کم ایک دن فی ہفتہ فاقہ کر سکیں اور باقی چھ روز بھی اصولِ حفظانِ صحت پر عمل کریں تو ان کی تندرستی قابلِ رشک ہو جاتی ہے۔ سامعین اس موقعہ پر یاد کیجئے کہ ہمارے حضور صلعم ہفتے میں دو روزے پیر و جمعرات کو اکثر رکھا کرتے تھے اور یہ مستحب ہے۔ شکاگو یونیورسٹی کے شعبۂ افعال الاعضاء میں جو تجربات کئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوا ہے کہ دو ہفتے کے روزے سے عضوی اعتبار سے چالیس سالہ آدمی کے جسم کے ریشے عارضی طور پر ایک تیرہ سالہ لڑکے کے ریشوں کی طرح ہو جاتے ہیں۔ گویا اعادۂ شباب کا بہترین نسخہ روزہ رکھنا ہے۔ ایک دوسرے ڈاکٹر مارگولیس نے اپنے کیمیاوی تجربات سے جو سب سے اہم نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ "بعض لوگوں کا خیال ہے کہ روزہ اور فاقہ انسان کے لئے مضر ہے بالکل غلط ہے۔" اس کی قطعی رائے ہے کہ "فاقہ اور روزہ انسان کے لئے مضر نہیں بلکہ سود مند اور نفع بخش ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ روزہ سے فاسد جسمانی مادہ

جل جاتا ہے۔ بعض اعضا میں بظاہر کم طاقتی ضرور پیدا ہو جاتی ہے مگر وہ مضر نہیں بلکہ نئی طاقت کی بشارت ہے، کیونکہ بہت جلد گئی ہوئی طاقت کا اعادہ ہو جاتا ہے۔" روزہ میعادی بخاروں اور بدہضمی کا بہترین علاج ہے۔" میں کہتا ہوں کہ ذیابیطس کے مرض میں بھی روزہ کے مفید اثرات اہل طب عرصہ سے مانتے چلے آئے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف لکھتے ہیں کہ "یہ (یعنی روزہ) بچوں کی طاقت میں اضافہ کرتا ہے۔ حواس میں تیزی اور ذکاوت بھی اس سے پیدا ہو جاتی ہے۔ روزہ داروں کی سماعت اور بصارت دونوں قابلِ ذکر طور پر تیز ہو جاتی ہیں، جسم کی جلد بچوں کی جلد کی طرح چکنی اور صاف ستھری ہو جاتی ہے۔" ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ "جنگِ عظیم کی کش مکش نے جگر ومعدہ اور آنتوں کے بہت سے مریضوں کو تندرست کر دیا۔ جنگ سے پہلے جرمنی میں ذیابیطس اور گھٹیا کے مریضوں کا بہت زور تھا، کیونکہ اس وقت خوش خوراکی ہی زندگی کی واحد دلچسپی بنی ہوئی تھی، لیکن جب ان لوگوں کو دورانِ جنگ میں لگی بندھی خوراک ملنے لگی اور قوائے عمل بھی ذرا حرکت میں آئے تو ان امراض کا تناسب نہ صرف برابر ہو گیا بلکہ بہت حد تک کم ہو گیا۔" [1]

مسلمانو! یہ تجربات جو آج نئے ہیں، اسلام میں ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ہی ثابت و محقق ہو چکے ہیں۔ چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں چند جملے ارشاد فرمائے ہیں، جن میں سے ہر جملہ ایک ایک فن میں آپؐ کی انتہائی مہارت کا پتہ بتا رہا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اُغْزُوْا تَغْنَمُوْا یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرو تو مالِ غنیمت حاصل کرو۔ یہ فقرہ آپ کی روحانی، اقتصادی اور سیاسی مہارت پر دلالت کرتا ہے۔ پھر فرمایا۔ وَصُوْمُوْا تَصِحُّوْا اور

---

[1] ترجمہ مضمون جان ہیڈن شائع شدہ "ہمدردِ صحت" ماہِ نومبر ۱۹۳۳ء

روزہ رکھو تو صحت حاصل کرو گے۔ یہ جملہ آپ کی طبّی اور معاشی خداداد قابلیت ثابت کر رہا ہے۔ پھر فرمایا کہ وَسَافِرُوْا تَسْتَغْنُوْا یعنی سفر کرو تو مالدار ہی حاصل کرو گے (طبرانی اوسط) یعنی حرکت میں برکت ہے اور تنگدستی کی قید سے چھٹکارے کی بہترین تدبیر سفر ہے۔ یہ جملہ اقتصادی مشکلات کا بہترین حل ہے۔ سُبحان اللہ ہمارے نبی عربی صلّی اللہ علیہ وسلم میں اُمیت کی بھی عجیب شان ہے کہ جو عقدے بڑے بڑے عقلاء برسوں کے تجربات سے بھی حل نہ کر سکے وہ آپ نے کس آسانی سے حل فرما دئے۔ سچ ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ یعنی آپ کے تمام ارشادات محض وحیِ الٰہی ہیں۔ غرضیکہ عقل و نقل دونوں سے ثابت ہوا کہ دراصل روزہ صحت کی گارنٹی ہے۔ معزز حاضرین اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ اور آپ کے بچے ہلکے پھلکے چست و چالاک اور مضبوط رہیں تو روزے رکھیے اور اولاد سے رکھوائیے۔ ماہِ رمضان کے روزوں سے جسم کا پورا تنقیہ ہو جائے گا۔ بعدِ رمضان اگر ہر ہفتہ ایک یا دو روزے اور رکھ لیا کریں تو آپ کی اور بچوں کی صحت قابلِ رشک ہو جائے گی۔ وہ ماں باپ نہایت ناسمجھ اور بچہ کی صحت کے دشمن ہیں جو اولاد سے کہتے ہیں کہ "بیٹا روزہ مت رکھو کمزور ہو جاؤ گے"۔ یہ جملہ ایسا ہی غلط ہے، جیسے کوئی کہے کہ "ورزش مت کرو ورنہ تم بیمار ہو جاؤ گے"۔ جس طرح ورزش کرنا آدمی کو تندرست بنا دیتا ہے ٹھیک اسی طرح روزے رکھنا انسان کو قوی ہیکل اور مضبوط بنا دیتا ہے، لیکن یہ بھی یاد رکھئے کہ روزے کے جس قدر مادی فوائد بیان کئے گئے ہیں یہ سب مقصود بالذّات نہیں ہیں، اس لئے روزہ دار کو ان فوائد کے حاصل ہونے کی نیت سے روزہ نہ رکھنا چاہئے ورنہ ثواب حاصل نہ ہوگا۔ روزہ محض تعمیلِ حکمِ خداوندی کے مقصد سے رکھنا چاہئے۔ تبعاً یہ سب مادّی فوائد بھی حاصل ہو جائیں گے۔ صحیح حدیث میں حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس نکتہ

کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (بخاری) یعنی جس نے رمضان کے روزے بحالتِ ایمان ثواب حاصل کرنے کی غرض سے رکھے تو اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔" اس حدیث میں لفظِ اِحْتِسَابًا اس نکتہ کو واضح کر رہا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جانا چاہئے کہ بلا عذر روزہ نہ رکھنا بڑا سخت گناہ ہے اور رکھ کر توڑ دینا تو اس قدر زبردست گناہ ہے کہ شریعت میں ایک روزہ کے توڑ دینے کی سزا یہ تجویز کی گئی ہے کہ اگر وہ مواخذۂ خداوندی کی گرفت سے بچ جانا چاہتا ہے تو اس ایک روزہ کے عوض ساٹھ روزے متواتر رکھے۔ بیچ میں سلسلہ نہ ٹوٹے۔ غور کیجئے کہ کتنی سخت سزا ہے۔ پس اے نیک والدین آپ کو چاہئے کہ آپ اپنی بالغ اولاد کو روزہ کا عادی بنائیں اور نہ رکھنے پر اپنی بساط کے موافق تنبیہ کریں اور کسی صورت میں بھی بلا عذرِ شرعی محض اسکولی تعلیم وغیرہ کی وجہ سے روزہ رکھنے سے ہرگز منع نہ کریں، ورنہ منع کرنے کا سخت در سخت گناہ[1] ہوگا۔ اور اے شریف اور نیک بخت جوانو! تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ بالغ ہونے کے بعد تمام احکامِ خداوندی کے تم مکلف ہو چکے ہو۔ اپنے بھلے بُرے کے ذمہ دار تم خود بن چکے ہو، لہٰذا ہرگز اپنے نادان ماں باپ کے منع کرنے سے رمضان کے روزے نہ چھوڑو اور اپنے احکم الحاکمین کی پوری پوری تابعداری کرو۔ روزے کے اکثر فوائد آپ کو معلوم ہو چکے، لیکن انجام بینی اور عاقبت اندیشی کے لحاظ سے روزۂ رمضان کس قدر مفید نتائج پیدا کرتے ہیں۔ آج کی مجلس میں مضمون طویل ہو جانے کی وجہ سے میں اس پہلو کو آپ کے سامنے واضح طور پر بیان نہیں کر سکا، حالانکہ ایک سچے مسلمان کے لئے روزہ کا یہی پہلو سب سے زیادہ اہم اور

---

[1] ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۱۲

مقصود بالذات ہے اور اس کو سننا ہر مسلمان کے لئے نہایت ضروری چیز ہے۔
اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جمعہ میں اس کی وضاحت بیان کروں گا۔ اب دعا
فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم ماہِ رمضان المبارک
کا پورا احترام کرتے ہوئے اس کے روزے نہایت ذوق شوق سے رکھیں اور گذشتہ
گناہوں کو رمضان کی برکت سے معاف کردے۔ آمین یا رب العالمین بجاہِ سید
المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا
کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ سوم ماہِ رمضان المبارک در تعلیم ضروریاتِ دین

فضائلِ روزہ و تراویح

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَ اَیَّامَ رَمَضَانَ بِالصِّیَامِ ۝
وَنَوَّرَ لَیَالِیَہٗ بِالْقِیَامِ ۝ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ
اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہُ الْمَلِکُ
الْعَلَّامُ ۝ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا
مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ سَیِّدُ الْاَنَامِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الْكِرَامِ ○

اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ

مِنْ وَظَائِفِ رَمَضَانَ ○ صِيَامَ نَهَارِهٖ وَ

قِيَامَ لَيَالِيْهِ بِالصَّلٰوةِ وَالْقُرْاٰنِ ○ فَقَدْ قَالَ[1]

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ صِيَامَ

رَمَضَانَ وَسَنَنْتُ لَكُمْ قِيَامَهٗ ؛ فَمَنْ

صَامَهٗ وَقَامَهٗ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا خَرَجَ

مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ ○ وَقَالَ[2]

اَيْضًا اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ مَا لَمْ يَخْرِقْهَا ، قِيْلَ

بِمَ يَخْرِقُهَا قَالَ بِكِذْبٍ اَوْ غِيْبَةٍ ○ وَقَالَ[3]

اَيْضًا اِنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ

ع[1] نسائی ۱۲ ع[2] بخاری ۱۲ ع[3] کذا یستفاد من روایات الصحاح الست التی وردت فی العشر الآخر ۱۲

فَلَيْسَ بِهٖ حَاجَةٌ فِىْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ ○ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِىْ رَمَضَانَ مَا لَا يَجْتَهِدُ فِىْ غَيْرِهٖ وَاِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ الْاٰخِرُ اَحْيَى اللَّيْلَ وَ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ وَجَدَّ وَشَدَّ الْمِئْزَرَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ يَا اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ نِصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ سوم ماہِ رمضان المبارک در تعلیم ضروریاتِ دین

فضائلِ صوم و تراویح

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى۔ اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! ماہ رمضان کی مخصوص عبادت روزہ، تراویح اور تلاوت قرآنِ کریم ہے۔ روزہ کے بعض مادی فوائد گذشتہ جمعہ میں بیان ہو چکے ہیں لیکن عاقبت بینی کے لحاظ سے اس کے فوائد بیان کرنا باقی رہ گیا، جن کو آج پیش کیا جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے مابعد الموت اپنے انجام کا خیال کرنا اور اس کی بہتری کے لئے جدوجہد کرنا اولین فرض ہے۔ روزہ اس فرض کی ادائیگی میں مسلمان کا بہترین معاون اور مددگار ہے۔ اس لئے کہ روزہ اس کو آخرت میں بڑے بڑے درجات، بہترین ثواب و عطیات اور مختلف گناہوں کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کا وسیلہ اور بہترین ذریعہ ہے، جیسا کہ احادیثِ صحیحہ باآوازِ بلند اس کا اعلان کر رہی ہیں چنانچہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[1] ہے کہ ابنِ آدم کے ہر عمل کی نیکی دس سے لے کر سات سو گنا تک بڑھ جاتی ہے (لیکن) اللہ تعالیٰ نے فرمایا مگر روزہ، کیونکہ وہ صرف میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔ وہ (یعنی بندہ) اپنی خواہش اور کھانا پینا میری وجہ سے چھوڑتا ہے (للستہ) پہلے حدیث کے اس ٹکڑے کی شرح سُن لیجئے۔ باقی ترجمہ بعد میں عرض کروں گا۔ تشریح یہ ہے کہ حکومتِ الٰہیہ میں نیکیوں پر عطاءِ ثواب کا عام قانون[2] یہ ہے کہ اکثر حالات میں ایک نیکی کے بدلے میں دس سے سات سَو نیکیوں کا ثواب ملتا ہے، لیکن عطاءِ الٰہی سات سو تک ہی محدود نہیں بلکہ بعض اوقات اس سے بھی زیادہ ملتا ہے[3] اور یہ زیادتی بے حساب ہوتی

---

[1] یہ حدیث خطبۂ دوم میں ماہِ رمضان میں درج ہے۔

[2] لقولہ تعالیٰ مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ الخ

[3] لقولہ تعالیٰ واللہ یضاعف لمن یشاء

ہے، کیونکہ اس کی کوئی حد بیان نہیں کی گئی، تاہم اس زیادتی کا اندازہ اس حدیث سے کیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جو کچھ حلال مال سے صدقہ کرتا ہے اور اللہ حلال ہی کو قبول کرتا ہے تو رحمٰن اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ اگرچہ وہ ایک کھجور ہی ہو۔ پس وہ بڑھتا ہے رحمٰن کی ہتھیلی میں یہاں تک کہ پہاڑ سے اور بعض روایات میں ہے کہ احد پہاڑ سے (بھی) بڑا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ تم میں سے کوئی اپنے بچھڑے کو پرورش کرتا ہے (اور بڑھاتا) ہے" (مسلم) معلوم ہوا کہ ایک کھجور کا اجر و ثواب بوجہ خلوص پہاڑ کی برابر ہو جاتا ہے۔ اب غور کیجئے کہ ایک پہاڑ میں کس قدر کھجوریں بن سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ کھجور کی برابر اگر پتھروں کے ٹکڑے بنائے جائیں تو اس قدر بنیں گے جن کا شمار کرنا بھی محال ہوگا۔ بس اب سمجھ لیجئے کہ ایک کھجور صدقہ کرنے کا ثواب بھی بے حد و بے حساب کھجوریں صدقہ کرنے کی برابر ملے گا، مگر ایک نیکی پر اس قدر ثواب ملنے کا دارومدار نیّت اور خلوص پر ہے، جس کے صدقے میں جس قدر زیادہ خلوص ہوگا، اسی قدر زیادہ اُس کا ثواب بڑھتا چلا جائے گا، یہاں تک کہ شمار میں بھی نہ آسکے۔ ثواب کی بڑھوتری کا یہ حساب تو اُن صدقات اور حسنات کے لئے مقرر ہے، جن کا ثواب فرشتوں کے ذریعہ سے دلایا جائے گا، لیکن روزہ مسلمان کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس کا اجر و ثواب مولیٰ تعالیٰ جل شانہٗ بذاتِ خود عطا فرمائیں گے، اس لئے کہ روزہ عموماً صرف خدا ہی کے حکم کی تعمیل کے لئے رکھا جاتا ہے اور عادتاً اکثر اور کوئی دوسرا مقصد ریاء و نمود وغیرہ شامل نہیں ہوتا

اب غور کیجئے کہ جب فرشتوں کے ذریعے دلایا ہوا اجر اتنا ہوگا جس کا شمار محال ہے تو جب شہنشاہ احکم الحاکمین بذاتِ خود کسی کو دینے لگیں گے تو وہ کس قدر ہوگا۔ قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے انعام دیتا ہے تو اس کی مقدار ملازمین کے ذریعہ تقسیم کئے ہوئے انعامات سے ضرور زیادہ ہوتی ہے۔ اس مختصر تشریح سے یہ نتیجہ نکلا کہ روزہ ایسی عبادت ہے جس کا ثواب بے شمار و بے حساب ہوگا۔ مولیٰ تعالیٰ کی صفت جود وسخا غیر محدود ہے تو اس کے مظاہر بھی غیر متناہی ہوں گے اور ہم کو اپنے مولیٰ تعالیٰ کے کرم وفضل سے اس کی امید رکھنا بالکل بجا ہے۔ اب میں اس حدیث کے باقی حصہ کا ترجمہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ روزہ دار کے لئے دو فرحت ہیں۔ ایک افطار کے وقت اور دوسری (آخرت میں) اپنے پروردگار کی ملاقات کے وقت (ہوگی) اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی ہے اور روزہ ڈھال ہے دوزخ سے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو اسے چاہئے کہ نہ فحش بکے اور نہ بیہودہ چلاوے اور اگر روزہ دار کو کوئی گالی دے یا اس سے جنگ کرے تو کہہ دے کہ میں تو روزہ دار آدمی ہوں۔ (بیہقی) یعنی جواب دے سکتا ہوں مگر روزہ کے احترام کی وجہ سے جواب نہیں دیتا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جنت میں ایک (خاص) دروازہ ہے جس کا نام ریّان ہے روزہ دار اسی دروازے سے بلائے جائیں گے۔ پس جو روزہ دار ہوگا، وہی داخل ہو سکے گا اور جو اس میں داخل ہوا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ (شیخین) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ روزہ داروں کے اعزاز میں ایک خاص گیٹ تیار کیا گیا ہے۔ جس کا نام ہی سیرابی کا دروازہ ہے۔ سبحان اللہ روزہ دار خدا کے لئے کتنے پیارے بندے ہیں۔ کہ فرشتے بھی ان کے لئے دعا کرتے ہیں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

جب روزہ دار کے سامنے روزہ توڑنے والی اشیاء کھائی جاتی ہیں تو اللہ کے فرشتے اس کے لئے دعاءِ رحمت کرتے ہیں (ترمذی) کیونکہ یہ خدا کے حکم پہ ثابت قدم رہا جبکہ لوگ بے صبر ہو رہے ہیں۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (تو) رمضان کے روزے فرض کیئے اور میں نے اس میں قیام کرنا (یعنی نوافل وتراویح) مسنون کیا۔ پس جو رمضان میں روزے رکھے اور رات کو عبادت میں کھڑا رہے ایمان کی حالت میں ثواب حاصل کرنے کی نیت سے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسے آج ہی اس کی ماں نے جنا ہو (نسائی) یعنی جیسے معصوم بچہ گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ روزے اور قرآن بندے کے لئے سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا کہ اے رب میں نے اس کو دن میں کھانے اور خواہشات پورا کرنے سے روکا تھا۔ پس میری شفاعت قبول کر اور قرآن کہے گا کہ میں نے رات میں سونے سے اس کو روکا ہے۔ پس میری شفاعت قبول کر۔ پھر دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی (بیہقی) آپ نے دیکھا کہ روزہ بعد الموت عاقبت بینی کے لحاظ سے ایک مسلمان کے لئے کس قدر مفید اور کتنا معین و مددگار رہے مگر روزہ دار کے یہ فضائل اور روزہ کی یہ سفارشیں اسی وقت حاصل ہوں گی جبکہ روزہ اور نماز مکمل طور پر ادا کی جائیں اور بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہو جائیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ ڈھال ہے دوزخ کی جب تک اسے پھاڑا نہ جائے عرض کیا گیا کس چیز سے پھاڑا جاتا ہے۔ فرمایا جھوٹ اور غیبت سے (نسائی) نیز آپ نے فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ہیں جن کے روزہ کا ماحصل اور نتیجہ (صرف بھوک اور پیاس ہے اور بہت سے رات کی نماز پڑھنے والے ہیں، جن کی نماز کا نتیجہ صرف کھڑا ہونا اور جاگنا ہے" (جمع) یعنی سوائے مشقت کے اور کچھ حاصل نہیں۔ دوستو اور بزرگو! یہ مقام روزہ داروں کے لئے بڑا مشکل ہے۔

اس لئے کہ اگر روزہ کی مشقت اٹھائی اور کچھ بھی نہ ملا تو یہ بڑی محرومی کی بات ہے لہٰذا اپنے روزوں کو کامل اور مکمل بنانے کی فکر پہلے سے کرنی چاہئے جس کا طریقہ یہ ہے کہ روزہ کے تین درجے ہیں. ان میں سے آپ تیسرے یا کم از کم دوسرے درجہ کا روزہ رکھنے کی کوشش کریں تو آپ کا روزہ کامل و مکمل ہوگا اور اب پورا پورا اجر ملنے کی قوی توقع ہوگی۔ روزہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی فرض یا نفل روزہ کی نیت سے کھانے پینے اور جماع سے دن بھر رکا رہے اور یہ ادنیٰ درجہ کا روزہ ہے. دوسرا درجہ یہ ہے کہ کھانے پینے اور جماع سے رکنے کے علاوہ آنکھ ناک، کان، زبان، ہاتھ، پیر اور تمام اعضاء کو تمام گناہِ کبیرہ و صغیرہ سے روکے رہنا، یہ دوسرے درجہ کا روزہ ہے اور پہلے درجہ سے ہزار گنا زیادہ فضیلت والا ہے، یہ صالح اور نیک مومنین کا روزہ ہے اور بارگاہِ قدوس میں ایسے روزہ کے قبول ہونے کی قوی امید ہے. تیسرا درجہ یہ ہے کہ کھانے پینے جماع سے رکنے اور تمام اعضا کو گناہوں سے روکنے کے علاوہ دل کو بھی دنیوی ارادوں اور فکروں سے روکنا، اس طرح کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی خیال ہی قلب میں نہ آنے. یہ درجہ روزہ کا سب سے اعلیٰ کامل اور مکمل ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کا روزہ ہے. بس ہمیں چاہئے کہ ہم کم از کم دوسرے درجہ کا روزہ رکھنے کی کوشش کریں۔

ماہِ رمضان کی دوسری مخصوص عبادت نمازِ تراویح میں قرآن کریم پڑھنا اور سننا ہے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے رمضان کی راتوں میں قیام کیا (یعنی نمازِ تراویح پڑھی) بحالتِ ایمان برائے طلب ثواب تو اس کے تمام گناہ بخش دئے جائیں گے (مسلم) معلوم ہوا کہ پچھلے گناہوں کی نجاست سے پاک ہونے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ مسلمان دن میں روزہ رکھے اور رات کو نمازِ

تراویح نہایت ذوق و شوق سے ادا کیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیگر مہینوں کی بہ نسبت رمضان کے اندر عبادت میں بہت زیادہ کوشش فرمایا کرتے تھے اور رمضان کے دوسرے عشروں کی بہ نسبت آخری عشرہ میں اور بھی زیادہ عبادت میں کوشش فرمایا کرتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ جب عشرہ آخر شروع ہوتا تو آپ تمام شب بیدار رہتے تھے اور اپنے گھر والوں کو جگاتے اور عبادت کے لئے کمربستہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور صائب بن یزید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیس رکعت اور وتر پڑھا کرتے تھے۔ اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے، اور علامہ سبکیؒ اور امام نوویؒ نے اس کی تصحیح کی ہے اور بھی بہت سے آثار سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانوں میں قیام رمضان یعنی نماز تراویح بیس ہی رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ اسی پر ائمہ احناف کا عمل ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ پر صاف ہو چکا ہے۔ یہاں اس کی مزید گنجائش نہیں۔

بزرگو اور دوستو! نمازِ تراویح ادا کرنا مردوں اور عورتوں کے لئے سنتِ مؤکدہ ہے۔ کیونکہ تینوں خلفاءِ راشدینؓ نے اس پر مواظبت کی ہے اور صحابہ کا عملاً اس پر اجماع ہے اور تراویح کی جماعت مستحب ہے اور تراویح میں ایک ختم قرآن کا سنّت ہے۔

اب دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ غلط طریقِ کار سے بچا کر سنّت کا پابند بنائے اور ہماری عبادتیں اور تراویح قبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

اَعُوذُ بِاللّٰہِ الخ۔ یٰۤاَیُّہَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَہٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْہُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْہِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

علہ دیکھئے تنویر المصابیح فی تحقیق التراویح مؤلف مصنف خطباتِ موعظت

ضمیمہ

اب میں رمضان اور تراویح کے متعلق چند غلط فہمیوں کو بیان کرتا ہوں رمضان شریف میں خصوصیت کے ساتھ ضرورت سے زیادہ روشنی کرنا سخت مکروہ ہے کیونکہ یہ بلاوجہ اسراف ہے اور اسراف بنصِ قرآن حرام ہے۔ معمولاً جس قدر روشنی اداءِ نماز کے لئے ہر مسجد میں ہوا کرتی ہے وہ ہی کافی ہے اور ابن شاہین نے جو روایت اسحٰق ہمدانی سے اس بارہ میں بیان کی ہے وہ ناقابلِ اعتبار ہونے کے علاوہ مفید مدعا بھی نہیں کیونکہ حضرت عمرؓ کی اسلامی سیاست سے بالکل بعید ہے کہ کسی فضول خرچی کے مرتکب ہوں۔ اس طرح خصوصیت کے ساتھ ختم کے روز زیادہ روشنی کرنا ناجائز ہے اور اس کو دین اور ثواب سمجھ کر کرنا تو سخت بدعت ہے۔ اسی طرح حفاظ کی اجرت مقرر کرکے قرآن سنانا اور سننا ناجائز ہے اور قرآن پڑھنے پر اجرت لینا حرام ہے (شامی) اس طرح حفاظ کو اجرت دے کر قرآن سننے سے بہتر ہے کہ چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائے۔ نمازِ تراویح کے ہر ترویحہ کے بعد جو تکبیریں اور خلفاءِ اربعہ کے اسماءِ گرامی بلند آواز سے دو آدمی آواز ملا کر پڑھا کرتے ہیں۔ اس کا کوئی ثبوت حدیث و قرآن اور فقہ میں نہیں۔ یہ جلسہ تو مستحب ہے اور مصلّی کو اختیار ہے کہ وہ خواہ کوئی تسبیح پڑھے یا قرأت کرے یا خاموش رہے۔ البتہ قہستانی کی روایت ہے کہ اس موقع پر یہ تسبیح تین بار پڑھے سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْهَيْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا يَنَامُ وَلَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ نَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنَ النَّارِ (شامی) پس پسندیدہ یہی ہے کہ اس

تسبیح کو پڑھا کرے۔ ہماری مساجد میں مروجہ تکبیریں اور اسماءِ خلفا کا مذکورۂ بالا طریقہ پر پڑھنا ایک تو محتاجِ ثبوت ہے۔ پھر اگر اس کو ضروری سمجھ لیا جائے تو اب بدعت ہے۔ آج کل اس کو اس قدر ضروری سمجھ لیا گیا ہے کہ اگر اتفاقاً کبھی موذن بھول جائے تو صدہا اعتراضات کی بوچھاڑ ہو جاتی ہے۔ پس اعتراضات کرنا، اس کے پڑھنے پر اصرار کرنا اور ضروری سمجھنا حتیٰ کہ آواز ملانے والا اجرت پر مہیا کرنا یہ سب مجموعی حیثیت سے یقیناً بدعت اور سخت مکروہ ہے۔ اسی طرح ختم قرآن کے موقعہ پر فاتحہ (یعنی ایصالِ ثواب بطریقِ مروجہ) دینے کو ضروری سمجھنا اور دعاءِ ختمِ قرآن کو ضروری خیال کرنا بھی غلط ہے۔ یہ سب مندوبات کا درجہ بھی نہیں رکھتے اور فاتحۂ مروجہ تو بالکل بے اصل اور بدعتِ محضہ ہے چہ جائیکہ ان کو ضروری خیال کیا جائے لیکن جنوبی ہند میں عموماً ان کو ضروری سمجھا جاتا ہے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ چھوڑنے پر اعتراض اور ملامت کی جاتی ہے، لہٰذا اب یہ بھی بدعت میں داخل ہو کر مکروہ ہوگا۔ اسی طرح ختمِ قرآن کی شب کو شیرینی اور مٹھائی تقسیم کرنا اس قدر ضروری سمجھا گیا ہے کہ اس میں بڑی بڑی رقمیں صرف کی جاتی ہیں اور کسی مسجد میں کبھی شیرینی کے بغیر ختم ہی نہیں کیا جاتا۔ یہ چیز بھی اس درجہ میں آکر بدعت اور سخت مکروہ ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر بلا التزام اور ضروری سمجھے ہوئے کوئی شخص یا چند اشخاص اپنی خوشی سے برائے ضیافتِ مصلّین و اظہارِ سرور بطورِ شکریۂ اداءِ سنّتِ تراویح وختمِ قرآنِ کریم شیرینی تقسیم کرے تو اس میں مضائقہ نہ تھا مگر یہاں تو یہ غضب ہے کہ عموماً مسجد کے مال سے یہ فضول خرچی کی جاتی ہے۔ مالِ وقف کو اس فضول خرچی میں صرف کرنا سخت گناہ ہے اور مالِ مسجد میں خیانت کے مرادف ہے۔ متولیانِ مسجد کو خدا سے ڈرتے ہوئے اس خیانت سے باز آنا چاہئے۔ فقہا کی تصریح سے تو یہاں تک احتیاط ثابت ہوتی ہے کہ پانی پینے کیلئے

کوزے صراحیاں وغیرہ مالِ مسجد سے خریدنے سے بھی منع کیا گیا ہے چہ جائیکہ اس قدر زیادہ رقمیں اس طرح برباد کی جائیں۔ بعض مساجد میں منتظمین چندہ وصول کر کے مٹھائی تقسیم کرتے ہیں اور وصول یابی میں اپنے رعب وداب اور جبر سے کام لیتے ہیں۔ اس کام کے لئے چندہ وصول کرنا خود ناجائز ہے پھر اس میں جبر و زبردستی کرنا اور بھی سخت ناجائز ہے۔ پھر مٹھائی کی تقسیم کے لئے لفافہ چھپوانا وغیرہ تکلفات قطعاً ناجائز ہیں۔ نیز چندہ دینے والے اس کام کو کارِ خیر اور ثواب کا کام سمجھ کر دیتے ہیں پس ایک غیر شرعی رواج کو ثواب اور دین کا کام سمجھ کر کرنا اور بھی بڑی گمراہی ہے۔ یہ وہ شدید غلطیاں ہیں جو ماہِ رمضان اور تراویح کے سلسلہ میں کی جاتی ہیں، جن میں مسلمانوں کا ہزارہا روپیہ محض برباد کیا جاتا ہے۔ اے کاش ہم کو سمجھ ہوتی تو ہم اسی روپیہ کو کسی ایسے کام میں خرچ کرتے جس سے دین اور ملتِ اسلامیہ کی کوئی معقول خدمت ہوتی عموماً مساجد میں امام اور موذن سستی تنخواہ والے ایسے رکھے جاتے ہیں جو قوم کی گمراہی کا باعث ہیں۔ اگر ان فضول خرچیوں سے روپیہ بچا کر علماء مستند اور قابل موذن رکھے جائیں تو ہر ہر محلہ کے نمازیوں کی جہالت کی تاریکی دور ہوتی، علمِ دین کی روشنی پھیلتی اگر ہر مسجد میں اس روپیہ سے مکاتب و مدارس قائم کئے جاتے تو ملتِ اسلامیہ کے افراد اور نوجوان نسل کو دین کی تبلیغ ہوتی۔ اسی طرح اسلام اور مسلمانوں کے لئے بہت سے ایسے کام کئے جا سکتے تھے، جن سے بہترین نتائج برآمد ہوتے لیکن افسوس کہ اس قدر تباہی و بربادی کے بعد بھی ہم کو ابھی تک ہوش نہیں آیا۔ اب دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ غلط طریقِ کار سے بچا کر صحیح طریقہ پر مفید کاموں کی طرف متوجہ کرے۔ بدعات اور رسوم سے بچا کر خالص اسلامی اور دینی امور میں لگائے۔ ہماری غلطیوں کو بخش دے اور آئندہ گناہوں سے بچنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ، واصحابہ اجمعین۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یٰۤاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

خطبۂ جمعہ چہارم ماہِ رمضان المبارک در تعلیم ضروریاتِ دین

اعتکاف و فضیلتِ لیلۃ القدر کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَعْطَانَا لَيْلَةَ الْقَدْرِ ۝ هِیَ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ وَشَرَعَ لَنَا الْاِعْتِكَافَ وَعَظَّمَ الْاَجْرَ ۝ اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۝ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۝ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰۤى اٰلِهٖ ۝ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ۝ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ۝ قَدْ حَانَ الْعَشْرُ الْاَخِيْرُ مِنْ رَمَضَانَ ۝ هُوَ زَمَانُ

الْاِعْتِكَافِ لِعِبَادَةِ الرَّحْمٰنِ ○ وَتَحَرِّيْ

لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَالرِّضْوَانِ ○ وَقَالَ[1] رَسُوْلُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُعْتَكِفِ + هُوَ يَعْتَكِفُ

الذُّنُوْبَ وَيُجْرِيْ لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ

الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا ○ وَقَالَ[2] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ

وَالسَّلَامُ مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا

وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ ○

وَقَالَ[3] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِذَا كَانَ

لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فِيْ كَبْكَبَةٍ

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ

اَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ ○ [illegible]عُوْدُ

---

[1] ابن ماجہ [2] بخاری [3] بیہقی

بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنَاہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ○ وَمَآ اَدْرَاکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ○ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ○ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ ○ سَلٰمٌ قف ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ○ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

وعظِ جُمعہ چہارم ماہِ رمضان در تعلیم ضروریاتِ دین

اعتکاف اور شبِ قدر کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملّت ! ماہِ رمضان المبارک کی مخصوص عبادتوں میں سے

روزہ اور نمازِ تراویح وغیرہ کے فضائل تو آپ سُن چکے ہیں۔ اب میں اس مقدس مہینے کی ایک اور مخصوص عبادت کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں، جس کی برکتوں سے فائدہ حاصل کر لینا بڑی ہی خوش قسمتی کی بات ہے یہ عظیم البرکات عبادت اعتکاف کہلاتی ہے۔ اعتکاف کرنا سنتِ موکدہ علی الکفایہ ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اعتکاف فرمایا ہے، اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے۔ بغیر روزہ کے اعتکاف صحیح نہیں ہوتا۔ سیّدنا امامِ اعظم رح کے نزدیک اعتکاف واجب کم سے کم ایک دن کا طلوعِ صادق سے لے کر غروب تک صحیح ہوسکتا ہے۔ اس سے کم مدّت کا اعتکاف صحیح نہیں ہوگا، لیکن سنّتِ موکدہ ادا کرنے کے لئے پورے عشرۂ اخیر کا اعتکاف ہونا چاہیئے اور اعتکافِ مستحب کے لئے کوئی مقدار مقرر نہیں۔ اعتکاف مسجد میں ہونا ضروری ہے۔ اچھا یہ ہے کہ ایسی مسجد ہو کہ جس میں جمعہ اور جماعت ہوتی ہو۔ اعتکاف کی نیّت ہونا ضروری ہے۔ بلا نیّت اعتکاف صحیح نہ ہوگا۔ حالتِ اعتکاف میں جماع یا مباشرت ناجائز ہے اور بلا ضرورت معتکف سے ذرا سی دیر بھی باہر ٹھہرنا اعتکاف کو فاسد کر دیتا ہے۔ ہاں ضرورت سے باہر نکل سکتا ہے۔ ضرورت خواہ شرعی ہو (مثلاً شرکتِ جمعہ کے لئے) یا طبعی ہو مثلاً پاخانہ پیشاب، غسلِ جنابت وغیرہ ان سب کے لئے باہر جاسکتا ہے اور بلا ضرورتِ شدیدہ اعتکاف میں دنیوی کام میں لگنا یا عبادت سمجھ کر بالکل چپ رہنا مکروہِ تحریمی ہے۔ اعتکاف کا مطلب یہ ہے کہ مقررہ مدت تک سب کاموں سے الگ ہو کر عبادت کے لئے بیٹھ جائے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ تمام دنیوی تعلقات، مال، کاروبار، فکرِ اولاد وغیرہ سے دل

ہٹا کر اللہ کے در پر اس سے لو لگا کر بیٹھ جاتا۔ حضرت عطاءؒ فرماتے ہیں
معتکف کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی شخص کو کسی بڑے شخص سے کوئی کام
ہو اور اس کے دروازے پر پڑ جائے اور کہے اب تو تمہارے در پر
آپڑا ہوں، بغیر لئے نہ ٹلوں گا۔ اسی طرح معتکف خدا کے در پر آ کر
پڑ جاتا ہے اور کہتا ہے اے خدا اب تو جب تک تو نہ بخشے گا تیرے
در سے نہ ٹلوں گا۔ پس میرے گناہ بخش دے۔ (روح البیان ص ۲۴۱/۱۲) حدیث
شریف میں ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں دس دن کا اعتکاف
فرمایا کرتے تھے اور سالِ وفات میں بیس دن کا اعتکاف فرمایا (بخاری) اور
ابنِ عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ جب اعتکاف کرتے تو آپ کا بچھونا ستونِ
توبہ کے پیچھے ڈالا جاتا (قزوینی) ابو یعلیٰ کی روایت ہے کہ میں نے حضور
صلّی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ آپ نے اعتکاف کیا کھجور کی چٹائی کے
قبہ میں (رواہ احمد) معلوم ہوا کہ معتکف اگر مسجد میں کسی چیز سے آڑ کر
لے تو بہتر ہے اور آپ نے اعتکاف کرنے والے کے حق میں فرمایا کہ وہ
تمام گناہوں سے بچا رہتا ہے اور اس کے لئے نیک عمل (یعنی وہ اعمال
جو بوجہ اعتکاف کے نہیں کر سکتا، مثلاً مریض کی عیادت وغیرہ) جاری
کئے جاتے ہیں۔ (یعنی بے کئے کرنے کا ثواب دیا جاتا ہے) جیسا کہ ان اعمال
کے کرنے والے کو ثواب ملتا ہے۔ ایسا ہی معتکف کو بھی ملتا ہے (ابنِ ماجہ)
اعتکاف مشروع ہونے کی حکمت یہ ہے کہ نفسانی قوتوں کو مغلوب کرنے اور
روح کو تربیت و ترقی دینے کے مجاہدہ کا ایک عام نصاب مقرر کیا گیا ہے،
(یعنی ایک ماہ کے روزے) جس کو پورا کرنا ہر مسلم پر فرض ہے، لیکن اس
سے آگے روحانی ترقی کرنے، اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط بنانے اور

ملاءِ اعلیٰ وحظیرۃ القدس سے خصوصی مناسبت پیدا کرنے کے لئے ایک اور خاص نصاب شریعت نے تجویز فرمایا ہے۔ یہی نصاب اعتکاف ہے، جس میں روزہ کی عام پابندیوں کے علاوہ آدمی سب طرف سے کٹ کر اور گویا سب سے ہٹ کر اللہ ہی کے آستانے پر اور گویا اسی کے قدموں پر جا پڑتا ہے دن رات اسی کے در پر پڑا رہتا ہے۔ اُسی کو یاد کرتا، اسی کا دھیان رکھتا اسی کی تسبیح وتقدیس کرتا ہے اور اس کے قہر وجلال سے ڈرتا ہے۔ اپنی خطاؤں کی معافی چاہتا ہے اور اس سے رحمت ومغفرت مانگتا ہے یہ بھی عجیب سماں ہوتا ہے۔ ادھر بندہ سربسجود ہوتا ہے، اُدھر ربِّ کریم آمادۂ عطا وجود ہوتا ہے۔ پھر کون اندازہ لگا سکتا ہے بخشش وعطا کی اُس بارش کا جو اُس خاص حالت میں اس بندہ پر ہوتی ہوگی۔ اعتکاف کے لئے یہ عشرہ اس لئے مخصوص ہوا کہ یہ پورا عشرہ اپنے انوار وبرکات کے لحاظ سے سال کے بقیہ تمام دنوں پر ممتاز ہے۔ اللہ کا دریائے رحمت ان دنوں جوش میں رہتا ہے اور لطف وکرم کی گھٹائیں ان ایام کو گھیر لیتی ہیں۔ ایک ایک رات میں برسوں کی منزلیں طے ہو جاتی ہیں۔ پس خدا کے جو نیک بندے ان دنوں اور راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے اعتکاف کی شکل میں ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کے آستانہ کرم پر سر رکھ کر پڑ جائیں۔ ان کی خوش نصیبی کا کیا کہنا ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ماہِ مبارک اور خاص کر اس کے عشرۂ اخیر کے انوار وبرکات اور دریائے رحمتِ الٰہی کے جوش وطلاطم کو گویا اپنی مبارک آنکھوں سے ملاحظہ فرماتے تھے۔ اس لئے آپ کی عبادت اور مجاہدہ کی مقدار رمضانِ مبارک میں دوسرے مہینوں کے لحاظ سے بہت بڑھ جاتی تھی۔

اور پھر اس کے آخری دس دنوں میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ احادیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تمام مہینوں سے زیادہ عبادت میں کوشش فرماتے اور اس کے آخری دنوں میں دوسرے تمام دنوں سے بھی زیادہ جد و جہد فرماتے تھے (صحاح ستہ) اور ایک روایت میں ہے کہ رمضان کی آخری دس راتوں میں آپ ساری رات جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے اور کمر کس لیتے تھے (اور دعا و عبادت میں) بہت جد و جہد فرماتے تھے (بخاری و مسلم) **فضائل شب قدر:۔** بزرگو! رمضان کے عشرۂ اخیر میں مزید جد و جہد اور عبادت کی کثرت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شب قدر جو سال کی تمام راتوں سے افضل ہے اکثر ماہِ رمضان کے اسی عشرہ میں واقع ہوتی ہے اور یہ وہ مقدس رات ہے کہ قرآن شریف کی ایک مستقل سورۃ میں اس کی فضیلت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۂ قدر میں ارشاد ہوا کہ ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے اور تم جانتے بھی ہو کہ شب قدر (کی فضیلت) کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ فرشتے اور روح (یعنی روح القدس حضرت جبریلؑ) اپنے مالک کے حکم سے تمام فیصلے لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی کی رات ہے۔ طلوع صبح صادق تک برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی اس سورۂ قدر سے چار باتیں صراحتہً معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ قرآن اسی رات میں نازل ہوا یعنی پورا قرآن آسمانِ دنیا میں اسی شب کو نازل ہوا۔ پھر تھوڑا تھوڑا حسبِ ضرورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کیا گیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس رات سے نازل ہونا شروع ہوا۔ واللہ اعلم۔ دوسرے یہ کہ یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی اس میں جو عبادت کی جائے اس کا اجر و ثواب ہزار مہینے کی عبادت کے اجر و ثواب سے بھی زیادہ ہے (واللہ اعلم بمرادہ) تیسرے یہ کہ اس میں فرشتوں کا بکثرت نزول ہوتا ہے۔

چوتھے یہ کہ یہ سلامتی کی رات ہے اور اس رات میں یہ ساری برکتیں اور رحمتیں صبح تک رہتی ہیں۔ یہ تو قرآن کی شہادت تھی۔ اس رات کی فضیلت پر اب احادیث سُنئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص شبِ قدر میں بحالتِ ایمان طلبِ ثواب کی نیت سے کھڑا ہو (یعنی عبادت کرے) تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دئے جائیں گے (بخاری و مسلم) یعنی تمام صغیرہ گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ شبِ قدر میں حضرت جبریلؑ فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ اترتے ہیں اور اللہ کے جو بندے کھڑے یا بیٹھے عبادت یا ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں، ان کے لئے یہ سب فرشتے خیر اور صحت کی دعا کرتے ہیں۔ (بیہقیؒ) ان احادیث سے اس رات کی فضیلت کا اندازہ کیجئے اور اس کی تلاش و جستجو کیجئے کہ وہ رات نصیب ہو جائے۔ رہی یہ بات کہ یہ رات کب واقع ہوتی ہے اس بارہ میں مختلف احادیث و اقوال کو پیش نظر رکھ کر راجح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ یقینی طور پر اس شب کیلئے کوئی تاریخ مقرر نہیں ہے۔ ہاں عموماً یہ شب رمضان کے عشرۂ اخیر کی راتوں اور اکثر اس کی طاق راتوں یعنی اکیسویں ^{21}، تیئیسویں ^{23}، ستائیسویں ^{27}، انتیسویں ^{29}، راتوں میں واقع ہوتی ہے۔ اس لئے اس شب کی جستجو کے لئے ہمیں رمضان کی ہر شب میں خاص کر عشرۂ اخیرہ کی راتوں میں اور خصوصاً اس کی طاق راتوں میں عبادت اور شب بیداری کا اہتمام کرنا چاہئے۔ جی چاہتا ہے کاش اس رات کی تاریخ مقرر کر دی گئی ہوتی، لیکن نہیں۔ یہ امر مصالحِ شرعیہ کے خلاف ہے جیسا کہ اس کے مخفی رکھنے کی ایک اور مصلحت خود شارع علیہ السلام نے ارشاد فرمائی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جُہنیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے بتلائیے کہ کونسی رات میں ہم

شبِ قدر کو تلاش کریں. آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ اس شب کے علاوہ دوسری راتوں میں (نفل) نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے تو میں تم کو خبر دے دیتا (جمع الفوائد) واقعی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اندیشہ بالکل صحیح نکلا. باوجودیکہ آپؐ نے اس راز کو مخفی رکھا. پھر بھی ہم نے اپنی طرف سے ایک خاص شب یعنی ستائیسویں کو شبِ قدر مقرر کر کے اسی رات کو عبادت کیلئے مخصوص کر لیا، حالانکہ عشرۂ اخیرہ کی تمام راتوں میں اس کا تلاش کرنا خود احادیث میں وارد ہے. کیا وہ قوم فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے رسول کی منشاءِ عالی کی مخالفت کرنے پر کمر باندھ لی ہو کہ وہ رمضان کی دیگر راتوں میں بھی عبادت کرانا چاہتے ہیں اور ہم نے صرف ایک رات مخصوص کر لی ہے. دوستو ستائیسویں کو بھی عبادت کرو اور بقیہ راتوں میں بھی عبادت کے لئے جد و جہد کرو اور شبِ قدر کے بارے میں تمام مروجہ بدعتوں کو قطعاً ترک کرو اور تمام دینی امور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاءِ مبارک کے مطابق انجام دو کہ ہمارے حق میں بہتر یہی ہے[1] - اب دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم سنتِ اعتکاف کو ادا کریں. شبِ قدر کے برکات و فضائل حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں اور اللہ ہماری گذشتہ خطاؤں کو معاف فرمائے اور آئندہ ہر قسم کی بد اعمالیوں سے بچنے کی توفیق دے. آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین[2]

---

[1] شبِ قدر کے سلسلہ کی چند بدعات یہ ہیں. ستائیسویں شب کو عید اور تہوار قرار دینا اس میں ضرورت سے زیادہ روشنی کرنا اس رات میں بجائے عبادت کے سڑکوں پر گشت لگاتے پھرنا عمدہ لباس پہننے کا اہتمام کرنا، فونوگراف اور باجے بجا کر رات گزارنا یہ سب ناجائز امور اور بدعات ہیں ہر مسلمان کو ان باتوں سے بچنا ضروری ہے [2] اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۔ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا

خطبۂ جمعۂ پنجم ماہِ رمضان المبارک در تعلیم ضروریاتِ دین

قضا و کفارہ و صدقۃ الفطر کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَنَا لِعِبَادَاتِهٖ فِىْ رَمَضَانَ ○ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ وَتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ ○ وَاَفَاضَ عَلَيْنَا مِنْ بَرَكَاتِهٖ وَالرِّضْوَانِ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ ○ وَ اَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهُ الْمَبْعُوْثُ اِلٰى كَافَّةِ الْاِنْسِ وَالْجَانِّ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ

مَا دَارَتِ الْقَمَرَانِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ قَدْ فَاتَكُمْ خَيْرُ الزَّمَانِ ○ زَمَانُ الْاَنْوَارِ وَالْبَرَكَاتِ وَالرِّضْوَانِ ○ اَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ ○ فَطُوْبٰى لِمَنْ فَازَ فِيْهِ بِنِعَمِ الْاٰخِرَةِ وَرِضَا الرَّحْمٰنِ ○ اَلَا مَنْ اُوْتِيَ خَيْرًا مِّنْهُ فَلَا يَنْسَى الْخَيْرَ بَعْدَهٗ ○ لَا سِيَّمَا الصَّلٰوةَ وَالْحَجَّ فَاِنَّ اَدَاءَ الْفَرَائِضِ فَرِيْضَةٌ ○ وَاَمَّا مَنْ فَاتَ مِنْهُ شَيْءٌ مِّنَ الصِّيَامِ فَلْيَقْضِهٖ بَعْدَهٗ ○ وَمَنْ اَفْطَرَ فِيْهِ بِلَا عُذْرٍ فَلْيُكَفِّرْ سَيِّئَتَهٗ ○ وَمَنْ لَّمْ يَنَلْ مِنْهُ شَيْئًا فَلْيَبْكِ

نَدَامَةً وَّحَسْرَةً ○ وَاعْلَمُوْا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ؛ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ بِسِتٍّ مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ ○ اَلَا وَاعْلَمُوْا اَنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ حُرٍّ مَّالِكِ نِصَابٍ نِصْفُ صَاعٍ مِّنْ بُرٍّ اَوْ صَاعٍ مِّنْ تَمْرٍ وَّشَعِيْرٍ وَّغَيْرِهَا ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ج وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ پنجم ماہِ رمضان المبارک در تعلیمِ ضروریاتِ دین

قضاءِ روزہ واداءِ کفارہ وصدقۃ الفطر کا بیان

عہ مسلم ۱۲۰

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملّت! جس کام کا جو وقت ہوتا ہے، وہ کام اسی وقت میں انجام پانا نہایت مفید اور باعثِ مسرت ہوا کرتا ہے اور چونکہ کسی کام کے لئے کسی خاص وقت کا مقرر کیا جانا کسی مخصوص حکمت کی وجہ سے ہوا کرتا ہے. لہٰذا اس وقت پر اس کام کے انجام دینے میں ایک خاص کیفیت اور برکت ہوا کرتی ہے، جس کو غور کرنے والے ہی خوب محسوس کیا کرتے ہیں، مثلاً آپ کے یہاں شادی کی تاریخ متعین ہو چکی ہو، سامان کیا جا رہا ہو تو اگر ٹھیک متعینہ وقت میں انجام پا گئی تو بڑی پُرلطف معلوم ہوا کرتی ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے وہ تاریخ ٹل جائے اور پھر دوسرے یا تیسرے دن ہو تو اس میں وہ مسرت محسوس نہیں ہوتی. آپ نے اسٹیشن پر کسی کے استقبال کا انتظام کیا ہو لیکن وہ صاحب اس روز نہ پہنچے اور دوسرے دن آئے جبکہ مکرر ویسا انتظام استقبال کا نہ ہو سکا تھا تو آج کی آمد و ملاقات میں وہ لطف باقی نہ رہے گا جو کل کی آمد پر ہوتا. کسی تقریب کے سلسلے میں آپ کو روپیہ کی سخت ضرورت تھی اور کسی شخص پر آپ کا قرض تھا. اُمید تھی کہ وہ وقت پر ادا کر دے گا، لیکن جب وقت آیا تو اس نے نہ دیا اور کوئی عذر کر دیا. ایسے وقت آپ کو کس قدر رنج اور افسوس معلوم ہوگا. گو وہ بعد میں ادا کر دے گا، لیکن اس بعد از وقت ادائیگی سے جانبین کو وہ مسرت نہ ہوگی جو وقت پر ادائیگی سے ہوتی جبکہ آپ کے یہاں کوئی بڑا کام کاج شادی وغیرہ کا پھیل رہا ہو. آپ کے تمام اقارب دوست واحباب انتظام میں مصروف ہوں ایسے وقت آپ کا وہ ملازم جو سال بھر سے برابر اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو رہا ہے اس موقعہ پر اگر آپ سے رخصت مانگے اور چھٹی کی درخواست دے یا بلا اطلاع ہی غیر حاضر ہو

جائے تو اندازہ کیجیے کہ اس وقت اس کی طرف سے آپ کو کس قدر رنج ہوگا اور اس کی اس حرکت پر کتنا غصہ آئے گا۔ بس بلا تشبیہ سمجھ لیجیے کہ شہنشاہِ احکم الحاکمین کی مملکت میں ہر سال ایک ماہ تک روحانی طور پر قرآنِ کریم کا جشن منایا جاتا ہے۔ اس جشن کی خاص طور پر تیاری کی جاتی ہے۔ اس تقریبِ سعید کے موقعہ پر جنّت کے ہرے بھرے، لاکھوں پھول پھلواریوں والے باغوں کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں[1] اور روزہ داروں کے اعزاز میں ایک خاص شاندار گیٹ قائم کیا جاتا ہے[2]۔ جہنّم کی تمام ناگوار اور پریشان کن خوفناکیوں کو اس کے دروازے بند کر کے نظروں سے چھپا دیا جاتا ہے[3]۔ قدسیوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ مغفرت و نجات اور رحمت کی معطر خوشبوئیں حاضرینِ مجلسِ جشن پر چھڑک کر ان کے ایمانی دماغوں کو معطر بنائیں[4]۔ انعاماتِ شاہانہ کی اس موقعہ پر اس قدر بارش ہوتی ہے کہ اس جشن میں شریک ہونے والوں کو ہر نفل نیکی کا صلہ فرض کی برابر اور ہر فرض کا بدلہ ستر فرضوں کے برابر ثواب تقسیم ہوتا رہتا ہے (بیہقی) اور پھر اس شاندار جشن کی جب وہ مخصوص رات آتی ہے جس میں قرآنِ کریم نازل کیا گیا تو اس وقت نوازشات کا یہ حال ہوتا ہے کہ صرف اُس ایک شب کی عبادت اور اس جشن میں شرکت کا انعام اس قدر ملتا ہے، جس قدر کہ ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بھی نہیں ملتا (قدر) اور اس شب میں قدوسیوں کا ایک زبردست گروہ حضرت جبریل علیہ السلام کی قیادت میں شہنشاہ کی رعیت کے ہم جیسے بے نوا مفلسوں اور غریبوں کے جھونپڑوں تک تشریف لا کر ہم میں سے ہر اس شخص کو اپنی مقبول دعاؤں سے نوازتا ہے جو اس جشن میں شریک ہو، یعنی حق تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتا ہے[5]

[1] تعبیر روایات ترمذی وغیرہ ۱۲ — [2] تعبیر روایات بخاری و مسلم ۱۲

[3] تعبیر روایات ترمذی ۱۲ — [4] تعبیر ترمذی از امام عمارت ۱۲

ہو. پس اس شاہانہ تقریب اور جشن کے موقعہ پر حکومتِ الٰہیہ کی تمام رعایا کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ وقت آنے سے پہلے ہی تیاری کریں اور زمانۂ جشن شروع ہونے پر اس میں مستعدی کے ساتھ شریک ہوں اور جو خدمات (عبادت) جس جس کے سپرد کی گئی ہے اس کو انجام دیں. حکومتِ الٰہیہ کی کروڑہا رعایا میں سے ایک رعیت بنی نوعِ انسان کی بھی ہے. اس لئے سرکارِ عالی سے اس کو بھی اس جشنِ روحانیین میں شرکت کا موقعہ دیا گیا تاکہ وہ بھی نوازشاتِ شاہانہ سے محروم نہ رہے اور چند مخصوص خدمات (یعنی طاعات وعبادات) اس کے سپرد کی گئی ہیں، جن میں سے بعض کا ادا کرنا بطورِ فرض قرار دیا گیا ہے اور بعض کا بطورِ نفل کے اور اب یہ جشن ختم ہو رہا ہے. روحانیوں کا یہ میلہ اور رحمتوں کا جمیلہ رخصت ہو رہا ہے. بڑا ہی خوش نصیب رہا وہ شخص جس نے پوری مستعدی سے اس میں شرکت کی اور اپنی مفوضہ خدمات فرائض ونوافل کو عمدہ طریقہ سے انجام دیا اور بڑا ہی بدنصیب ہے وہ شخص جو اس جشن کی شرکت سے محروم رہا. اپنی مفوضہ خدمت انجام نہ دی. ایسا شخص اپنی بدنصیبی پر جتنا روئے کم ہے کیونکہ نہ معلوم آئندہ سال اس جشنِ شاہانہ میں شرکت کا موقعہ ملتا ہے یا نہیں. پنجۂ موت اس قدر مہلت دے گا یا نہیں. دوستو اس خوشی کے جشن اور بارونق زمانہ کی ضروری خدمات میں اگر ہم نے کوتاہی کی ہے تو نوازشاتِ شاہانہ سے محرومی کے علاوہ اپنے آقا ومولیٰ تعالیٰ کے موردِ عتاب بھی بنے اور اس احکم الحاکمین کا قہر وجلال ایسا نہیں کہ جسے برداشت کیا جا سکے. ہم نے اگر اس سے معافی نہ مانگی اور اس فرض کو پورا نہ کیا جو ہمارے سپرد کیا گیا تھا تو اس صورت میں یقیناً تباہی ہے. اس لئے ہمیں فوری طور پر ضروری ہے کہ ہم نے جو روزے بلا عذر ترک کئے ہیں ان کے متعلق معافی مانگیں اور قضا وکفارہ ادا کر کے اس کی تلافی کریں. یہ

بھی اس کا انتہائی کرم ہے کہ اس خاص وقتی فرض کو اگر ہم وقت گذر جانے کے بعد بھی ادا کرلیں تو وہ اس کو قبول فرمالیتا ہے۔ اپنی نظرِ غضب ہمارے اوپر سے اٹھا لیتا ہے غرضیکہ عذر سے یا بے عذر جو روزے ہم نے چھوڑے اس کی تلافی قضا و کفارہ سے ہوسکتی ہے، لیکن وہ خاص برکت و رحمت مغفرت ونجات جو شاہانہ جشنِ مسرت کے وقت میسر آسکتی تھی اب دوسرے اوقات میں حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ وقتِ معینہ پر جو کام کیا جاتا ہے اس کی خوشی اور مسرت کی کیفیت ہی کچھ اور ہوتی ہے جو دوسرے اوقات میں میسر نہیں آیا کرتی۔ بہرحال اب ہمیں اپنی ان کوتاہیوں کے تدارک کی تیاری کرنی چاہیئے جو ہم سے رمضان شریف میں صادر ہوگئی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو ہمیں اپنی اس کوتاہی پر ندامت و شرمندگی محسوس کرتے ہوئے توبہ کرنی چاہیئے کہ اے مرے آقا و مولیٰ اس دفعہ مجھ سے یہ غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ میں اپنی کوتاہی اور قصور کا اعتراف کرتے ہوئے اقرار و عہد کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کروں گا۔ پھر عیدالفطر کے بعد اولین فرصت میں ہم کو ان روزوں کی قضا ادا کرنی چاہیئے، یعنی جس قدر روزے عذر کی وجہ سے چھوٹ گئے ہیں، ان کو پھر رکھیں اور اگر اب بھی کوئی عذر مثلاً بیماری وغیرہ کا پیش آجائے تو پھر فوراً ہم کو ان روزوں کے متعلق وصیت کردینا چاہیئے۔ گو قضا کے روزے کا فی الفور ادا کرنا واجب نہیں۔ سال بھر میں کسی وقت ادا کئے جاسکتے ہیں لیکن چونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں۔ اس لئے حتی الامکان جلد ہی ادا کردینا چاہیئے، لیکن اگر قضا روزے نہ رکھ سکے اور پیغامِ اجل قریب آتا معلوم ہو تو ہر مسلمان مرنے والے پر جب کہ وہ اس قدر مال کا مالک ہو جس کے تہائی میں سے نماز روزے وغیرہ کا فدیہ ادا کیا جاسکے۔ فدیہ دینے کے متعلق مرنے سے پہلے وصیت کرنا واجب

ہے۔ ہر ایک نماز کا فدیہ پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت ہے۔ ایک روز کی پانچ نمازوں کا فدیہ پونے نو سیر گیہوں ہوئے اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے، لہٰذا پونے دو سیر گیہوں وتر کا فدیہ مستقل ہے۔ پس ہر دن میں چھ نمازوں کا فدیہ واجب ہوگا، جس کی مقدار دس سیر گیہوں ہے۔ اسی طرح ہر ایک روزے کا فدیہ پونے دو سیر ہوتا ہے۔ پس جس قدر روزوں کی قضا واجب ہو ان کا حساب کر کے اور جس قدر نمازیں عمر بھر میں چھوٹی ہیں اُن کا حساب کر کے فدیہ کی مقدار معلوم کر لے اور اس کے مطابق غلّہ یا قیمت کی وصیت اپنے اقربا کو کر جائے۔ اگر ترکہ کے تہائی میں عمر بھر کے فوت شدہ روزوں نمازوں کے فدیہ کی گنجائش نہ ہو تو جس قدر گنجائش ہو اسی قدر وصیت کر دے۔ ورثہ کے ذمہ اسی قدر کا پورا کرنا ضروری ہے۔ اس سے زائد ضروری نہیں۔ البتہ اگر ورثہ بالغ ہوں اور وہ بجائے ایک تہائی کے کُل ترکہ سے وصیت کو پورا کریں تو درست ہے۔ جس قدر بوجھ اتر سکے اتر جائے اور اگر خدانخواستہ ہم نے رمضان کا کوئی ایک روزہ بلا عذر رکھ کر توڑ دیا ہے تو اب اس کی تلافی صرف قضا سے نہ ہوگی بلکہ قضا کا روزہ رکھ کر پھر ساٹھ روزے برابر متواتر رکھے کہ درمیان میں سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے اگر کسی وجہ سے ساٹھ روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ بالغ مساکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور اگر اپنی غلطی سے کئی کفارے واجب ہو گئے ہیں تو اب سب کے عوض میں ایک ہی کفارہ کافی ہے سوائے اس کفارے کے جو بحالتِ روزہ جماع کرنے سے واجب ہو کہ اس غلطی سے (راجح قول پر) ہر کفارہ الگ الگ ادا کرنا ہوگا۔ کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔ اگر غلطی کر کے پھر اس کا کفارہ سے تدارک نہ کیا تو قیامت میں سخت بازپرس ہوگی اور اگر ادا کرنے سے پہلے موت آجائے تو کفارہ کے متعلق وصیت کر جائے اور حق

خوش نصیب لوگوں نے رمضان کے پورے روزے رکھ کر اُخروی انعامات خُوب خُوب حاصل کئے ہیں، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر وہ بعدِ عید چھ روزے شوال میں اور رکھ لیں تو ان کو اس قدر ثواب حاصل ہوگا کہ گویا انھوں نے پورے سال روزے رکھے اور اگر ہمیشہ شوال کے روزے بھی رکھتے ہیں تو گویا ساری عمر روزے رکھے۔ شوال کے یہ چھ روزے صرف مستحب ہیں۔ واجب، فرض، سنتِ مؤکدہ نہیں ہیں، بلکہ کارِ ثواب ہے۔ اگر کوئی رکھے گا تو ثواب ملے گا، نہ رکھے گا تو کوئی گناہ نہیں۔ ساتھ ہی صدقۂ عید الفطر کی طرف آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ہر آزاد مسلمان مالکِ نصاب پر صدقۂ فطر واجب ہے۔ گیہوں سے نصف صاع (پونے دو سیر) اور جَو وغیرہ سے ایک صاع دیں۔ مستحب ہے کہ نمازِ عید سے پہلے ادا کریں، ورنہ بعد میں ضرور ادا کریں۔ جس نے اپنی بدنصیبی سے روزے نہ رکھے ہوں اس پر بھی فطرہ واجب ہے۔ نابالغ بچوں پر بھی صدقۂ فطر واجب ہے۔ اُن کے ولی کو ادا کرنا چاہئے اور بالغ لڑکوں کا صدقہ ولی پر واجب نہیں، خود اُن پر واجب ہے۔ بیویوں کا صدقہ شوہر پر واجب نہیں خود ان پر واجب ہے۔ ہاں اگر ولی یا شوہر تبرعاً ان کی طرف سے ادا کر دے تو واجب ادا ہو جائے گا۔ اب دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم رمضان کے فرائض پوری طرح ادا کریں۔ اگر کوتاہی ہو جائے تو کفارہ اور قضا سے اس کا تدارک کریں۔ اگر قضا و کفارہ ادا نہ کر سکے تو وصیت کر کے مریں۔ اے خُدا تو ہمیں نیک توفیق دے اور دُنیا سے ایسی حالت میں اُٹھا کہ ہم پر دُنیا و آخرت کا کوئی مواخذہ باقی نہ رہے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقِہٖ سیدنا محمد و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین [1]

---

[1] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ٭ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ اول ماہِ شوال در آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ نمبر ۲۰

تدابیرِ اصلاحِ قلب

تدبیرِ اول تکمیلِ توحید

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْاَحَدِ ○ الصَّمَدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ فِیْ ذَاتِهٖ وَلَا صِفَاتِهٖ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ الَّذِیْ نَزَّهَ اُمَّتَهٗ عَنِ الشِّرْكِ وَسِمَاتِهٖ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰۤی اٰلِهٖ ○ وَ اَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِیَّةِ اِصْلَاحَ الْجَنَانِ ○ وَمِنْ

اِصْلَاحِهٖ تَزْكِيَتِهٖ عَنْ شَوَائِبِ الشِّرْكِ فِیْ
كُلِّ شَانٍ ○ فَقَدْ قَالَ[1] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ثِنْتَانِ مُوْجِبَتَانِ ○ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ
اللّٰهِ مَا الْمُوْجِبَتَانِ ○ قَالَ مَنْ مَاتَ
يُشْرِكُ بِاللّٰهِ دَخَلَ النَّارَ ○ وَمَنْ مَاتَ
لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ ○ وَ
قَالَ[2] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اِنَّ اَخْوَفَ
مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ: قَالُوْا
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ
الرِّيَاءُ ○ وَقَالَ[3] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ:
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ

۱ه رواہ المسلم ۱۲ ۲ه رواہ احمد ۱۲ ۳ه ۴ه رواہ مسلم ۱۲

الشِّرْكِ ؛ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ
غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ وَاَنَا مِنْهُ بَرِيْءٌ
هُوَ لِلَّذِيْ عَمِلَهُ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ بِسْمِ اللّٰهِ الخ
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ
يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ○ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا
اَحَدٌ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ اول ماہِ شوال در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ نمبر ۲

تدابیرِ اصلاحِ قلب

تدبیرِ اول توحیدِ کامل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ ۔ برادرانِ ملت ! اسلامی طریقہ پر زندگی گذارنے کے لئے مسلمان کو ضروری ہے کہ وہ اپنے دل کی اصلاح کرے، کیونکہ جب تک دل درست نہ ہوا عمال درست نہیں ہوسکتے ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسم (انسانی) میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے ۔ جب وہ درست ہوا تو تمام جسم درست رہتا ہے اور جب وہ خراب ہوا تو تمام جسم

خراب ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو کہ وہ دل ہے (مشکوٰۃ) پس ہماری تندرستی کے لئے دل کی بیماریوں سے محفوظ رہنا ضروری ہے۔ لہٰذا اب دل کی بیماریوں اور ان کا عُمدہ علاج بیان کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ دل کے مرضوں میں سب سے بڑا مرض شرک ہے جو آدمی کی عاقبت کو اس قدر تباہ کر دیتا ہے کہ پھر کوئی جائے پناہ نہیں مل سکتی، کیونکہ قرآن کا صاف اور صریح قانون ہے کہ مشرک کی بخشش نہ ہوگی[1]" اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس مرض سے اپنے قلب کو اس قدر دُور رکھیں کہ کسی معمولی درجہ کے شرک میں بھی مبتلا نہ ہو سکے۔ بزرگو! شروع میں اولادِ آدم علیہ السلام سب موحد تھی۔ ان میں شرک شروع ہونے کا واقعہ بہ روایت کعب[2] قرظی اس طرح پیش آیا کہ وَدّ، سُواع، یَغوث اور نَسر بڑے نیک لوگ تھے جو حضرت آدمؑ و حضرت نوحؑ کے درمیانی زمانے میں گذرے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد شیطان نے انکے معتقدین کو بہکایا کہ اپنے بزرگوں کی تصویریں قائم کر لو۔ جس سے غمِ ہجر میں کمی آکر دل میں تسلّی نشاط اور خُدا کی عبادت میں لطف آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر بعد کی نسلوں کو اس طرح بہکایا کہ تمھارے بڑے ان بزرگوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور اپنی حاجات اِن سے طلب کرتے اور پاتے تھے۔ انھیں کے ذریعہ خدا تک رسائی ہو سکتی ہے اور خُدا کی بارگاہ میں ان کی سفارش سے تمھاری حاجات پوری ہو سکتی ہیں، لہٰذا خُدا کی عبادت کے ساتھ ان کی پوجا بھی کرتے رہو تاکہ یہ تم سے خوش رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان کے بعد والی نسلوں نے ان بزرگوں کو بھی چھوڑ دیا اور صرف مورتیوں کی ہی عبادت کرنے لگے۔ ستارہ پرستوں کو شیطان نے ستاروں کی

---

[1] ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہ الایہ ۱۲

[2] بذیل آیتِ کریمہ ولا تذرن ودا ولا سواعا الایہ ۱۲

کی تاثیرات دکھا کر اول دلوں میں عظمت پیدا کی اور پھر ان کے سامنے جھکنے اور عاجزی کرنے پر آمادہ کیا۔ دن کو ستارے غائب ہو جاتے ہیں، اس لئے اُن کی تصویر بنانے پر آمادہ کیا۔ اس طرح ستاروں کی مورتی کی پوجا ہونے لگی۔ نصاریٰ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بے باپ پیدائش اور اُن کے معجزات کو آڑ بنا کر ان میں خُدائی طاقت کا خیال شیطان نے پیدا کر کے گمراہ کیا کہ ایسے کام انسان سے نہیں ہو سکتے، لہٰذا اُن میں ضرور خُدائی طاقت ہے۔ اسی طرح اس نے دیگر قوموں کو بھی گمراہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں اپنے نبی اور رسول بھیجے، جنھوں نے اُن کو توحید کی تعلیم دی اور شرک و کُفر سے روکا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آخری نبی ہیں۔ اس لئے آپ کے دین میں شرک و کفر کی تمام باریک رگوں کو بھی کاٹ دیا گیا اور آپ نے توحید کی مکمل تعلیم دی اور ہر ایسی بات سے منع فرمایا جس سے ذرا بھی شرک و کفر پیدا ہونے کا خطرہ تھا۔

اب شرک کی قسمیں بیان کی جاتی ہیں تاکہ آپ ہم ان کو سمجھ کر تمام اقسام شرک سے بچ سکیں۔ شرک کی اول دو قسمیں ہیں۔ ایک شرکِ حقیقی۔ وہ یہ کہ خدا کے ساتھ واقعی طور پر کسی کو شریک بنایا جائے۔ دوسرے شرکِ مجازی وہ یہ کہ کوئی بات یا کام اس طرح کرے جو بظاہر شرک معلوم ہو مگر دل میں شرک کا خیال نہ ہو، مثلاً اللہ کی عبادت کے لئے قبر کے سامنے نماز پڑھنا کہ بظاہر قبر کو سجدہ کرنا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے اس طرح نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے پھر شرکِ حقیقی کی دو قسم ہیں۔ ایک شرکِ ذاتی کہ خدا کی ذات میں کسی کو شریک کرے۔ دوسرے شرکِ صفاتی وہ یہ کہ خُدا کی صفاتِ مخصوصہ (جیسے قدیم ہونے) کو کسی دوسری چیز میں بھی مانے یا خُدا کی صفات کسی اور کے لئے بالذات بغیر عطاء خُداوندی مانے یا خدا کی صفات عطائی طور پر کسی دوسری چیز کے لئے اس طرح مانے کہ وہ صفت

کیفیت اور مقدار میں خُدائی صفت کی برابر کسی اور کو حاصل ہیں یا مخلوق کی خاص صفات جیسے حلول، جسمیت وغیرہ خدا کے لئے ماننا پھر ان سب قسموں کی دو قسم اور ہیں۔ ایک شرکِ جلی وہ یہ کہ ان قسموں میں سے کوئی قسم صاف طور پر کسی کے قول و فعل میں پائی جائے۔ اسی کو شرکِ اکبر بھی کہتے ہیں۔ دوسرا شرکِ خفی یا اصغر کہ جس میں ادنیٰ درجے کا کوئی شائبہ شرک کا پایا جاوے جیسے ریاکاری کی عبادت جس کو حضورؐ نے شرکِ اصغر فرمایا ہے۔ (کما رواہ احمد فی الریاء)

جس طرح سنکھیا صحت کے لئے زہرِ قاتل ہے، اسی طرح شرک ایمان کے لئے زہر قاتل ہے ہم سنکھیے سے حتیٰ کہ اس کے کشتے کے استعمال سے بھی ڈرتے ہیں کہ شاید یہ بھی مضر ہو جائے۔ ٹھیک اسی طرح ہمیں اپنے عقائد اور عمل میں شرک سے اور شرک جیسے کاموں سے بالکل بچنا چاہئے تاکہ ایمان بالکل سلامت رہے اور کسی قسم کی خرابی کا اندیشہ ہی پیدا نہ ہو۔

اب اس مرضِ شرک کا علاج سنئے کہ اس کا علاج توحید ہے اور یہی اسلامی تعلیم کا جوہر، خلاصہ اور بنیادِ عمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرِ مبارک کا سب سے زیادہ حصّہ اور قرآنِ کریم کا اکثر حصّہ شرک کو مٹانے اور اصولِ توحید قائم کرنے ہی میں صرف ہوا ہے۔ اب سمجھئے کہ توحید کی اول دو قسم ہیں۔ ایک توحید ذاتی۔ وہ یہ کہ خُدا کی ذات کو واحد یقین کرے اور اس میں کسی کو شریک نہ بنائے۔ دوسرے توحیدِ صفاتی یعنی خدا کو اس کی صفات میں یکتا سمجھے اور کسی کو ان میں شریک نہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو خُدا کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے قدیم ہونا، واجب الوجود ہونا، ایسی صفات کا غیر اللہ کے لئے ماننا شرک ہے اور ان کو صرف خُدا کے لئے ماننا توحید ہے۔ دوسرے خُدا کی وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص نہیں بلکہ اس نے ان صفات کا کچھ حصہ

اپنی مخلوق کو بھی عطا کیا ہے، مثلاً سننا، دیکھنا وغیرہ ایسی صفات کو ذاتی طور پر کسی اور کے لئے ماننا شرک اور صرف خدا کے لئے ماننا توحید ہے اور ایسی صفات کو عطائی طور پر غیر اللہ کے لئے اس طرح ماننا کہ خدا کی برابر یہ صفتیں کسی اور میں ہیں شرک ہے اور عطائی طور پر ایسی صفات کسی کے لئے خدا کی برابر نہ ماننا بلکہ خدا کی صفات کو مخلوق کی عطائی صفات سے بڑھ کر جاننا توحید ہے۔

توحیدِ صفاتی کی ایک قسم توحیدِ افعال و تصرّف ہے یعنی مسلمان تمام افعال کا خالق اور موثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو یقین کرے اور مخلوق کے تاثیر و تاثر کو اذنِ الٰہی سے سمجھے، مثلاً تاثیرِ اجسام جیسے سنکھیے کا مارنا، تریاق کا زہر کو دفع کرنا، تاثیرِ ارواح مثلاً قوائے روحانی و نفسانی کی تاثیر اور گردشِ سیارگان کے اثرات اسی طرح تمام مخلوق کے افعال و تصرف کی تاثیریں یہ سب ہر وقت اذنِ الٰہی کی محتاج ہیں۔ اذنِ الٰہی سے ان میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ اذنِ الٰہی ان سب میں جاری و ساری ہے۔ مخلوق کے تصرّف و تاثیر کی مثال ایسی سمجھئے جیسا کہ ایک چکی آٹا پیس رہی ہو۔ غور کیجئے آٹا پتھر کا پاٹ گھومنے سے پس رہا ہے اور پاٹ مال سے گھوم رہا ہے اور مال ایک بڑے گول چکر یعنی چاک (یا پہیے) سے چل رہی ہے اور چاک انجن سے اور انجن بجلی کے کرنٹ سے۔ پس ان میں سے ہر ایک چیز کو آٹا پیسنے میں دخل ہے مگر اصل چلانے والی بجلی کا کرنٹ ہے۔ اگر یہ کرنٹ آنا موقوف ہو جائے تو یہ سب درمیانی چیزیں بیکار ہو جائیں۔ بلا تشبیہ و تمثیل اسی طرح تمام تاثیرات میں اصل محرک و موثر اذنِ الٰہی کا کرنٹ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اولاد و مُراد نہ دینا چاہے اور ان درمیانی کڑیوں سے اپنے اذن کا کرنٹ ہٹالے تو یہ سب تدابیر و اسباب یا کڑیاں بیکار ہو جائیں، اولاد و مراد ہم خواہ دوا سے چاہیں یا دُعا سے، اس زنجیر کی کوئی کڑی بھی بغیر منشاء خداوندی کے

حرکت نہیں کر سکتی۔ بادشاہ یا ولی بھی اسی وقت عطا یا دُعا کر سکتے ہیں جب حق تعالیٰ ان میں ارادہ عمل اور تاثیر عطا کرتا ہے۔ زنجیر کی ان درمیانی کڑیوں میں الجھ کر اصل موثر کی طرف متوجہ نہ ہونا انتہائی غلطی اور بے وقوفی ہے۔ بے شک تدبیر کے درجے میں اللہ تعالیٰ نے اسباب ظاہری و باطنی مثلاً دُعا و دوا کرنے کرانے کا حکم دیا ہے مگر وہ اپنے افعال و تصرفات میں ان اسباب کا محتاج نہیں۔ بجلی کا کرنٹ دیگر آلات کا آٹا پیسنے میں محتاج بھی ہے اور فانی بھی، لیکن حق تعالیٰ کی قدرت نہ فانی نہ محتاجِ آلات واسباب۔ پس کمالِ توحید یہ ہے کہ ان تدابیر واسباب کی طرف سے امید واعتماد کی نظر بالکل ہٹا کر اصل قادرِ مطلق کی طرف انسان اپنے حوائج ومقاصد کے لئے متوجہ ہو اور عالم کے تمام تغیرات وتصرفات میں اسباب وآلات موحد کی نظر سے اوجھل ہو جائیں۔ صرف حق تعالیٰ ہی کے عطا ومنع پر اس کی نظر جم جائے۔

عقل بر اسباب میدارد نظر :: عشق میگوید مسبّب را نگر۔ جناب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح فرماتے ہیں کہ "پس قطعی طور پر یقین کرے کہ سوائے خُدا کے اور کوئی فاعلِ حقیقی نہیں اور سوائے اللہ کے اور کوئی حرکت وسکون دینے والا نہیں۔ بھلائی برائی نفع ونقصان دینا نہ دینا، کھولنا بند کرنا، موت وحیات، عزت و ذلت، مالداری وفقیری دراصل حقیقتہً سوائے خُدا کے اور کسی کے قبضہ میں نہیں۔" (فتوح الغیب) نیز آپ فرماتے ہیں کہ "اپنی مُراد لوگوں سے مانگنے والا محض اس لئے غیر اللہ سے سوال کرتا ہے کہ وہ شانِ خداوندی سے جاہل ہے۔ اس کا خُدا پر ایمان اور خُدا کی پہچان اور اس پر یقین کمزور ہے اور اس میں صبر کی کمی ہے اور جو شخص غیر اللہ سے مراد مانگنے سے بچتا ہے وہ محض اس لئے بچتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی قوت و قدرت کو خوب جانتا ہے۔ اللہ پر اس کا ایمان ویقین مضبوط ہے اور وہ اپنے رب کو خوب پہچانتا ہے۔"
(فتوح الغیب)

حدیث میں ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر تھا۔ اچانک آپ نے فرمایا: "اے لڑکے خدا کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا۔ خدا کو یاد کر تو تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ پس جب تو مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب تو مدد چاہے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور یہ سمجھ لے کہ بے شک اگر تمام لوگ جمع ہو کر تجکو کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو وہ کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے سوائے اس چیز کے جسے خدا نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر وہ جمع ہو کر تجکو کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، مگر جو خدا نے تیرے لئے لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھ چکے اور کاغذ سوکھ گئے۔ (ترمذی) یعنی جو کچھ لکھا جانا تھا، لکھا جا چکا اب جو کچھ مانگ [illegible] قلم کے مالک سے مانگ، کیونکہ وہ کبھی عاجز نہیں) پس اسباب و تدابیر پر اعتماد کرنا بالکل غلط ہے اور اسباب پر سے پورے طور پر اپنی نظرِ اعتماد کو ہٹا لینا کمالِ توحید ہے۔

دوستو! توحید کی ایک قسم توحید فی العبادت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو نفع و نقصان دینے والا سمجھ کر جن جن طریقوں سے انسان اس کے سامنے عاجزی اور ذلت ظاہر کرتا ہے، اُن طریقوں کو کسی اور کے لئے نہ برتے مثلاً سجدہ و رکوع وغیرہ کسی اور کے لئے نہ کرے۔ اگر نافع وضار سمجھ کر کسی کو سجدہ وغیرہ کرے گا تو شرک فی العبادت جلی ہوگا اور اگر بلا اعتقادِ نفع وضر صرف تعظیم کے لئے سجدہ وغیرہ کرے گا تو یہ حرام ہوگا۔ یاد رکھئے کہ محض تعظیم کے لئے بھی کسی کو سجدہ کرنا یا تصویر کی طرح کھڑا ہونا وغیرہ حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ کئی بار بعض صحابہ نے حضورؐ کے لئے (تعظیمی) سجدہ کی اجازت چاہی، لیکن حضورؐ نے ہر بار یہی جواب ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی غیر اللہ کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ (جمع الفوائد)

اور عبادت میں ریاء وسمود کی نیت شامل ہو جانا شرکِ اصغر ہے اور عبادت کا پورے طور پر ریاء وسمود کے خیال سے پاک ہونا کمالِ توحید فی العبادت ہے۔

جس طرح عام لوگ رات دن مالی ترقی میں کوشش کرتے رہتے ہیں اور ہر دن، ہر ہفتہ، ہر سال اضافہ کو جانچتے اور زیادتی کے لئے کوشاں رہتے ہیں اسی طرح ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے ایمان اور عقیدۂ توحید اور عملِ صالح میں ترقی کی کوشش کرتا رہے کیونکہ مسلمان کی اصلی دولت یہی ہے۔ معمولی طور پر صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا اور ظاہری طور پر رکوع وسجدہ کر لینے کو کافی سمجھ لینا بڑی محرومی ہے اور اس محرومی کے ساتھ زندگی گذارتے رہنا دین پر دُنیا کو ترجیح دینے کی کھُلی نشانی ہے۔ دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ہر قسم کے کُفر وشرک سے بچا کر ہمارے دلوں کو نُورِ توحید سے اتنا جگمگائے کہ توحید کے آخری درجات تک ترقی کر سکیں اور دنیا سے زیادہ دینی ترقی کی کوشش کرتے رہیں، ہمارے گناہوں کو معاف فرمائے اور اپنی رحمتِ خاصہ سے ہمیں نوازے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ؁

ء اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ بِسْمِ اللّٰہِ الخ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۔ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ دوم ماہِ شوال در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ ؁

بسلسلۂ تدابیر اصلاح القلب

تدبیر دوم توکل اور اسکی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَافِعِ السَّمَاءِ بِلَا عِمَادٍ ○

وَمُكَفِّلِ اَرْزَاقِ الْعِبَادِ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ ○ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ اِصْلَاحُ الْقَلْبِ وَمِنَ الْاِصْلَاحِ التَّوَكُّلُ عَلَى الرَّبِّ ○ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ رَدِيْفُهٗ ؛ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ ؛ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ ؛ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ

عـه رواه الترمذی ۱۲

فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِاجْتَمَعَتْ
عَلٰى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَىْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَىْءٍ
قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ ۝ وَلَوِاجْتَمَعُوْا عَلٰى اَنْ
يَّضُرُّوْكَ بِشَىْءٍ لَّمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَىْءٍ قَدْ
كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ ؕ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ ؕ وَ
جَفَّتِ الصُّحُفُ ۝ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ ؕ اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِىْ رَوْعِىْ
اَنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا
اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِى الطَّلَبِ ؕ وَلَا
يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ

عه وقال عليه الصلوٰة والسلام يدخل الجنة من امتى سبعون الفا بغير حساب هم الذين لا يسترقون ولا يتطيرون وعلى ربهم يتوكلون (متفق عليه) عه عن ابن مسعود الحديث طويل اخذ ناه قدر الحاجة رواه البيهقى منقول از مشكوٰة صـ ۴۵۲

بِمَعَاصِی اللّٰہِ فَاِنَّہٗ لَا یُدْرَکُ مَا عِنْدَ اللّٰہِ اِلَّا بِطَاعَتِہٖ ۝ اَعُوْذُ الخ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

وعظِ جمعہ دوم ماہِ شوال بسلسلۂ آدابِ معاشرۂ اسلامی ۲۱
بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ قلب

تدبیرِ دوم توکل اور اسکی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔ اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملت! آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کا ایک اہم جزو اصلاحِ قلب ہے۔ قلبی اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ دل کو روحانی امراض سے تندرست کیا جائے۔ امراضِ قلب میں سے دوسرا مرض تدابیر واسباب پر کلی اعتماد کر لینا ہے۔ یہ مرض اس قدر موذی اور مفسد ہے کہ اگر کسی کے قلب میں پیدا ہو کر بڑھتا رہے تو اس کو خدا سے بالکل غافل اور اسلامی تہذیب و آدابِ معاشرۃ سے بے پرواہ اور آزاد بنا دیتا ہے، جس سے اس کی اُخروی زندگی تباہ ہو جاتی ہے، اس لئے مسلمان کو اس کے علاج کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اس موذی مرض کا علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے قلب میں توکّل کی اسپرٹ (قوت) پیدا کرے اور توکل

کی قوت توحید سے پیدا ہوتی ہے۔ پس اس مرض کے علاج میں سب سے اول توحید کی پختگی میں کوشش کرنی چاہئے۔ آدمی کے عقیدۂ توحید میں شیطان دو طریقہ سے کمزوری پیدا کرتا ہے۔ ایک اس طرح کہ وہ جمادات کے اثرات کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے انسان جب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ کھیتی بارش سے اُگتی بڑھتی ہے۔ بارش بادل سے ہوتی ہے۔ پھر تو کیسے سمجھتا ہے کہ یہ کام خُدا کرتا ہے؟ مگر یہ محض اس کا دھوکہ ہے کیونکہ جب کسی بادشاہ نے قلم سے کسی کے لئے انعام لکھا تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قلم نے مجھے ایک ہزار روپے دئے۔ ظاہر ہے کہ قلم کیا دے سکتا ہے۔ قلم تو بادشاہ کا تابعدار ہے۔ اسی طرح تمام جمادات سورج، چاند، تارے، بارش، بادل وغیرہ سب ایک بڑے باجبروت شہنشاہ کے تابع ہیں اور ان کی حیثیت اپنی تاثیرات کے ظہور میں بالکل ایسی ہی ہے، جیسے انعام دینے میں قلم کی حیثیت ہے۔ دوسرے شیطان اس طرح بہکاتا ہے کہ حیوانات کے اختیارات کی طرف متوجہ کرکے کہتا ہے کہ دیکھو قاتل مختار ہے قتل میں، مالدار مختار ہے سائل کو دینے میں، منشی مختار ہے لکھنے میں، پھر تم کیسے کہتے ہو کہ سب کام خُدا ہی کرتا ہے جبکہ ان سب لوگوں کا اختیار تم خود دیکھ رہے ہو۔ اس مقام پر اکثر ایماندار پھسل جاتے ہیں بجز مخلصین کے، حالانکہ اس مشاہدے سے ہمارا بندہ کو مختار سمجھنا ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک چیونٹی قلم کو کاغذ پر لکھتا ہوا دیکھ کر کہنے لگے کہ قلم مختار ہے چاہے لکھے یا نہ لکھے، کیونکہ اس کی مختصر نظر نوک قلم سے اوپر نہیں جاتی اسی طرح غافل انسان کی مختصر عقل اوپر تک نہیں پہنچتی۔ حقیقت یہ ہے کہ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ یعنی اللہ ہی تمام بندوں پر غالب و متصرف ہے۔ ان دو طریقوں سے شیطان قلب مسلمان میں شرک کا شائبہ پیدا کر دیتا ہے جس سے توحید میں ضعف پیدا ہو جاتا اور اسباب پر اعتماد کا مرض رونما ہو کر توکل جاتا رہتا ہے

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ توکل کی جڑ علم توحید ہی ہے۔ یعنی لَا فَاعِلَ اِلَّا اللّٰہ کا صحیح علم۔ اس علم سے اسباب کی طرف سے بے پروائی کی ایک حالت پیدا ہوتی ہے جس کا نام توکل ہے۔ اس حالت سے ایک پھل پیدا ہوتا ہے جو عمل ہے۔ لہٰذا ہمیں اول علمِ توحید حاصل کرنا چاہیے، یعنی قلب میں صرف اللہ کی فاعلیت پر پختہ یقین حاصل کرنا چاہئے کہ تمام کاموں کا کرنے والا اور موثر صرف اللہ ہی ہے اور کوئی حقیقی موثر و فاعل نہیں۔ اب سمجھئے کہ توکل کے تین درجے ہیں۔ پہلے درجہ کا توکل اللہ پر اس انداز کا اعتماد ہے جیسے آپ کسی مقدمے میں وکیل پر اعتماد کرتے ہیں۔ جب ہم کسی وکیل کی اعلیٰ قابلیت، انتہائی جرأت، اعلیٰ فصاحتِ تقریر اور موکل کے ساتھ انتہائی شفقت کا یقین کر لیتے ہیں تو اس پر اعتماد کر کے مقدمہ اس کے سپرد کرتے ہیں اور اگر کسی وکیل میں ان چاروں چیزوں میں سے کسی میں کمی پاتے ہیں تو اب اس پر دل کا پورا اطمینان نہیں ہوتا اور جس بات میں وکیل کے اندر کمی پاتے ہیں اُس کمی کو اپنی کوشش و تدبیر سے پورا کرتے ہیں۔ اسی طرح جب مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی فاعلیت، اس کے علمِ عباد اور بندوں پر اس کی رحمت و شفقت پر کامل یقین ہو جاتا ہے تو اب اس کو خُدا پر پورا اور کامل اعتماد ہو جاتا ہے۔ یہی ادنیٰ درجہ کا توکل ہے اور اگر ایسے ان چاروں میں کسی چیز پر پورا یقین نہیں ہوتا تو اب وہ اپنے وکیل میں گویا ایک کمی سی محسوس کرتا ہے اور اس کو اپنی کوشش سے پورا کرنا چاہتا ہے۔ یہی حالت وہ قلبی مرض ہے جس کو میں بیان کر رہا تھا اور یہ حالت توکل کے خلاف ہے۔ دوسرے درجہ کا توکل ایسا ہے، جیسا کہ بچہ اپنی والدہ پر اعتماد رکھتا ہے کہ وہ ہر حالت میں صرف ماں ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ماں کے علاوہ اور کسی سے اپنی فریاد نہیں کرتا۔ والدہ کی عدم موجودگی میں بھی جب اس کو تکلیف محسوس ہوتی ہے تو فوراً اماں، اماں

ہی پکارتا ہے۔ اس کی عقل گو چھوٹی ہے مگر وہ اپنی والدہ کی کفالت کا شعور ضرور رکھتا ہے۔ توکل کا یہ درجہ پہلے درجہ سے زیادہ بلند ہے۔ تیسرا درجہ توکل کا یہ ہے کہ آدمی اپنے کو خدا کے ہاتھوں میں ایسا سمجھے جیسے مُردہ غسال کے ہاتھ میں کہ غسال جس طرح چاہے لوٹے پلٹے۔ اسی طرح بندہ سمجھے کہ میں حرکت قدرت ارادہ علم اور تمام صفات وحالات میں خدا کے ہاتھوں مُردہ کی طرح ہوں۔ بچہ تو اپنی ضروریات کے بارے میں ماں سے فریاد کرتا ہے اور یہ اللہ سے کچھ نہیں چاہتا بلکہ ہر وقت اپنے بارہ میں اللہ کے تصرف کا انتظار کرتا رہتا ہے اور یہ توکل اعلیٰ درجہ کا ہے۔ جو شخص اس مقام پر پہنچ جاتا ہے وہ اللہ کے کرم پر انتہائی بھروسہ کرتے ہوئے دوا کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ توکل یا کسی نفع کے بارے میں کیا جاتا ہے یا نقصان کو دفع کرنے میں۔ میں ان دونوں کے متعلق توکل کی حد بیان کرنا چاہتا ہوں کہ حصولِ نفع کے اسباب تین قسم کے ہیں۔ اول یقینی اسباب جیسے ہاتھ سے مُنہ میں لقمہ رکھنا، پیٹ میں جانے کا یقینی سبب ہے۔ اس طرح کے یقینی اسباب کے بارے میں توکل یہ ہے کہ ان اسباب کو اختیار کرے، لیکن بھروسہ اللہ پر ہو، اسباب پر نہ ہو۔ ان اسباب کا چھوڑ دینا توکل نہیں ہے بلکہ سُنّت اللہ سے جہالت اور عادۃ اللہ کی مخالفت ہے اور ایسے اسباب کا چھوڑنا گناہ ہے۔ ایک عابد ایک غار میں جاکر بیٹھا اور ارادہ کر لیا کہ کچھ نہ کروں گا، یہاں تک کہ خدا خود رزق پہنچائے۔ سات روز گذر گئے، مرنے کے قریب ہو گیا، مگر رزق نہ آیا۔ دُعا کی اے خُدا اگر زندہ رکھنا چاہے تو رزق بھیج ورنہ مار دے، آواز آئی میری عزّت کی قسم ہرگز رزق نہ دوں گا، جب تک کہ تو شہر میں جاکر لوگوں کے پاس نہ بیٹھے۔ یہ کسی طرح جاکر بیٹھا۔ چاروں طرف سے رزق آنے لگا۔ اس کو بہت احساس ہوا تو ندا آئی کہ تو نے یہ چاہا تھا کہ اپنے زہد سے میری حکمت کو

باطل کرتے۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اپنے پر قدرت سے رزق پہنچانے سے بندوں کے ذریعہ بندے کو رزق پہنچانا مجھے زیادہ پسند ہے (احیاء) پس یقینی اسباب تدابیر کا چھوڑنا ہرگز توکل نہیں بلکہ تدبیر کرنا، مگر اعتماد تدبیر پر نہیں بلکہ خدا پر کرنا توکل ہے۔ دوسرے ظنی اسباب ہیں یعنی جن اسباب سے نفع کا گمان غالب ہے جیسے دوا سے شفا۔ ان میں توکل یہ ہے کہ اگر انکو اختیار کرے تو اعتماد ان پر نہ ہو بلکہ اللہ کے فضل بھروسہ ہو۔ ایسے اسباب کو چھوڑنے سے اگر نفس میں اضطراب پیدا ہو، اطمینان نہ ہے تو چھوڑنا جائز نہیں۔ اگر نفس مطمئن ہے تو چھوڑنا جائز ہے۔ تیسرے موہوم اسباب ہیں یعنی جن سے نفع حاصل ہونے کا نہ یقین ہو، نہ گمان غالب ہو۔ ہاں وہم اور خیال ہو کہ شاید نفع ہو جائے ایسے اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے اور ایسے اسباب کو چھوڑنا اور انکے پیچھے نہ پڑنا ہی عین توکل ہے مثلاً حصولِ مقصد کے لئے گنڈے تعویذوں مزاروں وغیرہ کے پیچھے پڑنا یا کسب کے لئے ناجائز حیلے تراشنا مثلاً سود کو جائز حیلہ کر کے حاصل کرنا یا کسی سے مکان اس شرط پر خرید کر روپیہ دینا کہ جب وہ روپیہ ادا کردے میں مکان واپس کردوں گا۔ تاکہ مکان کا کرایہ لینا حلال ہو جائے حالانکہ اصل میں روپیہ لینے والا گرو رکھنا چاہتا تھا۔ یہ بیان جائز تدابیر کا تھا، لیکن مشتبہ یا ناجائز تدابیر سے کمانے والا تو دنیا کا کتّا اور حریص ہے۔ اسے توکل کہاں نصیب اور اس کا دعویٰ توکل کا قطعی جھوٹ ہے۔

اسی طرح نقصان دفع کرنے، ضرر سے بچنے کے اسباب بھی تین طرح کے ہیں۔ یقینی اس میں اس قدر تفصیل ہے کہ اگر ضرر کا یقینی سبب انسان سے ہو تو دفع کے لئے ترکِ اسباب اور توکل بر خدا بہتر ہے اور اگر انسان کے غیر سے ہو تو ترکِ سبب دفع جائز نہیں اور نہ یہ توکل میں داخل بلکہ اس صورت میں توکل یہ ہے کہ اسباب اختیار کرے مگر اعتماد خدا پر ہو۔ دوسرے ظنی۔ ان کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، جیسے دوا دفع مرض کے لئے استعمال کرنا جبکہ اعتماد دوا پر نہیں

خدا پر ہے۔ تیسرے وہمی اسباب جیسے بدشگونِ فال وغیرہ پر عمل کرنا وغیرہ ان کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے۔ توکل کی حقیقت اور حدود مختصر طور پر سمجھانے کے بعد اب میں توکل کی علامت عرض کرتا ہوں، جس سے ہر شخص اندازہ کر سکے گا کہ اس کے دل میں اسباب پر بھروسہ ہے یا خدا پر۔ وہ علامت یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے تلف یا نقصان ہونے سے یا خسارہ ہونے سے دل میں اضطراب و پریشانی پیدا ہو جائے تو سمجھنا چاہئے کہ قلب میں بیماری ہے توکل موجود نہیں اور اگر نقصان ہونے پر بھی دل میں اطمینان باقی رہے پریشانی پیدا نہ ہو تو اب واقعی ایسے دل میں توکل ہے کہ وہ شخص خدا پر بھروسہ رکھتا ہے۔ تدابیر پر بھروسہ نہیں رکھتا۔ اب چند احادیث کا ترجمہ عرض کرتا ہوں۔ ابنِ مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ایک بڑے اجتماع کے موقع پر بہت سی امتوں کو دکھلایا گیا تو میں نے اپنی اُمّت کو دیکھا کہ انھوں نے تمام نشیب و فراز کو بھر دیا ہے (یعنی اس قدر زیادہ ہیں) تو مجھے ان کی کثرت اور ہیئت اچھی معلوم ہوئی۔ تب مجھ سے کہا گیا کہ آپ راضی ہو گئے۔ میں نے کہا ہاں تو اس نے کہا اور (ابھی) ان کے ساتھ ستر ہزار ایسے لوگ ہیں (آپ کی امّت کے) جو بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوں گے۔ عرض کیا گیا (صحابہ کی طرف سے) کہ یا رسول اللہؐ وہ کون لوگ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں دلواتے، شگون اور فال نہیں لیتے منتر اور تعویذات نہیں کراتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (یہ سن کر) عکاشہ رضؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ اللہ سے دُعا فرمائیے کہ اللہ مجھے (بھی) اُن میں سے کر دے۔ آپؐ نے فرمایا اے اللہ اس کو اُن میں سے کر دے۔ پھر ایک اور شخص اٹھا اور یہی عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ (اب تو) عکاشہ رضؓ تم سے سبقت لے گئے (احیاء) داغ شگون منتر تعویذ سے مراد اس حدیث میں وہ تمام وہمی

اسباب ہیں کہ جن سے فائدہ یا دفع نقصان کا ہونا نہ یقینی ہو نہ گمان غالب کے درجہ میں بلکہ محض بطور وہم کے فائدہ کی اُمید ہو۔ پس ایسے اسباب کو اختیار نہ کرنا ان کی طرف توجہ نہ کرنا اور خدا پر بھروسہ رکھنے کا یہ درجہ ہے کہ ایسے لوگ بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ گو تعویذات استعمال کرنا، داغ دلوانا جائز ہے، مگر توکل کے خلاف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ لوگوں سے زیادہ غنی اور بے پرواہ ہو جائے اسے چاہیئے کہ یہ نسبت ان (اسباب کے) جو اس کے پاس ہیں اُس (قدرت) پر زیادہ بھروسہ کرے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے (احیاء) نیز خود حق تعالیٰ جل شانہٗ نے متوکل کی ضروریات پوری کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے کہ "اور جو شخص خُدا پر بھروسہ کرے اللہ اسے کافی ہے"۔ اللہ کا یہ خبر دینا خود اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ ضرور متوکل بندہ کی حاجات پوری کرے گا اور ایک جگہ فرمایا کہ "کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے"۔ مطلب یہ کہ بالکل کافی ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا وعدہ ہو سکتا ہے۔ اب بھی اگر ہم کو خُدا کی کفالت پر اعتماد نہ ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارا ایمان (نعوذ باللہ) قرآن پر نہیں رہا۔ دوستو! ہم قرآن کے اس جملہ پر جس قدر غور کریں گے، اسی قدر توکل قلب میں پیدا ہوگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب دوا اور شفا کس کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری جانب سے تو آپ نے فرمایا کہ پھر یہ حکیم لوگ کیا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ (کرتے کیا) اپنا رزق (اس حیلہ سے) کھاتے ہیں اور میرے بندوں کا دل خوش رکھتے ہیں، یہاں تک کہ میری شفا یا میرا فیصلہ ان کو پہنچ جائے (احیاء) اس روایت میں ایک زبردست حقیقت کو بیان کر دیا گیا ہے جس کو صرف بہت اونچی عقل والے لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یقینی یا ظنی اسباب و تدابیر کو کام میں لاتے ہوئے صرف خُدا کی قدرت کو موثر

سمجھ کر اس پر اعتماد کرنا ہی اصل توکل ہے۔ اسباب کو موثر جاننا بھی غلط ہے اور بالکل اسباب کا ترک کرنا بھی جہالت ہے۔ پس ہمیں چاہئے کہ توکل کی حقیقت سمجھنے کے بعد اپنے قلب کی اصلاح کریں اور اس میں توحید و توکل قائم کریں۔ اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم اپنے قلب کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ اس میں جو بیماریاں ہوں ان کو دُور کریں وہمی اسباب کے پیچھے پڑ کر اپنی عمر اور محنت ضائع نہ کریں بلکہ خُدا پر بھروسہ کریں۔ اے خُدا تو ہمیں متوکل بنا کر ان لوگوں کا درجہ عطا فرما جو بے حساب جنت میں جائیں گے۔ الٰہی تو ہماری گزشتہ غلطیوں، گناہوں کو معاف فرما اور آئندہ کے لئے اسلامی تہذیب کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

خطبۂ جمعہ سوم ماہِ شوال در آدابِ معاشرۃِ اسلامی نمبر ۲۲

بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ قلب۔ تدبیرِ سوّم

توبہ اور اس کا صحیح طریقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سَرِيْعِ الْحِسَابِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ۝ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ مِمَّنْ اٰمَنَ وَتَابَ ۝ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ

لَاشَرِيْكَ لَهٗ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ ○ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ اِصْلَاحُ الْقَلْبِ ○ وَمِنْ اِصْلَاحِهٖ التَّوْبَةُ عَنِ الْمَعَاصِىْ اِلَى الرَّبِّ ○ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِىْ اٰدَمَ خَطَّاؤُوْنَ + وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَالَمْ يُغَرْغِرْ ○ وَقَالَ[ع] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

عہ مسلم ۱۲

إِنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا الخ

خُطبۂ جُمعہ سوم ماہِ شوال در آدابِ معاشرۂ اسلامی ۲۲

بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ قلب۔ ......نمبر سوم

توبہ اور اس کا صحیح طریقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ برادرانِ ملت! معاشرۂ اسلامیہ کا ایک اور اہم جزء اصلاحِ قلب ہے اور اصلاحِ قلب کی ایک اہم تدبیر دل کی اس کدورت اور زنگ کو دور کرنا ہے جو گناہوں کی وجہ سے دل پر پیدا ہو جاتا ہے۔ یاد رکھئے کہ دل معرفتِ حق تعالیٰ کی تجلیات دیکھنے کا ایک آئینہ ہے اور ہر شہوت یا گناہ اک حجاب یا پردہ ہے جو قلب اور تجلیات کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اس حجاب کے حائل

ہو جانے کے بعد قلبِ انسانی اس قابل نہیں رہتا کہ تجلیاتِ ربانی کا مشاہدہ کر کے ایمان و یقین کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کر سکے، لہٰذا ایسے قلب والا مسلمان ناقص الایمان رہ جاتا ہے اور اس کا ایمان مکمل نہیں ہونے پاتا۔ حالانکہ اسلامی زندگی گذارنے والے انسان کی زندگی کا اہم کام یا وظیفۂ حیات تکمیلِ ایمان ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ مرید آخرت اور ہر اس مسلمان کے لئے جو مسلمان رہ کر اسلامی طریقہ پر زندگی گذارنا چاہتا ہے وہ اہم تدبیر بیان کی جائے جس کے عمل میں لانے سے قلب کی یہ رجحانات دور ہوں اور تمام کدورتیں اور زنگ آئینۂ دل سے صاف ہو کر دل اس قدر شفاف ہو سکے کہ اس میں انوار و تجلیاتِ الٰہیہ کا عکس پڑ سکے اور معرفتِ حق حاصل ہو کر ایمان مکمل ہو سکے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ قلب کو صیقل اور کدورت سے پاک کرنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ آدمی تمام گناہوں سے واقعی طور پر توبہ کرے جس طرح آئینہ پر سانس کی بھاپ یا سانس ڈالنے سے ایک قسم کی کدورت پیدا ہوتی ہے اسی طرح ہر گناہ اور ہر شہوت سے اسی انداز کی ایک کدورت دل میں پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اگر یہ زنگ تہ بر تہ جمتا اور بڑھتا چلا جائے تو اب ایک قسم کی سیاہی پیدا ہو جاتی ہے جو تمام قلب کو گھیر لیتی ہے اور پھر دل کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ کسی اصلاح و خیر کو قبول کرنے کے قابل نہیں رہتا، جیسے لوہے پر زیادہ زنگ اگر عرصہ تک رہ جائے تو لوہے کے جسم کے اندر تک سرایت کر جاتا ہے پھر وہ گل کر کسی کام کا نہیں رہتا۔ اگر یہ زنگ عرصہ تک قلب پر چھایا رہا تو بعض اوقات کفر پر خاتمہ کا قوی اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے انسان کہ اگر جسم انسانی میں روح نہ ہو تو اس کو انسان نہیں کہا جا سکتا۔ پس ایمان کی روح توحید ہے۔ اگر وہ نہ ہو ایمان ہی نہیں اور اگر کسی جسم انسانی میں روح تو ہو لیکن اس کے ہاتھ پیر کٹے ہوئے، آنکھیں پھٹی ہوئی، ناک کٹی ہوئی، دانت گرے

ہوئے، کان کٹے ہوئے ہوں تو یہ شخص انسان تو ضرور ہے مگر کیسا انسان؟ جس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ بالکل یہی مثال سمجھو اس شخص کے ایمان کی جو کلمۂ توحید تو پڑھتا ہے مگر اس کا کوئی اثر اس میں نمایاں نہیں ہوتا۔ ایمان ایک درخت ہے اور اعمال اس کی شاخیں، پتے وغیرہ ہیں۔ معرفت اس کا آخری ثمر یا پھل ہے۔ پس جب کسی مومن پر نہ ایمان کی شاخیں نمایاں ہوں، نہ پتے ہوں نہ پھل ہوں تو یہ ایمان ایسا ہی ہوا جیسا ہاتھ پیر کٹا ہوا انسان۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی قریب المرگ ہوجاتا ہے۔ اور اس کی زندگی کی آس نہیں رہتی۔ اسی طرح ایسا ایمان قریب الختم ہوجاتا ہے، اندیشہ ہے کہ موت کے وقت شیطان کے ذرا سے اشارہ پر کافر ہوجائے اور بری موت مرے۔ ان تمام خرابیوں کی وجہ سے ضروری ہے کہ آدمی اپنے ایمان کی درستگی کی طرف متوجہ ہو اور اپنے قلب کی اصلاح کیلئے اولین فرصت میں مکمل طور پر توبہ کرے۔ توبہ کے لغوی معنی ہیں رجوع کرنا، لیکن شریعت میں توبہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر اس طریقہ یا کام سے لوٹ جانا جو اللہ سے دور کرنے والا ہو۔ زبانی توبہ توبہ کہہ کر آہستہ سے اپنے منہ پر ہاتھ مار لینا توبہ نہیں ہے بلکہ توبہ کی حقیقت تین چیزوں سے مرکب ہے۔ جب تک وہ تینوں چیزیں نہ ہونگی توبہ مکمل نہ ہوگی اور نہ ایسی توبہ قلبی حجاب کو دور کرے گی۔ توبہ کے تین اجزا میں سے پہلا جز علم ہے یعنی توبہ کرنے والا یہ جانے کہ جس گناہ سے وہ توبہ کر رہا ہے اس میں کیا خرابی ہے۔ گناہوں میں سیکڑوں خرابیاں ہیں، لیکن ہر گناہ میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ وہ بندہ کو خدا سے دور کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کی معرفت میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ دل کی صفائی کو خراب کرتا اور کدورت و میل قلب پر پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مہربانی اور لطف و کرم سے محروم اور جلال و جبروت والے بادشاہ کے غصہ کا مستحق بنا دیتا ہے۔ مناسب ہے کہ توبہ کرنے سے پہلے اس گناہ کے

متعلق حدیث و قرآن میں جو برائیاں بیان کی گئی ہیں انکو دیکھئے اور غور کرے
تاکہ اس کی خرابی اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ اب توبہ کا یہ جز مکمل ہو جائے گا۔
دوسرا جز حال ہے یعنی تائب کے دل پر ندامت اور رنج و افسوس کی حالت پیدا
ہو جائے۔ ندامت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک شخص کو جب یہ معلوم ہو کہ مجھے فلاں
جرم پر پھانسی دی جائے گی تو وہ اپنی جان کے ساتھ شدید محبت کی وجہ سے اپنے دل
میں سخت رنج و درد محسوس کرے گا، بے چین ہو جائے گا، جس کی ظاہری علامات یہ
ہوگی کہ چہرہ اداس، حسرت کی آہیں، رونے کی آواز، آنکھوں سے آنسو جاری
ہو جائیں گے۔ اسی طرح تائب کے قلب میں گناہ سے اپنے محبوبِ حقیقی کی جدائی پر
اس قدر رنج و ملال کا درد پیدا ہو کہ وہ سب علامتیں جو اوپر بیان ہوئیں اس کے
چہرہ آنکھوں وغیرہ سے نمایاں ہوتی رہیں۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
گناہوں پر سزا ہونے کی خبر دی ہے۔ اُن سے زیادہ سچا کون ہو سکتا ہے۔ سزا
دینے والا حاکم اللہ تعالیٰ ہے۔ اس سے زبردست کون ہو سکتا ہے اور عذابِ دوزخ
سے زیادہ سخت اور کونسا عذاب ہو سکتا ہے، جو موت سے بھی زیادہ سخت
اور تکلیف دہ ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ سچی توبہ کرنے والے پر اپنے گناہ کی وجہ
سے ایسی ندامت نہ پیدا ہو، جب تائب کا یہ حال ہو جائے تو اب توبہ کا دوسرا
جز مکمل ہو گیا۔ تیسرا جز عمل ہے جو دراصل احساسِ جرم اور احساسِ ندامت کا
قدرتی نتیجہ ہے، کیونکہ سامنے سے اژدہا یا شیر آتا دیکھ کر ہمارے قدم کا لوٹنا اور پیچھے
ہٹنا فطری چیز ہے، لہٰذا تائب کا قدم گناہ سے ہٹ کر دوسری طرف یعنی تقویٰ،
پرہیزگاری اور عبادت اطاعت کی طرف اُٹھنا ایک ضروری چیز ہے اگر اس طرف
قدم نہ اٹھا تو یقیناً نہ اسے جرم کے نقصان کا صحیح احساس ہوا اور نہ اس کے قلب
میں ندامت پیدا ہوئی اور جب تینوں اجزا، توبہ کے مکمل نہ ہوئے تو یہ توبہ نہیں بلکہ مذاق ہوا

اللہ تعالیٰ سے، نعوذ باللہ۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
زبان سے معافی چاہنے والا اور گناہ پر اصرار کرنے والا اپنے رب کے ساتھ مذاق کرنے
والے کی مانند ہے (احیا) اور اللہ تعالیٰ یا اُس کے احکام سے مذاق کرنا اتنا بڑا
جرم ہے کہ مومن کو کافر بنا دیتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں بارہا استہزا بالدین
پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں، لہٰذا تائب کے لئے ضروری ہوا کہ احساسِ جرم
اور دردِ ندامت کے بعد عمل کی طرف قدم اُٹھائے۔ اس عمل کا مطلب یہ ہے کہ
اول پختہ قصد کرے کہ اب اس گناہ کو ہرگز ہرگز نہ کروں گا اور اس گناہ سے ایسی
نفرت دل میں پیدا کرے جیسا کہ ایک دفعہ سنکھیا کھا کر نقصان اُٹھا کر ہمیشہ
دل میں اُس سے سخت نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ایسی نفرت پیدا نہ کی تو یہ توبہ
تارِ عنکبوت کی طرح کمزور ثابت ہوگی۔ روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں کسی شخص سے
گناہ سرزد ہُوا۔ اس نے توبہ کی اور پھر چالیس برس تک متواتر عبادت میں مصروف رہا اور
پھر نبیٔ وقت سے پُوچھا کہ میری توبہ قبول ہوگئی یا نہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے
دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ قسم ہے میری عزّت و جلال کی، اگر تمام آسمان
و زمین والے بھی اس کی سفارش کریں گے تو مَیں اس کی توبہ قبول نہ کروں گا جب تک
کہ جس گناہ سے اس نے توبہ کی ہے، اُس کی چاشنی اس کے دل میں باقی ہے (احیا)
پس تائب گناہ کے ترک کا ایسا پختہ ارادہ کرے کہ اس گناہ سے سخت نفرت پیدا
ہو جائے اور پھر اس قسم کے جس قدر گناہ پہلے سرزد ہو چکے ہیں، ان کا تدارک کرے،
مثلاً ترکِ نماز سے توبہ کی ہے تو اب لازم ہے کہ بالغ ہونے سے اب تک اپنی عمر کا
حساب لگائے۔ جس قدر سال مہینے دن نکلیں ان میں غور کرے کہ کس قدر نمازیں
چھوٹی ہیں۔ خوب غور و تحقیق کے بعد یا اگر تحقیق نہ ہو سکے تو گمانِ غالب سے جس قدر
نمازیں فوت شدہ معلوم ہوں ان کی قضا کرے۔ اگر قضا سے پہلے موت آجائے تو کفارہ

کے لئے فدیہ کی وصیت کر جائے۔ اسی طرح روزہ کا تدارک کرے، زکوٰۃ کا تدارک اس وقت سے کرے جب سے کہ وہ صاحبِ نصاب ہُوا ہے اور حساب و کتاب دیکھ کر ہر سال جس وقت زکوٰۃ واجب ہُوئی ہو اس کو سال وار جوڑ کر زکوٰۃ ادا کر دے۔ اسی طرح اگر سود سے توبہ کی ہے تو جس قدر سود لیا ہے اس کا حساب کر کے جن سے لیا ہے ان کو واپس کر دے۔ اگر پتہ نہ چل سکے تو پھر ایسی تمام رقم فقیروں کو تقسیم کر دے اور اگر تجارت میں جھوٹ فریب سے کام لیا ہے تو اس کا حساب کرے اور جس قدر گمان غالب سے اندازہ معلوم ہو اس قدر رقم ان کو واپس کر دے اور جو معلوم نہ ہو سکے اس کے لئے ہمیشہ بارگاہِ الٰہی میں رو کر معافی چاہتا رہے اور کثرت سے نیکیاں کرتا رہے تاکہ اگر حساب و کتاب میں اگر کسی کا حق نکلے تو اپنی نیکیاں دے کر خود محروم نہ رہ جائے اور اگر واپسی ممکن نہ ہو تو یہ رقم خیرات کر دے۔ اگر غیبت، حسد وغیرہ کے گناہ کئے ہیں تو ان لوگوں سے جن کی غیبت وغیرہ کی ہے، عاجزی کے ساتھ معافی چاہ لے اگر وہ مر گئے ہوں تو ان کے لئے بکثرت دُعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرے ورنہ پھر سوائے نیکیاں دے کر حساب چکانے کے اور کوئی صُورت نہیں رہتی۔ غرض اسی طرح جس گناہ سے توبہ کی ہے اس کا تدارک کرے۔ تب توبہ مکمل ہو گی مگر صرف ایک گناہ سے توبہ کرکے قلب کے حجابات دُور نہ ہونگے اور مقصود حاصل نہ ہو گا، کیونکہ جس گُناہ سے توبہ کی ہے، اس سے صرف اسی ایک قسم کے حجابات دُور ہوئے۔ دوسری قسم کے گناہوں کا زنگ برابر دل پر قائم رہا، لہٰذا ہر مُسلمان کو ضروری ہے کہ جب کامل مُسلمان بن کر اسلامی زندگی گذارنے کا ارادہ کرے تو تمام گناہوں سے اسی طرح مکمّل توبہ کرے اور گذشتہ کا تدارک کرے، تب قلب پُوری طرح صاف ہو گا پھر صرف توبہ نورِ معرفت کے لئے کافی نہیں بلکہ مزید طاعات اور عبادات میں مشغول ہو تاکہ دل میں مزید جِلا اور نُور پیدا ہو، جس کی روشنی میں ایمان کی تکمیل ہوتی

ہے۔ سچی توبہ کا خاص اثر یہ ہے کہ وہ قلب کی تمام کدورتیں صاف کر دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمام بنی آدم خطا کرنے والے ہیں لیکن بہتر خطاکار وہ ہیں جو توبہ کر لیں (ترمذی) نیز آپ نے فرمایا کہ اے لوگو اللہ کی جناب میں توبہ کیا کرو کہ میں بھی (باوجود معصوم ہونے کے) روزانہ سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں (مسلم) اللہ اکبر ذرا حضورؐ کے اس خوفِ خدا کو دیکھئے اور پھر اپنے نڈر اور بے خوف ہونے کو دیکھئے کہ ہم رات دن کبیرہ گناہ کرتے ہیں مگر سچی توبہ ایک گناہ سے بھی نہیں کرتے اور آپ باوجود پاک وصاف ہونے کے خدا کے قہر و جلال اور اس کے غصہ سے اس قدر خائف ہیں کہ روزانہ سو مرتبہ سچی توبہ کرتے ہیں۔ بس اب زیادہ نہیں کہا جاتا۔ اپنی اس غفلت اور بے خوفی پر رونا آتا ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنا خوف ہمارے دلوں میں پیدا کرے۔ ہمیں گناہوں سے سچی توبہ کی توفیق دے۔ گناہوں کا زنگ ہمارے دلوں سے دور کرے اور ہمارے قلوب کو نورِ معرفت سے آئینہ کی طرح چمکا دے اور ہمیں کامل مسلمان بن کر زندگی گذارنے کی توفیق دے اور کافرانہ یا منافقانہ طریقے پر جینے سے بچائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ؏

؏ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۰ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

خطبۂ جمعہ چہارم ماہِ شوال در آدابِ معاشرۂ اسلامی ۲۳

بسلسلۂ تدابیرِ اصلاح القلب۔ تدبیرِ چہارم

حسنِ نیّت واخلاص

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ خَالِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِیْنَ ○

مُكَلِّفِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ ○

اَنْ یَّعْبُدُوْهُ عِبَادَةَ الْمُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ○

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ

رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا

مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْنَ ○

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ○

اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِنَّ مِنْ اٰدَابِ

الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِیَّةِ اِصْلَاحَ الْجَنَانِ ○

وَمِنْ اِصْلَاحِهِ الْاِخْلَاصُ فِیْ طَاعَةِ الرَّحْمٰنِ ○

فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ +[۱] اِنَّمَا الْاَعْمَالُ

[۱] رواہ البخاری ١٢

بِالنِّيَّاتِ وَلِكُلِّ امْرِءٍ مَّا نَوٰى (الحدیث) وَقَالَ
عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ : اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى
صُوَرِكُمْ وَاَقْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى
قُلُوْبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ ○ وَقَالَ[2] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ
وَالسَّلَامُ : اِنَّ الْعَبْدَ لَيُسْئَلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
عَنْ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى عَنْ كُحْلِ عَيْنَيْهِ وَعَنْ
فُتَاتِ طِيْنَةٍ بِاَصْبُعِهٖ وَعَنْ لَمْسِهٖ ثَوْبَ
اَخِيْهِ ○ وَقَالَ[3] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَا
مِنْ عَبْدٍ يُخْلِصُ لِلّٰهِ الْعَمَلَ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا
اِلَّا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى
لِسَانِهٖ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا

[1] جمع الفوائد ۱۲ [2] الاحیاء ۱۲ [3] الاحیاء ۱۲

لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ○ بَارَكَ اللّٰهُ

وعظِ جمعہ چہارم ماہِ شوال در آدابِ معاشرۂ اسلامی

بسلسلۂ تدابیرِ اصلاح القلب ۔ تدبیرِ چہارم

حُسنِ نیّت واخلاص

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

اَمَّا بَعْد برادرانِ ملّت! آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کا ایک اہم شعبہ اصلاحِ قلب ہے اور اصلاحِ قلب کا اہم جز نیک نیّتی اور اخلاص ہے جن کی حقیقت معلوم کئے بغیر آدمی اپنے قلب میں ان دونوں کو پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے پہلے میں اُن کی حقیقت بیان کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نیّت کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زبان سے یوں کہے "میں نیّت کرتا ہوں چار رکعت نماز ظہر کی، واسطے اللہ کے پیچھے اس امام کے، مُنہ میرا کعبہ شریف کی طرف"۔ صرف زبان سے یہ الفاظ ادا کر دینا نہ شریعت میں معتبر ہیں نہ طریقت میں، اور اُن کو ضروری سمجھنا بدعت ہے بلکہ نیّت کا مطلب مسائل فقہیہ میں تو یہ ہے کہ "دل سے کسی عبادت کا ارادہ کرنا"۔ اور طریقت میں یعنی اُس علم میں جس کا تعلق دل کی اصلاح سے ہو، نیّت کی حقیقت صرف دل کا ارادہ بھی نہیں ہے بلکہ دلی ارادہ کی تہ میں جو چیز پوشیدہ ہے اس کا نام اہلِ طریقت کے یہاں نیّت ہے۔ اس معمہ کی تشریح یہ ہے کہ عاقل انسان کی ہر اختیاری حرکت یا سکون تین چیزوں کے بغیر نہیں ہوتا۔ ایک علم، دوسرے ارادہ، تیسرے قدرت

آدمی کسی کام کا ارادہ اسی وقت کرتا ہے جب اس کا مفید ہونا معلوم ہو جائے۔ جب کسی کام کا مفید ہونا معلوم ہو جاتا ہے تو اب ہماری طبیعت میں اُس چیز کی طرف رغبت اور طبعی میلان پیدا ہوتا ہے اور جب یہ میلان پوری طرح پیدا ہو جاتا ہے تو اب ہم اس کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور جب ارادہ کرتے ہیں تو اعضا میں عمل کی قُدرت پیدا ہوتی ہے اور اس قُدرت سے اعضا حرکت کر کے عمل کرتے ہیں۔ پس علمِ فوائد محرّک ہے میلانِ طبعی کا اور میلانِ طبعی یا رغبت محرک ہے ارادہ کا اور ارادہ محرک ہے قُدرت کا اور قُدرت محرّک ہے اعضا کی اور ان سب کا کنکشن بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ گھڑی کے پُرزوں میں ہے کہ ہر ایک کی حرکت دوسرے پر موقوف ہے۔ اگر کوئی پُرزہ ان میں سے موجود نہ ہو یا موجود ہو مگر صحیح طریقہ پر نہ ہو تو نتیجہ یعنی وقت معلوم کر سکنا حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح مسلمان کے تمام عمل کا مقصود خدا کی رضا اور قربت حاصل کرنا ہے۔ پس اگر عمل کے سلسلہ کی ان کڑیوں سے کوئی ایک کڑی بھی غائب ہوئی یا خراب ہوئی تو گو عذاب سے نجات حاصل ہونا ممکن ہے، لیکن نتیجہ یعنی رضاءِ الٰہی اور درجہ قربت حاصل ہو سکنے کی کوئی قوی اُمید نہیں کی جا سکتی، حالانکہ مسلمان کی زندگی کا انتہائی مقصد اسلام نے اسی کو بتایا ہے۔ پس اس تشریح سے معلوم ہوا کہ علمِ فوائد کے بعد جو طبعی میلان یا رغبت پیدا ہوتی ہے جو آدمی کے ارادہ کو عمل کیلئے اُبھارتی ہے۔ علمِ طریقت میں یہی چیز نیّت کی حقیقت ہے اور یہی چیز ارادہ کی تہ میں پوشیدہ رہتی ہے۔ اسکو صوفیائے کرام تفہیم کی غرض سے باعث الارادہ کہتے ہیں، یعنی انسانی ارادہ کو ابھارنے اور برانگیختہ کرنے والی چیز۔ اب سمجھئے کہ یہ باعث چار طرح کا ہوتا ہے۔

ایک اس طرح کا کہ یہ باعث صرف کوئی ایک ہی ہو اور اس کے ساتھ دوسری کوئی چیز شامل ہو، جیسے بیٹھا ہُوا آدمی شیر کو دیکھ کر اٹھا تاکہ بھاگے تو اُس اُٹھنے کا باعث صرف بھاگنا ہے۔ اس قسم کے باعث کا نام نیّتِ خالصہ ہے اور اس باعثِ خالص سے ارادہ پیدا ہو کر بذریعہ قدرت

واختیار جو عمل سرزد ہوگا، اس عمل کا نام عملِ خالص ہے۔ اب اگر یہ باعث صرف رضاءِ حق ہے تو ایسے عمل کو خالص لوجہ اللہ کہیں گے اور اگر مثلاً باعث صرف ریا و نمود ہے تو ایسے عمل کو خالص للریا کہیں گے اور اس قسم کے پیدا شدہ عمل کا حکم یہ ہے کہ اگر اللہ کے لئے ہے تو موجبِ قربت ہے اور اگر خالص غیر اللہ کے لئے ہے تو موجبِ بُعد ہے۔ دوسرا باعث اس طرح کا ہوتا ہے کہ وہ باعث صرف ایک چیز نہیں بلکہ دو چیزیں کسی عمل کا باعث بنی ہیں مگر ہر ایک چیز اس درجہ کی باعث ہے کہ اگر دوسری چیز نہ ہوتی تب بھی ان میں سے ہر ایک چیز تنہا اُس عمل پر آمادہ کر دیتی مثلاً کسی شخص نے اپنے رشتہ دارِ محتاج کو کچھ دیا۔ یہاں اس شخص معین کو دینے میں دو باتیں باعث ہیں۔ ایک یہ کہ وہ رشتہ دار ہے دوسرے یہ کہ وہ محتاج ہے۔ اگر دینے والے کے دل میں یہ دونوں وجہ برابر ہوں کہ اگر وہ رشتہ دار نہ ہوتا تب بھی دیتا اور قرابت ہوتی مگر محتاج نہ ہوتا تب بھی دیتا ایسی حالت میں دینے کے دو باعث ہوئے اور دونوں مستقل ہیں۔ اس قسم کے باعثوں کا نام مرافقت بواعث ہے۔ تیسرا باعث اس طرح کا ہوتا ہے کہ دونوں برابر درجہ کے مستقل باعث نہ ہوں بلکہ ایک باعث ایسا ہو کہ اگر وہ تنہا ہوتا تب بھی یہ شخص وہ کام کرتا۔ دوسرا باعث ایسا ہے کہ اگر صرف یہ ہوتا تو آدمی عمل نہ کرتا، لیکن اس کے ہونے سے ارادہ اور زیادہ قوی ہوگیا اور عمل میں اس نے مزید سہولت پیدا کر دی۔ ایسے باعث کا نام معاونۃ البواعث ہے۔ چوتھا باعث اس طرح کا ہوتا ہے کہ ایسی دو چیزوں کی قوت سے بنا ہو کہ ہر ایک چیز کسی عمل کے لئے اُبھارنے میں کافی نہ تھی، لیکن دو چیزیں مل کر باعث بن گئیں جیسے دو ضعیف آدمی مل کر کسی بوجھ کو اُٹھا لیں۔ اس کا نام مشارکت البواعث ہے۔ [غرض] ان چار قسم کے باعث سے نیت چار قسم کی ہوگئی اور عمل بھی تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کا کرنا گناہ ہے۔ اس قسم کے اعمال میں چاروں قسم کی نیت کوئی اچھا اثر پیدا نہیں کرتی۔ نیت خواہ کتنی ہی اچھی ہو۔

لیکن اس کی وجہ سے کوئی حرام حلال نہیں ہوسکتا۔ بعض جاہل یا نیک بے وقوف سمجھتے ہیں کہ اگر اچھی نیت سے کوئی گناہ بھی کرلیں تو کچھ جُرم نہیں - یہ بڑی زبردست گمراہی ہے، مثلاً مالِ حرام اس لئے کمائے تاکہ مسجد تعمیر کرے یا بزرگوں کے مزار پر چادریں چڑھائے، میلہ لگائے، دھوم دھام سے عرس کا انتظام کرے، صندل کا جلوس نکالے تاکہ ہندوؤں کی نظر میں اولیاءِ کرام کی شان ظاہر ہو یا کسی انجمن کے سرمایہ کو سود پر چلائے تاکہ انجمنِ اسلامیہ کو ترقی دے یا کسی انجمن کے مقاصد کی تکمیل کے لئے جھوٹ بولے، غلط مضامین شائع کرے، جھوٹی تقریریں کرے اور جھوٹا پروپیگنڈا کرے تاکہ وہ انجمن اپنے مقاصد میں کامیاب ہو۔ اس انداز کے اور اس قسم کے تمام کام اپنی جگہ حرام ہیں جو نیک نیتی کی وجہ سے کسی طرح حلال نہیں ہوسکتے۔ افسوس کہ اس قسم کی جہالت میں پچھتّر فیصدی مسلمان مبتلا ہیں۔ اعمال کی دوسری قسم طاعاۃ و عبادات ہیں۔ اُن کا حُکم یہ ہے کہ ان میں باعث اگر صرف رضاءِ حق ہے تو یہ اخلاص ہے جو اصل مقصد کے لئے بے انتہا مفید ہے اور اگر خالص ریاء و نمود کے لئے ادا کی گئی ہیں تو یہ عبادتیں بھی اب گناہ میں شمار ہیں اور اگر ان کا باعث مشترک یا مرافق ہے، تب بھی معصیت ہیں اور اگر باعث میں تعاون ہے تو اگر باعثِ خیر غالب ہے تو ثواب ہوگا مگر کم کہ فضیلت کم ہوجائے گی اور اگر باعثِ شر غالب ہے تو اب وہ معصیت میں شمار ہوگا۔ پس اخلاص صرف اسی عمل میں ہوگا، جس میں باعث خالص لوجہ اللہ ہو۔ اعمال کی تیسری قسم مباحات ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ اگر باعث صرف لوجہ اللہ ہے تو یہ طاعات میں داخل اور موجبِ ثواب ہوں گے اور اگر باعث باقی اقسام میں سے ہے تو اب نہ ان کا کرنا ثواب ہوگا اور نہ موجبِ عذاب۔ ہاں مباحات میں مشغول رہنا جبکہ نیت لوجہ اللہ نہ ہو بروزِ قیامت حساب وکتاب میں مُصیبت

پیدا کرے گا، جہاں جواب دہی کرنا سخت مشکل ہوگا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں بندہ سے ہر چیز کے متعلق سوال کیا جائے گا حتیٰ کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے اور انگلی سے مٹی کریدنے اور اپنے بھائی کا کپڑا چھونے کے متعلق بھی سوال ہوگا (احیا) نیت کی حقیقت پر غور کرنے کے بعد ایسا حسنِ نیت جس میں قطعاً غیر اللہ کا شائبہ تک نہ ہو پیدا کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ انسان پہلے اپنے ایمان کو شوائب شرک سے پاک کرکے قوی کرے پھر اس اثر و ثواب کا پورا اعتقاد پیدا کرے جو کسی عمل کے متعلق حدیث و قرآن میں مذکور ہے، جس سے اس کے حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوکر اس عمل کی طرف رغبت ہوگی اور نیت خالص ہو جائے گی، لیکن اجر و ثواب کے شوق سے جو رغبت پیدا ہوگی، یہ باعث کم درجہ کا ہوگا بہ نسبت اس باعث کے جو خدا کی محبت و رضا جوئی کے شوق سے پیدا ہو۔ اب رہا اخلاص تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ نیت کی چاروں قسموں میں سے اس قسم کی نیت پائی جائے جس میں قطعاً کوئی دوسرا باعث شریک ہی نہ ہو تو اس قسم کی نیت کو اخلاص کہتے ہیں۔ ایسے باعث سے ارادہ پیدا ہوکر جو کام کیا جائے گا اس کو عملِ خالص کہا جاتا ہے۔ عمل میں اخلاص پیدا ہونے کی تدبیر سوائے اس کے کچھ نہیں کہ آدمی اپنے خواہشاتِ نفسانیہ کو توڑے۔ نفس پر پوری طرح قابو حاصل کرے اور دنیا سے اپنی حرص قطعاً منقطع کردے اور اپنے آپ کو صرف آخرت کے لئے مخصوص کرلے۔ اس طرح کہ یہ حالت طبیعت پر غالب آجائے۔ تب کہیں اعمال میں اخلاص پیدا ہونے کی امید کی جاسکتی ہے، لیکن یہ مطلب نہیں کہ جب تک اخلاص پیدا نہ ہو عمل ہی نہ کرے اور ریاء وغیرہ کے خوف سے عمل کرنا ہی چھوڑ دے، کیونکہ اس صورت میں شیطان زیادہ کامیاب ہوجائے گا۔ وہ تو چاہتا ہی یہ ہے کہ لوگ نیک عمل چھوڑ دیں۔ جب لوگ نیک عمل نہیں چھوڑتے تو اب وہ ریاء وغیرہ کا وسوسہ پیدا کرکے اس عمل کو برباد کرنے کی

کوشش کرتا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم نہ اعمال چھوڑدیں اور نہ قلب میں شیطان کو ریاء وغیرہ کے وسواس ڈالنے کا موقع دیں۔ اب میں نیّت کے اخلاص کے متعلق چند احادیث کا ترجمہ سناتا ہوں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمل کا مدار نیّت پر ہے اور آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیّت کی (بخاری) نیز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور باتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمھارے دلوں کو اور نیتوں کو دیکھتا ہے (جمع الفوائد) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اعمال میں حسنِ نیّت اور اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہر مسلمان کو ضروری ہے اور اس کی زندگی کے فرائض میں سے ہے کہ وہ جو کچھ کرے خالصًا لوجہ اللہ کرے۔ اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو توفیق دے کہ ہم اپنے اعمال میں نیک نیتی اور خلوص کا لحاظ رکھیں اور اغراضِ نفسانیہ کے ماتحت اعمال کرنے کی مذموم عادت ترک کریں۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

عہ اَعُوْذُ بِاللہِ الخ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۰ بَارَكَ اللہُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

خُطبۂ جُمعہ پنجم ماہِ شوال در آدابِ معاشرۂ اسلامی ۲۴

بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ قلب۔ تدبیرِ پنجم

فقر و زہد کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَدَّ نُعَمَاءَ الْجَنَّاتِ ۰

لِمَنْ زَهِدَ فِي الدُّنْيَا وَاشْتَغَلَ بِالطَّاعَاتِ ○ أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ○ وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ ○ وَأَصْحَابِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ ○ أَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْإِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا أَنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ إِصْلَاحَ الْجَنَانِ ○ وَمِنْ إِصْلَاحِهِ الزُّهْدُ فِي الدُّنْيَا وَالرَّغْبَةُ إِلٰى نِعَمِ الْجِنَانِ ○ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَدْخُلُ فُقَرَاءُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ ○

؎ كذا في الاحياء رواه الترمذي ۱۲

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ○ اِطَّلَعْتُ فِى الْجَنَّةِ فَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا الْفُقَرَاءَ ۞ وَاطَّلَعْتُ فِى النَّارِ فَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا الْاَغْنِيَاءَ وَالنِّسَاءَ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ۞ اِذَا رَاَيْتُمُ الْعَبْدَ وَقَدْ اُعْطِىَ صَمْتًا وَّزُهْدًا فِى الدُّنْيَا فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ط وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

ع۱ كذا فى الاحياء ۱۲ ع۲ كذا فى الاحياء ۱۲

وعظِ جمعہ پنجم ماہِ شوال در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ

بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ قلب۔ تدبیرِ پنجم

فقر و زہد کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کا ایک اہم شعبہ اصلاحِ قلب ہے اور قلب کے مہلک امراض میں سے ایک مرض فقر کو اپنے لئے برا سمجھنا اور دنیوی غنا کو بہتر تصور کرنا بھی ہے۔ مغربی تہذیب کے ناپاک اثرات کی وجہ سے اس مرض کے جراثیم نے ہمارے قلوب میں اس قدر گھر کرلیا ہے کہ ہمارے اسلامی دماغ اس سے بے حد ماؤف ہوچکے ہیں۔ حتیٰ کہ فی ہزار مسلمانوں میں سے ایک دماغ بھی ایسا شاید ہی ملے جو اس مہلکِ ایمان مرض سے محفوظ ہو۔ مادیات اور دنیوی ترقی کو اپنی ترقی محسوس کرنا یہ کفار کا نظریہ ہے۔ اہلِ اسلام کا ہرگز یہ نظریہ نہیں اور ایسے ماؤف الدماغ مسلمان جو کچھ بھی دنیوی ترقی کی تائید میں قرآنی آیات پیش کیا کرتے ہیں، وہ سب محض چند شبہات ہیں، جو قرآن کو پوری طرح نہ سمجھنے کی بنا پر پیدا ہوگئے ہیں، ورنہ در اصل قرآنِ کریم نے سینکڑوں جگہ مسلمانوں کی ترقی کا معیار اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کہہ کر ایمان، عملِ صالح اور تقویٰ کو بتایا ہے اور دنیوی ترقی کو اکثر آیات میں تصریح کے ساتھ مسلمان کے لئے مُضر اور مہلک قرار دیا ہے۔ چنانچہ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اور اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ اور اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وغیرہ آیات اس امر کی صاف اور واضح دلیلیں موجود ہیں غرضیکہ

مسلمانوں کا فقر کی زندگی کو برا سمجھنا اور عیش کی زندگی کو بہتر خیال کرنا دل کا ایک مستقل مرض ہے، جس کا علاج کرنا ہر اُس مسلمان کو ضروری ہے، جو اسلامی تہذیب کے مطابق اپنی زندگی گذارنا چاہتا ہو۔ اس مرض کا علاج یہ ہے کہ اول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات یعنی قرآن و حدیث کی حقانیت پر دلائل کی روشنی میں یقینِ کامل حاصل کرے۔ پھر اُن آیات و احادیث کے مضمون پر غور کرے جو فقر و زہد (یعنی دُنیا سے بے رغبتی) کی تعریف میں اور عیش و تنعم کی بُرائی میں وارد ہوئی ہیں۔ اس بارہ میں قرآن و حدیث کی تصریحات اس قدر زیادہ ہیں کہ جن کا شمار بھی نہیں کیا جا سکتا، بیان کرنا تو درکنار، تاہم اس مختصر وقت میں صرف چند احادیث پیش کر کے پھر فقر و زہد کی حقیقت اور درجات اور اُن کے آداب گوش گذار کرنا چاہتا ہوں۔ سورۂ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ (اے مسلمان) تو دنیا[1] کی اُس رونق کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ جو ہم نے مختلف قوموں کو دے رکھی ہے ان کی آزمائش کے لئے اور تیرے پروردگار کی عطا (آخرت میں) زیادہ عمدہ اور دیرپا ہے"۔ نیز ایک جگہ ارشاد ہے کہ جو لوگ[2] دنیوی زندگی (اور مادیات کی ترقی) کو پسند کرتے ہیں آخرت پر اور اللہ کے راستہ (یا اخروی ترقی) سے روکتے اور اُس (آخرت کے راستہ) میں کجی اختیار کرتے ہیں، وہ بہت دُور کی گمراہی میں مبتلا ہیں"۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی بندہ کو دیکھو کہ اس کو خاموشی اور دُنیا سے بے رغبتی عطا کی گئی ہے تو اس کے قریب رہو کیونکہ اس پر (اللہ کی طرف سے) حکمت کا القاء کیا جاتا ہے (اچھا) یہ بھی قابلِ غور ہے کہ اگر سخا وجود کے ساتھ مالداری کی حالت بہتر ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ولا تمدن عینیك الی ما متعنا الخ ۱۲ [2] الذین یستحبون الحیٰوۃ الدنیا علی الاٰخرۃ ویصدون عن سبیل اللہ ویبغونها عوجا اولٰئك فی ضلال بعید ۱۲ (سورۂ ابراہیم)

کو یہ حالت ضرور عطا کی جاتی اور آپ اس کو ضرور پسند فرماتے کیونکہ تبلیغ میں اس سے بہت زیادہ سہولت ہوتی، لیکن آپ کی حالت تو یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضورؐ سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ اللہ سے کھانا کیوں طلب نہیں فرما لیتے تاکہ وہ آپ کو کھلا دے اور میں آپ کی بھوک دیکھ کر رونے لگی۔ آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اپنے رب سے چاہتا کہ میرے لئے دنیا کے پہاڑ سونا ہو کر چلیں تو اللہ تعالیٰ ضرور چلا دیتا جہاں کہ میں چاہتا، لیکن میں نے پیٹ بھر کر کھانے سے دنیا کی بھوک کو اور دنیوی مالداری سے محتاجی کو اور دنیا کی خوشی سے رنج و غم کو اپنے لئے پسند کیا ہے۔ اے عائشہ دنیا محمدؐ اور آلِ محمدؐ کے ہرگز لائق نہیں (احیا) نیز آپ نے اپنی اُمت کے لئے بھی فقر کو زیادہ پسند فرمایا ہے اور صبر کے ساتھ فقر کی فضیلت زیادہ بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے صحابہ سے (بطورِ امتحان پوچھا کہ بتاؤ) لوگوں میں سے بہترین کون شخص ہے؟ ایک شخص نے کہا وہ مالدار جو اللہ کے حقوق اپنے جان و مال سے ادا کرتا ہو، فرمایا ہاں یہ شخص اچھا ہے، لیکن ویسا نہیں ہے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ پھر کون بہتر ہے یا رسول اللہ۔ فرمایا وہ فقیر سب سے بہتر ہے جو اپنی طاقت کی برابر خرچ کرتا ہے (احیا) اس حدیث میں سخی مالدار اور سخی غریب کا مقابلہ ہو کر تمام لوگوں سے بہتر سخی فقیر کو بتایا گیا ہے۔ نیز حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا حضرت بلال رضؓ سے کہ خدا سے ڈرو اور اللہ سے مالدار ہو کر نہ ملو (احیا) یعنی بحالتِ فقر احکامِ خدا کی اطاعت کرتے رہو اور فقر کی ہی حالت میں خدا کے پاس جاؤ۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بال بچوں والے باعزّت فقیر سے محبّت کرتا ہے (احیا) اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کے فقراء مالداروں سے پانچ سو برس پہلے جنّت میں جائیں گے (ترمذی) اور آپ نے فرمایا کہ میں نے جنّت میں جھانکا تو جنّتی لوگوں میں فقیروں کو زیادہ پایا۔

اور دوزخ میں دیکھا تو دوزخیوں میں مالداروں اور عورتوں کو زیادہ پایا (احیا)
یاد رکھئے جس مسلمان کو دُنیا میں زیادہ دیا جا رہا ہے وہ اتنا ہی آخرت میں
زیادہ محروم ہو رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک نبی علیہ السلام نے دو شکاریوں کو
دیکھا کہ ایک شکاری بسم اللہ کہہ کر جال ڈالتا ہے مگر خالی نکلتا ہے۔ دوسرا شیطان کے
نام سے جال ڈالتا ہے تو مچھلیوں سے بھرا نکلتا ہے۔ اُن کو سخت تعجب ہُوا۔ دُعا
کی اے پروردگار یہ کیا بات ہے، حالانکہ یہ سب تیرے ہی قبضہ میں ہے۔ اللہ
تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ ان دونوں شکاریوں کے درجات اُن کے لئے
کھول دو۔ اب جو ان نبی علیہ السلام نے اُس محروم شکاری کی عزّت کا درجہ
اور دوسرے شکاری کی ذلّت دیکھی تو عرض کیا اے خُدا میں راضی ہُوں یعنی
اس مومن بندہ کا محروم کرنا ہی مناسب ہے (احیا) نیک مالداروں میں سب سے
بڑا درجہ جناب حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہے کہ مالداری کے ساتھ اللہ کے نبی
بھی تھے، لیکن اس کے باوجود حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ انبیاء میں
سب سے آخر میں جنّت کے اندر داخل ہونے والے حضرت سلیمان علیہ السلام ہونگے
بوجہ اپنی بادشاہت کے اور میرے صحابہ میں سب سے آخر جنّت کے اندر داخل
ہونے والے عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہوں گے بوجہ اپنی مالداری کے اور ایک روایت
میں ہے کہ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ گھٹنوں کے بَل چل کر جنّت میں داخل ہوئے
(احیا) تمام اُمتِ محمدیہ میں ایسے خوش نصیب مسلمان صرف دس ہیں، جن کے جنتی ہونیکی
خبر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ اُن میں سے ایک عبدالرحمٰنؓ موصوف
بھی ہیں۔ اب خیال فرمائیے کہ جب ایسے نبیؑ اور صحابیؓ بھی باوجود مالِ حلال اور
بے انتہا سخاوت کے فقراء انبیاء و فقراء صحابہ سے آگے نہ بڑھ سکے تو پھر بھلا
ہم اپنی مالداری کے ذریعہ فقراء صابرین سے کیا بڑھ سکتے ہیں، مگر خبردار اے

فقراء کی جماعت تم کو محض غربت کی وجہ سے امراء پر کوئی فضیلت حاصل نہ ہوگی، جب تک کہ اس کے ساتھ آدابِ فقر کی رعایت اپنی زندگی میں قائم نہ رکھوگے اور تم کو اُمراء پر کسی قسم کی بڑائی جتانے کا بھی حق نہیں بلکہ احادیث میں متکبّر فقیر کی بہت مذمّت آئی ہے۔ ہاں فضائلِ فقراء کا مضمون سن کر تم کو اپنے قلب میں مسرّت محسوس کرنے اور راضی برضا رہنے کا پورا پورا موقعہ ہے۔ بے شک تم کو خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ابدی نعمتوں میں سب مالداروں سے تمہارا زیادہ حصّہ رکھا ہے جو سب سے پہلے تم کو ملے گا اور تمہارا درجہ وہاں اتنا بلند ہوگا کہ یہ سب مالدار تمہارے اعزاز پر رشک کریں گے۔ فقراء کو اپنی غربت و افلاس پر غمگین نہیں بلکہ بہت خوش ہونا اور اُمیدوار رہنا چاہئے کہ ان کا حقیقی آقا ان کے ساتھ خاص محبّت کا برتاؤ کرتا ہے اور اپنی ابدی نعمتوں کے لئے ان کو مخصوص فرما رہا ہے اور اس غربت کے طفیل میں وہ نعمتیں ہمارے لئے تیار فرما رہا ہے کہ امیروں کے خواب میں بھی نہ آئیں۔ دولت پر خوش ہونا اور غربت پر رنج پیدا ہونا یہ دونوں قلبی مرض ہیں، جن کی اصلاح ہر مسلمان کو کرنی چاہئے۔ اس مرض کا علاج یہ ہے کہ اول آخرت کی نعمتوں اور وہاں کی رحمتوں پر ایمان یعنی یقینِ کامل پیدا کرے۔ پھر زندگی گذارنے کے ان دو طریقوں میں سے فقر کے طریقۂ زندگی کو اختیار کرلے اور چونکہ اس طریقۂ زندگی کے لئے فقر کے درجات جاننا ضروری ہیں، اس لئے عرض ہے کہ فقر و احتیاج کے پانچ درجے ہیں۔ پہلا یہ کہ آدمی کسی چیز کا اس قدر محتاج ہو کہ مضطر ہوجائے جیسے سخت بھوکا روٹی کا محتاج ہوتا ہے یا ننگا کپڑے کا۔ یہ حالت اضطراری ہے اور اس میں اپنی حاجت کی طلب خلافِ توکّل نہیں اور نہ آدابِ فقر کے خلاف ہے۔ دوسرا درجہ یہ کہ آدمی اُس درجہ کا محتاج تو نہیں۔ ہاں عام ضروریات کی احتیاج ہے مگر یہ شخص

طلب سے عاجز ہے۔ اس لئے طلب نہیں کرتا، مگر دل میں رغبت رکھتا ہے۔ اگر ملنے کی اُمید ہے تو وہ مشقت اُٹھا کر بھی بہت رغبت کے ساتھ اس کی طلب میں مشغول ہو جائے۔ ایسا محتاج حریص ہے اور اس کو درجاتِ فقر سے کوئی تعلق نہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی کو مال کا ملنا نہ ملنے سے زیادہ محبوب ہو کہ دل میں رغبت ہے مگر یہ رغبت اس قدر قوی نہیں کہ اس کی طلب میں تعب و مشقت گوارا کر سکے بلکہ بآسانی بطریقِ حلال حاصل ہو جائے تو کر لے اور خوش ہو اور اگر تعب و مشقت کی ضرورت ہو تو یہ مشقت میں مصروف نہ ہو۔ ایسے محتاج کا نام قانع ہے کہ وہ موجود پر قناعت کرتا ہے اور غائب کی تلاش نہیں کرتا اور یہ فقیر قانع صاحبِ فضیلت ہے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ مال کی نہ طبیعت میں اس قدر رغبت ہو کہ حاصل ہونے سے خوشی پیدا ہو اور نہ مال سے ایسی نفرت ہو کہ اس کے حاصل ہونے سے کراہت اور تکلیف پیدا ہو۔ ایسے فقیر کا نام راضی ہے اور یہ فقر کے اُن فضائل کا مستحق ہے جو احادیث میں وارد ہیں۔ پانچواں درجہ یہ ہے کہ مال و متاعِ دُنیا سے اس قدر نفرت طبیعت میں پیدا ہو جائے کہ اگر مال حاصل ہو تو تکلیف محسوس کرے اور اگر جاتا رہے تو خوشی اور فرحت حاصل ہو۔ ایسا شخص زاہد کہلاتا ہے اور ایسا فقیر اعلیٰ درجہ کی فضیلت والا ہے۔ فقراء میں سے ان تین درجہ کے فقیر یعنی قانع، راضی اور زاہد اعلیٰ درجہ کے صاحبِ فضیلت فقراء ہیں۔ اُن کا مرتبہ امیروں سے افضل ہے۔ ایسے فقراء کو خصوصیت کے ساتھ عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے اور ان کے ساتھ حقارت کا برتاؤ ہرگز نہ کرنا چاہیئے ورنہ خود اپنی بربادی کا اندیشہ ہے۔ ہاں یہ گداگر پیشہ ور فقیر جن کا حال یہ ہے کہ ایک کو بلاؤ تو چار آئیں کسی قسم کی فضیلت کے مستحق نہیں ہیں۔ یہ بھی دُنیا کے کُتے اور حریص ہیں۔ ان میں اور ایک اعلیٰ درجہ کے مالدار حریص میں کوئی فرق نہیں

پانچویں درجۂ زہد میں ایک اور درجہ ہے جو اس سے بھی زیادہ بلند ہے اور وہ یہ کہ مال کا عدم و وجود آنا یا جاتا رہنا آدمی کے نفس میں کسی قسم کا تغیر بالکل پیدا نہ کرسکے، نہ نفرت کا نہ رغبت کا۔ یہ درجہ تمام درجاتِ فقر سے بڑھ کر ہے۔ خدا جسے نصیب کرے۔ یہی حال تھا جناب صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اُن کے پاس ایک لاکھ درہم آئے۔ آپ نے فرمایا۔ یہاں ڈال دو۔ قاصد نے ڈال دئیے۔ اس روز روزہ سے تھیں اور آپؓ اس وقت کرتہ میں پیوند لگا رہی تھیں، اُسی میں مشغول رہیں اور باندی سے فرمایا کہ اسے تقسیم کردو۔ اس نے اسی روز پورا ایک لاکھ روپیہ تقسیم کردیا۔ ہم آپ اگر کہیں اتنی رقم تقسیم کرتے تو نہ معلوم کتنا انتظام و اہتمام کرتے اور کتنے شکریے ادا کراتے۔ الغرض جب سب تقسیم ہوچکا تو باندی نے عرض کیا۔ اگر آپ ایک درم کا گوشت خرید لیتیں تو بہتر ہوتا۔ افطاری کے کام آتا۔ فرمایا۔ پہلے یاد دلاتی تو میں کرلیتی۔ اللہ اکبر کس قدر اعلیٰ درجہ کی دُنیا سے بے رغبتی تھی کہ اتنا مال آنے سے ذرا بھی کام میں خلل نہیں پڑا۔ دل میں ذرا سا بھی تغیر نہیں ہوا۔ اتنا بھی خیال پیدا نہ ہوا کہ لاؤ ایک درہم کا گوشت لے لیں اور ہم مال کے کس قدر حریص ہیں کہ اتنا مال رکھنے کے انتظام ہی میں صبح سے شام کردیتے۔ نہ نماز کی خبر رہتی نہ وظیفہ کی اور پھر اس مسلمانی پر ہم کو خدا سے یہ شکایت کہ تُو نے مسلمانوں کو غلام کیوں بنا دیا۔ محتاج و ذلیل کیوں کر دیا۔ کس قدر قابلِ شرم جرأت ہے۔ اب فقر کے آداب سُنئے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ جب تک کسی حاجت کی طرف فقیر مضطر نہ ہوجائے کسی سے اپنی حاجت کا سوال نہ کرے، کیونکہ حرام ہے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ جو عطا بغیر سوال سے پہنچے اس میں تین باتوں کا لحاظ رکھے۔ اول یہ کہ وہ مالِ حرام یا مشتبہ نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ دینے والے کی غرض کا اندازہ کرے کہ وہ کس نیت سے دے رہا ہے۔

اگر اس کی نیّت فقیر کی طبیعت کو خوش کرنا اور اس سے محبّت کرنا ہے تو یہ عطا ہدیہ ہے قبول کرے، بشرطیکہ دینے والا احسان نہ جتائے اور اگر اس کی نیّت محض ثواب حاصل کرنے کی ہے تو یہ صدقہ ہے یا زکوٰۃ۔ اس کا اگر مستحق ہے تو لے ورنہ رد کر دے اور اگر اس کی نیّت شہرت و فخر اور ریا کی ہے تو ایسے عطیات کو واپس کر دے اور ہدایا کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں جبکہ اس میں احسان جتلانا نہ ہو اور اپنے نفس کو پہلے سے اس کی آرزو یا رغبت نہ ہو۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس مال میں سے بغیر سوال اور بغیر استشراف (یعنی نگاہ رکھے بغیر) آئے تو وہ ایسا رزق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو رد نہ کرے (احیا) ایک بار حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا: اے پروردگار تو نے میرا رزق بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں کر دیا ہے کہ صبح کو ایک مجھے کھلاتا ہے اور شام کو دوسرا کھلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتا ہوں کہ ان کا رزق اپنے گنہ گار بندوں کے ہاتھ سے دلاتا ہوں تاکہ ان کو اجر و ثواب حاصل ہو (یعنی ثواب) آخرت سے وہ بالکل ہی محروم نہ رہ جائیں (احیا) اب میں ایک شبہ کا جواب دینا چاہتا ہوں جو اس مضمون کو سن کر پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ ایک طرف شریعت نے فقر کی حالت کو فضیلت دی ہے مالداری پر اور دنیا سے بے رغبتی کی تعلیم دی ہے۔ دوسری طرف بے کار رہنا، اپنا بار دوسروں پر ڈالنا غلط قرار دیا ہے اور کسبِ معاش کی ترغیب دی ہے۔ ان دونوں متضاد حکموں پر کیسے عمل کیا جاسکتا ہے اور آخر اللہ کا ایسے احکام جاری کرنے سے کیا منشا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ غالباً منشاءِ خداوندی یہ ہے کہ کوئی مسلمان معطل اور بے کار رہ کر زندگی نہ گذارے بلکہ عبادت میں مصروف رہے۔ اب عبادت دو طرح کی ہے۔ ایک جانی

عبادتیں جیسے نفلیں، ذکر و شغل وغیرہ۔ دوسرے مالی عبادتیں جیسے مخلوقِ خدا کی خدمت و اعانت اور مخلوق کی طبائع کا رجحان بھی دو طرح پر ہے۔ بعض کا رجحان جانی عبادتوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور بعض کا مالی عبادتوں کی طرف۔ پس قانونِ شریعت اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ فرض عبادتوں کے بعد لوگ اپنی اپنی طبائع کے رجحان کے مطابق عبادتوں میں مشغول ہو کر بارگاہِ قدس میں تقرب حاصل کریں۔ پس جو لوگ جانی عبادتوں میں زیادہ مشغول ہوں تو وہ توکّل اختیار کریں یا بقدر قوت کسب کر کے باقی اوقات عبادت میں گذاریں۔ یہ لوگ اپنی باقی حوائج میں اعانت کے محتاج ہوں گے اور جن کا طبعی رجحان مالی عبادت کی طرف ہو وہ فرائض کی ادائیگی کے بعد کسبِ معاش وغیرہ میں اپنا وقت خرچ کریں۔ یہ لوگ دُعاؤں کے وسیلے سے اعانتِ خدا کے محتاج ہوں گے۔ لہٰذا یہ کمائیں لیکن اموال کو بقدرِ ضرورت اپنے اوپر خرچ کر کے باقی پہلی قسم کے لوگوں کی اعانت و امداد میں صرف کریں اور یہ لوگ ان کی حاجت اپنی پُرخلوص دُعاؤں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور اس طرح تمام بندگانِ خدا عبادتِ خالق و خدمتِ خلق میں مشغول ہو کر اطمینان کے ساتھ زندگی گذاریں اور دُنیا کو وقتِ مقررہ تک آباد رکھیں اور آخرت میں دونوں گروہ ابدی نعمتوں سے سرفراز ہوں۔ اس انداز پر قانون کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ فقر کی زندگی کو بھی مستحسن قرار دیا جائے اور کسب کی مصروفیتوں کو بھی بجا قرار دیا جائے اور دونوں کی طرف رغبت دلائی جائے اور ہر ایک جانب میں جو مضر پہلو ہوں ان کے ازالہ کے لئے مناسب ہدایات دی جائیں۔ یہی وہ ہدایات ہیں جن کو میں آدابِ معاشرت اسلامیہ کے عنوان سے پیش کر رہا ہوں۔ اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اسلامی تہذیب کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق دے اور ہماری غلطیوں اور گناہوں کو معاف فرمائے۔ آمین بجاہِ

سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

عہ ۲۵

خُطبۂ جُمعہ اول ماہِ ذی قعدہ در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ

بسلسلۂ تدابیر اصلاحِ قلب - تدبیرِ ششم

صبر و شکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ يُضَاعِفُ الْاَجْرَ لِلصَّابِرِ ۝ وَيَزِيْدُ النِّعَمَ لِلشَّاكِرِ ۝ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۝ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۝ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اٰلِهٖ ۝ وَاَصْحَابِهٖ وَ

اَتْبَاعِهٖ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ وَ

الْخُلَّانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ

الْاِسْلَامِيَّةِ اِصْلَاحُ الْجَنَانِ ○ بِاِعْتِيَادِ

الشُّكْرِ وَالصَّبْرِ عَلٰى مَا قَضٰى بِهِ الرَّحْمٰنُ ○

فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ÷ اَلصَّبْرُ نِصْفُ

الْاِيْمَانِ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ ÷

اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ مَا اُكْرِهَتْ عَلَيْهِ النُّفُوْسُ ○

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض اَنَّهٗ قَالَ لَمَّا دَخَلَ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْاَنْصَارِ ، فَقَالَ

اَمُؤْمِنُوْنَ اَنْتُمْ ؟ فَسَكَتُوْا فَقَالَ عُمَرُ رض

نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ÷ قَالَ وَمَا عَلَامَةُ

[1] الاحياء ۱۲ [2] الاحياء ۱۲

اِیْمَانِکُمْ ۞ قَالُوْا نَشْکُرُ عَلَی الرَّخَاءِ ۞ وَنَصْبِرُ عَلَی الْبَلَاءِ ۞ وَنَرْضٰی بِالْقَضَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۞ مُؤْمِنُوْنَ اَنْتُمْ وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ ۝ اَعُوْذُ الخ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۝ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

وعظِ جمعہ اول ماہِ ذیقعدہ در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ ۲۵ — بسلسلہ تدابیرِ اصلاحِ قلب

تدبیرِ ششم: صبر و شکر کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْدُ -

برادرانِ ملت! آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کا ایک اہم شعبہ اصلاحِ قلب ہے جس کی تدابیر میں سے ایک تدبیر اپنے دل کو صبر و شکر کا عادی بنانا ہے۔ جب تک قلبِ انسانی خواہشاتِ نفسانی سے رُکنے کا عادی نہ ہوگا کوئی انسان صحیح معنے میں مہذب نہیں بن سکتا۔ صبر کے لغوی معنی ہیں کسی کے مقابلہ پر ڈٹ جانا اور قائم رہنا، لیکن شریعت و طریقت میں صبر کی حقیقت کچھ اور ہے جس کو اس طرح سمجھئے کہ اللہ کی جاندار مخلوق تین قسم کی ہے۔ ایک حیوانات، یہ اس قسم کی مخلوق ہے، جس میں صرف قوتِ شہویہ ہے، جس پر ان کے تمام حرکات کا دار و مدار ہے

ان میں اور کوئی ایسی قوت نہیں جو قوتِ شہویہ سے ٹکراتی ہو دوسری قسم ملائکہ ہیں۔ یہ ایسی مخلوق ہیں، جن میں صرف قوتِ ملکیہ ہے۔ اس کے علاوہ ان میں اور کوئی ایسی قوت نہیں جو قوتِ ملکیہ سے ٹکراتی ہو، ملائکہ کے تمام اعمال کا دار و مدار اسی قوت پر ہے۔ ان دونوں کے برخلاف بالغ انسان پر یہ دونوں متضاد قوتیں مسلّط ہیں۔ آدمی میں قوتِ شہویہ بھی ہے، جس کا مرکز نفسِ انسانی ہے اور اس کی تائید کے لئے ایک اور قوت کو مسلّط کیا گیا ہے جس کا نام شیطان ہے۔ اُن کے مجموعی اثر کو ہم آئندہ باعثِ شہوانی کہیں گے اور انسان میں قوتِ ملکیہ بھی ہے جس کا مرکز روح ہے اور اس کی تائید کے لئے ایک اور قوت مسلّط کی گئی ہے جن کا نام کراماً کاتبین ہے۔ یہ دونوں فرشتے علاوہ نامۂ اعمال لکھنے کے روحانی قوت کی تائید و تقویت کا اثر بھی ڈالتے ہیں۔ ان دونوں کے مجموعی اثر کو ہم آئندہ باعثِ دینی کہیں گے۔ انسان کی زندگی میں باعثِ شہوانی اور باعثِ دینی کے درمیان اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ ہمیشہ ٹکراؤ ہوتا رہتا ہے۔ کبھی باعثِ دینی غالب آکر آدمی عمل کرتا ہے تو یہ نیکی میں شمار ہو کر لکھا جاتا ہے۔ کبھی باعثِ شہوانی غالب آکر کوئی عمل صادر ہوتا ہے تو یہ بدی میں لکھا جاتا ہے۔ نیکی کی اصل نماز زکوٰۃ کی صورت نہیں بلکہ وہ [illegible] ہے جو باعثِ دینی کو باعثِ شہوانی پر حاصل ہوتا ہے اور جو اس عمل کا محرک ہوتا ہے پس جب باعثِ دینی باعثِ شہوانی پر غالب آجائے تو اس کا نام صبر ہے۔ ان دونوں قوتوں کے غالب و مغلوب ہونے میں چونکہ دنیا کی فانی نعمتوں، خوبصورتیوں اور ماحول کا بھی بڑا اثر شامل ہوتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ انبیاء اور رسولوں کو بھیجتے رہے تاکہ وہ انسان پر خیر و شر کے دونوں پہلو کو واضح فرماتے رہیں اور باعثِ شہوانی سے ان کا باعثِ دینی مغلوب نہ ہونے پائے۔ یہ سلسلہ عرصۂ دراز تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ ہمارے ہادیٔ اعظم صلی اللہ

علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر سلسلۂ نبوّت ختم کر دیا گیا اور قدرت نے ان کی تعلیمات کو قائم رکھنے
کا سامان اس طرح کر دیا کہ انکی تعلیمات کے حاملین کو وارثِ انبیاء قرار دیا اور امت میں ان کی
تعلیمات حاصل کرنے اور کرانے کا ایسا پائدار سلسلہ قائم فرما دیا جو انشاء اللہ قیامت سے پہلے
کبھی ختم نہ ہوگا۔ اسی سلسلہ سے وابستہ انسانوں کو علماءِ حقانی کہا جاتا ہے اور ایسے انسان
دنیا میں ہمیشہ رہے ہیں اور قیامت تک برابر رہیں[1] گے اور آج بھی موجود ہیں گو ہم اپنی
جہالت کی وجہ سے ایسے لوگوں کو پہچان نہ سکیں۔ بہرحال صبر نام ہے باعثِ دینی کو باعثِ
شہوانی پر غلبہ دینے کا۔ پھر ان دونوں باعثوں کی جنگ کا نتیجہ تین طرح برآمد ہوگا۔ کبھی
اس طرح کہ باعثِ دینی باعثِ شہوانی پر ایسا غالب آجائے کہ باعثِ شہوانی بالکل ہتھیار ڈال
دے اور اس میں قطعاً مقابلے کی طاقت نہ رہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کا صبر ہے اور ایسے صابرین
صدیقین اور مقربین کے درجے میں ہوا کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت میں
فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (الآیہ) ان حضرات کے باعثِ
دینی کو اس درجہ غلبہ حاصل ہو جاتا ہے کہ ان کا نفس یعنی باعثِ شہوانی عاجز آکر باعثِ
دینی کی غلامی اختیار کر لیتا ہے اور اب باعثِ دینی کے کسی فیصلہ یا عمل و حرکت پر مضطرب نہیں
ہوتا بلکہ بالکل مطمئن رہتا ہے ایسے ہی نفوس کیلئے فرمایا گیا ہے۔ یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ
ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ٥ اور کبھی اس جنگ کا نتیجہ اس طرح برآمد ہوتا ہے
کہ باعثِ شہوانی باعثِ دینی پر اس قدر غالب آجائے کہ یہ ہتھیار ڈال دے اور ضمیر کی آواز
کا اثر بالکل جاتا رہے۔ ایسے لوگوں میں خیر کا کوئی ادنیٰ درجہ بھی نہیں رہتا۔ یہ نتیجہ غافلوں میں نکلا کرتا
ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عقلمند[2] وہ ہے جو اپنے نفس سے معاملہ کرے اور مابعد الموت
کیلئے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس اور خواہش کی پیروی کرے اور اللہ کے اوپر تمنّا
کرے۔ ایسے غافلوں کی نشانی یہ ہے کہ جب انکو نصیحت کی جائے تو کہتے ہیں کہ صاحب توبہ کرنا

ع۱ حدیث لن تزال عصابة من امتی قائمة علی اللہ لایضرھم من خالفھم حتیٰ یاتی امر
اللہ (رواہ البخاری وغیرھما) ۱۲ ع۲ الکیس من دان نفسہ (الحدیث فی الاحیا درصبر) ۱۲

تو چاہتا ہوں مگر کیا کروں کہ کچھ ایسا مجبور سا ہو گیا ہوں کہ کرنے نہیں پاتا۔ مجھ سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی قسم کے لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ صاحب توبہ کی کیا ضرورت ہے اللہ تعالیٰ تو خود غفور الرحیم ہے۔ مسلمانوں کا یہ طبقہ تمام دُنیا کے مسلمانوں میں انتہائی درجہ پست اور ذلیل ہے اور کبھی اس جنگ کا نتیجہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں مخصوص نہیں ہوتا بلکہ کبھی باعثِ دینی کو غلبہ ہو جاتا ہے اور کبھی باعثِ شہوانی کو، لیکن جنگ ختم نہیں ہوتی۔ مقابلہ برابر جاری رہتا ہے۔ یہ لوگ مجاہدین کے درجہ میں ہیں۔ پھر اس صورت میں اگر اکثر اور زیادہ بار باعثِ دینی غالب آتا ہے لیکن کبھی کبھی مغلوب بھی ہو جائے تو ایسے لوگ صالحین کی جماعت میں شمار ہوتے ہیں اور اگر ایسا نہیں بلکہ اکثر غلبہ باعثِ شہوانی کو حاصل ہو جاتا ہے تو یہ لوگ عام مسلمانوں کے درجہ میں شمار کئے جاتے ہیں، جن کا درجہ صالحین سے بہت گرا ہوا ہوتا ہے اور اسی غالبیت اور مغلوبیت کے لحاظ سے ہر ہر درجہ میں بہت سے مختلف درجات ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اب سمجھئے کہ جس چیز پر صبر کیا جائے گا وہ طبیعت کے موافق ہے تو یہ صبر میں شمار نہیں بلکہ خواہش میں داخل ہے اگر طبیعت کے مخالف ہے تو پھر یا تو وہ چیز ہمارے اختیار کی ہوگی، جیسے عبادت کرنا یا گناہوں سے رُکنا یا غیر اختیاری ہوگی جیسے اتفاقی مُصیبتیں وغیرہ اور یا ایسی ہوگی جس کی ابتدا غیر اختیاری ہے، مگر انتہا اختیاری ہو مثلاً دشمن سے تکلیف پہنچنا غیر اختیاری ہے مگر بدلہ لینا یا معاف کرنا اختیاری بات ہے۔ پس مخالف طبع چیزوں پر صبر کرنا اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدیقیت کا کچھ حصہ نہ دیا گیا ہو اور اسی لئے اس کا سب سے زیادہ ثواب ہے۔ ابنِ عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں صبر تین طرح مذکور ہے۔ ایک صبر اللہ کے فرائض پر صبر کرنا۔ اس کے تین سو درجے ہیں۔ دوسرے اللہ کے حرام کئے ہوئے کاموں سے صبر کرنا۔ اس کے لئے چھ سو درجے ہیں۔ تیسرے مُصیبتوں پر فوراً ہی صبر کرنا اس کے لئے نو سو درجے ہیں۔ (احیا صـ۳۹)

کسی چیز پر بے صبری کی حالت اگر پیدا ہو جائے تو اس کا عمدہ علاج یہ ہے کہ اس کے موافق ماحول کو اپنے سے بدل کر اس کی مخالف حالت کا ماحول اختیار کیا جائے، مثلاً شہوت پر بے صبری کا علاج یہ ہے کہ غذا اور گوشت خوری کم کر کے شہوت کو کم کر دیا جائے اور مہیج شہوت مناظر سے علیحدگی اختیار کی جائے۔ اور شہوت رانی کی جائز صورت سے نفس کو تسلّی دی جائے۔ ساتھ ہی صبر کے انعاماتِ الٰہیہ پر غور کر کے اور نفس کو مجاہدات کی عادت ڈال کر باعثِ دینی کو قوی کیا جائے اسی طرح باقی بے صبریوں کا علاج سمجھ لیجئے۔ اب صبر کے متعلق چند احادیث کا ترجمہ عرض کرتا ہوں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ میں تجھ سے ایسے یقین کا سوال کرتا ہوں جس سے مجھ پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں۔ (احیا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبر پیدا کرنے کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے ایمان اور یقین کو حتی الامکان پختہ کرلے اور اس کی پختگی کی دعا کیا کرے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں جب کوئی مصیبت اپنے کسی بندہ کی طرف بھیجتا ہوں اس کے بدن پر یا مال پر یا اولاد پر پھر وہ بندہ صبرِ جمیل کے ساتھ اس کا استقبال کرتا ہے تو میں قیامت میں اس سے حیا کرتا ہوں کہ اس کے لئے ترازو قائم کروں یا اس کے سامنے اس کے اعمال کا دفتر کھولوں (احیا)

اس حدیثِ قدسی کی تائید قرآنِ کریم کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشادؐ ہے کہ "صابرین کو بھرپور اجر و ثواب بے حساب دیا جائے گا"۔ اصلاحِ قلب کے لئے جس طرح صبر کا خوگر بننا ضروری ہے اسی طرح شکر کا عادی ہونا بھی لازمی چیز ہے۔ شکر مرکب ہے علم اور حال سے اور اس کا ثمر عمل ہے۔ علم کا مطلب یہ کہ تمام نعمتوں کو جو کسی کو حاصل ہوں ان سب کا معطی صرف خدا کو یقین کرے کہ یہ سب نعمتیں

ع‍ انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب ۱۲

صرف اسی کی طرف سے ہیں اور اسباب وسائل سب اسی کے مُسخّر ہیں - ہر ہر نعمت کا مسبّب الاسباب وہی ہے - اس علم پر جس کو جس قدر زیادہ یقین ہوگا، اسی قدر اس کے دل میں شکر کا داعیہ پیدا ہوگا - حال کا مطلب یہ کہ اس نعمت سے فرحت حاصل ہو، مگر کسی نعمت پر فرحت دو طرح حاصل ہوتی ہے - ایک تو خود اس نعمت سے فرحت حاصل ہوتی ہے، یہ شکر میں داخل نہیں - دوسرے یہ کہ نعمت دینے والے کی مہربانی محسوس کرکے فرحت پیدا ہو - یہ کم درجہ کا شکر ہے - تیسرے یہ کہ اس نعمت پر فرحت اس لئے حاصل ہو کہ یہ نعمت اس منعم تک پہنچنے کا ذریعہ اور وسیلہ ہے - یہ اعلیٰ درجہ کا شکر ہے - اس کی علامت یہ ہے کہ شاکر مسلمان کو صرف ان نعمتوں سے خوشی ہو جو قُربِ حق کا وسیلہ ہوں اور اُن چیزوں سے نفرت ہو جو خُدا سے دُوری کا ذریعہ بن جائیں - شُکر کا ثمر عمل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فرحتِ مذکورہ کے مقتضیات پر عمل کرے - پس قلب کا عملی شکر یہ یہ ہے کہ نیکی کا ارادہ کرتا رہے - زبان کا شکر یہ ہے کہ کلماتِ شکر ادا کرتا رہے - باقی اعضا کا شکر یہ یہ ہے کہ نعمتوں کو اللہ کی فرمانبرداری میں صَرف کرے اور اس کی نافرمانی میں صَرف ہونے سے بچائے - شکر میں یہ عجیب خاصیت یہ ہے کہ جس قدر زیادہ شکر کیا جائے، اسی قدر نعمتیں زیادہ حاصل ہوں گی - اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے - ارشاد ہے کہ اگر تم شُکر کروگے تو میں زیادہ دوں گا - غور فرمائیے کہ ترقی کی اس سے زیادہ بہتر اور مفید اور کیا ترکیب ہوسکتی ہے - پس اسلامی زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر مُسلمان اپنے آپ کو صبر و شکر کا عادی بنائے - اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو مصیبتوں پر صبر اور نعمتوں پر شُکر کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری گذشتہ غلطیوں اور گناہوں کو معاف فرماسئے اور آئندہ اسلامی طریقہ پر زندگی گذارنے کی توفیق دے - آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین -

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنَ ۝ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

خطبۂ جمعہ دوم ماہِ ذی قعدہ در آدابِ معاشرۃِ اسلامی ۲۶

بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ قلب - تدبیرِ ہفتم

خوف و رجاء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یُرْجٰی مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَثَوَابِہٖ ۝ وَیُخَافُ مِنْ قَہْرِہٖ وَعِقَابِہٖ ۝ اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ الْقَاہِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ ۝ وَاَشْہَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ النَّذِیْرُ وَالْبَشِیْرُ بِاَلْطَافِہٖ ۝ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ۝ اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ اٰدَابِ

الْمُعَاشَرَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ إِصْلَاحِ الْجَنَانِ ○

بِاعْتِدَالِ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ○

فَقَدْ قَالَ[1] رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ: قَالَ اللهُ

تَعَالٰى أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْیَظُنَّ بِیْ مَا

شَاءَ ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: إِذَا أَذْنَبَ

الْعَبْدُ ذَنْبًا فَاسْتَغْفَرَ اللهَ يَقُوْلُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ

لِمَلَائِكَتِهٖ اُنْظُرُوْا إِلٰى عَبْدِیْ أَذْنَبَ ذَنْبًا

فَعَلِمَ أَنَّ لَهٗ رَبًّا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ وَيَأْخُذُ

بِالذَّنْبِ أُشْهِدُكُمْ أَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهٗ[3] ○

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ خَافَ اللهَ

عـه احیاء ۱۲ عـه۲ احیاء ۱۲ عـه۳ وقال تعالٰی ان الذین امنوا وھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ اولئک یرجون رحمۃ اللہ ۱۲ عـه۴ احیاء ۱۲

تَعَالیٰ خَافَہٗ کُلُّ شَیْءٍ وَّمَنْ خَافَ غَیْرَ اللّٰہِ

خَوَّفَہُ اللّٰہُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ ○ وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَامُ لَا یَلِجُ النَّارَ اَحَدٌ بَکیٰ مِنْ خَشْیَۃِ

اللّٰہِ حَتّٰی یَعُوْدَ اللَّبَنُ فِی الضَّرْعِ ○ اَعُوْذُ الخ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ

خَشِیَ رَبَّہٗ ○ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

وعظِ جمعہ دوم ماہِ ذیقعدہ در آدابِ معاشرۂ اسلامی [26] بسلسلۂ تدابیر اصلاحِ قلب

تدبیرِ ہفتم: خوف و رجاء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملت! آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کا ایک شعبہ اصلاحِ قلب ہے جس کا خیال رکھنا ہر سچے مسلمان کے لئے ضروری ہے اور اصلاحِ قلب کا ایک اہم جز اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید اور اس کے قہر و جلال سے دل میں خوف قائم رکھنا ہے۔ مَیں آج اسی جز کی مختصر تشریح آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ عرض ہے کہ آدمی کو جو چیز حاصل ہوتی یا ہوسکتی ہے وہ یا تو گذشتہ زمانہ میں موجود تھی یا

[1] الترغیب ۱۲

فی الحال موجود ہے یا آئندہ زمانہ میں موجود ہوگی۔ پس اگر انسان کے قلب میں ایسی چیز کا خیال پیدا ہو جو زمانۂ گذشتہ میں موجود تھی تو اس خیال کو ذکر اور یاد کہتے ہیں اور اگر ایسی چیز کا خیال پیدا ہو جو فی الحال موجود ہے تو ایسے خیال کو وجد و ذوق کہتے ہیں اور اگر ایسی چیز کا خیال پیدا ہو جو آئندہ موجود ہوگی تو اس کا خیال طبیعت پر زیادہ غالب نہیں تو ایسے خیال کو تمنّا کہتے ہیں اور اگر ایسی چیز کا خیال طبیعت پر غالب ہے تو اُسے انتظار کہتے ہیں اور انتظار کبھی پسندیدہ چیز کے متعلق ہوا کرتا ہے اور کبھی ناپسندیدہ و ناگوار چیز کے متعلق ہوتا ہے۔ پس اگر پسندیدہ چیز کے انتظار سے قلب میں ایک قسم کی راحت، اطمینان اور فرحت سی محسوس ہو تو اب اس انتظار کو اُمید یا رجاء کہتے ہیں اور اگر ناپسندیدہ شئ کے انتظار سے قلب میں ایک قسم کی تکلیف و اذیّت محسوس ہو تو اس کو خوف کہتے ہیں۔ پس خوف اُس دلی تکلیف کا نام ہے جو کسی آئندہ پیش ہونے والی شئ کے انتظار سے قلب میں پیدا ہو اور اُمید و رجاء اُس فرحت و سُرور کا نام ہے جو کسی آئندہ پیش آنے والی شئے کے انتظار سے دل میں محسوس ہو۔

لیکن ایسی فرحت اگر اُس انتظار کے بعد ہو جس میں اُس متوقع شئے کے حاصل کرنے کے اسباب بھی مہیّا کئے گئے ہوں، تب یہ انتظار کی فرحت اُمید و رجاء میں شمار ہوگی اور اگر اسباب مہیّا کئے بغیر کسی شئ کے انتظار سے دل میں فرحت پیدا ہو تو یہ فریبِ نفس اور حمق ہے۔ اس حقیقت کو مثال میں اس طرح سمجھئے کہ ایک شخص عُمدہ زمین میں ہل وغیرہ چلا کر بیج ڈال کر پانی دے کر کھیتی اُگنے کے انتظار سے دل میں مسرور ہوتا ہے تو اس کا یہ انتظار مُسرّۃ اُمید و رجا میں داخل ہے۔ دوسرا شخص ہے کہ بنجر زمین میں بیج ڈال دیتا ہے، نہ ہل چلایا، نہ پانی دیا اور اب وہ کھیتی اُگنے کے انتظار میں خوش ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا یہ انتظار اور اُس سے خوش ہونا

سوائے حماقت کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اے اسلامی زندگی گذارنے والے مسلمان اچھی طرح سمجھ لے کہ دنیا کھیتی کی جگہ ہے اور قلب زمین ہے اور بیج ایمان ہے اور طاعات وعبادات کاشت کے کام کاج کی طرح ہیں اور گناہوں سے بچنا کھیتی کو چرندوں وغیرہ سے حفاظت کرنے کے مثل ہے اور قیامت کھیتی کی تیار شدہ فصل کو کاٹنے کا موسم ہے۔ جو شخص بغیر ایمان کے اچھے کام کرتا ہے، وہ اُس احمق کی طرح ہے جو زمین میں ہل وغیرہ چلاتا ہے مگر بیج ڈالے بغیر کھیتی اُگنے کی اُمید رکھتا ہے، اسی لئے کُفّار کے اچھے اعمال آخرۃ میں بے نتیجہ اور ضائع ہوں گے؛ جیساکہ قرآن کریم نے اس کی تصریح[1] کی ہے۔ جو شخص کلمہ تو پڑھتا ہے، لیکن قلب میں دنیا کی محبّت رکھتا ہے، وہ اُس بے وقوف کی طرح ہے۔ جو بنجر زمین میں تخم ڈال کر اُگنے کی اُمید رکھتا ہے اور جو شخص ایمان تو پختہ رکھتا ہے مگر طاعات وعبادات نہیں کرتا اور اُمید نجاۃ کی رکھتا ہے وہ اُس احمق کی مانند ہے۔ جو زمین میں نہ ہل چلاتا ہے، نہ پانی دیتا ہے، صرف تخم بکھیر کر عُمدہ کھیتی کی اُمید کر رہا ہو۔

اے عقلمند مسلمان اچھی عمدہ زمین میں اچھا تخم ڈال کر اچھی طرح کاشت کے انجام دینے کے بعد عُمدہ کھیتی کا انتظار کرنا ہی دراصل صحیح اُمید و رجاء ہے پس تو اول دل سے محبّتِ دنیا نکال۔ پھر پختہ ایمان کا عُمدہ بیج اس زمین میں ڈال کر طاعات وعبادات میں مشغول ہو۔ پھر آخرۃ میں اُس کے بہتر نتائج کی اُمید رکھ یہی وہ صحیح اُمید ہے، جس کو دل میں قائم رکھنا اصلاحِ قلب میں شمار ہے اور جن لوگوں نے آخرۃ میں کامیابی کے لئے یہ تدبیر اختیار نہ کی مگر اُمیدِ نجاۃ رکھتے ہیں وہ نرے بے وقوف ہیں۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احمق وہ ہے جس نے اپنے آپ کو اپنی خواہشات کا تابعدار بنایا اور پھر اللہ سے (مغفرۃ ونجاۃ کی) تمنّا رکھی (احیا) خود اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی مذمّت فرمائی ہے۔ ارشاد ہے کہ[2]

[1] اولئك حبطت اعمالهم ۱۲ [2] فخلف من بعدهم خلف ورثوا الكتاب الخ ۱۲

"پھر اُن (سچے مومنین) کے بعد ایسے لوگ ہوئے جو کتاب کے وارث ہوئے، (مگر) اس ذلیل سامانِ دُنیا کو اختیار کیا اور کہنے لگے کہ ہمارے گناہ بخش دیئے جائیں گے"!
اور جن لوگوں نے نیک اعمال کرنے کے بعد اللہ کی رحمت سے اُمید رکھی ہے، اُن کی تعریف اللہ نے اس طرح فرمائی ہے کہ "جو لوگ ایمان لائے اور ہجرۃ کی (وطن سے یا خواہشات سے) اور خُدا کے راستہ میں جہاد (یا کوششِ طاعات) کی، وہ ہی لوگ ہیں، جو اللہ سے (صحیح) اُمید[1][2] رکھتے ہیں"!

یعنی وہی لوگ ہیں، جو اللہ کی رحمت کی اُمید رکھنے کے مستحق ہیں۔ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا فریبِ نفس یہ ہے کہ معافی کی اُمید پر بلا شرمندگی گناہوں میں ترقی ہو اور بغیر طاعات کے قربِ خداوندی کی توقع ہو (احیا) اُمیدِ رحمت صرف وہی عُمدہ ہے، جس سے عملی جد و جہد میں ترقی پیدا ہو اور جو اُمید کہ عمل میں کمی اور سُستی پیدا کر دے وہ نہایت مذموم اور بُری ہے۔ اللہ کی رحمت سے نا اُمیدی بھی اسی لئے کُفر ہے کہ نا اُمید ہو جانے کے بعد عملی کوشش سے آدمی بیٹھ جاتا ہے۔ پس بے عملی کے ساتھ اُمید اور عمل کے ساتھ نا اُمیدی چونکہ نتیجہ کے اعتبار سے یکساں ہیں، اس لئے دونوں مذموم ہیں، لہٰذا مُسلمان کو اپنے دل سے ان دونوں مرضوں کے نکال ڈالنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ اُمید کی ہمّت افزا لہروں کے ساتھ ہر قلبِ مُسلم میں خوفِ خُدا کی اضطرابی کیفیات بھی رہنی ضروری ہیں۔ خوف نام ہے اُس دِلی تکلیف اور جلن کا جو کسی ناگوار حادثہ کی توقع سے پیدا ہو۔ یہ قلبی جلن اور تکلیف کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ خوفناک واقعہ کے پیش آنے کے اسباب کا جس قدر زیادہ علم ہوگا، اُسی قدر یہ دلی جلن زیادہ ہوگی اور جس قدر آدمی ان سے ناواقف ہوگا، اُسی قدر بے خوفی ہوگی۔ پھر مجرم

---

[1] ان الذین امنوا والذین ھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ اولٰئک یرجون رحمۃ اللہ
[2] کذا فسرہ بعضھم کما فی الاحیاء ۱۲

تو بادشاہ کی ذات سے خوف کھاتا ہے بوجہ اپنے مجرم ہونے کے یا کبھی اس کی کسی صفت سے خوف کھاتا ہے، جیسے شیر سے ڈرنا کہ اس میں پھاڑ ڈالنے کی صفت ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرنا بھی دو طرح ہوتا ہے۔ کبھی تو اس کی ذاتی عظمت و ہیبت انسان کے قلب پر چھا جاتی ہے۔ یہ خوف کا اعلیٰ درجہ ہے اور کبھی اسکی صفات و متعلقاتِ صفات سے خوف پیدا ہوتا ہے، مثلاً یہ کہ وہ قہار و جبار ہے اور سزا یا انعام دینے پر قادر ہے اور سزا دینے کی کیفیت وغیرہ بڑی خوفناک ہے، جس کے تصوّر سے خوف پیدا ہوتا ہے، تو یہ خوف کا دوسرا درجہ ہے جو پہلے سے کم ہے اور کبھی یہ خوف محض اپنے جرم کے احساس سے پیدا ہوتا ہے۔ کبھی خُدا کی صفات اور اپنے احساسِ جرم دونوں سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔ غرضیکہ ایک مسلمان کے قلب میں خوفِ خُدا ضرور ہونا چاہیئے۔ خواہ یہ خوف کسی طرح پیدا ہوا ہو، خوف نفسانی اور شیطانی قوتوں کا توڑ ہے اور ایمان کا جزو ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ یعنی ایمان نام ہے خوف اور اُمید کی درمیانی حالت کا۔ ظاہر ہے کہ خوف و اُمید کے جمع ہو جانے پر قلب میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہوگی کہ نہ صرف اطمینان ہی ہوگا، نہ بالکل بے اطمینانی۔ پس یہی حالت قلب کی ایمانی حالت ہے۔ جب قلب میں یہ کیفیت ہوگی گناہ صادر نہ ہوگا اور جب نہ رہے گی گناہ پر جرأت بڑھے گی۔ یہی مطلب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا کہ لَا یَزْنِی الزَّانِیْ حِیْنَ یَزْنِیْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ یعنی آپ نے فرمایا کہ کوئی مومن بحالتِ ایمان زنا نہیں کرتا۔ مطلب یہ کہ گناہ کرتے وقت ایمان کی یہ درمیانی حالت اُس کے قلب میں نہیں ہوتی بلکہ بوجہِ جہل و غفلت خوف زائل ہو کر ایمان کا ایک جزو معدوم ہو جاتا ہے۔ اس لئے فقہا اور صوفیاؒ نے فرمایا ہے کہ جس طرح نا اُمیدی و مایوسی کفر ہے، اسی طرح بے خوف ہو جانا بھی کفر ہے۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم باوجود معصوم ہونے کے فرماتے ہیں کہ اَنَا اَخوَفُکُمْ لِلّٰہِ (احیاء)
یعنی میں تم سب سے زیادہ خُدا سے ڈرنے والا ہوں۔ آپؐ کے شدتِ خوف کی یہ کیفیت
تھی کہ جب کبھی تیز ہوا آندھی وغیرہ چلتی تو آپ پر بے حد خوف طاری ہوجاتا
اور آپ فوراً نماز میں کھڑے ہوجاتے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود نے
بوڑھا بنا دیا (احیا) یعنی سورۂ ہود وغیرہ میں جو قیامت کی ہولناکیوں کا بیان ہے
اس سے قلبِ مبارک پر اس قدر جلن اور تکلیف طاری ہوئی کہ بالِ مُبارک اُس
جلن سے سفید ہوگئے۔ قاعدہ ہے کہ لکڑی جل کر اوّل سیاہ ہوجاتی ہے۔ پھر اگر اور
زیادہ دیر تک آگ میں جلتی رہے تو سفید ہوجاتی ہے۔ چولھے کی راکھ اسی وجہ سے سفید
ہوجاتی ہے۔ اللہ اکبر یہ ہے حضور پُرنور کے خوف کی کیفیت۔ چونکہ آپ کو حق تعالیٰ
کی ذات وصفات وغیرہ کی معرفتِ تامہ حاصل تھی، لہٰذا آپ کا خوف بھی سب سے
زیادہ تھا۔ پھر جب حضور پُرنورؐ کو اس قدر خوف تھا تو ہم کو کس قدر خوفِ خُدا
ہونا چاہیئے، اس کا اندازہ کرلیجیئے، کیونکہ انبیاء معصوم ہیں اور ہم اعلیٰ درجہ کے مجرم۔
حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ابنِ مسعودؓ سے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے (عالمِ آخرۃ) میں ملنا چاہتے
ہو تو میرے بعد خوفِ خُدا زیادہ کرو۔ (احیاء) نیز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے کہ قسم ہے اپنی عزّت کی۔ میں اپنے بندوں پر دو خوف اور دو امن جمع
نہ کروں گا۔ جو مجھ سے دُنیا میں بے خوف اور نڈر رہے گا، میں قیامت میں اس
پر خوف طاری کروں گا اور جو دُنیا میں مجھ سے ڈرا اُسے قیامت میں بے خوفی
(یا اطمینان) عطا کروں گا (احیا) کہ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ
اُن کی شان ہوگی۔ نیز حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے جو ڈرے گا
ہر شئے اس سے ڈرے گی اور غیر اللہ سے جو خوف کھائے گا اللہ تعالیٰ اس پر
ہر چیز کا خوف مسلّط کردے گا (احیا) ہماری بالکل یہی حالت ہے کہ ہم خُدا سے

نہ ڈر کر غیر اللہ سے خائف ہیں، اسی لیئے ہمارے دل پر ہر چیز کا خوف طاری ہے
حکومت کا، رعیّت کا، سوسائٹی کا، قوم کا، خاندان کا، خاندان کے ہر ہر فرد کا،
عزّت کا، ذلّت کا، صحت کا، مرض کا، دولت کا، مفلسی کا، طاقت کا، کمزوری کا،
غرضیکہ ہر چیز کا خوف ہم پر مسلّط ہے۔ لکھ پتی اور کروڑ پتی ہونے کے باوجود بھی ہمیں بے فکری
چین اور اطمینان کی زندگی میسّر نہیں۔ ایک ذات سے بے خوف ہو کر ہزاروں
خوفناک بلاؤں کا اپنے اُوپر مسلّط کر لینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ غالباً اسی لیئے
حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "تم میں اعلیٰ درجہ کا عقلمند وہ شخص ہے جو
اللہ تعالیٰ سے سخت خوف رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ممنوعات اور احکام پر عُمدہ
طریقہ سے نظر رکھتا ہو۔" (احیا) یاد رکھیئے کہ خوفِ خدا عذابِ آخرۃ سے نجات کا
یقینی ذریعہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر کر روتا ہے، وہ
اس وقت تک دوزخ میں نہ جائے گا، جب تک کہ تھن میں دُودھ واپس نہ جائے
(احیا) مطلب یہ کہ جس طرح تھن سے دُودھ نکل کر واپس نہیں جاتا اسی طرح خوفِ
خُدا سے رونے والا شخص دوزخ میں نہیں جا سکتا۔ آب سمجھئے کہ قلب میں خوفِ خُدا پیدا
کرنے اور اُس کو قائم رکھنے کی تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر قیامت کے دن پر اور
جنّت اور دوزخ وغیرہ پر کامل یقین و ایمان حاصل کرے اور پھر ربانی واعظین اور
ناصحین کی باتوں کو قریب بیٹھ کر غور سے سُنے۔ دُور بیٹھنے والے اکثر اس نعمت سے محروم
رہتے ہیں اور قیامت کے خوفناک حالات عذابِ دوزخ کی ہولناک کیفیتوں کو
سُن کر اُن میں غور و فکر کرے اور اللہ تعالیٰ کی صفاتِ قہر و جلال کو سوچتا اور سمجھتا رہے
ان تدابیر سے اُمید ہے کہ بہت جلد خوفِ خُدا پیدا ہو جائے گا۔ خوف پیدا کرنے کی
تدابیر کے سلسلہ میں ایک اور ضروری چیز یہ ہے کہ حلال غذا کھائے، کیونکہ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تو اس وقت تک دل میں خوف نہ پائے گا، جب تک کہ حلال نہ

کھائے، کیونکہ غذائے حرام قلب میں سختی پیدا کرتی ہے۔ ہم میں عام طور پر جو بے خوفی موجود ہے غالباً اس کا سبب یہی ہے کہ عموماً ہماری غذائیں مالِ حرام سے مہیا ہوتی ہیں۔ حضور پُرنور ؐ کے صحابہ میں اس قدر خوفِ خدا غالب تھا کہ حضرت عمر رضؓ نے ایک بار اذا الشمس کورت پڑھی۔ جب واذا الصحف نشرت پر پہنچے تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔ ایک دن تک یہی حالت رہی۔ ایک دفعہ آپ حمار پر سوار کسی کے گھر کے پاس سے گذرے۔ گھر والا سورۂ طور پڑھ رہا تھا۔ جب اُس نے پڑھا۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ۔ تو آپ پر خوف اس قدر طاری ہوا کہ حمار (گدھے) سے اُتر کر دیوار سے ٹیک لگا کر دیر تک بیٹھے رہے۔ پھر گھر لوٹے اور ایک ماہ تک بیمار رہے کہ لوگ عیادۃ کے لئے آتے تھے مگر مرض کسی کو معلوم نہ تھا (احیا) حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ایک باندی نے نماز پڑھی، پھر سو گئی اور روتی ہوئی اُٹھی اور کہنے لگی اے امیرالمومنین میں نے خواب دیکھا کہ دوزخ کی آگ بھڑک رہی ہے اور اُس پر پُلصراط قائم کیا گیا ہے۔ پھر اُس پُل پر عبدالملک بن مروان کو لایا گیا جو قدرے چل کر جہنم میں گر پڑا۔ پھر ولید کو لایا گیا' وہ بھی قدرے چل کر گر پڑا۔ پھر سلیمان بن عبدالملک کو لایا گیا۔ وہ بھی قدرے چل کر گر پڑا۔ فرمایا پھر کیا ہوا۔ اُس نے کہا۔ پھر آپ کو اُس پُل پر لایا گیا۔ عمر یہ سُنتے ہی بیہوش ہو کر گر پڑے اور وہ باندی آپ کے کان میں چیخ چیخ کر کہتی رہی کہ قسم ہے خدا کی اے امیرالمومنین میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ نجاۃ پا گئے۔ وہ بار بار یہ کہتی رہی اور آپ چیختے اور ایڑیاں رگڑتے رہے۔ اس قدر عذاب کا خوف غالب ہوا جس دل میں خوفِ خدا نہیں درحقیقت اس میں ایمان نہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے رحمتِ خدا سے اُمید رکھنا زیادہ بہتر ہے یا اُس کے قہر و جلال کا خوف رکھنا افضل ہے، مگر یہ سوال ایسا ہی ہے جیسے کوئی پوچھے کہ کھانا افضل ہے یا پانی۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال غلط ہے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر افضل ہے اور بے موقعہ ہر چیز بُری۔ بھوکے کے لئے

کھانا افضل ہے کہ پانی بھوکے کے لئے کافی نہیں اور پیاسے کو پانی افضل ہے کہ کھانا اسکی ضرورۃ کو پورا نہیں کرتا۔ اسی طرح مریضِ خوف کو اُمید و آس بہتر اور مریضِ امید کو خوف بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ جو شخص فرائض، واجبات اور عبادات میں مشغول ہو، حرام اور مکروہات سے پوری طرح بچتا ہو، مگر خوفِ قہر و جلال اس کی ہمّت کو پست کردے، ایسے شخص کے لئے امیدِ رحمت دلانا بہترین علاج ہے اور جو لوگ گناہوں میں مبتلا فرائض و عبادات سے غافل ہو کر محض اُمیدِ رحمت پر پھولے ہوئے ہوں اُن کے حق میں اُمیدِ رحمت کا وعظ اعلیٰ درجہ کا زہر ہے جو اُنکی عاقبت کو تباہ کر دیگا۔ ایسے لوگوں کے مرض کا تریاق خُدا کے قہر و غضب اور عذابِ دوزخ سے ڈرانا ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہزار میں شاید کوئی ایک ایسا نکلے جو باوجود طاعات کے مایوس ہو، لیکن اکثریت اُن کی ہے جو گناہوں میں مبتلا ہو کر اُمیدِ رحمت پر غفلت میں مبتلا ہیں۔ لہٰذا اس اکثری حالت کے اعتبار سے خوف اور ڈرانا ہی صحیح راہِ ہدایت و اصلاح ہے۔ پس اسلامی طریق پر زندگی گذارنے والے مسلمان کو ضروری ہے کہ وہ اپنی قلبی اصلاح کے لئے دل میں خوفِ خُدا پیدا ہونے کی تدابیر اختیار کرے اور اپنے لئے ایسا ماحول پسند کرے، جس میں رہ کر خوفِ خُدا کی حقیقی کیفیت قائم رہ سکے۔ یہی وہ ادب تہذیبِ اسلامی ہے، جس کی طرف آج کی مجلس میں آپ کو متوجہ کرنا مقصود ہے۔ جو زندگی خُدا سے بے خوف ہو کر گذاری جائے گی وہ ہرگز اسلامی زندگی نہ ہوگی۔ دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو خوف کی یہ دولت نصیب فرمائے اور گذشتہ غلطیوں کو معاف فرمائے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

ع اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ ○ بَارَكَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ سوم ماہِ ذیقعدہ در آدابِ معاشرۂ اسلامی بسلسلۂ تدابیر اصلاحِ قلب

تدبیرِ ہشتم : محبّتِ حق تعالےٰ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ مَلَاءَ قُلُوْبَ اَوْلِیَائِہٖ ○ بِنُوْرِ حُبِّہٖ وَشَوْقِ لِقَائِہٖ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ الْمُتَفَرِّدُ بِجَلَالِہٖ وَجَمَالِہٖ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ الْھَادِیْ اِلٰی مِنْھَاجِ وِصَالِہٖ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ ○ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ ○ اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَۃِ الْاِسْلَامِیَّۃِ اِصْلَاحَ الْجَنَانِ ○ بِاِسْتِخْلَاصِہٖ مِنْ حُبِّ

مَا سِوَی اللّٰہِ ○ وَتَنْوِیْرِہٖ بِحُبِّ اللّٰہِ ○ فَقَدْ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ[۱] ۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ
حَتّٰی یَکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا
سِوَاھُمَا ○ وَقَالَ[۲] عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
لَا یُؤْمِنُ الْعَبْدُ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ
مِنْ اَھْلِہٖ وَمَالِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ○
وَقَالَ[۳] صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :۔ اَحِبُّوا
اللّٰہَ لِمَا یَغْدُوْکُمْ مِنْ نِعَمِہٖ وَاَحِبُّوْنِیْ
لِحُبِّ اللّٰہِ اِیَّایَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یُحِبُّوْنَھُمْ
کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ
حُبًّا لِّلّٰہِ ○ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

[۱] احیاء ۱۲ [۲] احیاء ۱۲ [۳] احیاء ۱۲

وعظِ جمعہ سوم ماہِ ذیقعدہ درآدابِ معاشرۂ اسلامی ۲۶ بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ قلب

تدبیرِ ہشتم: محبّتِ حق تعالیٰ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی - اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملّت! آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کا ایک اہم شعبہ اصلاحِ قلب ہے، جس کی ایک اہم تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت اپنے دل میں پیدا کی جائے. محبّت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک طبعی جیسے ماں کو اپنے بچّے سے۔ دوسری عقلی جیسے شاگرد کو اپنے اُستاد سے۔ مُرید کو اپنے پیر سے اور بندہ کو اپنے خالق و مُربّی سے. غیر اللہ کے ساتھ طبعی محبّت مسلمان اس حد تک رکھ سکتا ہے خُدا کی محبّت پر غالب نہ آئے بلکہ مغلوب رہے اور غیر اللہ کی ایسی محبّت جو خُدا کی محبّت پر غالب آجائے کسی سچّے مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ اُمّت کا اتفاق ہے اس پر کہ خُدا اور رسول کے ساتھ عقلی محبّت قائم رکھنا فرض ہے اور دل کا اس سے خالی ہونا کُفر ہے۔ مومنین کی صفت میں اللہ کا ارشاد ہے کہ "اللہ[۱] اُن سے محبّت رکھتا ہے اور وہ اللہ سے محبّت رکھتے ہیں۔" دوسری جگہ ارشاد ہے کہ "ایمان[۲] والے اللہ کی محبت میں بڑے سخت ہیں۔" تیسری جگہ ارشاد ہے کہ "آپ[۳] کہہ دیجیے کہ اگر تمھارے والدین، اولاد، قبیلہ، مالِ تجارۃ وغیرہ تم کو اللہ اور رسولؐ سے زیادہ محبوب ہیں، تو خُدا کے عذاب کا انتظار کرو۔" اور حدیث میں ہے کہ ابو ذر عقیلی رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایمان کیا ہے۔ فرمایا ایمان یہ ہے کہ "اللہ و رسول تجھے تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (احیا) نیز فرمایا کہ کوئی بندہ مومن نہ ہوگا، جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے اہل و عیال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔" (احیا) ان آیات و احادیث سے ثابت ہُوا کہ محبّتِ خدا و رسول مطلوب فی الشّرع ہے اور یہ محبّت اتنی ضرور ہونی

---

[۱] یحبھم و یحبونہ الآیۃ [۲] والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ [۳] قل ان کان اٰباءکم و ابناءکم (الآیۃ)

چاہیئے کہ غیر اللہ کی محبت پر غالب آجائے۔ یہ خیال غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کی جاسکتی، اس لئے کہ جس طرح حواسِ خمسہ ظاہرہ سے جانی ہوئی چیزوں سے محبت کی جاتی ہے، اسی طرح عقل سے معلوم کی ہوئی اشیاء سے بھی محبت کی جاسکتی ہے جیساکہ انبیاء و اولیاء کے کمالات معلوم ہوکر ان سے محبت پیدا ہوجاتی ہے۔ آدمی کی اپنے نفس کے ساتھ محبت تو فطری چیز ہے، لیکن دوسری اشیاء کے ساتھ انسان پانچ وجوہ سے محبت کرتا ہے جو سب کی سب اللہ تعالیٰ کی ذات سے بھی وابستہ ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس کے ساتھ محبت نہ کی جاسکے۔ محبت کی پہلی[۱] وجہ یہ ہے کہ آدمی کو اپنے نفس کے ساتھ فطرۃً محبت ہے، اس لئے جو اشیاء اُس کے وجود و بقاء کا باعث ہوں اُن سے بھی محبت کرتا ہے۔ والدین کی محبت اسی لئے ہوتی ہے کہ وہ اُس کے وجود کا ظاہری سبب ہیں اور اللہ تعالیٰ تو ہمارے وجود کا اصلی باعث اور خالق و موجد ہے۔ لہٰذا اُس سے محبت کیوں نہ ہو۔ دوسری[۲] وجہ محبت کی یہ ہے کہ جو اشیاء آدمی کے وجود کی ترقی میں معین و مددگار ہوں ان سے بھی انسان محبت کرتا ہے۔ اولاد و مال کی محبت اسی لئے ہوتی ہے کہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارا اصلی اور ایسا مُربّی ہے جو بتدریج تربیت دے کر ہم کو بامِ ترقی پر پہنچاتا ہے۔ اُسی نے صفاتِ کمال اور اسبابِ حصولِ کمال پیدا فرمائے۔ وہی ان کی طرف رہنمائی کرتا ہے، لہٰذا اُس سے محبت کیوں نہ کی جائے۔ محبت کی تیسری[۳] وجہ احسان ہے۔ آدمی اپنے محسن سے محبت کرتا ہے۔ اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ، یعنی انسان احسان کا غلام ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسانات تمام دُنیا کے محسنوں سے زیادہ اور بے شمار ہیں، جن کو ہر عقلمند انسان محسوس کرتا ہے۔ پھر اُس سے محبت کیوں نہ پیدا ہو۔ ہاں احساس ہی نہو تو یہ اور بات ہے، جسے احساس نہو وہ انسان ہی نہیں بلکہ حیوانات سے بدتر ہے، کیونکہ جانور بھی اپنے

محسن سے محبّت کرنے لگتا ہے۔ محبّت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کی ذات میں کوئی لذّۃ ہو، اس لئے وہ محبوب ہو، اگرچہ اس لذّۃ کے علاوہ اس چیز سے ہمیں کوئی اور فائدہ نہو۔ جیسے حُسن وجمال کی محبّت کہ خوبصورتی آدمی کو ہر وقت محبوب ہے۔ اگرچہ اُس سے کچھ حاصل نہو، لیکن چونکہ جمال میں لذّۃ ہے، اس لئے وہ محبوب ہے، مثلاً پانی سبزہ زار جگہ کے مناظر محبوب ہیں، اس لئے نہیں کہ گھاس کھائے اور پانی پیئے بلکہ محض اس لئے کہ اس منظر میں حُسن ہے جو لذیذ ہے، لیکن جمال و حُسن کے معنی وہ نہیں ہیں جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں، بلکہ حُسن وجمال کا مطلب دراصل یہ ہے کہ کسی چیز میں وہ تمام صفتیں پائی جاتی ہیں جو اُس میں ہونی چاہیئے، مثلاً گھوڑے میں تمام صفاتِ فرسیت اگر ہوں گے تو وہ حسین کہلائے گا۔ جس چیز میں جس قدر اس کے لائق صفات ہوں گی اُسی قدر وہ شئ حسین کہلائے گی۔ پھر یہ صفات بعض نظر آتی ہیں بعض نظر نہیں آتیں، مثلاً گھوڑے کا سمجھدار ہونا یا انسان کا حُسنِ اخلاق، علم، شجاعت، سخاوۃ وغیرہ۔ تمام صفاتِ حسنہ میں حُسن ہے مگر یہ صفات اور اُن کا حُسن نظر نہیں آتا بلکہ صرف نورِ باطن یا عقل سے ان کا علم ہوتا ہے اور یہ سب محبوب ہیں۔ اُن سے لذّت محسوس ہوتی ہے اور جس میں یہ صفات ہوں وہ شخص بھی بِالطبع انسان کو محبوب ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم انبیاء و اولیاء اور اچھے صفات کے لوگوں سے محبّت رکھتے ہیں، حالانکہ ہم نے ان کو نہیں دیکھا۔ بارہا انسان نے اُن کے مذہب کی حمایت میں جان و مال اولاد سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ محض اس لئے کہ اُن میں عُمدہ صفات اور کمال کا ہونا ہم کو ثابت ہو گیا ہے۔ غرضیکہ حُسن دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک حُسنِ ظاہری جو حواسِ خمسہ سے معلوم کیا جاتا ہے۔ دوسرا حُسنِ معنوی یا باطنی جو صرف عقل و بصیرۃ سے معلوم کیا جاتا ہے، جس میں بصیرۃ و عقل نہو وہ صرف حُسنِ ظاہری سے محبّت کرے گا اور جن میں عقل و بصیرۃ ہوگی، وہ حُسنِ باطنی سے

بھی محبت رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہیں جبکہ تمام صفاتِ کمال جو خدا میں ہونی چاہئیں بدرجۂ اتم موجود ہیں، اس لئے عقل و بصیرۃ والے انسان کو اُس کے حسنِ باطنی سے لذت محسوس ہوگی، جس سے محبت پیدا ہوتی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے محبت کی جا سکتی ہے، جس کا تجربہ و مشاہدہ بھی ہزارہا عاشقانِ الٰہی کی زندگیوں سے ہو چکا ہے اور چونکہ بصیرۃِ باطنہ بصیرۃِ ظاہری سے زیادہ قوی ہے اور حسنِ ظاہری سے حسنِ باطنی زیادہ اعلیٰ و اشرف ہے، اس لئے باطنی بصیرۃ وعقل والے کی محبت حسنِ باطنی سے زیادہ سخت اور شدید ہوگی، اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ایمان والے اللہ کی محبت میں بڑے سخت اور شدید ہیں۔" محبت کا پانچواں سبب یہ ہے کہ محبوب و محب میں کوئی خاص مناسبت ہو، جس کی وجہ سے ایک کو دوسرے کی طرف طبعی میلان ہو، جیسے ایک بچہ کو دوسرے کی طرف یا کبوتر کو دوسرے کبوتروں کی طرف طبعی میلان ہوتا ہے۔ یہ مناسبت کبھی ظاہر ہوتی ہے۔ کبھی پوشیدہ طور پر ہوتی ہے۔ اللہ اور بندہ میں ظاہری مناسبت بھی ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ بعض صفات جو اللہ تعالیٰ میں کامل طور پر ہیں وہ بندوں میں بھی موجود ہیں۔ اگرچہ ناقص ہیں مثلاً علم، نیکی، احسان، لطف و رحم وغیرہ عمدہ اخلاقی صفات۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (مشکوٰۃ) یہ سب صفات بندہ کو اللہ کے قریب کر دیتی ہیں اور انکی وجہ سے عبد و معبود میں ایک قسم کی مناسبت ضرور ثابت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ میں اور بندہ میں پوشیدہ طور پر بھی ایک اور مناسبت ہوتی ہے، جس کو عقلِ انسانی سمجھ نہیں سکتی اور جس کی طرف قرآنِ کریم میں بعض اشارات پائے جاتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اور فرمایا کہ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ اور ارشاد ہے کہ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ۔ یعنی تجھ کو ہم نے زمین میں خلیفہ بنایا۔ ظاہر ہے کہ کوئی خلافت کا

مستحق بغیر کسی قوی مناسبت کے نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہُوا کہ انسان اور خُدا میں ضرور کوئی قوی مناسبتِ خفیہ ہے۔ بہرحال ان پانچوں اسباب میں سے جب کسی شخص میں کوئی ایک سبب پایا جاتا ہے تو وہ محبّت کا مستحق ہو جاتا ہے تو وہ ذاتِ مقدس جس میں تمام اسبابِ محبّت جمع اور موجود ہیں سب سے زیادہ محبّت کا مستحق ہوگا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ میں سب اسبابِ محبّت دائمی طور پر موجود ہیں جو کبھی زائل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اصلی محبّت کا مستحق صرف وہی ہے اور دوسری اشیاء اصلی محبت کی مستحق نہیں۔ سوائے اُن شخصوں یا چیزوں کے جن کی محبّت کا سبب خُدا ہی کی محبّت ہو جیسے انبیاء اولیاء صلحاء کی محبت محض اس لئے محبوب و مطلوب ہے کہ اُن سے محبت رکھنے کو خود اللہ تعالیٰ ہی کی محبّت مقتضی ہے، کیونکہ اپنے دوست کا دوست بھی ہم کو محبوب ہُوا کرتا ہے۔ غرضیکہ ہر قلبِ مومن میں اللہ کی محبّت ہونی چاہئے جو کبھی وہبی ہوتی ہے اور کبھی کسبی طور پر پیدا کی جاتی ہے۔ اللہ کی محبّت اپنے قلب میں پیدا کرنے کی ایک تدبیر یہ ہے کہ اول دُنیا کی محبّت سے دل خالی کرے کہ ایک دل میں دو محبّتیں نہیں سما سکتیں۔ کسی مُضر چیز کی رغبت و صحبت کم کر دینا اور مفید چیز کی رغبت بڑھا لینا ممکن ہے، مثلاً چائے سگریٹ کی جب ڈاکٹر قطعی ممانعت کر دیتا ہے تو بہت سے لوگ اُسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اول ذرا گرانی معلوم ہوتی ہے۔ پھر بے پروائی ہو جاتی ہے۔ پھر زیادہ عرصہ تک ترک کرنے کے بعد دل میں اُس سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب اس کی چاہت و رغبت بالکل نہیں رہتی۔ اسی طرح دُنیا کی رغبت بھی نکالی جا سکتی ہے۔ ایسے ہی کڑوی دوا ابتداءً بُری معلوم ہوتی ہے مگر عرصہ تک استعمال کرتے رہنے سے اُس کی عادۃ و رغبت ایسی ہو جاتی ہے، جیسے ابتداءً ناس لینا سخت ناگوار ہوتا ہے مگر پھر اس کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے کہ بغیر ناس کے عادی شخص کو چین نہیں آتا۔ دوسری تدبیر یہ ہے کہ قدرتی مصنوعات پر بکثرۃ غور و فکر کرنا ہے، کیونکہ کسی کا کمال دیکھ کر صاحبِ کمال کی محبت پیدا ہوتی

ہے۔ اسی وجہ سے دنیوی اہلِ کمال کی ہم پوری قدر و عزّت کرتے اور اُن سے محبت رکھتے ہیں، حالانکہ انسانی کمالات خُدائی کمالات کے مقابلہ میں ذرہ اور آفتاب جیسی نسبت بھی نہیں رکھتے۔ انسانی کمالات کا خلاصہ صرف چند رکھی ہوئی چیزوں کو ملا دینا یا قدرتی مصنوعات کی پیشانی پر قلمِ قدرت کی لکھی ہوئی چند تحریرات کو پڑھ لینے کے سوا کچھ نہیں۔ سائنس، فزیالوجی، سائیکولوجی، تاریخ و جغرافیہ، برقی مصنوعات وغیرہ کمالات کی آخری کڑی صرف یہی ہے، لیکن خُدائی کمالات وہ ہیں، جن کی برابری تو کیا انسان ان کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکا۔ ایک تنکا، ایک مچھّر تک آدمی از خود نہیں بنا سکا، نہ اُن کے بننے کی کیفیت معلوم کر سکا۔ قرآنِ کریم[۱] نے خُدائی مخلوقات پر غور کرنے کی بار بار دعوۃ دی ہے۔ آدمی جس قدر قدرتی مصنوعات پر غور کرے گا اسی قدر کمالاتِ الٰہیہ کی معرفت زیادہ ہوگی اور جس قدر معرفت بڑھتی جائے گی، محبّتِ حق تعالیٰ زیادہ ہوتی جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ گو خدا کی محبت ہر مومن کو ہے مگر کسی کو کم کسی کو زیادہ ہے۔ جو جس قدر اُس کے کمالات سے ناواقف ہے اُسی قدر اُس کی محبّت ضعیف ہے۔ جیسے کسی عالِم کے کمالات سے جو جس قدر زیادہ واقف ہوتا ہے، اسی قدر اس کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ محبّت ہوتی ہے اور جو کم واقف ہیں، اُن کو بہت ہی کم ہوتی ہے۔ یہ دو تدبیریں اس وقت بیان کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی تدابیر ہیں، جن سے اللہ کی محبّت کو قوی اور مضبوط کیا جا سکتا ہے۔ محبّت کے ساتھ خدا کی عبادت والطاعت کرنے کا درجہ بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ ایسی ہی عبادۃ میں کیف و سُرور لُطف و حلاوۃ میسّر آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تم اُس[۲] بُرے مزدور کی طرح نہ بنو جس کو اگر مزدوری نہ دی جائے تو کام چھوڑ دے اور نہ اُس غلام کی طرح بنو کہ اگر اُسے ڈرایا نہ جائے تو کام نہ کرے"! اُس کے بعد یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح

---

[۱] ان فی خلق السموات والارض (الآیہ) ۱۲ [۲] قال علیہ السلام لا تکونوا کالاجیر السوء ان لم یعط اجرا لم یعمل ولا کعبد السوء ان لم یخف لم یعمل (احیاء) ۱۲

دنیوی محبوب کے عشاق سینکڑوں پیدا ہوجاتے ہیں، لیکن اُن میں عاشقِ صادق بہت کم ہوتے ہیں، اسی طرح محبّتِ خدا کے سلسلے میں بہت سے جھوٹے مدعیوں نے گدڑیاں پہن کر گانجے افیون میں مست ہوکر عشقِ خُدا کا دم بھر رکھا ہے۔ بعض نے سیاہ لباس پہن کر رنگدار پگڑی باندھ کر مزاروں کے مجاور و سجادہ نشین بن کر عشق کا رنگ پبلک میں جما رکھا ہے، حالانکہ ان کو عشقِ خُدا سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، اس لئے ایسے مکّاروں کے جال سے محفوظ رہنے کے لئے سچّے عشقِ الٰہی کی علامات کا جاننا ضروری ہے تاکہ ہم خود اپنے فریبِ نفس میں یا دوسروں کے فریب میں مبتلا نہ ہوں۔

عشقِ صادق کی پہلی علامت (۱) یہ ہے کہ عاشقِ صادق شرابِ محبّت سے مست ہوکر اپنے سارے عیش و راحت کو محبوب کی مرضی پر قربان کر دیتا ہے اور اس لئے سامانِ راحت سے بے پرواہ ہوجاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ کو اس حال میں آتا ہُوا دیکھا کہ مینڈھے کی کھال پہن کر پٹکا باندھے ہُوئے تھے۔ (کپڑا نہونے کی وجہ سے) تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس شخص کی طرف دیکھو۔ اللہ نے اس کا دل منوّر کر دیا ہے۔ مَیں نے اُس کو اُس کے والدین کے ساتھ دیکھا ہے کہ وہ کھانا کھلاتے پانی پلاتے تھے (یعنی خوش حالی میں تھے) اور اب اللہ و رسولؐ کی محبّت نے اُن کو اس حال میں (زندگی گذارنے پر) آمادہ کر دیا ہے، جس کو تم دیکھ رہے ہو (احیا)

عشقِ صادق کی دوسری علامت (۲) یہ ہے کہ عاشقِ خُدا کو اپنی موت بہت پسند ہوتی ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وصالِ محبوب اس دنیا کی زندگی میں نہیں ہوسکتا اور اُس نے آخرۃ میں اپنی جلوہ نمائی کا وعدہ کیا ہے، لہٰذا وہ موت کو تحفہ سمجھتا ہے اور موت کے دروازے سے گذر جانے کے موقعہ کو بڑا غنیمت جانتا ہے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ کہتے ہیں کہ جنگِ اُحد میں عبداللہ بن جحش رضؓ سے چند لوگوں نے مشورہ کیا کہ ہم شہادت کے لئے خُدا سے دُعا کیوں نہ کریں۔ طے ہُوا کہ دُعا کرنی چاہیئے۔ چنانچہ انھوں نے ایک

گوشہ میں کھڑے ہو کر دُعا کی ۔ عبداللہ بن جحش رضؓ نے یہ دُعا کی کہ اے رب میں تجھے قسم دے کر عرض کرتا ہُوں کہ جب مَیں کل تیرے دُشمنوں سے جنگ کروں تو میرا مقابلہ کسی ایسے شخص سے کرا دے جس کی قُوت زبردست ہو ، جس کا غصّہ تیز ہو ، مَیں تیری راہ میں اُس سے جنگ کروں ، یہاں تک کہ وہ مجھے قتل کر دے اور میری ناک اور کان کاٹ لے ، میرا پیٹ چاک کر ڈالے اور مَیں کل تجھ سے شہید ہو کر ملوں ۔ پس تو فرمائے کہ اے عبداللہ تیرے ناک کان کیوں کاٹے گئے ، تو مَیں عرض کروں ، اے میرے محبوب تیری اور تیرے رسول کی راہِ محبّت میں کاٹے گئے ۔ پھر تُو فرمائے کہ ہاں تُو نے سچ کہا ۔ (حاضرین ، یہ ہیں سچّے عشاق کے جذبے اور ولولے اللہ اکبر) سعد کہتے ہیں کہ دوسرے روز جنگ کے آخر میں مَیں نے دیکھا کہ اُن کی ناک کان (کاٹے ہُوئے) ایک دھاگے میں لٹکے ہُوئے ہیں (احیا) سبحان اللہ عاشق ایسے ہوتے ہیں ، ان کی تمنّائیں ایسی ہوتی ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ شہید تمنّا کرے گا کہ پھر زندہ کیا جاؤں ۔ پھر شہید کیا جاؤں ۔ پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید کیا جاؤں (احیا) اور حدیث میں جو تمنّائے موت کی ممانعت آئی ہے وہ اس وقت ہے جبکہ دُنیوی مصائب و آلام سے گھبرا کر موت کی تمنّا کی جائے ، کیونکہ محبوب کی سزا پر صبر کرنا بہتر ہے ڈر کر بھاگنے سے ع وہ یوں کہ محبت کی سزا میں بھی مزا ہے ۔ ہاں جو عاشق اپنے خیال میں محبوب سے ملنے کی پوری تیاری نہ کر سکا ہو اور چاہتا ہو کہ گناہوں سے پوری صفائی اور تقویٰ و طاعات کا لباس پہن کر محبوب سے ملوں ۔ وہ کچھ عرصہ کے لئے موت کے التوا کو پسند کر سکتا ہے ، مگر اس کی علامت یہ ہے کہ وہ ہمہ تن گناہوں سے بچنے اور روحانی امراض کے علاج کرنے میں مصروف ہو ، محبّت کی تیسری علامت : یہ ہے کہ محب ظاہر و باطن میں اپنی خواہشات کے مقابلے میں اپنے محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں ، کاموں وغیرہ کو پسند کرے ، اُنہیں کو اختیار کرے ، سُستی ،

کسلمندی سے اعراض کرتے ہوئے طاعات وعبادات میں منہمک ہو، فرائض و واجبات اور سننِ مؤکدات کے بعد نفل عبادات سے قربِ خداوندی کا طلبگار ہو، خوب یاد رکھئے کہ کمالِ عشق ومحبت اور نافرمانی کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔ محبتِ حق کی چوتھی علامت یہ ہے کہ وہ اللہ کی یاد میں ہمہ وقت مستغرق ہو۔ زبان اس کے ذکر سے تر رہے۔ دل کبھی اُس کی یاد سے خالی نہ رہے، کیونکہ جو جس سے محبت رکھتا ہے، فطرۃً اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے۔ اُس کی یاد، اُس کے کلام، اُس سے تعلق رکھنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ حُبِ رسولؐ بھی اسی لئے فرض ہے کہ حضورؐ خدا کے محبوب ہیں۔ چنانچہ فرمایا کر خُدا سے محبت کرو، اس لئے کہ وہ منعم ومحسن ہے اور مجھ سے محبت کرو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرتا ہے (احیا) اور حُبِ نبیؐ کی پہچان حُبِ سنتِ رسول ہے، جس کو حضورؐ کی سُنتیں اور طریقے پسند نہیں، اُسے ہرگز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں اور ایسے لوگ اپنے دعوے میں بالکل جھوٹے ہیں۔ حُبِ حق تعالیٰ کی پانچویں علامت یہ ہے کہ تنہائی، دُعا، تلاوۃِ قُرآن، نمازِ تہجد پر مداومت کو پسند کرے گا اور مُخلِ اوقات اُمور سے سخت متنفر ہوگا اور آخرۃ میں اتنا ڈوبا ہوگا کہ جب تک کوئی بات باربار اُس کے کان پر نہ دُہرائی جائے سمجھ میں نہ آئے گی۔ یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ جس میں تین خصلت نہیں، وہ عاشق ہی نہیں۔ ایک یہ کہ مخلوق کے کلام کے مقابلے میں اللہ کے کلام کو اختیار کرے۔ دوسرے یہ کہ مخلوق سے ملنے پر خدا کی ملاقات کو ترجیح دے۔ تیسرے یہ کہ مخلوق کی خدمت پر خُدا کی عبادت کو مقدم کرے۔ چھٹی علامت یہ کہ کسی نقصان پر اُس کو افسوس نہ ہو، سوائے اُس وقت کی بربادی کے جو بغیر اللہ کی یاد کے گذر جاوے۔ ساتویں یہ کہ تمام مومنین سے رحم وشفقت کا برتاؤ کرے اور دُشمنانِ خُدا ورسول کے حق میں سخت ہو۔ جب اُسے دین کی حمایت میں غصہ آئے تو اُس کا غصہ شیر کے غصہ کی طرح ہو کہ شیر جب غصہ میں آتا ہے تو آدمیوں سے

کم یا زیادہ ہونے کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ آٹھویں علامت یہ کہ خدا کی محبت کیساتھ اسکی عظمت و ہیبت کا خوف بھی ملا ہُوا ہو اور یہ ڈر رہے کہ کہیں محبوب ناراض نہ ہو جائے یا میرے اُس کے درمیان کوئی حجاب حائل نہ ہو جائے یا وہ اپنی بارگاہ سے دُور نہ کر دے۔ نویں علامت یہ کہ عشق کا دعویٰ و اعلان نہ کرتا پھرے، کیونکہ محبت معشوق کے رازوں میں سے ایک راز ہے، جس کا بے تکلّف ظاہر کرنا نہایت بے وقوفی ہے ہاں اگر بغیر اپنے ارادہ و خیال کے جذباتِ عشق خود بخود پھُوٹ پڑیں تو وہ معذور ہے حضرت جنید رح فرماتے ہیں کہ میرے اُستاد سری سقطی رح بیمار ہُوئے۔ ہم نے بہت کوشش کی، مگر مرض کا اصل سبب معلوم نہ ہو سکا اور نہ دوا تجویز ہو سکی۔ ہم نے ان کا قارورہ ایک مشہور طبیب کو دکھلایا۔ وہ غور سے دیر تک دیکھتا رہا اور پھر کہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کسی عاشق کا قارورہ ہے۔ یہ سُنتے ہی میں پچھاڑ کھا کر گر پڑا۔ قارورہ کی شیشی ہاتھ سے گر گئی۔ بعد افاقہ کے واپس حاضر ہُوا اور شیخ سے طبیب کا خیال بیان کیا تو شیخ نے مُسکرا کر فرمایا کہ خُدا اُسے سمجھے کس قدر ماہرِ فن ہے (احیا)

دسویں علامت یہ ہے کہ عاشق کی طبیعت میں قلبی بصیرۃ سے جمالِ یار کی تجلیات کے بعد ایک عجیب انداز کی بشاشت پیدا ہو جس کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی اور قدرۃ کے تکوینی امور نفع و نقصان، حیاۃ و موۃ، رنج و مسرۃ کے متعلق عاشق کی رضا کے جذبات کچھ اس درجہ ترقی کر جائیں کہ اسکی رضا بالکل وہی ہو جائے جو قُدرۃ کی طرف سے ظہور میں آئے۔ کسی نے بہلول دانا رح سے پوچھا۔ کہو بہلول آج کل کیا ہو رہا ہے۔ فرمایا تمام عالم میں جملہ حوادثات و تغیرات میری منشا کے مطابق ہو رہے ہیں، پوچھا یہ کیسے؟ فرمایا اس طرح کہ میری منشاء بالکل وہی ہو گئی ہے جو خُدا کی منشا ہو اور تمام تغیرات اُس کی منشا سے ہو رہے ہیں۔ لہٰذا یہ سب میری منشا کے بالکل مطابق ہیں۔ غرضیکہ یہ دس علامات محبّت کی ہیں۔ اُن کے علاوہ تمام محاسنِ

دین اور مکارم اخلاق محبّت ہی کے پھل ہیں اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ جہاں عشق و محبّت کے یہ پھل ہوں گے وہاں ضرور شجرِ محبّت موجود ہوگا اور جہاں یہ پھل نمودار نہوں تو اب دعویٔ محبّت صرف تلبیس کا جال ہے۔ ریاکاری ہے، غلط شہرۃ ہے اور منافقت ہے۔ الحاصل اللہ کی محبّت مؤمن کی زندگی گذارنے کا ایک لازمی جزء ہے، جس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ ہمیں مذکورہ بالا تدابیر اختیار کرکے اللہ تعالیٰ کی محبّت بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو، مؤلفِ خطبات اور مسلمانوں کو اپنی محبّت کا کوئی حصّہ عطا فرمائے اتنی ہمّت دے کہ ہم اپنی فطری محبّتِ خُدا کو ترقی دینے کی تدابیر اختیار کریں اور ایسی سمجھ دے کہ جھوٹے، مکّار صُوفیوں، عشق کے دعوے کرنے والوں کے دامِ مکر سے بچیں اور صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین عہ

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یُحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خُطبۂ جُمعہ چہارم ماہِ ذیقعدہ در بقیہ تعلیم ضروریاتِ دین بسلسلۂ ارکانِ اسلام

رُکنِ چہارم

حج کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ○ وَنَسَبَہٗ اِلَیْہِ شَرَفًا وَّیُمْنًا ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ

لَاشَرِيْكَ لَهٗ ۝ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا
مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۝ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
عَلٰى اٰلِهٖ ۝ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ۝ اَمَّا بَعْدُ
فَيَا اَيُّهَا النَّاسُ : قَدْ اَظَلَّكُمْ اَشْهُرُ الْحَجِّ
فِيْ هٰذَا الْعَامِ ۝ وَلٰكِنْ شَغَلَتْكُمُ الدُّنْيَا
عَنْ زِيَارَةِ بَيْتِ اللّٰهِ الْحَرَامِ ۝ وَقَدْ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ
حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ
حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَاءَ
يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا[1] ۝ وَقَالَ[2] اَيْضًا
مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ

[1] ترمذی ۱۲ [2] متفق علیہ ۱۲

وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ؁ وَقَالَ اَيْضًا تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ فَاِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خُبْثَ الْحَدِيْدِ وَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ؁ وَلَيْسَ لِحَجَّةٍ مَبْرُوْرَةٍ ثَوَابٌ اِلَّا الْجَنَّةُ ۞ وَقَالَ اَيْضًا مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ ۞ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۞ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ چہارم ماہِ ذیقعدہ دربقیۂ تعلیمِ ضروریاتِ دین بسلسلۂ ارکانِ اسلام

رُکنِ چہارم

حج کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ.

برادرانِ ملت! آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس سال میں حج کے سفر کا وقت آپہنچا۔

ع۱ رواہ الترمذی ۱۲ ع۲ رواہ ابن خزیمۃ والدارقطنی واسنادہٗ حسن ۱۲

ماہ شوال، ذیقعدہ و ذی الحج اشہرِ حج ہیں۔ یہ ایام اس بہترین عبادۃ کے لئے ہیں۔ ہر اُس مسلمان پر جو سفرِ حج کے اخراجات برداشت کرسکتا ہو اور اس کے سفر کی طاقت رکھتا ہو حج فرضِ عین ہے، بشرطیکہ راستہ پُرامن ہو۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے حج بیت اللہ فرض ہے جبکہ وہ اس سفر کی طاقت رکھیں"۔ ایسے حضرات اگر اس سال اس نعمتِ عظمیٰ کے حاصل کرنے سے محروم رہ گئے ہیں تو وہ جس قدر افسوس کریں کم ہے۔ اُن کو چاہیئے کہ آئندہ سال حج ادا کرنے کا عزم بالجزم کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کے کسی حتمی حکم کی ادائیگی سے غفلت کرنا مسلمان کے لئے انتہائی بدبختی کی بات ہے۔ بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھوں نے اس مبارک سفر میں میدانوں اور دریاؤں کی مسافت طے کی اور مکہ مکرمہ پہنچ کر منت نذر وار بیت اللہ کے گرد گھوم گھام کر طواف کیا۔ کعبہ شریف کے پردے پکڑ کر روئے اور گڑگڑا کر اپنے رب سے اپنے مقاصد کے لئے دُعائیں کیں اور دُنیا میں اپنی آنکھ سے جنت کی نشانی کو دیکھا، یعنی حجرِ اسود کا بوسہ لیا اور اپنے گناہ بخشوائے۔ مُبارک ہیں وہ لوگ جنھوں نے منیٰ میں پہنچ کر اپنی آرزو پائی اور مزدلفہ میں شب کو ٹھہر کر ثواب حاصل کیا۔ میدانِ عرفات کے اندر کھڑے ہو کر بارگاہِ الٰہی میں التجائیں کیں اور خاص اُس میدان میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کی قربانی بارگاہِ رب العالمین میں پیش کی تھی، اُنھوں نے اپنی قربانیاں پیش کیں، اور سر مُنڈا کر شیطانی مقامات پر سنگباری کی اور پھر واجباتِ حج سے فارغ ہو کر نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے اور بارگاہِ حضرتِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم میں پہنچ کر نہایت وجد و شوق کے ساتھ روتے ہوئے صلوٰت و سلام کے پھول بارگاہِ معلّیٰ میں پہنچائے اور نہایت عاجزی و بیچارگی کے ساتھ آپ کے دامانِ شفاعت میں پناہ مانگنے کی درخواست پیش کی۔

دوستو اور بزرگو خُوب یاد رکھو کہ طاقت رکھتے ہوئے حج نہ کرنے پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سخت بے زاری و ناراضی کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص حج کی طاقت رکھے اور کوئی امر مانع نہ ہو جیسے مرضِ شدید یا راستہ کی بدامنی یا اور کوئی واقعی ضرورت، پھر وہ بغیر حج کئے ہُوئے مرجائے پس وہ چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر (دارمی) اس حدیث کے الفاظ پر غور فرمایئے۔ کس قدر سخت وعید ہے اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص سے کس قدر بیزاری کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ہم اپنے محاورہ میں جب کسی سے سخت بیزار ہو جائیں تو کہا کرتے ہیں کہ وہ کم بخت اگر بات نہیں مانتا تو ہماری طرف سے چاہے کنوئیں میں گرے یا کھتّی میں، ہمیں اس سے کچھ تعلق نہیں۔ ٹھیک اسی انداز میں آپؐ فرما رہے ہیں کہ جو مُسلمان مُسلمان ہو کر باوجود طاقت حج نہ کرے وہ میری طرف سے چاہے یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر۔ مجھے اس سے کچھ تعلق نہیں۔ اللہ اللہ بھلا جس سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلم رحمتِ مجسّم اپنا تعلق منقطع فرمائیں اسکو عذابِ الٰہی سے کیسے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ دوستو سوچو اور غور کرو اور غفلت کو دُور کر کے آئندہ موقعہ آنے پر حج کا پختہ ارادہ کر لو اور سفر کے لئے کمرِ ہمّت باندھ لو کہ یہ عبادت بہت بابرکت اور بے حد نفع بخش ہے۔ احادیث میں اس عبادت کی بہت کچھ فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث[1] میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جس شخص نے (خالص اللہ کے لئے) حج کیا اور اس میں فحش گوئی اور گناہ نہ کیا تو وہ گناہ سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے جیسا کہ پیدا ہونے کے دن گناہوں سے پاک تھا۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "حج اور عمرہ ملا کر کیا کرو، کیونکہ وہ دونوں گناہوں کو اس طرح دُور کرتے ہیں، جس طرح بھٹی لوہے، چاندی اور سونے کے میل کو صاف کر دیتی ہے اور حجِ مقبول کا بدلہ سوائے جنّت کے کچھ نہیں"[2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ،

[1] متفق علیہ ۱۲ [2] ترمذی و نسائی ۱۲

سے مروی ہے کہ حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجدِ منیٰ کے اندر دو شخص آئے۔ ایک انصاری تھے۔ دوسرے قبیلۂ ثقیف کے اور اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کچھ سوالات دریافت کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو مَیں خود تم کو تمہارے سوالات بتادوں، ورنہ مَیں نہ بتاؤں تم خود پوچھو؟ اُنھوں نے عرض کیا، آپؐ ہی ارشاد فرمائیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری سے فرمایا تم یہ دریافت کرنے آئے ہو کہ گھر سے بیت اللہ جانے کا اور بعدِ طواف دو رکعت پڑھنے کا اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کا اور عرفہ کے دن میدانِ عرفات میں

علہ عن ابن عمرؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ فی مسجد منیٰ رجل من الانصار و رجل من ثقیف فقالا یا رسول اللہ جئنا نسئلك فقال ان شئتما اخبرتكما بما جئتما تسالانی عنه وان شئتما امسك وتسئالانی فقال اخبرنا یا رسول اللہ فقال الانصاری جئتنی تسئالنی عن مخرجك من بیتك تؤم البیت الحرام ومالك فیه وعن ركعتك بعد الطواف ومالك فیهما وعن طوافك بین الصفا والمروة ومالك فیه وعن وقوفك عشیة عرفه ومالك فیه وعن رمیك الجمار ومالك فیه وعن نحرك ومالك فیه وعن حلق راسك ومالك فیه وعن طوافك بالبیت بعد ذالك ومالك فیه فقال والذی بعثك بالحق لعن ھٰذا جئت اسئالك قال فانك اذا خرجت من بیتك تؤم البیت الحرام لا تضع ناقتك خفا ولا ترفعه الا كتب اللہ لك به حسنة ومحاعنك خطیة واما ركعتاك بعد الطواف كعتق رقبة من بنی اسمٰعیل واما طوافك بالصفا والمروة كعتق سبعین رقبة واما وقوفك عشیة عرفة فان اللہ تعالیٰ یهبط الیٰ سماء الدنیا فیباهی بكم الملائكة یقول عبادی جاؤنی شعثا وغبرا من كل فج عمیق یرجون جنتی فلو كانت ذنوبكم كعدد الرمل او كقطر المطر وزبد البحر لغفرتها فارجعوا عبادی مغفورا لكم ولمن شفعتم لهٗ واما رمیك الجمار فلك بكل حصاة رمیتها تكفیر كبیرة من الموبقات واما نحرك فمدخور لك عند ربك واما حلاقك راسك فلك بكل شعرة حلقتها حسنة وتمحیٰ عنك بها خطیئة واما طوافك بالبیت بعد ذالك فانك تطوف ولا ذنب لك یاتی ملك حتیٰ یضع یدیه بین كتفیك فیقول اعمل فیما یستقبل فقد غفرلك ما مضیٰ - الكبیر والبزار من جمع الفوائد ص ۱۶۶ ج ۱

ٹھہرنے کا اور پتھروں کو کنکریاں مارنے کا، قربانی کرنے کا، سر منڈانے کا اور واپس آکر طواف بیت اللہ کرنے کا کیا کیا اجر و ثواب ہے۔ (جب حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے اُن تمام سوالات کا جواب تک صرف ان کے دل میں تھے بیان فرمادئے تو انصاری نے عرض کیا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر ہماری طرف بھیجا، بیشک یہی سوالات تھے جن کو پوچھنے کے لئے میں حاضر ہوا تھا۔ تب آپ نے فرمایا کہ گھر سے نکل کر بیت اللہ جانے کے راستے میں جس قدر قدم تیری اونٹنی نے اٹھائے اور رکھے ہیں اُسی قدر اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے نیکیاں لکھ دیں اور تیرے گناہ معاف فرمائے اور طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے کا ثواب اس قدر ہے جتنا کہ بنی اسمٰعیل میں سے کسی غلام کو آزاد کرنے کا ملتا ہے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کا ثواب ستر غلام آزاد کرنے کے برابر ہے اور عرفہ کی شام کو میدانِ عرفات میں ٹھہرنے کا درجہ یہ ہے کہ اُس روز اس وقت اللہ تعالیٰ آسمانِ دُنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ملائکہ کے سامنے تمہاری عبادت پر فخر کا اظہار فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے بندے گرد و غبار میں آلودہ ہوتے ہوئے دُور دراز کا سفر طے کر کے میرے پاس آئے اور میری جنّت کی اُمید کرتے ہیں، پس (اے میرے بندو) اگر تمہارے گناہ ریت کے ذرات بارش کے قطرات اور دریا کے جھاگ کی برابر بھی ہوں تو میں نے اُن سب کو معاف کر دیا۔ تُم خود اور جس کے لئے تُم سفارش کرو وہ سب بخشے ہوئے جاؤ اور رمی جمار کا ثواب یہ ہے کہ ہر کنکری تیرے ایک تباہ کر دینے والے گناہِ کبیرہ کا کفّارہ ہے اور تیری قربانی خُدا کے پاس ایک کام آنے والا ذخیرہ ہے اور تیرا سر مونڈانا اس کا ثواب یہ ہے کہ ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی اور ایک گناہ کی معافی ملتی ہے اور اس کے بعد طواف کرنے کا ثواب یہ ہے کہ تو اس حالت میں یہ طواف ادا کرتا ہے کہ اب تیرے اُوپر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ آکر اپنے ہاتھ تیرے دونوں مونڈھوں کے درمیان

رکھ کر کہتا ہے کہ اب آئندہ نیک اعمال کیئے جا اور گذشتہ تمام گناہ تیرے بخشے جا چکے۔ (جمع الفوائد) سُبحان اللہ کیا فضیلت ہے اس عبادت کی کہ اس کے سلسلے میں ہر ہر کام پر زبردست اجر ملتا ہے اور وہ انسان جس کے گناہوں کا کچھ شمار و حساب ہی نہیں، اس کی برکت سے بخش دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے مجرم کو بری فرما دیتا ہے۔ اے مسلمانو جبکہ ہمیں اپنے اعمالِ بد کی سزا دیئے جانے کے عقیدہ پر یقین ہے تو ہمیں چاہیئے کہ اس عبادت کے ادا کرنے میں جلدی کریں۔ ایسا نہ ہو کہ حج ہم پر فرض ہو جائے اور اس کے ادا کرنے سے پہلے ہی موت آجائے کہ تمام گناہوں کا بوجھ ہمارے سر پر لدا ہو اور اُن کے معاف کرانے کا موقعہ نہ مل سکے اور پھر عذابِ الٰہی میں مبتلا ہونا پڑے اور سُنئے۔ پیدل حج کرنے کا ثواب اس سے بھی زیادہ ہے۔ ابنِ عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا[1] کہ پیدل چل کر حج کرنے والوں کو حرم کی نیکیوں میں سے ہر قدم پر سات سَو نیکیاں ملتی ہیں۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ حرم کی نیکیاں کیسی ہوتی ہیں۔ فرمایا کہ حرم میں جو ایک نیکی کی جائے اس کا ثواب اس قدر ملتا ہے جتنا کہ دوسری جگہ میں ایک لاکھ نیکیاں کرنے سے ملتا۔ (مسند امام احمدؒ) خیال تو فرمائیے کہ اگر ہم جدہ سے مکہ تک یا مکہ سے عرفات تک پیدل چل کر حج کریں تو اس میں کس قدر قدم رکھنے ہوں گے اور ان کی کتنے کروڑ نیکیاں حاصل ہوں گی، اسی لئے عرفات تک پیدل چل کر حج کریں تاکہ ثواب میں زیادتی ہو لیکن از راہِ بخل مالدار ایسا نہ کریں کہ اونٹ

---

[1] عن ابن عباسؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الحاج الراکب لہ بکل خطوۃ تخطوھا راحلتہ سبعون حسنۃ وان الحاج الماشی لہ بکل خطوۃ یخطوھا سبعمائۃ حسنۃ من حسنات الحرم قیل وما حسنات الحرم قال الحسنۃ بمأۃ الف حسنۃ (للبزار والکبیر والاوسط مع جمع الفوائد صـ۱۶۳ ج ۱) ۱۲

نہ دینا پڑے گا بلکہ وہ پیدل حج کریں اور جس قدر روپیہ اس سے بچے، وہیں خیرات کر دیں تو یہ صورت بہتر ہے۔ یہ مَیں نے اس لئے ذکر کر دیا تاکہ اگر کوئی ثواب زیادہ حاصل کرنا چاہے تو وہ اس سے واقف ہو جائے، دوسرے اس لئے کہ اکثر ہندوستانی حجاج وہاں پہنچ کر سواری کی تلاش میں بڑی جدوجہد اور پریشانی میں مبتلا ہو کر اپنا سکونِ قلب اور تعلق مع اللہ کھو بیٹھتے ہیں، تو وہ اس محرومی سے بچیں۔ سفرِ حج میں علاوہ حج اور زیارتِ کعبۃ اللہ کے اور بہت سے متبرک مقامات کی زیارت کا موقعہ بھی حاجی کو ملتا ہے اور دیگر عبادات کا ثواب بھی وہاں یہاں کی بہ نسبت بہت زیادہ حاصل ہوتا ہے، مثلاً مسجدِ حرم شریف میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملتا ہے جس کے متعلق آپ کا ارشاد[1] ہے کہ کسی شخص کا مسجدِ حرام میں نماز پڑھنا دوسری جگہ کی ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے (جمع الفوائد) خود مکۂ معظمہ ایک ایسی جگہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو تمام روئے زمین سے زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے خدا کی اے سرزمینِ مکّہ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام روئے زمین سے بہتر اور محبوب ہے اور اگر مَیں ہجرت پر مجبور نہ کیا جاتا تو تجھے چھوڑ کر نہ جاتا۔ (ترمذی) اسی طرح خانۂ کعبہ کی عمارت میں دو پتھر ہیں، جن کو رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کہا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ یہ دونوں قیامت میں اُٹھائے جائیں گے۔ اس طرح کہ ان میں آنکھیں اور زبان ہوگی۔ اور جن لوگوں نے ان کا استیلام کیا ہے ان کے حق میں وہ گواہی دیں گے (جمع الفوائد) اسی طرح زمزم اور صفا و مروہ کے مقامات، غارِ حراء، غارِ ثور کی زیارت بھی اس سلسلہ میں نصیب ہوگی۔ حج کے بعد روضۂ مبارک سید الکونین، نبی الثقلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زیارت کرنا افضل القربات ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ حج کے بعد مدینۂ طیبہ ضرور جائیں اور گنبدِ خضرا کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو منوّر کریں۔

[1] عن انس رضی حدیث طویل انہٗ قال صلی اللہ علیہ وسلم وصلاتہٗ فی المسجد الحرام بمأۃ الف صلوٰۃ وللقزوینی من جمع الفوائد ۱۲

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی (دار قطنی وابن خزیمہ) میدانِ حشر میں جبکہ ہماری بداعمالیاں ہمارے سامنے کھول کر رکھ دی جائیں گی، ہمارے ہاتھ پیر اور ہماری زبانیں خود ہمارے خلاف میں گواہی دیں گی اور رہائی کی کوئی صورت نہ رہے گی اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہی ہمارے کام آئے گی۔ اس لئے ہمیں لازم ہے کہ ہم آپ کی شفاعت حاصل کرنے کی تدبیر اختیار کریں جس کی بہترین ترکیب یہی ہے کہ سفرِ حج کا خرچ مہیا ہو جانے پر اولین فرصت میں حج کرکے زیارتِ مدینہ سے شرف حاصل کریں۔ مدینہ طیبہ وہ مقدس مقام ہے جہاں پہنچ کر اگر موت نصیب ہو جائے تو گنہگار کی قسمت کھل جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس بات کی طاقت رکھے کہ مدینہ میں موت تک سکونت اختیار کرے تو اُسے ضرور مدینہ میں مرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یقیناً میں ہر اُس شخص کی شفاعت کروں گا جو وہاں انتقال کرے (ترمذی) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دُعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ تو اپنے راستہ میں مجھے شہادت نصیب کر اور اپنے رسولؐ کے شہر میں مرنا عطا فرما (موطا امام مالک) ہم سے اگر وہیں موت آنے کی کوشش نہ ہو سکے تو کم از کم ایسے مقدس شہر کی زیارت کرنے کی کوشش تو ضرور کرنا چاہیئے۔

خوش نصیب حاجی کو مدینۂ طیبہ پہنچ کر مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں نماز پڑھنا نصیب ہوگا، جس کا ثواب آپ نے یہ فرمایا ہے کہ کسی مسلمان کا میری مسجد میں ایک نماز پڑھنا، دوسری جگہ کی پچاس ہزار نمازوں کی برابر ہے (جمع الفوائد) اس فضیلت پر غور کیجئے اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش فرمایئے۔ بعض نیک دل اور مستطیع حضرات حج کا ارادہ تو رکھتے ہیں، لیکن بعض ایسی دنیوی ضرورتوں کی بِنا پر جس کو شریعت میں عذر نہیں مانا گیا رُک جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ آئندہ سال

جائیں گے، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایسی ضرورتوں کی وجہ سے اس سفر کو ملتوی کر دینا ہمارے آقا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی منشاء اور حکم کے خلاف ہے اور بڑی محرومی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص حج کا ارادہ کرے اُسے چاہیئے کہ جلدی کرے کیونکہ ممکن ہے کہ پھر بیمار ہو جائے یا سواری گم ہو جائے (یعنی اخراجاتِ سفر نہ رہیں) یا کوئی سخت ضرورت (شرعیہ) مانع ہو جائے۔ (جمع الفوائد) اس ارشاد کے مطابق ہمیں ارادۂ حج کی تکمیل کرنا چاہیئے۔ نیز ایسی صورت میں جبکہ کسی پر حج فرض ہو جائے اور بلا وجہِ شرعی ادا نہ کرے اور پھر کوئی عذرِ شرعی آجائے مثلاً سخت بیمار ہو جائے تو اُس کو چاہیئے کہ حجِ بدل کی وصیّت کر کے مرے تاکہ اس فرض کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکے، ورنہ قیامت میں باز پرس ہونے کا قوی خطرہ ہے۔ نیز آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ جو لوگ بچپن میں حج کر آئے ہیں اور پھر بعدِ بلوغ قدرت حج کی حاصل ہو گئی تو ان پر دوبارہ حج کرنا فرض ہے۔ بچپن کے حج سے فرض ادا نہیں ہوتا۔ دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق دے۔ وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہٖ سیّدنا محمد و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔[ع]

ع اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ۝ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ ...

خُطبۂ جُمعہ پنجم ماہِ ذیقعدہ در بقیہ آدابِ معاشرۃِ اسلامیہ ۲۸

بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ قلب
تدبیرِ نہم

ذِکر و دُعا و فکر و محاسبہ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یَلْتَذُّ بِذِکْرِہٖ الذَّاکِرُوْنَ ۝

نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَنَحْنُ لَهٗ عَابِدُوْنَ ○ وَنَشْهَدُ اَنَّ
سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ كَمَا
اَشْهَدَ الصّٰلِحُوْنَ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى
اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُقْتَدُوْنَ ○
اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ اِعْلَمُوْا اَنَّ
مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ اِصْلَاحَ
الْجَنَانِ ○ بِالْمُحَاسَبَةِ وَالذِّكْرِ وَالْفِكْرِ
وَالدُّعَاءِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ○ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ
رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ ○

علہ متفق علیہ ۱۲

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ ۞ وَقَالَ عُمَرُ حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا وَزِنُوْهَا قَبْلَ اَنْ تُوْزَنُوْا ۞ وَعَنْ اَسْلَمَ اَنَّ عُمَرَ دَخَلَ يَوْمًا عَلٰى اَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ وَهُوَ يَجْبِذُ لِسَانَهٗ فَقَالَ عُمَرُ مَهْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ فَقَالَ لَهٗ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّ هٰذَا اَوْرَدَنِيْ فِي الْمَوَارِدِ ۞ اَعُوْذُ الخ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۞ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

عہ ترمذی ۱۲ عہ وقال تعالیٰ فلینظر الانسان مم خلق الآیۃ فامر بالتفکر واثنیٰ علی الذاکرین فقال الذین یذکرون اللہ قیاما الآیۃ ۱۲ عہ کنز الاعمال عن عبداللہ المبارک ۱۲

وعظِ جمعہ پنجم ماہِ ذیقعدہ در بقیہ آدابِ معاشرۂ اسلامیہ ۲۸ — سلسلۂ تدابیر اصلاحِ قلب

تدبیرِ نہم — ذکر و دعا اور فکر و محاسبہ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

اَمَّا بَعْدُ برادرانِ ملّت! آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کا ایک اہم شعبہ اصلاحِ قلب ہے اور اصلاحِ قلب کی تدابیر میں سے ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو ذکراللہ کا عادی بنائے اور کوشش کرے کہ اس کی زبان ہمیشہ خدا کی یاد میں تر رہے۔ اس کو بھی اصلاحِ قلب میں بڑا دخل ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس پاک و مقدس ذات کے نام میں بھی وہ اثر و برکت ہے کہ ہر قسم کی کدورتیں اُس سے زائل ہو جاتی ہیں۔ اور قدوسیت کا پرتو قلب پر پڑ کر اُس کو زنگ و کدورت سے صاف کر دیتا ہے۔ اسی لئے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذکرِ اسم ذات کی کثرت سالکینِ راہِ طریقت کے لئے لازمی قرار دی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح محبّت کی وجہ سے کسی کی یاد آنی فطری چیز ہے، اسی طرح بکثرت کسی کو یاد کرنے سے دل میں محبّت دائمی پیدا ہو جانا بھی انسان کی فطرت ہے۔ ابتداءً ذکر کرنا نفس پر بڑا شاق ہوتا ہے، لیکن آدمی ذرا ہمّت سے کام لے تو پھر عادت ہو جاتی ہے اور اس کام سے دل ایسا لگ جاتا ہے کہ اگر کسی روز نہ کیا جائے تو وحشت معلوم ہونے لگتی ہے۔ اللہ نے بار بار قرآنِ کریم میں کثرتِ ذکر کا حکم دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ "تم مجھے[۱] یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا"۔ اور منافقوں کی مذمّت میں فرمایا کہ "وہ[۲] خدا کو بہت تھوڑا یاد کرتے ہیں"۔ اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ کا ذکر کرنے والا مثلِ زندہ کے ہے اور ذکرِ خدا سے غافل ایسا ہے جیسے مُردہ"۔ (احیا) اور فرمایا کہ "غافلوں میں خدا کو یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے بھاگنے والوں میں

---

[۱] فاذکرونی ۱۲ [۲] لا یذکرون اللہ الا قلیلاً ۱۲

مجاہد" (احیاء) اور فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرے گا، میں اُسے تنہائی میں یاد کروں گا اور جو مجھے مجمع میں یاد کرے گا، میں اُسے اس سے بہتر مجمع میں یاد کروں گا اور جو ایک بالشت بھر میرے قریب آئے گا، میں ایک ہاتھ بھر اُس کے قریب آؤں گا اور جو ایک ہاتھ میرے قریب ہوگا میں دونوں ہاتھ پھیلانے کے برابر اُس کے قریب ہوں گا اور جو میری طرف آہستہ چل کر آئے گا، میں دوڑ کر اس کے قریب آؤں گا" (جمع الفوائد) مطلب یہ کہ اُس کی پکار کو جلد قبول کروں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی قوم کسی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہے تو فرشتے اس مجلس کو گھیر لیتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ خود اپنی مجلس میں اُن کا ذکر فرماتے ہیں (جمع الفوائد) ان احادیث سے آپ کو ذکر کی اہمیت معلوم ہوگئی۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہم کثرتِ ذکر سے اپنے قلب کی اصلاح کریں اور مرضِ غفلت کو دُور کریں۔ نیز اصلاحِ قلب کی تدابیر میں سے ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو غور و فکر کا عادی بنائے۔ قرآنِ کریم نے بارہا فکر و تدبر کی انسان کو ہدایت کی ہے، لیکن ہر قسم کا غور و فکر اصلاح نہیں کرتا۔ بعض غور و فکر قلب کو فاسد اور بیمار بھی بنا دیتا ہے۔ اس لئے پہلے فکر کی حقیقت سمجھئے۔ پھر اُس کا طریقہ۔ فکر کی حقیقت تو یہ ہے کہ دو معلوم باتوں کو دل میں حاضر کرنا تاکہ اُن سے کوئی تیسری بات معلوم ہو۔ آدمی جب کسی بات کو تسلیم و قبول کرتا ہے تو وہ یا تو کسی دوسرے سے سُن کر مان لیتا ہے۔ یہ ماننا بطورِ تقلید کے ہوا اور کبھی خود غور و فکر سے سوچ کر مانتا ہے۔ اسی کو تحقیق کہتے ہیں، مثلاً ایک کے دل میں خیال ہوا کہ دُنیا بہتر ہے یا آخرت، لہٰذا اس نے سوچا کر پائیدار اور ہمیشہ باقی رہنے والا آرام زیادہ بہتر ہے۔ پھر اُسے یہ بھی معلوم ہوا کہ آخرت کی نعمتیں پائیدار ہیں اور دنیا کی ناپائیدار۔ ان دونوں باتوں کے ملانے سے اب اسے صاف معلوم ہو گیا کہ آخرت ہی زیادہ بہتر ہے دُنیا سے۔ یہی فکر کی حقیقت ہے جو دُنیا اور

دین میں جاری کیا جاتا ہے۔ فکر در دُنیا سے ہمیں کوئی غرض نہیں، لیکن فکر امورِ دین میں چند طرح کیا جاتا ہے۔ دین کا مطلب ہے بندہ کا خُدا کے ساتھ معاملہ۔ اس میں فکر کی ایک قسم یہ ہے کہ بندہ اپنی ذات افعال وصفات پر غور کرے۔ یہ فکر چار طرح کیا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ انسان گناہوں کے لحاظ سے ہر روز غور کرلے کہ اُس کی زبان، ہاتھ، پیر، آنکھ، کان، ناک، نفس اور دماغ سے کیا کیا گُناہ صادر ہُوئے اور پھر ان کا نتیجہ کیا کیا ہے۔ ان دونوں پر غور کرکے توبہ اور تدارک کی طرف متوجہ ہو۔ دوسرے اس طرح کہ آدمی اپنی عبادات پر غور کرے کہ اپنے کونسے عضو سے کس قسم کی عبادت کی جا سکتی ہے اور میں اس پر قادر ہوں یا نہیں۔ اگر ہوں تو پھر کیوں نہیں کرتا۔ تیسرے اس طرح کہ آدمی اپنی ان بُری صفتوں میں غور کرے جو اُس کے نفس میں ہیں، مثلاً یہ کہ میری طبیعت پر شہوت غالب ہے یا تکبّر ہے یا مجھ میں حسد اور بدظنی کی عادت ہے اور کیا میں اُن بُری صفات کو دُور کر سکتا ہوں یا نہیں اور اُن کے دُور کرنے کا کیا طریقہ اور علاج ہے۔ بُری صفات پر غور کرتے وقت نفس اکثر دھوکا دیا کرتا ہے کہ اپنے کو ان بُری صفات سے بالکل پاک ثابت کرتا ہے، حالانکہ پوشیدہ طور پر یہ بُری خصلتیں طبیعت میں جاگزین ہوتی ہیں، لہٰذا ان پر غور کرتے وقت اگر نفس بُری خصلت کی نفی کرے، اُس پر امتحان کرے کہ جس سے نفس کا دھوکہ واضح ہو جائے۔ چوتھے اس طرح کہ دل اُن صفتوں پر غور کرے جو عُمدہ ہیں اور نجات کا باعث ہیں، مثلاً توبہ کرنا، بدعملی پر نادم ہونا، مُصیبت پر صبر کرنا، نعمت پر شکر کرنا، خوف رکھنا، اُمید رکھنا، دُنیا سے بے رغبتی پیدا کرنا، عبادات میں اخلاص ہونا، خُدا کی محبّت رکھنا وغیرہ کہ یہ صفات موجود ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں، تو کامل درجے پر ہیں یا ناقص طور پر۔ اگر نہیں تو ان صفات کو کیسے حاصل کیا جائے۔ فکر کی دوسری قسم اللہ تعالیٰ کے جلال وعظمت اور اس کی کبریائی میں غور کرنا ہے۔ یہ بھی چند طرح ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں غور کیا جائے اور ان کی

حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ طریقۂ فکر منع اور حرام ہے، کیونکہ بسا اوقات اس سے آدمی گمراہی میں مبتلا ہوجاتا ہے، اس لیئے کہ خدا کی ذات اور صفات کی حقیقت تک پہنچنا انسان کی طاقت سے باہر ہے اور جس چیز کو آدمی سمجھ ہی نہیں سکتا، اگر اس میں دخل دے گا تو یقیناً غلطی کرے گا، جیسے کوئی مادرزاد اندھا سبز رنگ اور سُرخ رنگ کی حقیقت سمجھ نہیں سکتا۔ اب اگر وہ ان کی تعریف کرے گا تو یقیناً غلطی کریگا اور پاگل قرار دیا جائے گا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی فکر سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کی مخلوق میں غور وفکر کرو اور خود خدا کی ذات کے متعلق غور وفکر نہ کرو (احیا) کہ وہ کیا ہوگا، کس طرح ہوگا وغیرہ۔ فکر کی تیسری قسم ہے خدا کی مخلوق میں غور کرکے اس کے کمالاتِ قدرت کو معلوم کرنا۔ یہ طریقۂ فکر خدا کی محبت دل میں پیدا ہونے کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ مصنوعاتِ خداوندی پر آپ جس قدر زیادہ غور کرتے جائیں گے، اُسی قدر اُس کے کمالات کا احساس اور اُس کی عظمت و جلال کا سکہ دل پر قائم ہوتا چلا جائے گا۔ اس لئے ہر مسلمان کی زندگی میں اس طریقۂ فکر کا ہونا ایک بہت اہم اور ضروری جزء ہے۔ تعجب ہے کہ عمدہ گھڑی یا ہوائی جہاز دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی ہے، لیکن قدرتی مصنوعات دیکھ کر ہمیں کچھ احساس نہیں ہوتا، حالانکہ انسان کی علمی و عملی ترقیوں کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ اُس نے قدرت کی مصنوعات کو ایک خاص ترتیب سے ملا دیا ہے۔ وہ بھی ہزاروں برس ٹھوکریں کھانے کے بعد، لیکن کمالِ قدرتِ الٰہی کی یہ شان ہے کہ اگر اُس نے مچھر کا ایک پر بھی بنایا ہے تو تمام دُنیائے سائنس اس جیسا دوسرا بنانے سے عاجز ہے۔ انسان اپنی مصنوعات میں قدرتی اشیاء اور ہزاروں کل پرزوں کا محتاج ہے، لیکن خدا انسانی مصنوعات تو کیا خود اپنی مصنوعات کا بھی محتاج نہیں قدرتی پھول پتیوں پر غور کرو کہ کونسی مشین سے کاٹے گئے ہیں۔ اے انسان تو خود اپنی شکل وصورت، اعضاء، اُنگلیاں، اُن کی بناوٹ، خطوط و نشانات پر غور کر اور

سوچ کر رحمِ مادر میں وہ کونسی مشین لگی ہوئی تھی، جس میں یہ تمام اعضا گویا ڈھالے گئے ہیں۔ واقعی خدا نے سچ کہا ہے :- وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اے انسانوں کیا تم اپنی جانوں میں قدرت کے کرشمے نہیں دیکھتے ؟ مسلمانو! یاد رکھو خدا کی نعمتوں کو بے سوچے سمجھے استعمال کرتے رہنا، احمقوں کا شعار ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم ہر قدرتی چیز کو استعمال کرتے وقت ضرور غور کریں، جس سے اُس کے کمالات کا احساس پیدا ہوگا۔ اس احساس سے عقیدت و محبت بڑھے گی، اور جذباتِ تشکر پیدا ہو کر طبیعت اطاعت پر آمادہ ہوگی۔

اصلاحِ قلب کی تدابیر میں سے ایک تدبیر یہ ہے کہ آدمی اپنے دن بھر کے اعمال کا روزانہ جائزہ لیا کرے، جس کو محاسبہ کہا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے کہ (اے لوگو! قیامت میں) حساب کئے جانے سے پہلے (اپنے اعمال کا) حساب کیا کرو۔ اور اعمال وزن کئے جانے سے پہلے (تم اپنے اعمال کو) وزن کر لیا کرو۔ (احیا) ایک دفعہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے ملے تو دیکھا کہ ابوبکرؓ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے ہیں۔ فرمایا اے ابوبکر ٹھہریئے اللہ آپ کو بخشے۔ فرمایا کہ "یہ (زبان) مجھے مہلک مواقع میں مبتلا کرتی ہے" (اس لئے سزا دے رہا ہوں) (احیاء) واقعی ایک فرماں بردار مسلمان کی زندگی ایسی ہی ہونی چاہیئے کہ اپنے اعمال کی نگرانی کرتا رہے اور حساب لیتا رہے۔ جس قدر نیکیاں میزانِ کل میں نکلیں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اگر کوئی بد عملی حساب میں نکلے تو جس طرح ملازم کی خیانت پر اُس کو سزا دیتا ہے، اسی طرح اپنے نفس کو اس کی سزا دے۔ اُس کو معاقبہ کہتے ہیں اور دن بھر اپنے نفس کی نگرانی بھی کرتا رہے۔ جس طرح مزدور سے کام لیتے وقت اسکی نگرانی کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اگر میں ذرا نظر ہٹاؤں گا تو مزدور خیانت کرے گا اور کام خراب کر دے گا۔ اسی طرح عقل بمنزلہ آقا کے ہے اور نفس اُس کا مزدور ہے جو بڑا

خائن ہے کہ عقل کی نظر ہٹتے ہی خیانت شروع کر دیتا ہے، اس لئے نگرانی کی خاص ضرورت ہے اُسی کو مراقبہ کہتے ہیں۔ عوام کا مراقبہ اول نفس پر ہونا چاہیئے اور جب نفس پوری طرح فرماں بردار ہو جائے اور خیانت کی عادۃ چھوڑ دے تو پھر مراقبہ مع اللہ کی مشق کرے یعنی اعمالِ صالحہ کے ساتھ دل میں غور کرتا رہا کہ حضورِ قلب بھی رہتا ہے یا نہیں۔ دل میں ہر وقت خدا کا خیال رہنا اعلیٰ درجہ کا مراقبہ ہے۔ یہ حال جس کو جس قدر زیادہ حاصل ہوگا، اُسی قدر وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہوگا۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک حدیث میں اس حال کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تُم اسے دیکھ رہے ہو۔ غرضیکہ مُسلمان کی زندگی کا ایک وظیفہ اور مقررہ کام یہ بھی ہے کہ وہ حضور مع اللہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہے اور اپنے شب و روز کے اعمال کا حساب لیتا رہے۔ اس تدبیر سے باطن کی بہت جلد اصلاح ہو جاتی ہے۔

نیز قلب کی اصلاحی تدابیر میں سے ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالےٰ سے اصلاح کی دُعا کرتا رہے اور اپنی تمام حاجات کا سوال اُسی سے کرتا رہے کیونکہ بار بار مانگتے رہنے سے اُس کے معطی ہونے اور اپنے محتاج ہونے کا تصوّر قائم ہو کر قوی ہوتا رہتا ہے، جس سے مرضِ غفلت دُور ہوتا ہے اور دل میں اس کی محبّت پیدا ہوتی ہے۔ تمام مرضوں کا علاج اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ ساری تدابیر ایک طرف اور اُن کی مہربانی ایک طرف۔ اُس نے خود قرآنِ کریم میں فرمایا ہے کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ مُجھ سے مانگو میں تمھاری دُعا قبول کروں گا اور حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ دُعا عبادۃ کا مغز ہے (جمع الفوائد) اور فرمایا کہ خُدا سے اس کا فضل مانگتے رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اُس سے سوال کیا جائے (احیا) لیکن دُعا کرتے وقت چند آدابِ دُعا کا خیال کرے، جن سے دُعا قبولیت کے قریب

ہو جاتی ہے۔ پہلا ادب یہ ہے کہ متبرک وقتوں میں مثلاً عرفہ کے دن، ماہِ رمضان، جمعہ کا دن، صبح ہونے کے قریب میں دعا کرے، دیگر اوقات میں بھی کرے، لیکن ان اوقات میں خصوصیت کے ساتھ دعا کیا کرے، جن کی فضیلت صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہو۔ دوسرا ادب یہ کہ متبرک حالات کے وقت ضرور دعا کرے، مثلاً بارش ہوتے وقت، تکبیر ہوتے وقت، فرض نمازوں کے بعد، اذان و تکبیر کے درمیان میں، خطبۂ جمعہ اور نماز کے درمیان میں، سجدہ کی حالت میں؛ تیسرا ادب یہ کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے ہاتھ اونچے اٹھا کر دعا کرے اور بعد دعا کے اپنے ہاتھ منہ پر پھیرے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے دستِ مبارک اٹھاتے تو منہ پر پھیرے بغیر نہ لوٹاتے (احیا) اور دعا کرتے وقت آسمان کی طرف نہ دیکھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے (احیا) چوتھا ادب یہ ہے کہ دعا آہستہ کرے، کیونکہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کو تم پکارتے ہو، وہ نہ تو بہرا ہے، نہ غائب ہے۔ وہ تو ہر وقت تمہارے درمیان موجود ہے (احیا) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اپنے[1] رب کو عاجزی اور آہستگی سے پکارو"۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ دعا میں قافیہ بندی اور عبارت آرائی نہ کرے، کیونکہ تکلف اور بناوٹ ہوتی ہے جو تضرع کے خلاف ہے چھٹا ادب یہ ہے کہ گڑگڑا کر عاجزی کے ساتھ دعا کرے کہ اس کی رحمت سے رغبت اور اس کے جلال کا خوف بھی دل پر طاری ہو۔ ساتواں ادب یہ ہے کہ اپنا مدعیٰ کوئی ایک معین کر کے دعا کرے۔ یوں نہ کہے، اے اللہ تُو اگر چاہے تو ایسا کر دے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے۔ اگر تو چاہے تو رحم فرما اور دعا کے قبول ہونے کا یقین رکھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ قبولیت کا یقین کرتے ہوئے اللہ سے دعا کرو اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ کسی غافل دل کی دعا قبول

[1] ادعوا ربکم تضرعا وخفیہ ۱۲

نہیں کرتا (جمع الفوائد) سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطانِ مردود کی دُعا کو بھی قبول فرمایا ہے۔ جیساکہ قرآنِ کریم[1] میں اس کی تصریح ہے تو بھلا مؤمن کی دُعا کیوں رد فرمانے لگا۔ پس دُعا قبول ضرور ہوتی ہے، لیکن کبھی اس کا ظہور دُنیا میں ہو جاتا ہے۔ کبھی اُس مطلب کے بدلہ میں گناہ معاف کیا جاتا ہے۔ کبھی کسی آنے والی بلا کو دُور کر دیا جاتا ہے اور کبھی وہ دُعا اس کے لئے آخرۃ میں بطورِ ذخیرہ رکھ دی جاتی ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے (احیا) آٹھواں ادب یہ ہے کہ دُعا میں الحاح کرے، یعنی بار بار عاجزی سے مانگے اور ظہورِ اثر میں جلدی نہ کرے۔ حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے۔ (احیاء) نواں ادب یہ ہے کہ دُعا میں اول خُدا کی حمد و ثنا بیان کرے۔ پھر مدعا عرض کرے اور اول و آخر درود شریف پڑھے۔ دسواں ادب یہ ہے کہ اپنے باطن کو پاک کر کے دُعا کرے اور قبولیت میں اصل چیز یہی ادب ہے۔ باطن پاک کرنے کا مطلب یہ کہ اول دل سے تمام گناہوں سے پختہ توبہ کرے اور جو کچھ حقوق العباد اپنے ذمہ واجب ہیں، اُنکو ادا کر دے اور پھر خلوصِ دل سے پوری ہمت کے ساتھ خُدا کی طرف متوجہ ہو۔ گیارھواں ادب یہ ہے کہ کسی مقبولِ بارگاہِ خُداوندی کی ذات کو یا اُس کی عبادت کو یا اپنے کسی خالص عمل کو وسیلہ بنا کر دُعا کرے، جیساکہ حضرت عُمر رضؓ نے حضرت عباس رضؓ کو وسیلہ بنایا تھا (احیاء) اور صحیح حدیث میں ہے کہ تین شخص کسی غار میں بند ہو گئے تھے تو اُنھوں نے اپنے اعمال میں سے خالص عملوں کے وسیلہ سے دُعا کی تو اللہ نے قبول فرمائی کہ از خود غار کے مُنہ پر کا پتھر ہٹ گیا اور وہ نجاۃ پا گئے (مُسلم) الغرض اسلامی زندگی گذارنے کے لئے ایک مسلمان کو ضروری ہے کہ وہ اصلاحِ قلب کی کوشش برابر کرتا رہے اور اس سلسلہ میں ذکر اللہ کی عادۃ ڈالے۔ اللہ کی مخلوق میں غور و فکر پر مداومت کرے۔ اپنے نفس سے اُس کے اعمال کا حساب

[1] قال رب فانظرني الى يوم يبعثون قال انك من المنظرين ۱۲

لیا کرے اور حق تعالیٰ سے بکثرت دُعا کرے۔ انشاء اللہ ان تدابیر سے قلب کی پوری طرح اصلاح ہو جائے گی۔ اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ذکر و فکر محاسبہ و مراقبہ کی توفیق دے۔ ہماری دُعاؤں کو قبول فرمائے۔ ہماری گذشتہ غلطیوں، گناہوں کو معاف فرمائے اور آئندہ اسلامی طریقہ پر زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔[1]

[1] اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ؕ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خُطبۂ جُمعہ اول ماہِ ذی الحجہ در فضیلتِ عشرۂ اولیٰ و یومِ عرفہ بسلسلۂ تعلیمِ احکام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَعَادَ عَلَیْنَا شَھْرَ الْحَرَامِ ○ لِنَتَشَرَّفَ بِحَجِّ بَیْتِہِ الْحَرَامِ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ○ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الْکِرَامِ ○

أَمَّا بَعْدُ فَيَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ حَانَ عَلَيْكُمْ

شَهْرُ ذِي الْحِجَّةِ الْحَرَامِ ۝ شُرِعَتْ لَنَا فِيهَا

أَحْكَامٌ ۝ مِنْهَا صِيَامُ تِسْعَةِ أَيَّامٍ ۝ فِي أَوَّلِ

عَشْرَتِهِ وَالْقِيَامُ ۝ قَالَ[1] رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيهَا

مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ ؞ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ

مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ

لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَقَالَ[2] عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ

صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ

السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِي بَعْدَهُ ۝ وَمِنْهَا

صَلٰوةُ الْعِيدِ وَخُطْبَتُهَا ۝ وَإِحْيَاءُ لَيْلَتِهَا

[1] ترمذی ۱۲ [2] مسلم ۱۲

وَمِنْهَا الْاُضْحِيَةُ وَتَكْبِيْرَاتُ التَّشْرِيْقِ اِلٰى خَمْسَةِ اَيَّامٍ ۞ وَفَّقَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى لِاِمْتِثَالِ سَائِرِ الْاَحْكَامِ ۞ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ اول ماہ ذی الحجہ در بیانِ فضائلِ عشرۂ اولیٰ و ترغیبِ قربانی

بسلسلۂ بقیہ تعلیمِ احکام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْد

برادرانِ ملّت! انسان کے طبعی اوصاف میں سے ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ تفریح و انبساط اور مسرّۃ و خوشی کی خواہش اپنے اندر رکھتا ہے اور یہ خواہش جس طرح آدمی کے نفس میں ہے، اسی طرح رُوح میں بھی موجود ہے اور جیسے نفسانی تفریح کے موقعہ پر انسان کے نفس میں مسرّۃ کی لہریں دوڑتی ہیں، اسی طرح روحانی مسرّت کے موقعہ پر اس کی روح میں بھی مسرّۃ و انبساط کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ غرضیکہ مسرّۃ کی خواہش انسان کا طبعی تقاضا ہے، جس کا ایک حد تک پورا ہوتے رہنا ضروری ہے۔ دیکھئے آدمی جب کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے یا اُکتا جاتا ہے یا حوادثاتِ رنج والم میں زیادہ عرصہ تک رہتا ہے تو چاہتا ہے کہ اپنے مشاغلِ ضروریہ سے

عہ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام من احیا اللیالی الاربع وجبت لہ الجنت لیلۃ الترویہ ولیلۃ عرفۃ ولیلۃ النحر ولیلۃ الفطر رواہ ابن عساکر ۱۲

فارغ ہو کر ذرا راحت حاصل کرے، غموم سے نکل کر قدرے مسرّۃ سے ہمکنار ہو۔ طبیعت
میں کچھ انبساط پیدا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دینِ پاک میں انسان کے اس تقاضائے
طبعی کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور اپنے نیک بندوں کے لئے جو رات دن آپ کی تعمیلِ ارشاد
میں لگے ہوئے ہیں، سال میں دو موقعے انبساط و خوشی کے لئے مقرر فرمائے ہیں،
تاکہ تھکی، دبی اور گھٹی ہوئی طبیعتیں ان مواقع کے آنے پر اسبابِ فرح و انبساط سے اپنا
دل بہلائیں۔ مرجھائی ہوئی طبائع ترو تازہ ہوں اور طولِ عمل سے درماندہ قویٰ
تازہ دم ہو کر پھر اُبھر آئیں۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مواقع غالباً اسی تقاضائے
فطرۃِ انسانی کو پورا کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ ان مواقع کی تجویز میں بہت سے
مصالح اور حکمتیں مضمر ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ اسی طرح فطرۃِ انسانی کا
طبعی تقاضا یہ بھی ہے کہ وہ جب کسی اہم واقعہ کو سنتا ہے یا اس پر خود پیش آتا ہے
تو وہ اس واقعہ کے زمانے کو اور اس مقام کو جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہے اہمیت دیتا ہے
انکو یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور بار بار اس واقعہ کی یاد تازہ کرنی چاہتا ہے۔
چنانچہ برتھ ڈے، سالگرہیں، جوبلیاں، جشنِ تخت نشینی، یادگارِ فتح، یہ سب اسی تقاضائے
فطرت کے مظاہرے ہیں۔ ایسے ہی مقدس واقعات کے سلسلہ میں وہ مقامات کہ جہاں
یہ واقعات پیش آئے ہیں، انسان ان کو معظم اور دوسرے مقامات سے زیادہ اہم
سمجھتا ہے اور حتی الامکان ایسے مواقع پر بار بار پہنچ کر ان کے دیکھنے کی خواہش کرتا
ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک کی تمام نسلِ انسانی نے ہر زمانے
اور ہر ملک میں اس تقاضائے فطرت کو پورا کرنے کے لئے ہمیشہ مظاہرات کئے ہیں اور
کرتے رہیں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انھوں نے اس فطری خواہش کو صحیح اور مناسب
طور پر پورا کیا ہو یا غلط اور نامناسب طریقہ پر۔ حق تعالیٰ نے قوانینِ اسلام میں
انسان کی اس فطری خواہش کی رعایت فرمائی ہے اور نہایت مناسب طریق پر اس کو پورا کرنے

کے مواقع بتلائے ہیں، جن سے واقعی اور حقیقی واقعات کی یاد تازہ ہوتی رہے، تاکہ مسلمان غلط طریقے پر اپنے فطری تقاضے کو پورا کرنے کی گمراہی سے بھی بچے اور تفریحِ طبع کے ساتھ ہی عبرت و موعظت اور رشد و ہدایت کا سبق بھی حاصل کرے

اگلے بزرگوں کے واقعات انسان کے نزدیک اکثر اہم ہوا کرتے ہیں اور اُن سے آدمی عموماً متاثر ہوتا ہے۔ مسلمان کے لئے اسلامی رشتہ کے اسلاف اور انکے واقعات ہی نہایت اہم اور عظیم الشان ہوسکتے ہیں۔ دینِ اسلام کا سب سے زیادہ اور گہرا تعلق حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے ہے جو اس کے مبلّغِ اعظم ہیں اور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دینی اور نسبی تعلق حضرت سیّدنا ابراہیم علیہ السلام سے ہونا اظہر من الشمس ہے، اس لئے مسلمان کے لئے خلیل اللہ علیہ السلام کے واقعات ہی کی یاد تازہ کرانا بہت زیادہ موجبِ انبساط و مسرّۃ ہوسکتا تھا۔ بنابریں حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ و اسماعیل اور ہاجرہ علیہم السلام کے واقعات کو اس مقصد کے لئے منتخب فرمایا اور جس زمانے میں یہ واقعات پیش آئے تھے اُنکو فضیلت دی اور اس وقت کو عید قرار دے کر باعثِ فرح و سرور بنایا۔ چنانچہ مناسکِ حج اسی زمانے میں مقرر کئے گئے اور نمازِ عید واجب کی گئی۔ پس عشرۂ ذی الحج ایک مسلمان کے لئے بہت متبرک زمانہ ہے۔

حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیّت کے ساتھ اس عشرہ کے بہت کچھ فضائل بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ عبادۃ کے لئے عشرۂ ذی الحج اللہ تعالیٰ کو اور تمام دنوں سے زیادہ پسند ہے۔ اس عشرہ میں ایک دن کا روزہ سال بھر روزہ رکھنے کے برابر ہے" (لیکن دسویں کا روزہ رکھنا منع ہے۔ پس یہ ثواب نو ۹ دن کے لئے ہے) اور اس عشرہ کی ہر رات کا جاگنا شبِ قدر میں جاگنے کے برابر ہے" (ترمذی ابنِ ماجہ) نیز عشرہ میں عرفہ کا دن بہت افضل دن ہے اور عرفہ (یعنی نویں تاریخ) کا روزہ بہت زیادہ باعثِ ثواب ہے۔ چنانچہ حضورِ انور صلّی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں خدا سے اُمید کرتا ہوں کہ عرفہ کا روزہ کفارہ ہو جاتا ہے ایک سالِ گذشتہ اور ایک سالِ آئندہ کیلئے (مسلم) نیز ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جس شخص نے اپنی زبان کی (بُری عادتوں سے) اپنے کانوں کی (حرام آواز سُننے سے) اپنی آنکھ کی (حرام مناظر دیکھنے سے) عرفہ کے دن حفاظت کی تو روزِ عرفہ کی برکت سے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے (بیہقی) اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ ان مبارک ایام میں مسلمان کو خاص طور پر گناہوں سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ دن مغفرۃ اور معافی کا ہے۔ لہٰذا اس دن میں مجرم بننا اپنے آپ کو خلاصی اور رہائی سے محروم کرنے کے مرادف ہے۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ دوزخ کے مجرمین عرفہ سے زیادہ اور کسی دن آزاد نہیں کیئے جاتے (شرح السنۃ) بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ عرفہ کا روزہ ایک ہزار روزوں کے برابر ہے۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک نہ اس عشرہ سے زیادہ کوئی دن افضل ہے اور نہ کسی دن میں عمل کرنا اس دن میں عمل کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ پس (خصوصیت سے) کثرت رکھو اس عشرہ میں لا اِلٰہ اِلّا اللہ اور اللہ اکبر کی، کیونکہ یہ تہلیل و تکبیر اور ذکر اللہ کے دن ہیں۔ (درمنثور) اس مضمون کی تشریح ایک مثال سے سمجھئے کہ ایسا شخص جو گورنمنٹ کا بہت بڑا مجرم ہو، ایک جرم نہیں بلکہ سینکڑوں جرائم کی فردِ جرم اس پر عائد ہو چکی ہو، حکومت کے خفیہ نویسوں نے اس کی تمام کارروائیوں کی رپورٹ عدالت میں پیش کر دی ہو، وارنٹ نکلنے والا ہو اور گرفتاری کے لئے حکومت کی پولیس تیار ہو، پھانسی کا تختہ اس کے لئے نصب کر دیا گیا ہو یا زندہ آگ میں جلا دینے کا حکم صادر ہو چکا ہو، ایسی پریشانی کی حالت اور مُصیبت کے وقت میں اگر اتفاقِ وقت سے سِلور جُوبلی کا دن آجائے اور اس خوشی کے دن میں گورنمنٹ عام معافی کا اعلان کر دے، جس کی وجہ سے یہ مہا پاپی مجرم بھی رِہا ہو جائے تو اندازہ

فرمائیے کہ وہ اس دن کو اپنے لئے کتنی بڑی نعمت قرار دے گا اور کتنا غنیمت سمجھیگا جس دن کے طفیل میں اس کو خلاصی نصیب ہُوئی۔ اسی طرح ایک سچا مومن، جو احکم الحاکمین کے بندوں اور غلاموں میں اپنے آپ کو شمار کرتا ہو اور اس کے قانونِ عدالت و حکومت کی اطاعت کا اقرار کرچکا ہو۔ پھر اس سے خطائیں، لغزشیں اور حکومتِ الٰہیہ کے خلاف ہزاروں جرائم صادر ہوچکے ہوں۔ کراماً کاتبین خُدا کے خفیہ نویس اس کی تمام رپورٹ بارگاہِ الٰہی میں پیش کرچکے ہوں، قانونِ حکومتِ الٰہیہ کے لحاظ سے ان جرائم کی سزا زندہ آگ میں جلا دینا، اس کو معلوم ہوچکا ہو، موت کے سپاہی اس کی گرفتاری کے لئے گھات میں لگے ہوں اور وہ سمجھ رہا ہو کہ عنقریب وارنٹ کٹ کر سزائے سخت میں گرفتار کیا جائے گا۔ یہ ہولناک منظر اس کے سامنے ہو۔ ایسے نازک وقت میں اتفاقاً حکومتِ الٰہیہ کا ایک بڑا دن آجائے جس کے طفیل میں اس مومن کو اپنے جرائم کی معافی حاصل ہوسکتی ہو تو وہ اس دن کو نہایت غنیمت اور نعمتِ غیر مترقبہ سمجھے گا اور فوراً اس مناسب موقع پر بارگاہِ قدرمیں سربسجود ہوکر معافی کا خواستگار ہوگا اور پھر اس مبارک دن کے نصیب ہونے پر دل وجان سے شکریہ ادا کرے گا۔ ایسے مہربان حاکم کے لئے اس کی زبانِ شکر کھل جائے گی۔ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگا۔ نمازِ عید جو اس عشرہ کے آخری دن پڑھی جائے گی، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے انھیں انعامات واحسانات کا شکریہ ہے۔ ممکن تھا کہ مسلمان اپنے خوفناک مُستقبل اور اس بہترین موقعہ کے حصول کو بھُول جاتا، جو ازراہِ عنایت اس کو حاصل ہورہا ہے، اس لئے حکومتِ احکم الحاکمین نے اس نمازِ تشکر کو واجب قرار دے دیا، جو اس کی بڑی زبردست نوازش ہے۔

نمازِ عید بھی اس عشرہ کی ایک مخصوص عبادت ہے، جو اپنے اندر بہت سے فضائل رکھتی ہے اور اس کا ادا کرنا مکلّف مسلمانوں پر واجب ہے نیز اس عشرہ

میں یومِ عرفہ یعنی نویں تاریخ کی نمازِ فجر سے تیرھویں کی عصر تک ہر مسلمان پر فرض نمازوں کے بعد چند مخصوص کلمات کے ساتھ اپنے مالک و حاکم اور محسن کی بڑائی بیان کرنا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ کسی کی تعریف و عظمت کا بیان کرنا گویا خود اپنے عجز، محتاجی اور درماندگی کا اقرار کرنا ہے۔ اپنی عاجزی کا اقرار اور دوسرے کی عظمت کا اعتراف کسی کی نوازش و الطاف حاصل کرنے کی بہترین تدبیر ہے۔ شکر ہے اس پاک پروردگار کا جس نے محض اپنی مہربانی سے اپنے حبیبِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بہترین تدبیر سکھلائی تاکہ ہم ہر نماز کے بعد اس کو کام میں لاکر اس کی عطا و نوازش کے مستحق بن سکیں۔ ان کلمات کو جن کے ذریعہ اس کی عظمت وجلال کا اظہار کیا جاتا ہے، تکبیرِ تشریق[1] کہا جاتا ہے۔

آدمی جب کسی کے انعامات کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہے تو اگر غریب و مفلس ہے تو صرف زبانی شکریہ پر اکتفا کرتا ہے اور اگر صاحبِ دولت ہے تو بطورِ شکریہ محسن کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کیا کرتا ہے۔ انسان کے اسی طبعی رجحان کے مطابق محسنِ اعظم نے بھی اپنا قانون مقرر فرمایا کہ غرباء صرف نمازِ عید پڑھ کر ہماری نوازشوں کا شکریہ ادا کریں اور صاحبِ استطاعت بندے زبانی شکریہ کے علاوہ مالی ہدیۂ تشکّر بھی پیش کریں۔ اسی مالی تشکّر کا دوسرا نام قُربانی ہے۔ یہ مستطیع مسلمان پر واجب ہے، جس کے مسائل آئندہ خطبہ میں عرض کئے جائیں گے۔ پھر یہ ہدیہ بھی عجب شان سے لیا جاتا ہے۔ شاہوں کا دستور ہے کہ جب رعیت اس کے دربار میں کوئی ہدیہ پیش کرتی ہے تو بادشاہ اس پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں، جو اشارہ ہے قبول فرمانے کا اور پھر واپس کرتے ہوئے مزید خلعت و انعام دیا جاتا ہے۔ ٹھیک یہی بلکہ اس سے ہزار درجہ بہتر طرزِ عمل اس احکم الحاکمین کا ہمارے ساتھ ہے۔

[1] تکبیرِ تشریق یہ ہے:- اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ ۱۲

مولیٰ تعالیٰ ہماری ناقص قربانیوں کو قبول فرما کر پھر ہم ہی کو واپس فرما دیتے ہیں کہ کھاؤ اور کھلاؤ۔ اس پر مزید انعام اس کے دربار سے یہ عطا ہوتا ہے کہ قربانی کے ہر ہر بال کے عوض ایک ایک نیکی عطا ہوتی ہے۔ ایک ذراسی قربانی کا ہدیہ پیش کرنے کے معاوضہ میں ہزار ہا نیکیوں کی دولت حاصل ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ کیا عطا ہے ہمارے آقا کی گویا قربانی واجب فرما کر ہدیۂ تشکر سے لینا کچھ مقصود نہیں، بلکہ اکرام پر اکرام، انعام پر انعام اور عنایتوں پر مزید عنایت کرنا مقصودِ مولیٰ ہے۔ غرضیکہ یہ عشرہ عبادت کا شکر کا عنایت کا انعام کا عشرہ ہے۔ ابراہیمی ایثار و قربانی کی یادگار منانے کا عشرہ ہے، جس میں مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے بے حد عنایات و نوازش کی بارشیں ہوتی ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ انسان جو اس عشرہ کی نعمتوں، مغفرتوں سے فائدہ اٹھا سکے۔ حق تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اس بزرگ عشرہ کی برکات سے فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیّدنا محمّدٍ و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ یَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا الخ

خطبۂ جمعہ دوم ماہِ ذی الحجہ بسلسلۂ بقیہ تعلیمِ احکام

دربیانِ احکامِ قربانی وغیرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بَعَثَ لَنَا سَیِّدَ الْبَرَرَةِ ۝ فَعَلَّمَنَا الْعِبَادَاتِ وَالْاُضْحِیَّةِ ۝ اَشْهَدُ

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ○

وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ○

اَمَّا بَعْدُ فَيَا اَيُّهَا النَّاسُ اُشْكُرُوا اللّٰهَ عَلٰى نَعْمَائِهِ

الْجَلِيَّةِ وَالْخَفِيَّةِ ○ بِالصَّلٰوةِ وَالْاُضْحِيَةِ ○ فَاِنَّهَا

وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ حُرٍّ مُكَلَّفٍ مُقِيْمٍ مُوْسِرٍ

عَنْ نَّفْسِهِ الزَّكِيَّةِ ○ وَقَدْ قَالَ[1] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ

اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ ؕ وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ

مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَّقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا

بِهَا نَفْسًا ○ وَقِيْلَ[2] لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ

[1] ترمذی ۱۲ [2] احمد و ابن ماجہ ۱۲

الْاَضَاحِیُّ ؕ قَالَ سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ (عَلَیْہِ السَّلَام)

قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ؕ قَالَ بِکُلِّ

شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ (الحدیث) وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ

وَالسَّلَامُ ؕ مَنْ وَّجَدَ سَعَۃً لِاَنْ یُّضَحِّیَ فَلَمْ

یُضَحِّ فَلَا یَحْضُرْ مُصَلَّانَا [۲] ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ

یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ کَذٰلِکَ سَخَّرْنٰھَا لَکُمْ

لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمْ وَ

بَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ○ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

[۱] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی وفیہ فلا یقربن مصلانا ۱۲ [۲] و

قال علیہ السلام یا فاطمۃ قومی الیٰ اضحیتک فاشھدیھا فان لک بکل قطرۃ

من دمھا ان یغفرلک ماسلف من ذنوبک قالت یا رسول اللّٰہ النا خاصۃ

اھل البیت اولنا وللمسلمین قال بل لنا وللمسلمین (رواہ الطبرانی فی الکبیر) [۳]

وعظِ جمعہ دوم ماہِ ذی الحجہ بسلسلۂ بقیۂ تعلیمِ احکام

دربیانِ احکامِ قربانی وغیرہ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی اَمّا بَعدُ

برادرانِ ملّت! محسن کے احسان کا شکریہ ادا کرنا انسان کی فطرۃ اور شریفانہ خلق ہے احسان فراموشی ایک بدترین بداخلاقی اور ذلیل خصلت ہے۔ انسان کا سب سے بڑا محسن اللہ تعالیٰ ہے۔ اُس نے ہمیں پیدا کیا۔ قوۃ دی اور پھر تمام کائنات کو ہمارا خدمت گذار بنایا ؎ ابروباد و مہ و خورشید و فلک در کار اند :: تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری۔ ہمارا ہر ہر سانس خُدا کی ایک مستقل نعمت ہے کہ اگر وہ نہ آئے تو وجود ہی ختم ہو جائے۔ ایسی حالت میں ہمارا احسان فراموشی کرنا اور خُدا کی ہزاروں نعمتوں کا کچھ بھی شکریہ ادا نکرنا ایک نہایت بداخلاقی اور رذالت ہے۔ عیدِ اضحیٰ کی قُربانی دراصل خدا کی نعمتوں پر شکریہ ادا کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ شریعتِ الٰہیہ اگر اس کو واجب نکرتی تب بھی ہمیں اپنی فطری شرافت کا ثبوت اپنی حقیر قربانیوں سے بارگاہِ ربّ العلامین پیش کرنا ہی چاہیئے تھا۔ یہ اللہ تعالےٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ اُس نے ہمیں اس شریف خُلق کی طرف متوجہ کرنے کے لیئے قُربانی کو واجب قرار دیا اور اُس کے لئے ایک خاص اور متبرک وقت بھی مقرر فرما دیا تاکہ وقت آنے پر ہمیں اپنا اخلاقی فرض یاد آجائے۔ اس پر بھی اگر کوئی مُستطیع مُسلمان بارگاہِ خُداوندی میں اپنا ہدیۂ تشکّر پیش نکرے تو اس کی یہ حرکت انتہا درجہ کی بداخلاقی، ناشکری اور احسان فراموشی ہوگی۔ قربانی کرنے میں علاوہ اخلاقی فرض کی ادائیگی اور حُکم شریعتِ الٰہیہ کی تعمیل کے اور بھی بہت سے اُخروی فوائد ہم کو حاصل ہوتے ہیں، جن کی تصریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں فرمائی ہے۔

چنانچہ آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ آدمی کا کوئی عمل ذی الحج کی دسویں تاریخ کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قدر زیادہ پسندیدہ نہیں، جس قدر کہ اللہ کے لئے خون بہانا پسند اور محبوب ہے اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے۔ پس قربانی سے اپنا دل خوش کرو۔ (ترمذی) نیز ایک حدیث میں ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ تمھارے باپ ابراہیمؑ کی سُنّت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: تو ہمارے لئے اِن میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ بھیڑ وغیرہ کی اُون میں کیا ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: اُون کے ہر بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے (احمد و ابنِ ماجہ) حاضرین ذرا بکری کے بالوں کو شمار کیجئے اور پھر اندازہ لگائیے کہ ایک قربانی میں کس قدر نیکیاں آپ کو ملیں۔ یہ نیکیاں وہ عُمدہ اور قیمتی سکّہ ہے کہ آخرت میں جب سارے سکّے بیکار ہو جائیں گے اور یہاں کے مالدار وہاں مفلس ہو جائیں گے تو اُس وقت یہی سکّہ کام دے گا اور جس کے پاس یہ دولت ہوگی، وہی شخص وہاں سب سے زیادہ معزّز ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے فاطمہ اپنی قربانی کے پاس کھڑی رہ اور حاضر رہو، کیونکہ قربانی کے ہر قطرہ کے بدلے میں تمھارے گذشتہ گناہ معاف ہوں گے (ایسی عنایت کے وقت موجود رہنا مناسب ہے) اُنھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ کیا یہ نوازش خداوندی ہم اہلِ بیت ہی کے لئے خاص ہے یا سب کے لئے؟ آپ نے فرمایا: (خاص نہیں) بلکہ ہمارے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے (جمع الفوائد) گناہ ایسی بُری بلا ہے کہ آخرت میں انسان کے لئے سخت تکلیف دہ ثابت ہوگی۔ گناہ کا زہر ایسا ہے جیسے

افیون کا کھاتے وقت تھوڑی دیر کے لئے سُرور پیدا ہوتا ہے لیکن آخر عمر میں اُسکے نقصانات بُری طرح بھگتنے پڑتے ہیں۔ پس یہ کتنا بڑا فائدہ ہے کہ قربانی کے ذریعہ سے ہماری یہ زہریلی بلائیں دُور ہو جاتی ہیں۔ مُسلمان کو اُخروی زندگی کیلئے نیکیوں کے سکّے حاصل کرنے اور گناہ کی بلاؤں سے محفوظ رہنے کی سخت ضرورت ہے۔ اسی لئے حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ شفقت و رحمت اپنی اُمت کو قربانی کرنے کی سخت تاکید فرمائی اور وسعت ہوتے ہُوئے نکرنے پر غصّہ کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قربانی کی طاقت رکھتے ہُوئے نکرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔ (ترغیب عن الحاکم) کس قدر دھمکی ہے قربانی نہ کرنے والے پر۔ ہمیں لازم ہے کہ ہم اپنے آپ کو حضورؐ کے موردِ عتاب بننے سے بچائیں اور دل و جان سے آپ کے حکم کی تعمیل کریں۔ قُربانی سے پہلے ہر مسلمان کو اس کے مسائل جاننا بھی ضروری ہے تاکہ اس عبادت کے بجالانے میں غلطی نہو۔ لہٰذا اب مَیں مختصر طور پر قربانی کے ضروری مسائل بیان کرتا ہُوں:

مسائلِ قُربانی

شرائطِ وجوب: قربانی ہر اُس آزاد مُسلمان پر واجب ہے جو مسافرِ شرعی نہ ہو، اور بقدرِ نصاب کسی مالیت کا مالک ہو جو اس کی ضروری حاجات سے زائد ہو۔ خواہ اتنی مالیت پہلے سے حاصل ہو یا عید الاضحیٰ کے دن حاصل ہو جائے۔ **مسئلہ** باپ پر بالغ اولاد کی طرف سے قربانی واجب نہیں۔ اگر وہ مالکِ نصاب ہوں تو خود کریں کہ اُن پر واجب ہے۔ نابالغ اولاد اگر مالکِ نصاب ہو تو باپ کو اُن کی طرف سے قُربانی کرنی چاہیئے۔ اگر مالکِ نصاب نہیں ہے تو اولاد پر قربانی واجب نہیں، لیکن اگر کر دے تو بہتر ہے (عالمگیری و ہدایہ) **مسئلہ:**۔ شوہر پر بیوی کی طرف سے قربانی واجب نہیں۔ اگر بیوی مالکِ نصاب ہے تو اس پر واجب ہے، لیکن بیوی کے پاس

اگر نقد روپیہ یا سونے چاندی کا زیور بقدرِ نصاب نہیں ۔ ہاں اُس کا دین مہرِ موجل شوہر پر ہے تو ایسی عورت پر قربانی واجب نہیں ۔ مسئلہ :۔ اگر کسی کے پاس نقد نہیں، لیکن دوسرے پر دین ہے تو اگر قربانی کی قیمت اس کے پاس ہے تو واجب ہے اگر اتنا بھی پاس نہیں اور وصولیابی کی اُمید ہو تو قرضخواہ سے طلب کرنا واجب ہے، تاکہ قربانی کر سکے، لیکن اگر وصولیابی کی اُمید نہیں تو اب قربانی واجب نہیں ۔ مسئلہ :۔ میّت کی طرف سے ثواب پہنچانے کے لئے قربانی کرنا جائز ہے۔ مسئلہ : حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا بڑا ثواب ہے ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضؓ نے دو مینڈھے کی قربانی کی اور فرمایا کہ ایک میری طرف سے ہے اور دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ۔ (جمع الفوائد)

قربانی کا وقت :۔ دسویں ذی الحجہ کی صُبح سے بارھویں تاریخ کے غروب تک قربانی کا وقت ہے ۔ خواہ دن میں کرے یا رات میں لیکن دن میں کرنا اور دسویں تاریخ کو کرنا مستحب ہے ۔ ان تین دنوں کے اندر قربانی کے جانور کو ذبح کرنا ہی واجب ہے ۔ اس کے عوض میں قیمت صدقہ کرنا جائز نہیں ۔ قربانی کا واجب ادا نہ ہوگا ۔ ہاں یہ دن گذر جانے کے بعد قیمت صدقہ کر دینے سے بھی واجب ادا ہو جائے گا مسئلہ اگر قربانی کے لئے بکری وغیرہ خرید لی، لیکن کسی وجہ سے قربانی کے دنوں میں ذبح نہ کر سکا، تو اب اُس بکری کو زندہ صدقہ کرنا واجب ہوگا ۔ قیمت دینے سے قربانی کا واجب ادا نہ ہوگا ۔ مسئلہ :۔ دیہات یا قریہ والوں کے لئے قربانی کا مستحب وقت دسویں تاریخ کو طلوعِ آفتاب کے بعد ہے، لیکن شہر والوں کے لئے قربانی کا مستحب وقت بعد خطبۂ عید ہے، مگر نمازِ عید کے بعد اور خطبہ سے پہلے بھی اُن کو قربانی کرنا جائز ہے ۔ البتہ نمازِ عید سے پہلے شہر والوں کے لئے قربانی کرنا جائز نہیں ۔ ہاں اگر نمازِ عید کا امام ایک طرف سلام پھیر چکا ہے تو جائز ہے ۔ مسئلہ : اگر ایک شہر میں دو یا کئی

جگہ نمازِ عید ہوتی ہو اور کسی نے کسی ایک عیدگاہ میں نماز ختم ہونے پر قربانی دی تو جائز ہے، اگرچہ اور جگہ نماز ختم نہوئی ہو۔

قربانی کا جانور:- قربانی صرف اُونٹ گائے بکری کی ہوسکتی ہے۔ نر ہوں یا مادہ۔ بھینس، گائے کی اور بھیڑ، بکری، دُنبہ کی جنس میں داخل ہیں۔ کسی وحشی جانور، مثلاً نیل گائے، ہرن وغیرہ کی قربانی جائز نہیں۔ مستحب یہ ہے کہ ابلق خصی دُنبہ کی قربانی کرے۔ **مسئلہ:-** اُونٹ پانچ برس کا، گائے دو برس کی، بکری ایک سال کی کم از کم ہونی چاہیئے۔ لیکن بھیڑ کا بچہ چھ ماہ کا بھی اگر فربہ ہو جو ایک سال کا معلوم ہوتا ہو تو جائز ہے۔ **مسئلہ:-** اُونٹ، گائے، سات اشخاص کی طرف سے اور بکری، دُنبہ، بھیڑ صرف ایک شخص کی طرف سے قربانی کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ:- غریب شخص اگر مُرغا مُرغی کی قربانی اس خیال سے کرے کہ قربانی کرنے والوں کے ساتھ مشابہت ہو جائے تو یہ مکروہ ہے، کیونکہ مجوسیوں کی رسم ہے (عالمگیری)

مسئلہ:- قربانی کا جانور اندھا، کانا، ایسا لنگڑا جو مذبح تک نہ جاسکے، بیمار یا پیدائشی بے کان والا یا ایک کان کٹا، یا تہائی کان کٹا نہونا چاہیئے۔ ایسے عیوب والے جانور کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔ ہاں اگر تہائی کان سے کم کٹا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ ایسے دُبلے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں، جس کی ہڈیوں میں مغز نہ رہا ہو۔ **مسئلہ:** سینگ ٹوٹا جانور جس کے باقی بدن کو ضرر نہ پہنچا ہو، بچہ والی، دُودھ نہ دینے والی، بُڑھیا، کھانسی کے مرض والی، بے دانت والا جانور بشرطیکہ چارہ کھاسکے، خصی شدہ بکرے وغیرہ کی قربانی جائز ہے، مگر مستحب یہ ہے کہ ان تمام عیوب سے پاک ہو، ہاں خصی ہونا عیب نہیں بلکہ پسندیدہ ہے۔ **مسئلہ:** اگر قربانی کرنے کے لئے گراتے وقت کوئی پیر وغیرہ جانور کا ٹوٹ گیا تو اس کی قربانی میں کوئی حرج نہیں۔ **مسئلہ** گابھن گائے، بکری وغیرہ جو قریب الولادت ہو، اس کی قربانی کرنا مکروہ ہے،

آدابِ قربانی :- آدابِ قربانی یہ ہیں کہ قربانی کے جانور کو چند روز پہلے سے خرید کر اس کو اچھی طرح فربہ کرلے اور اس کے دودھ اون وغیرہ سے نفع نہ اٹھائے بلکہ اگر دودھ نکال لیا ہو تو صدقہ کردے اور قربان گاہ کو لے جاتے وقت سختی نہ کرے ٹانگ پکڑ کر اور گھسیٹ کر نہ لے جائے۔ اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا مستحب ہے۔ اگر نہ کرسکے تو ذبح کے وقت حاضر رہے۔ ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھے: بِسْمِ اللّٰہِ الخ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ اَللّٰھُمَّ عَنْ فلان ابن فلان فَتَقَبَّلْ عَنْہُ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اور پکڑنے والے بھی بسم اللہ اللہ اکبر کہیں۔ تیز چھری سے ذبح کرے۔ جب تک جانور اچھی طرح ٹھنڈا نہ ہو جائے کھال اُتارنا شروع نہ کرے۔ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ مسئلہ اگر کسی بکری وغیرہ کے بچہ پیدا ہو جائے تو اُسے بھی ذبح کردے یا ایامِ قربانی گزرنے کے بعد زندہ صدقہ کردے۔ مسئلہ قصاب کو بطورِ مزدوری کے قربانی میں سے کچھ گوشت وغیرہ دینا جائز نہیں۔

مصرفِ قربانی :- جو قربانی عیدالاضحیٰ کا واجب ادا کرنے کے لئے کی گئی ہو اُس کے گوشت وغیرہ کے تین حصّے کرکے ایک حصّہ فقراء کو تقسیم کرے۔ ایک حصّہ احباب کو، خواہ وہ امیر ہوں یا غریب تقسیم کردے یا پکا کر کھلائے اور ایک حصّہ اپنے اور اہل وعیال کے خرچ میں صرف کرے اور کھال صدقہ کردے۔ مسئلہ نذر کی قربانی کا کُل گوشت صدقہ کرے۔ (کُل مسائل از عالمگیریہ)

تکبیرِ تشریق :- نویں تاریخ کی نمازِ فجر سے تیرھویں تاریخ کی عصر تک ہر فرض نماز کے بعد تکبیرِ تشریق یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْد - ایک دفعہ کہنا واجب ہے مسئلہ قربانی کرنے والے شخص کو اگر حجامت بنوائے ہوئے ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں چالیس روز نہ گذرے ہوں تو مستحب ہے کہ بعدِ قربانی حجامت اور ناخون وغیرہ کتروائے، یعنی باعثِ ثواب ہے، لیکن اگر بنوالے تو کچھ گناہ نہیں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو قربانی ادا کرنے کی توفیق دے۔ ہماری ناچیز قربانیوں کو قبول فرمائے اور اس کا پورا پورا اجر عطا فرمائے۔ ہماری گذشتہ غلطیوں اور گناہوں کو معاف فرمائے اور آئندہ صحیح طریقہ پر زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ہے۱

۱ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۔ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

خطبۂ جمعہ سوم ماہِ ذی الحجۃ

دربیانِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

بقیہ آدابِ معاشرتِ اسلامی نمبر ۲۹ و ضروریاتِ دین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ۔ بَعَثَ النَّبِیّٖنَ لِلْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیِ عَنِ الْمُنْکَرِ وَمَا ھُوَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ

لَا شَرِيْكَ لَهٗ الْاَقْرَبُ اِلَيْنَا مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ○ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ الْهَادِيْ اِلٰى طَرِيْقٍ سَدِيْدٍ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ تَبِعَهٗ فِيْ دِيْنِهِ الْحَمِيْدِ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِيَّةِ ○ اَلْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالْحَسَنَةِ ○ وَالنَّهْيُ عَنْ كُلِّ مُنْكَرٍ وَّسَيِّئَةٍ ○ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ[1] بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ ؛ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ ؛ وَذٰالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ ○

[1] رواہ مسلم ۱۲

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: مَا مِنْ رَّجُلٍ يَّكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَّعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ وَيَقْدِرُوْنَ عَلٰى اَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ○ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

وعظِ جمعہ سوم ماہِ ذی الحجہ

دربیان امر بالمعروف ونہی عن المنکر

بقیہ آدابِ معاشرۃِ اسلامی ۲۹ وبقیہ ضروریاتِ دین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْد

عله وقال تعالیٰ لولا ينهاهم الربانيون والاحبار عن قولهم الاثم واكلهم السحت لبئس ما كانوا يصنعون ۱۲ عه ابن ماجه ۱۲

برادرانِ ملّت! اسلامی طریقہ پر زندگی گذارنے کے لیئے جس طرح یہ بات لازمی ہے کہ مُسلمان تمام احکامِ اسلام کی سختی کے ساتھ پابندی کریں اور تمام ممنوعات سے بچنے کی پوری کوشش کرتے رہیں۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی نیک کام کا حکم کرتے رہیں اور بُرے کاموں سے بچانے کی کوشش کرتے رہیں۔ یہ اُصول ہر مسلمان کی زندگی میں ایک جزوِ لازم کی طرح موجود رہنا چاہیئے۔ آج ہم مسلمانوں کی بدعملی کا رونا رو رہے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس اصول سے بڑی حد تک غفلت برتی گئی۔ اگر ہم میں سے ہر شخص دوسرے فرضوں کے ساتھ اس فریضہ کی ادائیگی میں بھی سعی کرتا رہتا تو یہ روزِ بد دیکھنا نہ پڑتا۔ عام طور پر لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ کام صرف علماء کا ہے۔ نہیں بلکہ یہ فریضہ علماء اور عوام دونوں کا ہے۔ ابتداءِ اسلام سے یہ سلسلہ صرف اسی طرح جاری رہا کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے متبرک وعظوں اور مقدس صحبتوں میں لوگوں کے نمائندے آتے اور تعلیماتِ اسلام سُن کر اپنے اپنے قبیلوں، وطنوں میں جاکر ان احکامات کو پہنچاتے۔ پھر وہ اپنے اپنے خاندان کے افراد کو سناتے، اچھے کاموں کی ترغیب دیتے، بُرے کاموں سے روکتے۔ اسی طرح فاران کی چوٹیوں سے اٹھی ہوئی اور ایک دُرِ یتیم کے لبِ مُبارک سے نکلی ہُوئی یہ آواز دُنیا کے تمام گوشوں میں پہنچتی رہی اور گونجتی رہی، جس سے نیک عملی بڑھتی گئی اور بدعملی کافور ہوتی رہی اور بہت جلد مسلمان نام کی ایک مقدس جماعت تعمیر ہو کر تمام دُنیا کی قوموں پر چھاگئی، جو ہر قسم کی ترقی سے مالا مال ہُوئی۔ غرضیکہ یہ سمجھ لینا انتہائی غلطی ہے کہ نیکی پھیلانا اور بُرائی سے بچانا صرف علماء کا کام ہے بلکہ یہ کام ہر ہر مُسلمان کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے۔ جس موقعہ پر جو مُسلمان کسی دوسرے مُسلمان کو کوئی بُرا کام کرتے دیکھے، اُس پر واجب ہے کہ اپنی طاقت کے مُطابق اس کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر باوجود

طاقت کے منع نکرے گا اور روکنے میں اپنی کوشش صرف نکرے گا تو گنہ گار ہوگا اور قیامت میں اس کے متعلق اس سے باز پرس کی جائے گی۔ (از حدیث کلکم راع الخ) چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص تم میں سے کسی منکر (یعنی ناجائز کام) کو ہوتا دیکھے تو اس کو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے (یعنی روک دے) پس اگر (اِتنی) طاقت نہ رکھے تو اپنی زبان سے (آگاہ کر دے) اور اگر (اتنی بھی) طاقت نہو، (بلکہ زبان سے روکنے پر بھی فساد کا قوی اندیشہ ہو) تو پھر اپنے دل سے اُس کو بُرا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے (مسلم) یعنی ادنیٰ درجہ کا ایمان یہ ہے کہ بُری بات کو دل سے بُرا جانتا رہے اور اگر دل سے اس کو بُرا بھی نہ سمجھا تو اب ایمان ہی کہاں رہا۔ یاد رکھیئے کہ کسی بُرے کام کے ہوتے وقت جس قدر مُسلمان وہاں موجود ہوں، سب پر بقدرِ طاقت اس کام کو روکنا فرض ہے۔ اگر کوئی ایک شخص بھی نہ روکے گا تو سب کے سب گُنہ گار ہونگے اور اگر کوئی ایک روک دے تو سب کے اُوپر سے یہ فرض ادا ہو جائے گا۔ (احیاء) نیز خوب یاد رکھیئے کہ جو گناہ کسی قوم کے سامنے کئے جاویں اور قوم کے افراد باوجود طاقت کے منع نہ کریں تو اس گناہ کا ادبار و عذاب ساری قوم پر نازل ہوگا۔ یہ نہ سمجھیئے کہ صرف اُس کرنے والے ہی پر آئے گا، ہم بچ جائیں گے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے بُرے عمل کی وجہ سے عام طور پر عذاب نہیں بھیجتا، جب تک کہ وہ سب اپنے سامنے کسی بُرے کام کو ہوتے دیکھیں اور باوجود قُدرت کے نہ روکیں۔ پس اگر وہ ایسا کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ سب خاص و عام کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے (شرح السنۃ) اور ایسا آنے والا عذاب یہ ہی نہیں کہ آخرت میں ہوگا بلکہ بہت ممکن ہے کہ دُنیا میں ہی آجائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب بھی کسی قوم میں کوئی شخص گناہ کرتا ہو اور قوم کے لوگ اس کو

روکنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ اُن سب پر مرنے سے پہلے دُنیا ہی میں عذاب نازل کرے گا (ابو داؤد و ابنِ ماجہ) کیا شک ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لفظ بلفظ پورا ہو رہا ہے - غلامی کی لعنت کا طوق ہمارے گلے میں پڑا ہُوا ہے - نئے نئے قوانین ہماری دولت کا خون چوس رہے ہیں پیسہ ہوتے ہُوئے بھی ہم غذا، چاول، گیہوں وغیرہ حتیٰ کہ لکڑی، پانی اور ضروریات کی تمام چیزیں حاصل کرنے میں دوسروں کے محتاج ہیں - مسلمانوں اب بھی سنبھل جاؤ تو بہتر ہے - ہر شخص کو چاہیے کہ سب سے پہلے وہ اپنے گھر والوں میں نیک کاموں کا حکم اور بُرے کاموں سے بچنے کی کوشش جاری کرے اور یہ فرض برابر ادا کرتا رہے، جب تک کہ طاقت اور زندگی ہے - حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے - تُم نیک کاموں کا حُکم کیا کرو اور بُرے کاموں سے روکا کرو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تُم پر اپنا عذاب نازل کر دے - پھر تُم (اُس کو دُور کرنے کیلئے) دُعا کروگے اور تمھاری دُعا قبول نہ کی جائے گی" (ترمذی) نیز آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں شہر کو اُلٹ پلٹ کر دے، اُس کے باشندوں سمیت - تو جبریلؑ نے عرض کیا - اے رب بیشک اُن میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے، جس نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی - ارشاد ہُوا کہ اُس شہر کو اُس بندہ پر اور اُن لوگوں پر پلٹ دے، کیونکہ وہ بندہ بُرے کام ہوتے دیکھتا تھا، لیکن میرے لئے اس کے چہرے کا رنگ ایک گھڑی کے لئے بھی نہیں بدلا" (بیہقیؒ) ان احادیث سے معلوم ہُوا کہ عذاب دُور کرنے کے لئے گناہوں سے صرف ہمارا بچنا کافی نہیں بلکہ خود بچنا اور بشرطِ قدرت دوسروں کو بچانے کی کوشش کرنا، ممکن ہے کہ ان بلاؤں کو دفع کر سکے اور رحمتِ الٰہی ہماری دستگیری فرمائے - حاضرین اب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنے احتساب کے چند احکام بیان کرتا ہوں جن کا یاد رکھنا ضروری ہے - احتساب ہر مسلمان

عاقل بالغ پر واجب ہے جو کسی بُرے کام کو ہوتا دیکھے اور منع کرنے کی قُدرت رکھتا ہو، لیکن فاسق پر واجب نہیں۔ البتہ اگر وہ کسی کو منع کرے تو اس کو ایسا کرنا جائز ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ جو شخص خود عمل نہیں کرتا، اس کو نصیحت کرنے کا حق نہیں یا جائز نہیں، یہ بالکل غلط ہے۔ ہاں اُس کو بطریقِ وعظ ایسا نہ کرنا چاہیئے۔ خود صحابہ رضؓ نے یہ مسئلہ حضورؐ سے پوچھا تھا۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور صلعم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (کیا) جب تک ہم تمام معروف پر عمل نہ کرلیں، (کسی کو) اس کا حکم نہ دیں اور جب تک کہ تمام بُرائی سے نہ بچ جائیں (کسی کو) نہ روکیں۔ فرمایا کہ (نہیں) بلکہ نیکی کا حکم کرو، اگرچہ تم نے سب پر عمل نہ کیا ہو اور بُرائی سے روکو اگرچہ تم نے سب بُرائی سے پرہیز نہ کیا ہو (جمع الفوائد) اور عقلاً بھی یہی ہونا چاہیئے، کیونکہ اگر عمل کو شرط قرار دیا جائے تو ایسا کون ہو سکتا ہے، جس سے کوئی گناہ ہوتا ہی نہ ہو سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی معصوم نہیں، تو پھر نصیحت کا دروازہ ہی بند ہو جائیگا پھر سمجھئے کہ احتساب کا حق جس طرح ہر والد کو بیٹے پر، آقا کو غلام پر، شوہر کو بیوی پر، اُستاد کو شاگرد پر، حاکم کو محکوم پر حاصل ہے، اسی طرح ہر بیٹے کو والد پر، غلام کو آقا پر، بیوی کو شوہر پر، شاگرد کو استاد پر بھی احتساب کا حق ہے، لیکن ادنیٰ کو اعلیٰ پر صرف بطریقِ وعظ و نصیحت اور نرمی سے بتلا دینے کا حق ہے اور اعلیٰ کو ادنیٰ پر ساتؔ طرح سے احتساب کا حق ہے۔ احتساب کے سات طریقے ہیں۔ ایکؔ یہ کہ کرنے والے کو بتلا دے کہ تم سے فلاں ناجائز کام ہو رہا ہے۔ یہ ایسے وقت واجب ہے جبکہ مرتکب کو خبر نہ ہو کہ اس سے کوئی ناجائز کام ہو رہا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنی غلطی کو جان کر کر رہا ہے تو اس کو وعظ و نصیحت کرے۔ خُدا کا خوف دلائے۔ وہ آیات و احادیث سُنائے جو اس کام کی بُرائی میں وارد ہیں اور یہ سب نہایت نرمی سے ادا کرے اور اس کا خیال رکھے کہ نصیحت کرتے وقت خود اپنے نفس میں تکبر اور بڑائی

پیدا نہو، ورنہ ثواب باطل ہوجائے گا۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر نرمی سے سمجھانے پر وہ باز نہ آئے تو اُسے سخت کلام اور تُرش لہجے سے منع کرے، لیکن گالی اور فحش نہ بکے اور یہ طریقہ اس وقت اختیار کرے جب نرمی سے سمجھاتے سمجھاتے عاجز آجائے اور لوگ نرمی کی نصیحت سے نہ مانیں بلکہ اپنی معصیت پر اصرار کریں اور وعظ و نصیحت کا مذاق اڑائیں یہ طریقہ بھی انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں کے بارہ میں اختیار کیا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے[1] ۔ آج کل وعظ و نصیحت میں سختی عموماً استعمال نہیں کی جاتی، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا بہترین جہاد ہے (احیا) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ سے روک دے، مثلاً یہ کہ باجے اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر پھینک دے یا شراب گرادے وغیرہ۔ اس میں بہتر یہ ہے کہ خود اُس شخص سے یہ کام کرائے۔ اگر وہ نہ مانے تو اب خود بگاڑدے مگر اتنا ہی بگاڑے جس سے اس وقت وہ کام رک جائے اور فساد و فتنہ پیدا نہو۔ پانچواں طریقہ یہ ہے کہ مرتکب کو ڈرائے کہ اگر ایسا کرے گا تو تیرا سر توڑ دوں گا وغیرہ۔ مگر اس میں ایسی بات سے نہ ڈرائے جس کا کرنا اُس کو جائز نہو۔ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ سے مار کر روکے مگر اس میں یہ خیال رہے کہ ضرورت سے زیادہ نہ مارے اور ایسے موقعہ پر نہ مارے جہاں لٹھ چل جانے کا خوف ہو۔ ساتواں طریقہ یہ ہے کہ اگر مرتکب لوگ کسی طرح باز نہیں آتے تو باقاعدہ ہتھیار استعمال کرکے حملہ کرکے ان کو مجبور کردے مگر اس طریقہ پر اصلاح میں حکومتِ اسلامیہ کی اجازۃ ضروری ہے۔ غرضیکہ ان ساتوں طریقوں میں سے جو طریقہ جس موقعہ پر مناسب اور مفید ہو اور قدرۃ بھی حاصل ہو تو اسی طریقہ سے اُس برائی کو مٹانا مسلمانوں پر واجب ہے۔ اگر کوئی بھی کوشش نکرے گا تو سب گنہ گار ہوں گے۔ نیز ایک بات یہ بھی یاد رکھئے کہ جن کاموں کا کرنا حرام ہے، ان کو بقدرِ طاقت مٹانا اور

[1] قال (ابراھیم علیہ السلام) اُفٍّ لکم ولما تعبدون من دون اللہ - قال اللہ تعالیٰ انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم ۱۲

روکنا واجب ہے۔ اسی طرح جن کاموں کا کرنا فرض یا واجب ہے ان کا حکم کرنا واجب ہے لیکن جن کاموں کا کرنا مکروہ ہے، ان سے منع کرنا اور جن کا کرنا سنّت یا مستحب ہے، ان کا حکم کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، اور جو کام جس درجہ کا مؤکد ہے، اسی درجہ کے مطابق اس میں نرمی یا سختی کے طریقے اختیار کرنے چاہییں۔ مستحب اور افضل کاموں کے نکرنے پر اعتراض کرنا جائز نہیں۔ البتہ اگر وہ ناواقف ہو تو نرمی سے بتلا دینا مناسب ہے۔ نیز یہ بھی خیال کرنا چاہیئے کہ جن بُرائیوں کا کرنا حرام ہے اگر قدرت ہے تو روک دے اگر روک نہیں سکتا تو قصداً بلا ضرورت ایسے لوگوں کے ساتھ رہنا، ایسی مجلسوں میں جانا، ایسے موقعوں پر موجود رہنا، ایسے گھروں، محلّوں میں رہنا، ایسے لوگوں سے دوستانہ تعلّقات اور محبّت رکھنا سب ناجائز ہے اور ان سے علیحدگی اختیار کرنا، وہاں سے ہٹ جانا، ایسی مجلسوں سے اُٹھ جانا واجب ہے۔ اسی طرح جن بُرائیوں کو مسلمان نہ ہاتھ سے روک سکے اور نہ زبان سے روک سکے تو ان کو دل میں بُرا سمجھنا اور ان سے نفرت دل میں رکھنا واجب ہے اور یہ ایمان کا سب سے کم درجہ ہے۔ اگر اُس کام کی نفرت بھی دل سے نکل گئی تو سمجھو کہ ایمان رخصت ہوچکا اور ناجائز و حرام کام روکنے میں اگر کسی ایسے نقصان یا تکلیف کا قوی اندیشہ نہیں ہے جو برداشت سے باہر ہو تو اب روکنے کی کوشش کرنا واجب ہے اور اگر جان و مال کے ایسے نقصان کا قوی اندیشہ ہے کہ جس کو یہ برداشت نہیں کرسکتا تو اب منع کرنے کی کوشش کرنا واجب نہیں ہے، لیکن ایسی حالت میں بھی کوشش کرنا مستحب ہے اور بہت اعلیٰ درجہ ہے حتیٰ کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو جو ایسی کوشش میں قتل کر دیا جائے افضل الشہداء فرمایا ہے۔ حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمّت کے شہیدوں میں افضل وہ شخص ہے جس نے کسی ظالم حاکم کے سامنے نیک کام کا حکم کیا ہو اور بُرے کام سے منع کیا ہو اور اس ظالم نے اس کو اس بات پر قتل کر دیا ہو۔ پس وہ شہید ہے کہ جس کا درجہ

سیّد الشہداء حمزہ رضؓ اور جعفر طیارؓ کے درمیان میں ہوگا۔ (احیاء) اسی وجہ سے بڑے بڑے علمائے کرام ؒ نے ظالم بادشاہوں کو امر بالمعروف کیا اور ان کی سزاؤں اور ظلموں کو برداشت کیا، حتیٰ کہ قتل کیا جانا بھی گوارا کیا۔ پھر جبکہ آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ بُری باتوں سے روکنا ہر مسلمان پر واجب ہے تو اس واجب پر عمل کرنے والے ہر طبقے کے مسلمان ہوں گے۔ لہٰذا یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ منع کرنے والے کو کیسا ہونا چاہیئے۔ محتسب کو چاہیئے کہ جس امر پر وہ احتساب کر رہا ہے معلوم کرے کہ وہ شریعت میں کس درجہ کی بات ہے اور اس پر کس حد تک نرمی یا سختی برتی جاسکتی ہے۔ اسی لئے عام مسلمانوں کو جو کچھ زیادہ علم نہیں رکھتے صرف ایسی باتوں پر احتساب کرنا چاہیئے جن کا حکم صاف صاف سب کو معلوم ہے، مثلاً ترکِ نماز، روزہ، شراب، زنا، جُوا، سینما، فحش باتیں، ظلم، شرک و کفر کے کام، کھلی ہوئی بدعات وغیرہ اور ایسی باریک باتوں میں نہ اُلجھے جن کا پوری طرح حکم معلوم نہیں۔ دوسرے محتسب کو چاہیئے کہ خود پوری طرح اُن باتوں سے بچے جن سے دوسروں کو روک رہا ہے۔ تیسرے یہ کہ محتسب خوش اخلاق ہونا چاہیئے تا کہ جب تک نرمی سے کام نکلے سختی نہ برتے۔ سخت مزاج آدمی بے موقع بھی سختی کر بیٹھتا ہے اور اس کو متحمل مزاج بھی ہونا چاہیئے کہ اگر دوسری طرف سے ناگوار باتیں پیش آئیں تو ان کو برداشت کر سکے اور غصہ میں دیوانہ نہ ہو جائے۔ افسوس کہ وقت نہیں ورنہ اس مضمون میں مزید تفصیل کی ضرورت ہے، تاہم جس قدر بیان کیا گیا ہے عمل کے لئے کافی ہے۔ اب دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو نیکی پھیلانے، بُرائی سے روکنے کی جرأت و ہمت عطا فرمائے تاکہ معاشرۂ اسلامی کے اس بھلائے ہوئے سبق کو از سرِ نو تازہ کریں اور مداہنت فی الدین کے گناہ سے محفوظ رہیں۔ اے خدائے قدوس ہمارے گذشتہ غلطیوں اور گناہوں کو بخش دے اور آئندہ تمام گناہوں سے بچنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہِ

سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین ؑ

عہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط تَبَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ جمعہ چہارم ماہِ ذی الحجہ در بقیۂ آدابِ معاشرۂ اسلامی ۲۰

فریضۂ نصبِ امام و جہاد فی سبیل اللہ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ○ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ؛ اَلَّذِیْ اِرْتَعَدَ مِنْ رُّعْبِہٖ الْمُشْرِکُوْنَ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ ؛ وَعَلَی الَّذِیْنَ ھُمْ فِی

سَبِيْلِ اللهِ يُجَاهِدُوْنَ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ

الْمُسْلِمِيْنَ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ مِنْ آدَابِ الْمُعَاشَرَةِ

الْاِسْلَامِيَّةِ ○ نَصْبُ الْاِمَامِ لِاِجْرَاءِ سِيَاسَةٍ

دِيْنِيَّةٍ ○ وَالْجِهَادَ فِيْ سَبِيْلِهٖ تَعَالٰى لِاِعْلَاءِ كَلِمَةِ

اللهِ وَتَنْفِيْذِ الْاَحْكَامِ الْاِسْلَامِيَّةِ ○ فَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ مَّاتَ بِغَيْرِ اِمَامٍ مَاتَ مِيْتَةً

جَاهِلِيَّةً ○ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: مَنْ

مَّاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً ○

وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ

عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ اَمِيْرٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا ○ وَ

الصَّلٰوةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ

بِرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَّاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ ○ وَ

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ: مَنْ مَاتَ وَلَمْ

يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسُهٗ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ

مِّنَ النِّفَاقِ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى

لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ بَارَكَ الخ

وعظِ جمعہ چہارم ماہِ ذی الحجہ در بقیہ آدابِ معاشرۂ اسلامی ۴۵

فریضۂ نصبِ امام وجہاد فی سبیل اللہ کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! اجتماعی حیثیت سے اسلامی طریقۂ زندگی گذارنے کے آداب میں سے ایک ضروری ادب یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنا ایک امام وقائد مقرر کریں اور اس کی اطاعت کریں۔ کسی زندہ قوم کی حیاۃ اجتماعیہ کو ترقی دینے کیلئے امام مقرر کرنا بہت ضروری چیز ہے۔ جس قوم کا کوئی امام وقائد نہیں وہ ہرگز اجتماعی حیثیت سے زندہ نہیں رہ سکتی۔ انسان تو کیا حیوانات بھی اپنی بقا و ترقی کے لئے اس اصول کو ضروری سمجھتے ہیں۔ چیونٹی جیسا حقیر جانور بھی امام بغیر اپنی زندگی نہیں

گذارتا، لیکن ہندوستان کا مسلمان اس درجہ بے شعور ہو چکا ہے کہ اس کو اپنی زندگی اور ترقی کے لئے نصبِ امام کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی اور غلامانہ ذہنیت نے ہمارے دماغوں کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ اگر ہم میں سے کسی نے اس ضرورت پر کچھ سوچا بھی تو اس کی نظر کافر قوموں کے ناخداؤں پر پڑتی ہے۔ اسلام کے ہادیٔ اعظم کی تعلیم پر نہیں جاتی، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہماری نجات اور ترقی کا سامان موجود ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا[1] ہے کہ "آخر زمانہ میں میری اُمت اپنے بادشاہ کی طرف سے سختیوں میں مبتلا ہوگی، جس سے کوئی نجات نہ پائے گا، سوائے اس شخص کے جو اللہ کے دین کو پہچانے اور پھر اس سے جہاد کرے، اپنی زبان اپنے ہاتھ اور اپنے دل سے"۔ لیکن اس پر عمل کے لئے اول نصبِ امام لازمی چیز ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اللہ و رسول[2] اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو"۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں اولی الامر ہونے چاہئیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو[3] شخص ایسی حالت میں مرا کہ اس کی گردن میں امامِ وقت کی بیعت (کا طوق) نہ ہو، یعنی امامِ وقت کی اطاعت پر اس نے بیعت نہ کی ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اسلام سے پہلے کا زمانہ جاہلیت کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے، جو کفر کا زمانہ تھا۔ اب سوچو کہ بات کہاں تک پہنچتی ہے۔ نیز حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بغیر امام کے مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اللہ اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر سخت تاکید فرمائی ہے امام سے بیعت کی بنا بریں اگر ہم اسلام پر موت چاہتے ہیں تو ہم کو لازم ہے کہ موجودہ دورِ تشتت و افتراق میں نصبِ امام کی پوری کوشش کریں۔ اسلام کے بہت سے ایسے احکام ہیں، جن پر عمل

---

[1] عن عمرؓ مرفوعاً انہ تصیب امتی فی آخر الزمان من سلطانھم شدائد لا ینجو منھا الا رجل عرف دین اللہ فجاھد علیہ بلسانہ و یدہٖ و قلبہ (ص ۱۳۹ منصبِ امامت)
[2] اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ۱۲ [3] رواہ مسلم ۱۲

کرنے کرانے کے لئے امام کا وجود ضروری ہے، مثلاً معاملاتِ نکاح و طلاق، وراثت و نفقات، نفاذِ احکامِ بیع و شرا، احکامِ قضا و شہادۃ، احکامِ حدود و قصاص و تعزیرات اخذِ زکوٰۃ و عشر و خراج، احکامِ حفظِ ملت و اہانتِ مللِ باطلہ و اجراءِ احکامِ جہاد و ابطالِ رسومِ جاہلیت و استیصالِ بدعات و احکامِ امتناعِ فواحش و فسق و فجور و انسدادِ لہو و لعب و اقامتِ جُمعہ و اعیاد، و نصبِ قضاۃ و محتسبین وغیرہ۔ ان تمام فرائض کو انجام دینے کے لئے مُسلمانوں میں ہمیشہ ایک امام کا قائم رہنا اور اس کو قائم کرنا مسلمانوں پر واجب ہے اور ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا امام ایسا شخص ہو سکتا ہے جو اِن احکامِ شرعیہ کا پُوری طرح ماہر ہو۔ اس لئے ہمیں ایسا ہی امام مقرر کرنا چاہیئے اور سخت غلطی ہوگی اگر ہم اپنا امام ایسا تجویز کر لیں جو ان احکام کے اجراء کی اہلیت نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بلکہ کئی حدیثوں میں یہ بھی تصریح فرما دی ہے کہ وہ امام عادل ہو اور امامت کی اہلیت رکھتا ہو اور گمراہ لوگوں کی امامت سے بچنے کیلئے آپ نے گمراہ ائمہ کے فتنہ سے آگاہ فرما دیا ہے۔ ارشادِ عالی ہے کہ "میں گمراہ اماموں کے اپنی اُمّت پر مسلّط ہو جانے سے ڈرتا ہُوں"[1] پس امامِ عادل کا مقرر کرنا از رُوئے شریعت مُسلمانوں پر واجب ہے۔ ملّا علی قاریؒ شرح فقہ اکبر[2] میں فرماتے ہیں کہ عقائدِ اہل السنّۃ والجماعۃ میں سے نصبِ امام کا مسئلہ بھی ہے۔ بے شک علماء نے نصبِ امام کے واجب ہونے پر اجماع کیا ہے۔ پس مذہب اہل السنّۃ والجماعۃ کا یہ ہے کہ امام مقرر کرنا مخلوق پر واجب ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث کی بنا پر کہ جو شخص بغیر امام کے مَرا وہ جاہلیت کی موت مَرا اور اس لئے بھی کہ صحابہ نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) تقررِ امام کے مسئلہ کو تمام مہمات سے زیادہ اہم شمار

[1] انما اخاف علی امتی الائمۃ الضالین (مشکوٰۃ) [2] عبادتہ ومنھا مسئلۃ نصب الامام فقد اجمعوا علیٰ وجوب نصب الامام فمذہب اھل السنۃ انہ یجب علیٰ مخلوق لحدیث ابن عمرؓ من مات بغیر امام مات میتۃ جاھلیۃ ولان الصحابۃ جعلوا اھم المھمات نصب الامام حتیٰ قدموھا علیٰ دفنہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ

کیا۔ یہاں تک کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کے دفنانے سے بھی اس کو مقدم کیا۔ (شرح فقہ اکبر ص۱۷۹) سخت تعجب ہے مسلمانوں پر کہ اس قدر اہم مسئلہ جو اسلام کے عقائد میں اہم حیثیت رکھتا ہے، اس سے اتنے غافل ہو گئے ہیں کہ اس پر عمل کرنے کا خیال تک پیدا نہیں ہوتا۔ دوستو امام مقرر کرنے کے لئے فرشتے نہیں آئیں گے اور نہ فرشتے امامت کرنے کے لئے آئیں گے۔ اس کی صورت صرف یہی ہے کہ ہم خود پوری جدوجہد کریں اور اپنے میں سے اہل ترین شخص کو نائب[1] امام منتخب کرلیں۔ پھر اس کی حدودِ شریعت میں رہ کر کامل اطاعت کریں۔ آزادی حاصل کرنے اور حکومتِ الٰہیہ قائم کرنے کی صحیح تدبیر یہی ہے۔ اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلانے کے بعد ضروری ہے کہ مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق بھی یاد دلایا جائے۔ اس لئے عرض ہے کہ ہم پر بحیثیت مسلمان ہونے کے نماز و روزہ کے علاوہ ایک اور بھی فرض اسلام کا عائد ہوتا ہے جس کی طرف ہمارا ذہن بالکل ہی نہیں جاتا۔ یاد رکھئے کہ ہمارے اسلامی اور مذہبی فرائض میں سے ایک فرض اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا بھی ہے۔ اس فرض کو کچھ تو ہم نے اپنی غفلت سے بھلایا اور زیادہ تر غیر اسلامی حکومت نے ہم سے یہ سبق بھلا دینے کی پوری کوشش کی اور کروڑوں روپیہ اس میں خرچ کیا۔ مغربی تعلیم کا جال پھیلایا، جس میں پھنس کر ہماری اسلامی ذہنیت بری طرح ختم ہو گئی بلکہ مسخ ہو گئی۔ برادرانِ ملّت خوب سمجھ لیجئے کہ جب تک ہم اس سبق کو دوبارہ اپنے دماغوں میں جگہ نہ دیں گے غلامی سے رہائی پانا ناممکن ہے۔ سچ فرمایا ہے حضرت ابنِ[2] عمر رضؓ نے کہ جب تم بیع عینیہ کرنے لگو اور بیلوں کی دم پکڑ لو اور (صرف) زراعت کو پسند کر لو اور جہاد کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اس وقت تک نہ اٹھائے گا، جب تک تم اپنے دین (یعنی جہاد)

---

[1] چونکہ امام کے لئے قوۃِ قاہرہ شرط ہے جو فی زمانہ مفقود ہے لہٰذا قوۃِ جہاد و تنظیم کے لئے جو شخص منتخب ہوگا وہ نائب امام کی حیثیت رکھے گا۔ پھر جب اجتماعی جدوجہد سے قوۃِ جہاد حاصل ہو جائے گی تو اب صاحبِ قدرتِ قاہرہ بھی از خود پیدا ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ [2] ۱۲ درری ایضاً مرفوعاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی طرف نہ لوٹ آؤ (ابوداؤد) پس اے مسلمانو! اپنے اس اہم فریضہ کو یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن شریف میں ارشاد ہے کہ "اے ایمان والو۔ اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔" حضرت ابوایوب انصاری رض فرماتے ہیں کہ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ کا مطلب یہ ہے کہ جہاد مت چھوڑ بیٹھو (ابوداؤد) کیونکہ جب تک عسکری تنظیم باقی رہے گی دشمن حملہ کرکے برباد نہ کرسکے گا لیکن اگر یہ چیز جاتی رہی تو کافر قومیں مسلمانوں کو کچل دیں گی۔ واقعی یہی ہو رہا ہے۔ ایک جگہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ "اور[2] اُن سے قتال کرو (جہاد) یہاں تک کہ (کفر کا) فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی عبادت) تمام تر صرف اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جہاد تمہارے اوپر واجب ہے ہر امیر کے ساتھ خواہ وہ نیک ہو یا فاسق اور نماز تم پر واجب ہے ہر امام کے ساتھ وہ نیک ہو یا فاجر" (ابوداؤد) اس ارشاد کی تعمیل میں یہی عذر کیا جاسکتا ہے کہ امیر نہیں ہے، مگر میں ابھی عرض کرچکا ہوں کہ امیر کا نصب کرنا بھی تو ہم پر واجب ہے تو اب گویا ہمارے حق میں ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ اول امام مقرر کرو اور پھر اس کے ساتھ مل کر جہاد کرو اور مجاہدین کی فضیلت میں بے شمار احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "خدا کی راہ میں قتل ہو جانا، ہر گناہ کا کفارہ ہے مگر قرض کا۔" (ترمذی) یعنی حقوق العباد کے علاوہ اور تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور آپ نے فرمایا کہ "اپنی جانوں، اپنے مالوں اور اپنی زبانوں کے ذریعہ مشرکین سے جہاد کرو۔" (ابوداؤد) نیز آپ نے فرمایا کہ جو شخص ایسی حالت میں مرا کہ نہ جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کا خیال پیدا ہوا تو وہ نفاق کی ایک حالت (شاخ) پر مرا (مسلم) اور آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کا ایک ساعت خدا کی راہ (جہاد) میں کھڑا رہنا، اپنے گھر میں ستر سال تک نماز پڑھنے

---

[1] یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و رسولہ و لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ ۱۲

[2] و قاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ و یکون الدین کلہ للہ ۱۲

سے بہتر ہے۔ کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تمہاری بخشش ہو جائے اور تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (صحابہ نے) عرض کیا ہاں (یا رسول اللہ ضرور پسند کرتے ہیں)۔ فرمایا۔ تو پھر اللہ کے راستے میں جہاد کرو، اس لئے کہ جو شخص جہاد فی سبیل اللہ کیلئے ناقہ پر سوار ہوا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو جنت اس کے لئے واجب ہو گئی۔ (جمع الفوائد)

نیز آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں"۔ (بخاری ومسلم) اللہ اللہ یہی وہ پُرجوش احادیث ہیں جو ایک سچے عاشقِ خدا و رسولؐ کو جہاد کیلئے بیتاب کر دیتی ہیں اور اسکی رگوں میں خون جوش کرنے لگتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اگرچہ عوام نے ایک عرصہ سے اس سبق کو بھلا دیا تھا، مگر علماءِ حق کی رگوں میں ہمیشہ ان احادیث نے جوش پیدا کیا، اسی لئے اس مقدس جماعت نے برابر اس سبق کو یاد رکھا اور اپنی جدوجہد اس میں مصروف رکھی۔ جس زمانہ میں جس قسم کے جہاد کی ضرورۃ ہوئی انھوں نے سب سے اول اس کیلئے قدم اُٹھایا۔ ہندوستان میں حکومتِ اسلامیہ قائم ہونے کے بعد ایک عرصہ تک اطمینان رہا گو ملکی لڑائیاں جاری رہیں۔ پھر جب جہانگیر کے زمانہ میں جہاد باللسان کی ضرورت پیش آئی تو جناب حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پیش قدمی فرمائی جس کا بہترین ثمر عالمگیر جیسے منصف اور مروجِ شریعت کا وجود تھا۔ پھر جب تشیع کا فتنہ اُٹھا تو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے جہاد باللسان والقلم میں پیش قدمی فرمائی اور چونکہ ان حضرت کی دوربین نگاہوں نے آئندہ چل کر جہاد بالسیف کی ضرورت کو تاڑ لیا تھا، لہٰذا اس کے لئے فضا ہموار فرمائی۔ پھر جب انگریزی اور راجپوتی تسلط سے جہاد بالسیف کی ضرورۃ پیش آ ہی گئی تب بھی سب سے اول علماءِ حق نے ہی پیش قدمی کی۔ اول نصبِ امام کا واجب ادا کیا اور پھر خانقاہوں

اور درسگاہوں کو چھوڑ کر جنگ کے میدان میں دیوانہ وار کود پڑے اور سینکڑوں فضیلت مآب علماء نے تلوار سنبھال کر سب سے پہلے بُت پرست قوم سے مقابلہ کیا اور اس سلسلے میں اپنے سچّے ایمان اور سچے عشقِ خُدا و رسول کا اس قدر ثبوت دیا کہ بالآخر اپنی عزیز جانیں خُدا کے نام پر قربان کر دیں۔ پھر ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بھی سب سے زیادہ علماءِ حقانی نے حصّہ لیا۔ اسی لئے انگریزی حکومت نے ان کو چن چن کر قتل کیا اور پھانسی کے تختے پر چڑھایا، لیکن جو علماء اس دار و گیر سے بچ گئے تھے ان کا خون برابر جہاد کے لئے کھولتا رہا اور خفیہ طریقے پر اُنھوں نے برابر اس کوشش کو جاری رکھا۔ وہ برابر جہاد کے لئے تڑپتے رہے اور یہ سودائے عشقِ شہادۃ اس وقت تک کم نہ ہوا، جب تک کہ ان کو تختۂ دار پر نہ لٹکایا گیا اور کالے پانی کی سزائیں نہ دی گئیں۔ ان کے گھروں کو کھُدوا کر نہ پھکوایا گیا اور جب ان مقدس بزرگوں نے یہ دیکھا کہ اب کافر حکومت کا غلبہ پوری طرح ہو چکا ہے اور سرِ دست بالکل کسی کو کامیابی کی اُمید نہیں رہی تو اُنھوں نے یہ کوشش کی کہ اگر تحریکِ جہاد باقی نہ رہ سکی تو کم از کم کسی طرح رُوحِ جہاد ہی مسلمانوں میں باقی رہ جائے اور مُسلمانوں کا دین اغیار کی دست بُرد سے محفوظ ہو جائے۔ اس کے لئے انھوں نے مدارسِ عربیہ کی بنیاد ڈالی تاکہ جہاد فی سبیل اللہ کا سبق دوہرایا جاتا رہے، دوسری طرف مُسلمانوں کی ایمانی قوت محفوظ رکھنے اور دین کو کفار کی خلل اندازی سے بچانے کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا پرہیز تجویز کیا جس کو اگر اُس وقت اختیار کر لیا جاتا تو آج صورتِ حال وہ نہ ہوتی جو اب ہے۔ وہ پرہیز یہ تھا کہ اس مغلوبیت کی حالت میں انگریزی تعلیم و تمدن سے قطعاً پرہیز کیا جائے، لیکن افسوس کہ مُسلمانوں نے نہ اس زہر سے پرہیز کیا اور نہ اس دوا کو قبول کیا۔ وہ کافر حکومت سے اس درجہ خائف اور اس کے سبز باغ پر اس درجہ فریفتہ و از خود رفتہ ہو گئے تھے کہ عقل ماؤف ہو گئی۔ جذباتِ مذہبی سرد پڑ گئے، جیسے ایک مقتول کا خون نکل جانے کے بعد بدن مُردہ ہو کر

سرد پڑ جاتا ہے۔ ان کو اب اسی میں خیر نظر آئی کہ حکومتِ وقت کے بوٹ سیدھے کیئے جائیں۔ ان کی خوشامد و چاپلوسی سے جان بچائی جائے۔ ان کی زبان و تہذیب سیکھ کر تعلقات بڑھائے جائیں۔ مادی فوائد کی خاطر پیٹ بھرنے اور جان بچانے کیلئے کون نہیں دوڑتا۔ مسلمان ان جسمانی فوائد کی آواز پر دوڑ پڑے اور اس روحانی آواز کی طرف ذرا توجہ نہ کی۔ ان علمائے مجاہدین کی صدا نا قابلِ التفات قرار دی گئی بلکہ نہایت توہین و تحقیر کے ساتھ اس کو ٹھکرا دیا گیا۔ کیا ہوتا اگر اس وقت ان کی آواز پر لبیک کہی جاتی، یہی نا کہ اسباب پر بھروسہ کرنے والے اور نصرۃِ خداوندی پر اعتماد نکرنیوالوں کے نزدیک مسلمانوں کا پیٹ اور ردوٹی تباہ کی جاتی، وہ دنیوی حیثیت سے پیس دیئے جاتے، لیکن آج کی ملحد اور بے دین اور بد عمل نسلوں کے پیدا ہونے سے تو یہی بہتر تھا کہ وہ اپنی زندگی خدا کے نام پر قربان کرتے ہوئے خدا اور رسول کی نگاہ میں سرخرو ہو جاتے۔ قدرتی قانون ہے کہ ہر عروج کے بعد زوال ہے اور ہر زوال کے بعد کمال۔ جب ان کا زوال انتہا کو پہنچتا تو قدرتی قانون پھر ان کو کمال و عروج کی طرف اُبھارتا۔ یہ مفلس و تنگ دست ضرور ہوتے لیکن ان کے سینوں میں اسلامی اسپرٹ اور جوشِ جہاد باقی رہتا اور دشمن کا بڑھتا ہوا دباؤ پھر انھیں تلوار اٹھانے پر مجبور کرتا، مگر دُنیا پرست لوگوں کی کوشش نے نہ اتنا دباؤ پڑنے دیا کہ ان کا دل تڑپ اُٹھتا اور کچھ کرنے پر آمادہ ہو جاتے اور نہ اس خوشامد کی پالیسی نے اتنا کامیاب کیا کہ غلامی سے نکل جاتے۔ اب ہماری سیاست اس گیدڑ کی طرح ہو کر رہ گئی ہے جو زنجیر میں بندھا ہوا آنے والوں کو بھپکیاں دکھاتا ہو۔ نہ دل و دماغ میں وہ اسلامی جذبہ ہے جو نامردوں کو مرد بنا دیتا ہے اور نہ ہاتھ پیر آزاد ہیں کہ کچھ کیا جا سکے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سب کی آنکھوں پر خوف و ہراس اور نفسانی خواہشات کی پٹی باندھی جا رہی تھی لیکن ان مجاہدین علما کی نظروں نے سو سال بعد ہونے والے حالات کا گویا مشاہدہ کر لیا تھا اور اسی وقت صحیح دوا اور مناسب پرہیز مسلمانوں

کو بتا دیا تھا۔ جن مفاسد اور خرابیوں تک انکی نظر پہنچی تھی، آج بعینہٖ ہمارے سامنے موجود ہیں۔ حالی و شبلی اور اقبال و اکبر اپنے درد بھرے نغموں میں جو نالہ و فریاد کی صدا بلند کر گئے ہیں وہ وہی تو ہے جس کی روک تھام کے لئے ان علماءِ مجاہدین نے صدا بلند کی تھی۔ فرق اتنا ہے کہ انھوں نے مرض پیدا ہونے سے پہلے ہی اطلاع دے دی تھی اور ان لوگوں نے مرض پیدا ہونے بلکہ اچھی طرح مسلّط ہو جانے کے بعد یہ فریاد بلند کی ہے۔ آج مغربی تہذیب و تمدّن کے خلاف اخباروں، رسالوں میں، دیوانوں اور غزلوں میں، تقریروں اور لیکچروں میں جو آواز قدرے سمجھ دار طبقے کی طرف سے بلند ہو رہی ہے۔ یہ وہی تو ہے جو اس بلا کے نازل ہونے سے پہلے ہی بلند کی جا چکی تھی، آج جو خود مسلمانوں کے قلم، زبان اور دماغ کے ذریعہ اسلام کی بنیاد ہلائی جا رہی ہے اسلامی عقائد پر زبردست ضربیں لگائی جا رہی ہیں۔ جنّت، دوزخ، حشر و نشر، فرشتے اور رسل، قرآن و قیامت وغیرہ اصولی عقائد کے خلاف مضامین و تقاریر کی جا رہی ہیں اور ان سے انکار یا تذبذب ظاہر کیا جا رہا ہے۔ یہ سب مفاسد اسی پیٹ پرستی کی پالیسی کا نتیجہ ہے جو ۱۸۵۷ء کے بعد اختیار کی گئی اور جس کو رائج کرنا اُمتِ اسلامیہ کی خیرخواہی قرار دی گئی تھی۔ الغرض علماءِ مجاہدین نے جہاد کا موقعہ ختم ہو جانے کے بعد مدارسِ دینیہ کے قائم کرنے میں اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں کو صرف فرمایا جسکی وجہ سے آج تک مسلمانوں میں اسلامی تہذیب و تعلیم، اسلامی تمدن و معاشرت اور نماز روزہ کا کچھ نشان باقی ہے ورنہ خاکم بدہن اسلام یہاں سے کب کا رخصت ہو چکا ہوتا۔ حقیقت میں ان مقدس ہستیوں کا مسلم ہندوستان پر بڑا زبردست احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے ان حضرات کو جزاءِ خیر عطا فرمائے۔ آج بھی تبلیغِ اسلامی کی مخلصانہ آواز جہاں سے اُٹھ رہی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کا تذکرہ جہاں کہیں اتفاقاً ہو جاتا ہے یہ سب انھیں بزرگوں کا صدقہ ہے۔ رہا یہ سوال کہ ان حضرات کی

یہ مساعی بار آور کیوں نہیں ہوئیں۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ قضا و قدر کا فیصلہ یہی تھا، جس کی مصلحتوں کو وہی جانے، لیکن ہم پر تدبیر و کوشش فرض کی گئی ہے، جس میں ان حضرات نے کمی نہ کی اور دوسرا مختصر جواب یہ ہے کہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ خیر کچھ ہو، بہرحال جہاد مسلمانوں کا ایک مذہبی فرض ہے جس کو ہرگز بھولنا نہ چاہئے۔ قرآن و حدیث میں اس کی بہت تاکید اور بہت فضیلت وارد ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ موجودہ دور میں اسلامی قوانین کے مطابق جہاد فرض نہیں ہے، اس لئے کہ فرضیتِ جہاد کے شرائط نہیں پائے جاتے اور مسلمانوں کو حکومت کی طرف سے اپنے مذہبی شعائر اذاں، نمازِ جمعہ و عیدین وغیرہ قائم رکھنے کی آزادی حاصل ہے۔ ہاں جب یہ آزادی بھی سلب کر لی جائے تو اب جہاد یا ہجرت واجب ہو جائے گی، لیکن جہاد کی قدرت اپنے اندر پیدا کرنا اور اس کو قائم رکھنا اور اپنا امام قائم کرنے کی کوشش کرنا امن کی حالت میں بھی ضروری ہے تاکہ بوقتِ ضرورت ظلم کی مدافعت اور دیگر غیر اسلامی حکومتوں میں مظلوم مسلمانوں کی مدد کی جا سکے۔ مسلمانو دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ دین کی حمایت میں جانیں قربان کرنے کا جذبہ اور موقعہ ہمیں عطا فرمائے اور اس کو قبول فرمائے اور نصبِ امام اور جہاد کی توفیق دے۔ ہماری گذشتہ غفلتوں کو معاف فرمائے اور آئندہ کے لئے ہمارے دماغوں میں بیداری فرماوے۔ آمین یا رب العالمین بجاہِ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

ع أَعُوْذُ بِاللهِ الخ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ط بَارَكَ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

خطبۂ جمعۂ پنجم ماہِ ذی الحجہ در آدابِ معاشرتِ اسلامی ۳۱ بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ قلب

تذکیر بالموت کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِیَدِہٖ الْحَیَاتُ وَالْمَمَاتُ ○ فَلَا رَادَّ لِقَضَائِہٖ وَلَا مُمِیْتَ لِمَنْ اَعْطَاہُ الْحَیَاۃَ ○ قَصَمَ بِالْمَوْتِ ظُھُوْرَ الْجَبَابِرَۃِ ○ وَذَلَّ تُرَابًا وُّجُوْہَ الْاَکَابِرَۃِ وَالْقَیَاصِرَۃِ ○ وَجَعَلَہٗ مُخْلِصًا لِّلْاَتْقِیَاءِ مِنَ الْعَاجِلَۃِ اِلَی الْاٰخِرَۃِ ○ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ ○ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ذُو الْاٰیَاتِ الظَّاھِرَۃِ ○ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ

عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اُولِی الْکَمَالَاتِ الْبَاهِرَةِ ○

اَمَّا بَعْدُ فَیَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ اِعْلَمُوْا اَنَّ

مِنْ اٰدَابِ الْمُعَاشَرَةِ الْاِسْلَامِیَّةِ اِصْلَاحَ

الْجَنَانِ ○ وَمِنْ اِصْلَاحِهٖ دَوَامُ الْفِکْرِ فِی

الْاِنْتِقَالِ مِنْ دَارِ الْاِمْتِحَانِ ○ اِلٰی دَارِ الْجَزَاءِ

وَالْحُسْبَانِ ○ فَقَدْ قَالَ[ع۱] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتَ ○ وَ

قَالَ[ع۲] عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ

النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَّهٗ نَعْلَانِ وَشِرَاکَانِ مِنْ

نَارٍ یَغْلِیْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ کَمَا یَغْلِی الْمِرْجَلُ

مَا یُرٰی[ع۳] اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَاِنَّهٗ

ع۱ ترمذی ۱۲ ع۲ متفق علیہ ۱۲ ع۳ ای ما یظن ۱۲

لَاهُوْنُهُمْ عَذَابًا ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ كُلُّ نَفْسٍ
ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ بَارَكَ الخ

وعظ جمعہ پنجم ماہِ ذی الحجہ در آدابِ معاشرۂ اسلامیہ بسلسلۂ تدابیرِ اصلاحِ قلب

موت کا بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! آدابِ معاشرۂ اسلامیہ کا ایک اہم شعبہ اصلاحِ قلب ہے اور اصلاحِ قلب کی ایک اہم تدبیر اپنی موت کو یاد رکھنا ہے۔ جو مسلمان اپنی موت کو بھول کر زندگی گذار رہا ہے وہ گویا کافرانہ طریقہ پر جی رہا ہے۔ آپ خود سوچئے کہ وہ طالبِ علم جو امتحان کے لئے یوروپ بھیجا گیا ہے، اگر وہاں پہنچ کر امتحان کی تیاری بھول کر کھیل کود میں وقت گذار دے تو اس سے زیادہ بے وقوف اور احمق کون ہو سکتا ہے۔ جو ملزم و مجرم سپاہیوں کی حراست میں ریل میں بٹھا کر کسی خونی عدالت میں لے جایا جا رہا ہو اور وہ سمجھے کہ میں تو بیٹھا ہوں، چل نہیں رہا، وہ کتنا نادان انسان ہے۔ شیر خوار بچہ جب ماں کی گود میں گاڑی کے اندر سفر کرتا ہے تو وہ یہی سمجھتا ہے کہ میرے رہنے کی جگہ یہی ہے۔ وہ نہیں سمجھتا کہ میں سفر کر رہا ہوں۔ ہماری حالت بھی بالکل یہی ہے کہ ہم عُمر کی محدود کشتی میں سوار ہو کر دو خدائی جاسوسوں[1] کی نگرانی میں ایک بڑی عدالت کی پیشی کے لئے جا رہے ہیں۔ ہماری کشتیٔ عُمر تیزی کے ساتھ چلی جا رہی ہے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہم یہیں مقیم ہیں۔ یہی ہمارا گھر ہے۔ تو کیا ہم شیر خوار بچے ہیں کہ اپنے سفر کو نہیں سمجھتے اگر سمجھتے ہیں تو پھر آخر موت سے یہ غفلت کیسی۔ مسلمانو! یاد رکھو کہ ہر چیز فنا ہونے

[1] یعنی کراماً کاتبین ۱۲

کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ ہر آبادی برباد ہونے کے لئے آباد کی گئی ہے۔ ہر عمارت مسمار ہونے کے لئے تیار کی گئی ہے۔ موت کا آنا تو اس قدر یقینی ہے کہ اس کیلئے دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ ہر شخص خود ہی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ وہ مرے گا یا نہیں۔ اس فیصلہ کے بعد بعض وہ ہیں جو اپنی موت کو بھول کر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ میں نہیں مروں گا، لہٰذا اپنی راحت کے سامان جمع کروں۔ ایسے ہی لوگ کافر یا فاسق ہوا کرتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو اپنے اس فیصلہ کو بھولتے نہیں اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں اس کو مدنظر رکھ کر کرتے ہیں۔ عموماً ایسے لوگ صالحین ہوا کرتے ہیں۔ ہم آپ سوچیں کہ ہم کس قسم کے لوگوں میں سے ہیں۔ اگر ہم اپنے تمام کام مثلاً تجارت، زراعت، ملازمت، خرید و فروخت، عمارت، جو کچھ بناتے ہیں یا کرتے ہیں، اپنی موت کو پیشِ نظر رکھ کر کرتے ہیں، تو صالحین میں سے ہیں یا موت کے خیال سے بالکل غافل ہو کر کرتے ہیں تو سوچ لیجئے ہم کیسے ہوئے، کون ہوئے؟

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے لذّتوں کو فنا کر دینے والی چیز یعنی موت کی یاد زیادہ کرو (ترمذی) موت کا یاد رکھنا دل کے تمام مرضوں کا مکمل علاج ہے۔ موت کو یاد رکھ کر نہ آدمی تکبّر کر سکتا ہے، نہ حسد کر سکتا ہے، نہ کسبِ حرام میں مبتلا ہو سکتا ہے، کیونکہ موت کا تصوّر ہی ان تمام دِلی عیبوں کو فنا کر دیتا ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ (مسلم) موت کو یاد رکھنے اور اس کی یاد کو دل میں قائم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر روز کسی مناسب وقت یہ وظیفہ مقرر کر لے کہ اپنے دوست و اقارب میں سے جو لوگ مر گئے ہیں ان کو یاد کرے اور سوچے کہ ایک وقت وہ تھا جبکہ میرا فلاں دوست توانا تندرست تھا۔ ایسے ایسے کام کیا کرتا تھا۔ نہایت مستعد تھا، لیکن ایک وقت وہ آیا جب کہ وہ بیمار ہوا۔ اس کی قوت رفتہ رفتہ گھٹنے لگی، یہاں تک کہ سکراتِ موت کا وقت

آگیا۔ سخت تکلیف تھی، مگر اپنی تکلیف بیان کرنے سے بھی عاجز ہو گیا۔ تڑپ تڑپ کر بالآخر جان دی۔ اب نہ اس میں حرکت تھی نہ قوت تھی۔ وہ ہمارے ہاتھوں میں مجبورِ محض تھا۔ غسال نے جس طرح ڈال دیا پڑ گیا۔ ساری شان و شوکت فنا ہو چکی تھی۔ بالآخر دوسرے لوگ کاندھے پر اس کا جنازہ لائے اور قبر میں اس طرح دفن کیا۔ وہ ہی شخص جو یوں سمجھتا تھا کہ میں سب کچھ ہوں۔ اب کچھ بھی نہ رہا۔ سمجھتا تھا دوسرے مر رہے ہیں۔ مجھے ابھی موت کہاں آتی ہے۔ اب خود اندھیری قبر میں پڑا ہے۔ اپنی زندگی کے بھروسہ پر جو کچھ کاروبار چلا تا تھا، سب اس کے حق میں بیکار ہو گئے۔ اس کا جسم قبر میں پھول کر پھٹ گیا ہوگا۔ مٹی اس کے نازک بدن کو کھا رہی ہو گی۔ سینکڑوں کیڑے چل رہے ہوں گے۔ پھر نہ معلوم اگر عذاب میں مبتلا ہوگا تو اس کی روح کی کیا کیفیت ہو گی۔ غرض اسی طرح بیماری سے لے کر دفن کے بعد تک کے حالات سوچے۔ پھر خیال کرے کہ موت بہر حال مجھے بھی آئے گی۔ میں بھی انھیں کی طرح غفلتوں اور گناہوں میں مبتلا ہوں۔ ناپائیدار زندگی پر دُنیا بھر کا سامان جمع کرنے اور کھانے کمانے میں مصروف ہوں، حالانکہ نہ معلوم میری موت کب آجائے، اس لئے مجھے ہر وقت موت کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگر کوئی اس موت کے وظیفے کو ادا کرنے کی عادت ڈال لے تو اس کی کایا پلٹ جائے۔ ساری غفلتیں اور کدورتیں دُور ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابنِ عمرؓ سے فرمایا "اس طرح رہو گویا تم مسافر ہو بلکہ راستہ چلتے ہوئے ہو"! (بخاری) بزرگو اور دوستو! موت کے وقت تین بڑی سختیاں پیش آتی ہیں۔ اول سکراتِ موت کی سختی، اللہ اللہ یہ بڑی ہی سخت تکلیف ہر مرنے والے پر گذرتی ہے اور یہ تکلیف اس وجہ سے اور بھی سخت ہو جاتی ہے کہ آدمی اس تکلیف میں اس قدر مجبور ہوتا ہے کہ اس کو ظاہر بھی نہیں کر سکتا اور نہ تڑپ کر ہلکا کر سکتا ہے۔ یہ بات کہ سکراتِ موت کی تکلیف کیسی ہوتی ہے، کس انداز کی ہوتی ہے۔ اس کی کیفیت کیا ہے۔ ان سوالوں

کا یقینی جواب دینا سخت مشکل ہے، کیونکہ جس جس پر یہ تکلیف طاری ہوتی ہے وہ پھر زندہ ہی نہیں رہتا کہ ہم سے بیان کرے اور ہمیں کچھ معلوم ہو۔ البتہ اس کی کچھ کیفیت انبیاء علیہم السلام اور روحانی بزرگوں نے بیان کی ہے، جس سے قدرے اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ابو مُلیکہ رضؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب لقائے حق حاصل ہوئی تو ان سے پُوچھا گیا کہ موت کو تُم نے کیسا پایا؟ فرمایا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نفس چاقو سے کاٹ کر نکالا جا رہا ہے۔ جواب دیا گیا تم پر تو ہم نے موت میں آسانی کردی تھی اور مروی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رُوح حق تعالیٰ کے پاس پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے سوال کیا کہ اے موسیٰ موت کی تکلیف تم نے کیسی پائی؟ عرض کیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری جان ایک زندہ پرند چڑیا ہے، جس کو کڑھائی پر تلا جا رہا ہے کہ نہ وہ مرتی ہے کہ آرام پائے اور نہ نجات پاتی ہے کہ اُڑ جائے (رواہ احمد در باب الزہد) حضرت عمرو بن العاص رضؓ کہا کرتے تھے کہ تعجب ہے اس پر جس پر موت آوے اور عقل بھی موجود ہو، پھر بھی وہ موت کی کیفیت بیان نہ کرے۔ آخر جب ان کا آخر وقت آیا اور سکرات کی تکلیف شروع ہوئی تو ان کے بیٹے نے یہ بات ان کو یاد دلائی اور کہا آپ ہی بیان فرمائیے۔ جواب دیا کہ بیٹا موت کی شان اتنی بلند ہے کہ کوئی اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ البتہ میں اس کی تھوڑی سی کیفیت بیان کرتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میری گردن پر ایک پہاڑ رکھا ہوا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ میرے پیٹ کے اندر درخت سِلا کے کانٹے چبھ رہے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میری جان سُوئی کے ناکہ میں سے نکل رہی ہے (رواہ ابنِ سعد) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کا ایک واقعہ اس طرح بیان فرمایا کہ ان کی ایک جماعت بستی سے نکل کر گورستان پہنچی اور کہنے لگی آؤ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ کسی مُردہ کو زندہ فرمائے جو مرنے کی کیفیت ہم سے بیان کرے۔ چناں چہ

ایسا ہی کیا۔ دفعۃً ایک شخص سیاہ رنگ کا برآمد ہوا جس کی پیشانی پر سجدہ کا نشان تھا
اس نے ہم سے کہا کہ صاحبو! تمھارا کیا مطلب ہے؟ سو برس کا زمانہ ہوا کہ میرا انتقال
ہوا اور اس وقت تک موت کی حرارت زائل نہیں ہوئی۔ اللہ سے دُعا کرو کہ میں
جیسا تھا پھر مجھ کو ویسا ہی کر دے (رواہ احمد فی باب الزہد) اور آپ نے فرمایا کہ قسم ہے
اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ ملک الموت کا اپنے سامنے دیکھنا تلوار کے
ہزار وار سے بھی زیادہ سنگین ہے اور کسی شخص کی جان دُنیا سے اس وقت تک نہیں نکلتی جب
تک کہ اس کی ہر ہر رگ پورا دُکھ نہ اُٹھا لے (رواہ ابو نعیم فی الحلیہ) اور آپ نے فرمایا کہ مرنے
والے میں اس کی موت کے وقت تین باتیں غور سے دیکھو۔ اگر اس کے ماتھے پر پسینہ آ
جائے اور آنکھوں سے پانی بہے اور ناک کے نتھنے یا بانسے پھر جاویں تو یہ اللہ کی رحمت
ہے جو اس پر نازل ہوئی (یعنی خاتمہ بالخیر ہونے کی علامت ہے) اور اگر گلا گھونٹا ہوا
(سا معلوم ہو) اُونٹ کی طرح خرخر کرے۔ رنگ نیلگوں بُجھا ہوا (سا) نکل آئے
اور مُنہ کی باچھیں پھٹ جائیں تو وہ اللہ کا عذاب ہے جو اس پر نازل ہوا (یعنی
بُرے خاتمہ کی علامت ہے) علماء نے کہا ہے کہ مومن کی پیشانی پر پسینہ اس لئے آتا ہے
کہ اپنے گناہوں پر رب کے سامنے سخت شرمندگی طاری ہوتی ہے، جس سے پسینہ آ
جاتا ہے اور کافر ان باتوں سے بالکل اندھا ہوتا ہے۔ دوسری بڑی سختی کی مصیبت
ملک الموت کی صُورت کا نظارہ ہوتا ہے۔ گُناہگار کی رُوح نکالتے وقت ملک الموت
اس قدر خوفناک شکل میں آتا ہے کہ بڑی سے بڑی قُوت والا بہادر شخص بھی دیکھنے
کی تاب نہیں لا سکتا۔ ایک بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ملک الموت
تُم کافروں کی رُوح کس طرح قبض کرتے ہو؟ کہا آپ اس کو دیکھ نہ سکیں گے۔ فرمایا
کیوں دیکھ نہ سکوں گا۔ فرشتہ نے کہا۔ بہتر ہے ذرا مُنہ پھیر لیجئے۔ آپ نے مُنہ پھیر لیا
اس کے بعد دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے۔ نہایت سیاہ جس کا سر آسمان تک پہنچا

ہُوا ہے اور مُنہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ اس کے بدن میں ہر بال کی جگہ ایک آدمی کی صورت ہے جس کے کانوں اور مُنہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہُوا تو ملک الموت اپنی پہلی صورت بدل چکے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ کافر کو اگر کچھ بھی تکلیف نہ ہو تو تمہاری یہ صورت دیکھنا ہی بہت ہے۔ اب مجھے وہ شکل دکھاؤ جس میں مومن کی رُوح قبض کرتے ہو۔ کہا رُخ پھیر لیجیے۔ اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان نہایت خوبصورت کھڑا ہے، جس کا بدن نہایت خوشبودار، کپڑے نہایت سفید و شفاف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مومن کی آنکھ کی ٹھنڈک اور عزت افزائی کے لئے مرتے وقت تمہاری شکل کا نظارہ ہی نصیب ہو تو کافی ہے (رواہ ابن ابی الدنیا عن ابن مسعودؓ) موت کے وقت تیسری سخت مُصیبت نافرمانوں کے لئے یہ ہے کہ رُوح نکلنے سے پہلے ہی اس کو اس کا مقام دکھایا اور بتایا جاتا ہے، جسے معلوم کر کے سخت صدمہ اور افسوس ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ مرنے والے کے پاس فرشتے آتے ہیں۔ اگر وہ نیک ہے تو کہتے ہیں کہ باہر آ جا اے پاک نفس! جو پاک بدن میں رہتا ہے اور خوش خبری سُن راحت اور خوشبوؤں کی اور اللہ کی رضا و خوشنودی کی، فرشتے بار بار اس سے یہی کہتے ہیں یہاں تک کہ وہ باہر آ جاتا ہے۔ پھر اس کو آسمان پر لے جاتے ہیں تو پُوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے۔ فرشتے بتلاتے ہیں کہ فلاں مومن ہے تو وہاں بھی اسی طرح خوش آمدید کہا جاتا ہے اور اگر مرنے والا بدکار ہے تو فرشتے کہتے ہیں۔ نکل اے خبیث نفس جو ناپاک بدن میں رہتا تھا اور خبر سُن گرم پانی اور پیپ کی اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کی۔ بار بار یہی کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نکل آتا ہے۔ پھر اس کو آسمان پر لے جاتے ہیں وہاں اسی طرح پُوچھا جاتا ہے۔ یہ فرشتے بتاتے ہیں تو وہاں سے کہا جاتا ہے کہ مرحبا نہ ہو اس نفسِ خبیث پر۔ واپس ہو مذموم ہو کر۔ تیرے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے

جائیں گے۔ پس اس کو آسمانوں سے پھینک دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ سوال وجواب کے لئے قبر میں آتی ہے۔ (انتہی ملخصًا رواہ ابنِ ماجہ) موت کی ان سخت تکالیف کے بعد پھر جب مُردہ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور روح واپس کی جاتی ہے تو اب اور بھی سخت قسم کی مُصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ سوال وجواب کیلئے منکر نکیر آتے ہیں۔ اگر ایمان وعملِ صالح ہے تو پھر ہر قسم کی راحت وآرام کی ابتدائی علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں اور اگر ایمان وعملِ صالح سے محروم ہے تو اب ایسی سخت قسم کی مُصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ یاد رکھیئے کہ موت وعذابِ قبر کے حالات جو حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں اور وہ سب صحیح ہیں۔ ان پر یقین رکھنا واجب ہے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ان حالات سے اور کون واقف ہو سکتا ہے، لہٰذا صحیح احادیث میں جو کچھ وارد ہے، وہ یقیناً پیش آنے والا ہے۔ اس لئے ہمیں ضروری ہے کہ ہم ان سب سختیوں سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کریں۔ مسلمان اگر مسلمان رہ کر زندگی گذارنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ موت سے کبھی غافل نہ ہو۔ ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور جو کچھ دُنیا میں کرنا چاہتا ہے موت کو پیشِ نظر رکھ کر کرے۔ موت کی یاد تمام قلبی امراض کا بہترین علاج ہے۔ اب دُعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اپنا اپنا انجام سمجھنے کی توفیق دے۔ موت کی یاد کا عادی بنا دے۔ اسلامی طریقے پر جینے اور مرنے کی توفیق دے۔ ہماری گذشتہ غلطیوں اور گناہوں کو معاف فرمائے۔ اور موت کی سختیوں کو ہم پر ہلکا فرمائے۔ عذابِ قبر کی ہولناکیوں سے نجات عطا فرمائے اور ہمارے تمام مرنے والے دوست احباب اعزا واقارب اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔ ان کو عذابِ قبر سے نجات دے اور اس عالم میں راحت کے سامان ان کو عطا فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ ؏

؏ اَیْنَمَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ ؕ بَارَکَ اللّٰہُ الخ

خطبۂ اول عید الاضحیٰ

مسئلہ :- مستحب ہے کہ بعد نماز امام ممبر پر چڑھ کر بغیر بیٹھے کھڑا ہو کر ۹ بار آہستہ تکبیر (اللہ اکبر) کہے - پھر خطبہ شروع کرے -

اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرْ

اَللّٰہُ اَکْبَرْ وَلِلّٰہِ الْحَمْدِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

الَّذِیْ جَعَلَ الْکَعْبَۃَ الْحَرَامَ قِیَامًا لِّلنَّاسِ

وَاَمْنًا ○ (اَللّٰہُ اَکْبَرْ الخ) وَجَعَلَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ

لِلنَّجَاۃِ عَوْنًا ○ (اَللّٰہُ اَکْبَرْ الخ) اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ

اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَلَا عِدْلَا ○ (اَللّٰہُ

اَکْبَرْ الخ) وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا

عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ الَّذِیْ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ اَصْلًا ○

(اَللّٰہُ اَکْبَرْ الخ) صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ ○

وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ الَّذِيْنَ نَالُوْا بِصُحْبَتِهٖ
فَضْلًا ○ (اَللّٰهُ اَكْبَرُ الخ) اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ
الْاِخْوَانِ ○ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ مِنْ
كُلِّ عِصْيَانٍ ○ (اَللّٰهُ اَكْبَرُ الخ) وَبَادِرُوْا فِيْ اَدَاءِ
مَا وَجَبَ عَلَيْكُمْ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ؛ مِنْ صَلٰوةِ
الْعِيْدِ ثُمَّ تَضْحِيَةِ الْحَيْوَانِ ○ وَهِيَ وَاجِبَةٌ
عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ مُكَلَّفٍ مَالِكِ نِصَابٍ؛ مِنَ
الشَّاةِ وَالْاِبِلِ وَالْبَقَرِ الَّذِىْ مَضٰى عَلَيْهِ الْحَوْلَانِ ○
وَلَا تَجْزِ الْعَجْفَاءُ وَلَا الْعَرْجَاءُ وَغَيْرُهُمَا
مِمَّا فِيْهَا عَيْبٌ اَوْ نُقْصَانٌ ○ (اَللّٰهُ اَكْبَرُ الخ)
وَقَدْ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ يَا

عه رواه احمد وابن ماجه ۱۲

رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِیُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ ؕ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ ؕ قَالُوْا فَمَا الصُّوْفُ فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ ؕ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ وَّجَدَ سَعَةً لِاَنْ يُّضَحِّيَ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَحْضُرُ مُصَلَّانَا ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤئُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ○ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

عه رواه الحاکم ۱۲ مسئلہ :- مستحب ہے کہ اول خطبہ کے بعد جلسۂ خفیفہ کرے۔ پھر کھڑا ہوکر دوسرا خطبہ ۷ بار تکبیر کہہ کر شروع کرے۔

وعظ بموقعہ عید الاضحیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ ملت! ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ بڑی بابرکت اور عید و مسرۃ کی تاریخ ہے۔ اس دن دوسری عبادات کے علاوہ دو عبادتیں اور واجب کی گئی ہیں۔ ایک عید کی نماز چھ زائد تکبیروں کے ساتھ پڑھنا، دوسرے قربانی کرنا۔ نمازِ عید کا وقت ایک نیزہ آفتاب بلند ہونے سے زوالِ آفتاب تک ہے، لیکن عید الاضحیٰ کی نماز بہ نسبت نمازِ عید الفطر کے جلد پڑھنا مستحب ہے اور قربانی کا وقت نمازِ عید کے بعد ہے۔ اس سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں اور مستحب یہ ہے خطبۂ نمازِ عید کے بعد قربانی کی جائے۔

دوستو یہ دن خوشی و مسرۃ کا ہے اور ہم ہر سال اس دن میں خوشی مناتے ہیں، لیکن کیا آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا ہے کہ یہ دن اسلام میں اس قدر اہم عظمت و برکت والا کیوں مقرر کیا گیا؟ افسوس ہم صرف رسوم کے پابند ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہمارا ذہن کسی عبادۃ کی معنویت کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتا۔ بزرگو اس دن کی عظمت و برکت کی وجہ یہ ہے کہ ہر سال یہ دن جب لوٹ کر آتا ہے تو ایک ایسی عظیم الشان قربانی کی یاد دلاتا ہے جو دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ آج سے تقریباً پانچ ہزار برس پہلے کالڈیا کے بُت پرستوں میں ایک شخص پیدا ہوا، جن کے قلبِ سلیم نے بے جان مورتیوں کے سامنے اپنا سر جھکانے سے انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ میں تو صرف اسی ایک خدا پر قربان ہو چکا ہوں جس نے آسمان و زمین اور تمام کائنات کو پیدا کیا۔ قوم اس بات پر ان سے سخت ناراض ہوئی اور وطن کی سرزمین کو ان پر تنگ کر دیا، لیکن اس مستِ بادۂ توحید نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور اللہ کی محبت میں قوم و وطن سب کو چھوڑ کر چل دیا اور حجاز کے بے آب و گیاہ میدان میں اپنے بیوی اور بچہ کو آباد کر دیا، مگر

جس کی محبّت کا یہ دم بھرتے تھے اُس نے اولاد کو بھی اپنا شریکِ محبّت بنانا گوارا نہ کیا اور مطالبہ کیا کہ اگر ہم سے محبّت رکھنی ہے تو اولاد کو بھی قربان کر دو۔ وہ اگرچہ محبوب کے ہر اشارہ پر سرِ تسلیم خم کرنے کو تیار تھے۔ پھر بھی بیٹے سے مشورہ کرتے ہُوئے پوچھا کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم کو ذبح کر رہا ہُوں۔ پس اب کہو تمہاری کیا رائے ہے؟ چونکہ یہ بھی اسی علمبردارِ اسلام کا مقدس بیٹا تھا، کہنے لگا ابّا جان آپ کو جو کچھ حکم ہُوا ہے کر گذریئے۔ انشاء اللہ آپ مُجھ کو صابر پائیں گے۔ یہ ان باپ بیٹوں کا وہ کارنامہ تھا، جس کے سامنے دُنیا کی تمام بندگیاں ہیچ ہیں۔ محض خدا کے حکم کی وجہ سے باپ کا معصوم بچّے کے قتل پر آمادہ ہونا اور بیٹے کا خود اپنے گلے پر چھُری چلوانے کے لئے تیار ہو جانا محبّت و رضا جوئی کا وہ آخری درجہ ہے جس کے بعد اور کوئی درجہ بظاہر ممکن ہی نہیں۔ تسلیم و رضا کے اس مقام پر پہنچنے کے بعد ان کو مُسلِم یعنی سچے فرماں بردار کا معزّز خطاب عطا کیا گیا۔ ارشاد ہے وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا یہیں سے آپ لفظِ مُسلم کا حقیقی مفہوم سمجھ سکتے ہیں کہ مُسلم کیسا ہوتا ہے اور کسے کہتے ہیں۔ قرآن کی اصطلاح میں مسلم وہی ہے جو اللہ کی محبّت پر سب محبّتوں کو قربان کر دے۔ غرضیکہ عیدالاضحیٰ کا دن اس عظیم الشان قربانی کی یادگار ہے اور ہر سال یہ دن آکر ہم کو درسِ تسلیم و رضا دیتا ہے۔ اے کاش ہم اس دن سے تسلیم و رضا اور محبّت کا سبق حاصل کرتے۔ عیدالاضحیٰ کا یہ بابرکت دن جس طرح ہمیں محبوب کے لئے مرمٹنے اور سب کچھ تج دینے کا سبق دیتا ہے اسی طرح وہ مرمٹنے والوں اور تمام ماسوی اللہ کو اللہ پر قربان کر دینے والوں کے لئے انعام میں دائمی زندگی حاصل ہونے کا یقینی اور زندہ ثبوت پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ ایک سچے فرماں بردار کو کامل اطاعت کے بعد بارگاہِ خُداوندی سے کس طرح نوازا جاتا ہے۔ دیکھئے کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کے اس ہدیۂ نیازِ محبّت پیش کرنے پر بارگاہِ قدوس سے یہ کتنی زبردست نوازش ہُوئی

کہ اس قربانی کے بعد ان کے ہر ایک عمل کو زندہ رکھا گیا اور بقاءِ دوام عطا کیا گیا۔ اُنھوں نے جو چہار دیواری قائم کی تھی اسے اللہ تعالیٰ نے دُنیا بھر کے مُسلمانوں کا قبلۂ مقصود بنا دیا۔ انھوں نے اس گھر کے گرد جس شیفتگی کے ساتھ طواف کیا تھا، ساری اُمّت پر اسی طرح چکر لگانا فرض کیا گیا۔ انھوں نے دوست کے بلانے پر جس طرح لبیک کہی تھی، اسی طرح ہر مُسلمان حاجی پر اس صدا کا بلند کرنا ضروری قرار دیا گیا۔ اُنھوں نے اپنے محبوب کے دربار میں جو عاجزانہ لباس اختیار کیا تھا، اس نے اپنے اس دربار کی حاضری کا وہی لباس قرار دیا۔ اُنھوں نے جس وارفتگی کے عالم میں دنبہ ذبح کیا تھا وہ منظر ایسا پسند کیا کہ اب ہر سال وہی منظر پیش کرنا تقرب کی لازمی شرط بنا دیا گیا اور حد یہ ہے کہ ان کی بیوی حضرت ہاجرہؑ نے جس طرح شیر خوار بچے کے لئے پانی کی تلاش میں صفا مروہ کے درمیان چکر لگائے تھے اس کا دل لُبھانے والا نظارہ بھی قیامت تک کیلئے محفوظ کر دیا گیا۔ یہ وہ عظیم الشان نوازشات ہیں جس پر دُنیا کے بڑے بڑے انسانوں کو رشک آتا ہے۔ پھر انعام و اکرام کی یہ بارش یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ اس کی داد و دہش کا بحرِ مواج یہاں تک جوش مارتا ہے کہ یہ مقدس باپ بیٹے دیوارِ کعبہ بناتے ہُوئے جو دُعا کرتے جاتے ہیں مقبول ہوتی جاتی ہے اور جو لفظ ان کی مبارک زبانوں سے ادا ہوتا ہے وہ ایک حقیقت بن کر نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب تو ہمیں اپنا فرماں بردار بندہ بنا اور ہماری نسل سے ایسی قوم پیدا کر جو تیری فرماں بردار ہو اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، ہماری خطاؤں سے درگذر کر، اے ہمارے رب تو ان کے اندر خود انھیں میں سے ایک ایسا رسول بھیج جو اُن کو تیری آیتیں سُنائے اور کتاب و حکمت کی انھیں تعلیم دے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرے۔ یقیناً تو ہی عزّت اور حکمت والا ہے۔ اے پروردگار تو اس شہر کو مامون کر دے۔ مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی سے بچا۔"

اے رب میں نے اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس ایک بے آب و گیاہ میدان میں بسا دیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں۔ پس تو لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کا رزق عطا فرما۔" یہ دعا ایسی مقبول ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے لفظ بلفظ پورا کر دیا۔ اُمتِ مسلمہ کی تاریخ شاہد ہے کہ اقوامِ عالم میں سب سے زیادہ ذریتِ ابراہیم علیہ السلام کو اعلاءِ کلمۃ اللہ کی خدمت کیلئے مخصوص کیا گیا اور لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ الخ کی صداقت گواہ ہے کہ اولادِ ابراہیم علیہ السلام ہی میں ایک رسول بھیجا گیا' جس نے آیاتِ الٰہیہ کی تلاوت، نفوس کا تزکیہ اور تعلیمِ کتاب و حکمت کی ایسی خدمات انجام دیں کہ نہ اس سے پہلے یہ خدمت اس شان سے کسی نے انجام دی تھی اور نہ بعد میں کوئی دے سکے گا اور سورۂ فیل میں اصحابِ فیل کا تاریخی واقعہ گواہی دے رہا ہے کہ اس شہر کو اس قدر مامون بنایا کہ اس کی بربادی چاہنے والوں کو مٹا کر رکھ دیا۔ پھر بیت اللہ کا قبلہ بنایا جانا اور ہزاروں بندگانِ خدا کا ہر سال وہاں عظیم الشان اجتماع ہونا اور اس مقدس شہر پر قسم قسم کے ثمرات کی بارش ہونا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے اول حصہ کی طرح آخری حصہ کو بھی پوری طرح شرفِ قبولیت بخشا۔ دوستو یہ تمام لطف و کرم کی متواتر بارشیں محض اس فرماں برداری کا انعام تھیں جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے جامع لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور ان کے لئے تھیں جنھوں نے صحیح معنی میں اپنے آپ کو مُسلِم بنا لیا۔ پس عیدِ اضحیٰ اس کامل اطاعت و بندگی کی یادگار ہے جو ہر سال ہم کو یہ سبق دیتی ہے کہ اصلی اسلام خالص اور کامل فرمانبرداری کا نام ہے اور جو شخص اس قسم کا مُسلم یا فرماں بردار بن جاتا ہے، اس کے قلب سے جو کچھ نکلتا ہے وہ دوام و بقا حاصل کر لیتا ہے اور ایسا مُسلمان مرنے کے بعد بھی مرتا نہیں بلکہ زندہ رہتا ہے ؎ ہرگز نمیرد آنکہ دِلش زندہ شُد بعشق ؛ ثبت است

بر جمیع عالم دوام ما ۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا سچا فرمانبردار اور اطاعت شعار بنائے اور ان مقدس حضرات کے طفیل میں ہماری لغزشوں، خطاؤں اور گناہوں سے درگذر فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و علی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین ۔

ع۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ہ بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ الخ

نوٹ :- پہلا خطبہ پڑھ کر جلسۂ خفیفہ کے بعد ۷ بار تکبیر کہہ کر دوسرا خطبہ شروع کرے ۔

خطبۂ اول عیدالفطر

مسئلہ : مستحب ہے کہ نمازِ عید سے فارغ ہوکر امام ممبر پر (بغیر بیٹھے) کھڑا ہوکر آہستہ نو (۹) بار تکبیر (اللہ اکبر) کہہ کر خطبہ شروع کرے ۔

اَللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُنْعِمِ الْاَکْبَرْ ○ وَفِی الْاُجُوْرَ وَبَثَّ السُّرُوْرَ بِیَوْمِ عِیْدٍ مُنَوَّرٍ ○ اَللّٰہُ اَکْبَرْ الخ ○ اَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اَلْمَلِکُ الْاَکْبَرْ اَللّٰہُ اَکْبَرْ الخ ○ وَاَشْہَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ

مَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ الشَّافِعَ يَوْمَ

الْمَحْشَرِ ○ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الخ ○ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى

اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَمَنْ زَكّٰى نَفْسَهٗ وَطَهَّرَ ○ اَللّٰهُ

اَكْبَرُ الخ ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ○ قَالَ

نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؛ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا

عِيْدُنَا ○ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الخ ○ فَاشْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى فِيْهِ

بِاَدَاءِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ فَاِنَّهَا وَاجِبَةٌ عَلٰى مَالِكِ

نِصَابٍ عَنْ نَفْسِهٖ وَطِفْلِهِ الصَّغِيْرِ ○ نِصْفَ

صَاعٍ مِنْ حِنْطَةٍ وَّصَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَعِيْرٍ ○

اَللّٰهُ اَكْبَرُ الخ ○ وَاسْتُحِبَّ لَكُمْ اَنِ اغْتَسِلُوْا وَ

اسْتَاكُوْا وَتَطَيَّبُوْا وَالْبَسُوْا اَحْسَنَ ثِيَابِكُمْ وَكُلُوْا

قَبْلَ الصَّلٰوةِ مِنْ تَمْرٍ اَوْ شَيْئًا حُلْوًا ۝ وَاسْعَوْا اِلٰى صَلٰوةِ الْعِيْدِ وَكَبِّرُوْا فِى الطَّرِيْقِ سِرًّا ۝ وَاسْتَمِعُوْا بَعْدَهَا الْخُطْبَتَيْنِ ۝ فَتَفُوْزُوْا فِى الدَّارَيْنِ ۝ اَللّٰهُ اَكْبَرُ الخ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ بَارَكَ الخ

وعظ بموقعہ عید الفطر مشتمل بر احکام و عبر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ اسلام! اس خدائے قدوس کا ہزار شکر کہ جس نے ہمیں یہ برکت اور خوشی و مسرّۃ کا دن پھر دیکھنا نصیب کیا۔ عید الفطر کے روز بطورِ شکریہ ہم پر دو کام واجب ہیں۔ ایک صدقۂ فطر ادا کرنا' دوسرے چھ زائد تکبیروں کے ساتھ نمازِ عید ادا کرنا' فطرہ ہر آزاد مسلمان مالکِ نصاب پر اپنی طرف سے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے ادا کرنا واجب ہے۔ بیوی اور بالغ اولاد سے بھی ترغیب و تاکید کر کے ادا کرائیں یا آپ ہی ان کی طرف سے بھی ادا کر دیں تو باعثِ ثواب ہے۔ جو روزہ

نہ رکھ سکا ہو اس پر بھی فطرہ واجب ہے۔ فطرہ میں گیہوں انگریزی سیر[۱] کے حساب سے پونے دو سیر دیں یا اس کی قیمت۔ مستحب ہے کہ نماز سے پہلے ہی ادا کریں۔ نمازِ عید سے قبل غسل، مسواک، آرائش، عُمدہ لباس اور خوشبو استعمال کرنا۔ عیدگاہ جلد جانا۔ ایک راہ سے جانا، دوسری راہ سے آنا۔ جانے سے قبل کوئی شیریں چیز کھا لینا۔ راہ میں آہستہ تکبیرِ تشریق کہتے جانا یہ سب امورِ مسنون ہیں۔

برادرانِ اسلام! آج ہماری عید اور خوشی کا دن ضرور ہے، لیکن جب ہم محکوم و غلام ہیں، مفلس و نادار ہیں، دوسری قوموں کی نظر میں ذلیل و خوار ہیں۔ دولتِ دین و دُنیا سے تہی دست ہیں تو در اصل سچّی اور حقیقی مسرت و خوشی سے محروم ہیں۔ پس کیا ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کی ضرورت نہیں؟ اگر ہے تو ہمیں اس ذلیل ترین تنزّل سے ترقی کی طرف قدم اُٹھانا چاہیئے، لیکن کیا قدم اُٹھانے سے پہلے ہمیں راستہ متعیّن کرنا ضروری نہیں؟ اگر ہے تو سوچیے ہماری ترقی کا صحیح راستہ کونسا ہو سکتا ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ہم کو تین باتوں پر غور کرنا پڑے گا۔ اول یہ کہ ہم کون ہیں؟ جواب ظاہر ہے کہ ہمارا نام مُسلمان ہے اور یہ نام کسی خاص نسل یا کسی خاص زمین کے رہنے والوں کا نہیں بلکہ یہ اس جماعت کا نام ہے جس نے اسلام کے اصول و مقاصد کو اپنے لیئے پسند کیا اور صرف خُدائے وحدہٗ لاشریک کی حکومت اور اس کے رسول کی اطاعت کو قبول کیا۔ پس جس کی زندگی کا وہ مقصد نہو جو اسلام نے مسلمان کیلیئے متعیّن کیا اور جس نے وہ اصول اختیار کرنا پسند نہیں کیئے جو اسلام نے اس کے لئے تجویز کئے ہیں، تو ایسے لوگوں کا اسلام سے کیا تعلق؟ اب ہم آپ اپنا اپنا مقام سوچیں کہ ہم اسلام و کفر میں سے کس مقام پر ہیں، کیونکہ یہیں سے انسانی ترقی کی راہیں جُدا ہوتی ہیں۔ کافر انسانوں کی ترقی کی راہ اور ہے اور مسلمان انسانوں کی راہِ ترقی اور ہے۔

[۱] یہ سیر ۸۰ تولے کا ہوتا ہے۔

پھر یہ خیال رہے کہ انسانوں کی ان دو قسموں کے علاوہ ایک اور قسم بھی پائی جاتی ہے جو نہ پوری طرح مسلمان ہے نہ بالکل کافر۔ انسانوں کی یہ بھیڑ اتنی نادان اور کم سمجھ واقع ہوئی ہے کہ اس نے ہر قسم کی ترقی کا میدان اپنے اوپر تنگ کر لیا ہے۔ یہ قسم نہ دنیا میں پوری ترقی کر سکتی ہے نہ آخرت میں، ایسے لوگ نہ دنیا کے چیدہ بڑوں میں شمار ہو سکتے ہیں، جیسا کہ دنیا کی تاریخ اپنا تجربہ بتلا رہی ہے نہ آخرت کے منعم علیہم ہیں۔ ان کو سے نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم ؎ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے انسانوں میں ان سے زیادہ نادان کی اور کوئی قسم نہیں پائی جاتی۔ اس لئے اس گروہ کی ترقی کا سوال قابلِ بحث ہی نہیں۔ اس موقعہ پر یہ درخواست بیجا نہ ہوگی کہ ذرا ہم آپ سوچ کر دیکھیں کہ کہیں خدانخواستہ ہم انسانوں کی اس آخری قسم میں تو نہیں ہیں؟

آیئے اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے ذرا ہم اپنے حالات پر ایک نظر ڈالیں۔ ہم جب اپنے خیالات کا تجزیہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے کچھ نظریات اسلامی ہیں، کچھ غیر اسلامی۔ اعمال پر غور کرتے ہیں تو کچھ اسلامی اور کچھ غیر اسلامی۔ ہم نماز و روزہ کر لیتے ہیں تو زکوٰۃ و حج غائب۔ ہم میں اگر عبادت ہے تو سخاوت نہیں۔ شجاعت ہے تو رحم نہیں۔ ہمارا اگر ظاہری اخلاق اچھا ہے تو باطن میں منافقت کی گندگی قلب کو سڑا رہی ہے۔ ہمارا نام مسلمان ہے، لیکن ہماری صورتیں کافرانہ ہیں۔ کفر کا لیبل ہمارے سروں پر چسپاں ہے، لیکن اسلامی علامت ہمارے چہروں سے غائب ہے۔ ہمارا لباس کچھ اسلامی ہے کچھ کافرانہ۔ ہمارا طرزِ زندگی کچھ اسلامی ہے کچھ غیر اسلامی۔ غرضیکہ ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں دو رنگا رنگ نمایاں ہے جس میں کچھ اسلام کا ہے کچھ کفر کا۔ ان حالات میں ذرا سوچیئے کہ ہم انسانوں کی کونسی قسم میں شمار ہو سکتے ہیں؟ ترقی کے لئے پہلا قابلِ غور سوال یہ تھا کہ ہم کون ہیں۔ اب ذرا سوچ سمجھ کر اس کا صحیح جواب دیجئے۔ اس کے بعد دوسرا قابلِ غور سوال یہ ہے کہ کافر کی زندگی کا آخری

مقصد کیا ہے، جس کے لئے وہ ترقی کرنا چاہتا ہے اور مسلمان کا آخری مقصدِ حیات کیا ہے، جس کے لئے وہ ترقی ترقی کا غل مچا رہا ہے۔ جواب معلوم کرنے کے لئے پہلے آپ کفر کی پوری تاریخ دیکھ لیجئے۔ اس کے حالات کا مطالعہ کیجئے۔ گفتار و کردار پر غور کر لیجئے تو محقق اور آخری جواب یہی ملے گا کہ دنیوی زندگی میں زیادہ سے زیادہ دولت، راحت اور عزت حاصل کرنا اس کا آخری مقصد ہے۔

اس کے برخلاف اب آپ مسلمان کا مقصدِ زندگی معلوم کرنے کے لئے اسلامی تعلیمات پر غور فرمائیے تو جواب یہی ملے گا کہ مسلمان کی زندگی کا آخری مقصد صرف خالقِ کائنات اللہ رب العالمین کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے[علہ] کہ "آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ میری نماز و قربانی، زندگی اور موت (سب صرف) اللہ (کی خوشنودی) کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم کیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں"۔ یعنی میری تمام جد و جہد کا آخری مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔ یہی مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مقصد تھا اور اسی نصب العین کی آپ نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے جیسا کہ قرآن و حدیث سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔ اب سوچئے کہ ہماری زندگی کا نصب العین اس وقت کیا ہے۔ ہمارا روز و شب کس چیز کی کوشش میں گذر رہا ہے۔ ہماری جد و جہد کا آخری مقصد کیا ہے آیا وہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاۃِ طیبہ کا مقصد تھا یا اس کے علاوہ اور کوئی مقصد ہمارے پیشِ نظر ہے؟ کیا آج ہم جو رات دن محنت و مشقت کر رہے ہیں یہ صرف خدا کے لئے ہے یا ان دنیوی مقاصد کے لئے جو کافر کا آخری مقصد ہے؟ مسلمانو سوچو خدارا غور کرو کہ

علہ قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین ۵

تم کدھر جا رہے ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ کیوں کر رہے ہو؟ افسوس ہم نے اپنا اسلامی مقصد بالکل فراموش کر دیا اور ایسا بھلا دیا کہ اس کا خیال تک نہیں آتا۔ پھر ہم ہی نہیں بلکہ ہمارے بڑے رہنما بھی اس مقصد کو بھولے ہوئے ہیں۔ ہمیں ترقی کی طرف جب بھی بلایا جاتا ہے، دولت، حکومت اور عزت ہی کا لالچ دے کر بلایا جاتا ہے حالانکہ یہ چیزیں مسلمان کا مقصد نہیں، بلکہ سچے مسلمان کے پیر کی لونڈی ہیں۔ مسلمان جب خدا کا طالب ہو جائے، یہ چیزیں اس کا قدم چومنے لگتی ہیں، کیونکہ یہ سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ اسی کی ملک ہیں۔ جب خدا کسی کا ہو جائے تو یہ خود بخود اس کی ہو جاتی ہیں اور خدا کو اپنا بنانے کی ترکیب صرف یہ ہے کہ ہم خود اللہ کے ہو جائیں۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو اللہ کا ہو جائے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔" غرضیکہ مسلمان کی تمام جد وجہد اور اس کی پوری زندگی کا آخری مقصد صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی اس کو حاصل ہو جائے۔ یہ ایک ایسا اعلیٰ مقصد ہے جو تمام دنیاوی اور اخروی کامیابیوں، دولتوں، نعمتوں اور راحتوں کی کنجی ہے۔ مسلمانو! اگر تم پوری طرح کامیاب ہونا چاہتے ہو تو جس طرح بھی ہو سکے، اس کنجی کو حاصل کر لو۔

ترقی کے لئے تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے ترقی کرنے کا صحیح راستہ کیا ہے؟ جواب کیلئے سوچئے کہ دوکاندار، کاشت کار، طالب علم، وکیل، ڈاکٹر وغیرہ کی ترقی کا صحیح راستہ کیا ہے۔ یہی کہ تاجر تجارت کو، کاشت کار زراعت کو، طالب علم اپنے علم کو، وکیل اپنی وکالت کو، ڈاکٹر اپنی ڈاکٹری کو جس قدر زیادہ بڑھائیگا اور مکمل کرے گا اسی قدر وہ ترقی کر جائے گا۔ اسی طرح مسلم اور مومن یعنی خدا اور اس کے فرمان پر یقین رکھنے والا جس قدر بھی اپنی تابعداری اور ایمان کو بڑھائیگا اسی قدر وہ ترقی کرتا جائے گا۔ پس مسلمان اور مومن کی ترقی کا صحیح راستہ یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے جس قدر ہو سکے اپنے ایمان واسلام کی ترقی اور تکمیل میں جد وجہد کرے۔

دُنیا کی کوئی تدبیر کوئی دوا کوئی کوشش ایسی نہیں جس میں سَو فیصدی کامیابی کا یقین کیا جا سکے، لیکن مسلمان کی ترقی کی یہ تدبیر ایسی یقینی ہے کہ جس میں ایک فیصدی بھی ناکامی کا احتمال نہیں، کیونکہ خود اس مالکِ ارض وسما نے اس تدبیر پر کامیابی کا اٹل وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ "تم ہی سربلند ہوگے اگر تم (کامل) مومن بن جاؤ"۔ یاد رکھو کہ آدمیوں کی کثرت، مال و دولت کی کثرت، شان و شوکت کی کثرت، کمالات کی کثرت، ایجادات کی کثرت، مسلمانوں کی خاص دولت نہیں ہے۔ یہ چیزیں تو دنیا کی تمام قوموں کے پاس ہیں بلکہ ان کے پاس ہمیشہ مسلمانوں سے زیادہ ہی رہی ہیں۔ مسلمانوں کی وہ خالص دولت جس سے ہر قوم محروم ہے اور جس کے مقابلہ میں دُنیا کی کوئی قوم ٹھہر نہ سکی۔ وہ صرف ایک چیز ہے اور وہ اس کی ایمانی قوت ہے۔ اس چیز سے ساری قومیں محروم ہیں۔ یہی وہ ہتھیار ہے جس کا دُنیا میں کوئی جواب نہیں۔ ابتداءِ اسلام میں مُسلمانوں کی ترقی تعداد کی کثرت یا دولت کی زیادتی سے نہیں ہوئی بلکہ پھٹے کپڑوں، ٹوٹے ہتھیاروں اور متواتر فاقوں میں رہتے ہوئے ان کی ترقی جس چیز سے ہُوئی وہ صرف ایک ایمانی قوت تھی اور یہ قوت اسلام و ایمان کو مکمل کر لینے سے پیدا ہوتی ہے۔ ترقی کی اس تدبیر کے علاوہ جو کچھ بھی کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے اس کا نتیجہ سوائے خسارہ کے اور کچھ نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: والعصر ان الانسان لفی خسر الخ یعنی قسم ہے (رفتارِ) زمانہ کی انسان خسارہ میں ہے سوائے ان کے جو ایمان لائے (یعنی اسلامی عقائد و نظریات کو بلا کم و کاست قبول کیا) اور اچھے اعمال کئے (یعنی وہ کام کئے جو خُدا اور رسول کے نزدیک اچھے ہیں) اور جنھوں نے حق اور صبر کی وصیت کی (یعنی اسلامی عقائد و اعمال کو قبول کرنے اور ان پر پختگی کے ساتھ قائم رہنے کی تبلیغ کرتے رہے) دو ستو مسلمان قوم کی ترقی کے صرف یہی اصول ہیں جو اس سورۂ عصر میں اللہ نے بیان فرمائے ہیں اسکو

چھوڑ کر جو کچھ بھی ہوگا وہ سب غلط اور خسارہ کا باعث ہوگا۔ رمضان شریف کے روزے بھی تکمیلِ ایمان کا ایک ذریعہ ہے۔ ہم نے روزے رکھے اور کچھ نہ کچھ ہمارے قلب کا تعلق اللہ کے ساتھ وابستہ ہوا ہے۔ ضرورۃ ہے کہ اس تعلق کو اور زیادہ بڑھایا جائے اور روزہ رکھ کر جو ہم میں قدرے نرم دلی، ایثار و ہمدردی اور اخلاقی پاکیزگی اور خلوص پیدا ہوا ہے اس کی حفاظت کی جائے اور تکمیلِ ایمان کے دوسرے تمام ذرائع مثلاً نماز، زکوٰۃ، حج، جہاد و تنظیم، جفاکشی، راستبازی، حقوق کی ادائیگی وغیرہ اختیار کئے جائیں۔ خلاصہ یہ کہ ہم جبکہ مسلمان ہیں تو ہماری زندگی کی تمام جد و جہد کا مقصد صرف خدا کی رضا ہونی چاہیئے اور ہماری ترقی کا چونکہ صحیح طریقہ صرف تکمیلِ ایمان ہے، لہٰذا ہمیں کامل طور پر دیندار بننے کی کوشش کرنی چاہیئے اور ہماری صحیح عید اور عید کی سچی خوشی اسی وقت حاصل ہوگی جب ہم ایک اعلیٰ ترقی یافتہ قوم بن جائیں۔ دُعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو ترقی کی صحیح راہ دکھائے اور اس کو اختیار کرنے کی توفیق دے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین عــہ

عــہ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ الخ

نوٹ :- مستحب ہے کہ اول خطبہ پڑھ کر قدرے بیٹھے۔ پھر دوسرا خطبہ ۷ بار تکبیر پڑھ کر شروع کرے۔

الاستسقاء

مسائل :- استسقاء یعنی بارش کے لئے دُعا کرنے کا طریقہ صاحبین کے قول کے مطابق یہ ہے کہ امام اور قوم آبادی سے باہر جنگل میں پہلے دو رکعت نماز باجماعت

جہری قرأت سے ادا کریں۔ پھر امام دو خطبے پڑھے۔ دونوں کے درمیان جلسہ بھی کرے۔ پھر قبلہ کی طرف رُخ کر کے امام اور قوم دُعا کرے اور امام خطبہ میں قلب رداء کرے یعنی اپنی چادر اُلٹے۔ مقتدی نہ کریں۔ کفار اس دعا میں شریک نہوں۔ (از جوہر نیزہ ص۲ ج۱)

خطبۃ الاستسقاء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَثْنٰی عَلٰی نَفْسِهٖ بِقَوْلِهٖ ○ وَهُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ○ لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَا اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ○ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِیْ كَانَ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ○ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَعَلٰى اٰلِهٖ ○ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ○ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا

كَثِيْرًا كَثِيْرًا ○ اَمَّا بَعْدُ فَيَا اَيُّهَا[1] الْمُسْلِمُوْنَ اِنَّكُمْ

شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ ۞ وَاسْتِيْخَارَ الْمَطَرِ

عَنْ اِبَّانِ زَمَانِهٖ عَنْكُمْ ۞ وَقَدْ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ

اَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ اَنْ يَّسْتَجِيْبَ لَكُمْ ۞ اَلْحَمْدُ

لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ

مَا يُرِيْدُ ۞ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا

اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ ۞ اَنْزِلْ عَلَيْنَا

الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا

اِلٰى حِيْنٍ ۞ اَللّٰهُمَّ[2] اسْقِنَا غَيْثًا مُّغِيْثًا مَرِيْئًا مُرِيْعًا

---

[1] رواه ابوداؤد ۱۲ [2] ابوداؤد عن دعائه صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ ۞ اَللّٰهُمَّ اسْقِ
عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ
بَلَدَكَ الْمَيِّتَ ۞ اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَلَا تَجْعَلْنَا
مِنَ الْقَانِطِيْنَ ○ اَللّٰهُمَّ اِنَّ بِالْعِبَادِ وَالْبِلَادِ وَ
الْبَهَائِمِ وَالْخَلْقِ مِنَ اللَّاْوَاءِ وَالْجَهْدِ وَالضَّنْكِ
مَالَا نَشْكُوْا اِلَّا اِلَيْكَ ۞ اَللّٰهُمَّ اَنْبِتْ لَنَا الزَّرْعَ وَ
اَدِرَّ لَنَا الضَّرْعَ ○ وَاسْقِنَا مِنْ بَرَكَاتِ الْاَرْضِ
اَللّٰهُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الْجُهْدَ وَالْجُوْعَ وَالْعُرْيَ وَاكْشِفْ
عَنَّا مِنَ الْبَلَاءِ مَالَا يَكْشِفُهٗ غَيْرُكَ ۞ اَللّٰهُمَّ اِنَّا
نَسْتَغْفِرُكَ اِنَّكَ كُنْتَ غَفَّارًا ○ فَاَرْسِلِ السَّمَاءَ
عَلَيْنَا مِدْرَارًا ○ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ وَهُوَ الَّذِيْ

عـه رواه ابو داؤد ۱۲

يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ۚ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ بَارَكَ اللّٰهُ الخ

خطبۂ ثانیہ (۱)

نوٹ :- اول خطبہ پڑھ کر جلسہ کرے اور پھر یہ دوسرا خطبہ پڑھے۔ خطبۂ ثانیہ دو طرح سے لکھے ہیں جو پسند ہو پڑھیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ۝ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ۚ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۝ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۝ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۝ اَلَّذِيْ اَرْسَلَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ

نَذِیْرًا ○ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی

النَّبِیِّ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ

سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰی

سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِہٖ ○ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ ○ وَاَزْوَاجِہٖ

وَذُرِّیَّاتِہٖ ○ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَرْحَمُ اُمَّتِیْ

بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍؓ ○ وَاَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰہِ عُمَرُؓ ○

وَاَصْدَقُھُمْ حَیَاءً عُثْمَانُؓ ○ وَاَقْضَاھُمْ عَلِیٌّؓ ○

وَفَاطِمَۃُ سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِؓ ○ وَالْحَسَنُ

وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِؓ ○ وَ

حَمْزَۃُ اَسَدُ اللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖؓ ○ اَللّٰھُمَّ

اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِہٖؓ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَّ

بِاطِنَةً لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا ۝ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ ۝

لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ ۝ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ

فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ ۝ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ

اَبْغَضَهُمْ ۝ وَخَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ

یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ۝ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ

الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِیْنَ بِالْاِمَامِ الْعَادِلِ ذِی

الْقُوَّةِ الْقَاهِرَةِ ۝ وَالسَّلْطَنَةِ الظَّاهِرَةِ ۝ عَلَی

الْكَفَرَةِ الْبَاغِیَةِ ۝ وَاغْفِرِ اللّٰهُمَّ لِجَمِیْعِ

الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۝ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَ

الْمُسْلِمَاتِ ۝ اَلْاَحْیَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ ۝

بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۝ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الخ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ ۝ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ اُذْکُرُوا اللّٰہَ یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْہُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَھَمُّ وَاَتَمُّ وَاَکْبَرُ ۝

خطبۂ ثانیہ (۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِی اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ

وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ٭

وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ

رَسُوْلُهٗ ٭ الَّذِىْ اَرْسَلَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۝

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ خُصُوْصًا عَلٰى اَمِيْرِ

الْمُؤْمِنِيْنَ سَيِّدِنَا اَبِىْ بَكْرِنِ الصِّدِّيْقِ

رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ۝ وَعَلٰى اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

سَيِّدِنَا عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ ۝ وَعَلٰى اَمِيْرِ

الْمُؤْمِنِيْنَ سَيِّدِنَا عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ○ وَعَلٰى اَمِيْرِ

الْمُؤْمِنِيْنَ سَيِّدِنَا عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ ○ وَعَلَى

الْاِمَامَيْنِ ، سَيِّدِنَا الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ

اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا ○ وَعَلٰى اُمِّهِمَا سَيِّدَةِ النِّسَاءِ فَاطِمَةَ

الزَّهْرَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا ○ وَعَلٰى عَمَّيْهِ سَيِّدِنَا

حَمْزَةَ وَالْعَبَّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا ○ وَعَلَى السِّتَّةِ

الْبَاقِيَةِ مِنَ الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرَةِ وَعَلٰى سَائِرِ الصَّحَابَةِ

وَالتَّابِعِيْنَ ○ رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ○

وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ○ اَلْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَ

الْاَمْوَاتِ ○ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ○

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الخ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۤءِ ذِی الْقُرْبٰی وَيَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاۤءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ اُذْكُرُوا اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ يَسْتَجِبْ لَكُمْ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَهَمُّ وَاَتَمُّ وَاَكْبَرُ ○

خُطبۂ نکاح

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ ؛ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ ؛ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؛ وَنَشْهَدُ اَنْ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَنَشْهَدُ

اَنَّ (سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا) مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔ اَمَّا

بَعْدُ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ

مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ

مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ

رَقِيْبًا ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ

تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝

يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ

يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ○

خطبہ کے بعد ایجاب وقبول کرائے۔ اس طرح کہ ولی یا وکیل یا وہ شخص جس کو وکیل نے اپنی وکالت تفویض کی ہو، مثلاً قاضی وغیرہ کہے۔ بعوض مہرِ معجّل (اگر فوراً دیا جائے) یا مؤجل (اگر عند الطلب دینا طے ہوا ہو) مبلغ ...... روپیہ مسماۃ فلاں بنتِ فلاں کا نکاح تمہارے ساتھ کیا۔ دولھا کہے۔ میں نے اس نکاح کو قبول کیا۔ پس نکاح ہوگیا۔ اب دعا اور مبارکباد میں یہ مسنون الفاظ کہے :-

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ۔ مسئلہ ایجاب وقبول کو دو گواہوں کا سننا ضروری ہے۔ مسئلہ جب دولھا، دلھن کے پاس جائے تو اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ کہے : بَارَكَ اللّٰهُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنَّا فِي صَاحِبِهٖ۔ پھر یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جَبَلْتَهَا عَلَيْهِ۔ اور جماع کے وقت یہ دعا پڑھے : بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔

برادرانِ ملت اور محترم خواتین !

نکاح درصل ایک معاہدہ ہے عمر بھر کے لئے مرد وعورت کی رفاقت کا۔ ایک دوسرے کی ہمدردی ومعاونت کا اور باہمی غمگساری کا۔ نکاح ہوتے ہی زوجین میں ایک خاص قسم کا تعلق ایسا پختہ وابستہ ہوجاتا ہے جس میں کوئی تیسرا خلل انداز نہیں ہوسکتا اور ہر ایک پر دوسرے کے ایسے حقوق عائد ہوجاتے ہیں، جن کا ادا کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

اس معاہدہ کے وقت ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جانا مسنون فرمایا ہے، جس کے الفاظ آپ سن چکے ہیں اور جو انتہائی سادگی کے باوجود اتنا وسیع اور جامع ومانع ہے کہ طرفین کی ہر مشکل کا حل اور ہر نزاع کا فیصلہ اس سے بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ اس میں وحدانیت حق تعالیٰ اور رسالت رسولِ اکرم صلعم کی شہادت کے بعد چند آیاتِ شریفہ قرآن شریف کی تلاوت فرمائی ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار اِتّقوا اللہ کا حکم دیا ہے اور خدا سے ڈرنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ نکاح کے وقت زوجین کو اس امر کی تاکید کی جاتی ہے کہ وہ ازدواجی معاہدہ کو غفلت کے ساتھ کھیل نہ سمجھیں بلکہ عقد ہونے وقت اللہ سے ڈرتے ہوئے ان تمام ذمہ داریوں کو سمجھیں جو ہر ایک پر عائد ہوتی ہیں اور اپنے قلب میں ان کے ادا کرنے کا عزم راسخ کر لیں اور جو عہد و پیمان اللہ و رسول ؐ کے حکم کے مطابق مستحکم کیا گیا ہے اس پر عمر بھر قائم رہیں لفظِ اتقوا اللہ (اللہ سے ڈرو) کے ذیل میں اس موقع پر جن حقوق کی ادائیگی کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا گیا ہے اس مجلس میں ان کا اجمالاً ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ زوجین اپنے اپنے فرائض اچھی طرح سمجھیں اور پھر ہمہ تن ان کی ادائیگی میں مصروفِ عمل ہو سکیں۔

محترم خواتین عقدِ نکاح ہوتے ہی جو حقوق شوہر کے آپ پر عائد ہوتے ہیں، ان میں سے پہلا حق اقرارِ عظمتِ شوہر ہے، یعنی بیوی شوہر کو اپنے برابر نہیں بلکہ بڑا اور اپنا حاکم سمجھے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر ایک خاص قسم کی فضیلت دی ہے اور فرمایا کہ اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ "مرد حاکم ہیں عورتوں پر"۔ اور نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے:۔ لَوْ کُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا (یعنی) "مرد کی عظمت اس قدر ہے کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے"۔ لیکن چونکہ خدا کے سوا کسی

کو سجدہ کرنا جائز نہیں، اس لئے یہ حکم نہیں دیا گیا۔ جو بیوی اپنے شوہر کی عزت کریگی اور اس کو اپنے سے بڑا تسلیم کرے گی اس کو ثوابِ آخرت کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوگا کہ نزاع کے وقت شوہر سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔ مقابلہ کرنے کا اکثر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی صنفِ نازک میں سے ہونے کی وجہ سے مقابلہ کی تاب نہ لاکر مصائب و آلام کا شکار ہو جاتی ہے، لیکن اگر شوہر کی عظمت اپنے قلب میں قائم رکھے گی تو باہمی نزاعات اور رنجشوں کا بہت جلد فیصلہ ہو جاتا ہے اور بیوی اس طرح اپنے آپ کو ہزارہا تکالیف سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔

(۲) دوسرا حق بیوی پر شوہر کا یہ ہے کہ حتی الامکان اس کی خدمت میں اپنے آپ کو مصروف رکھے۔ حدیث[۱] میں آیا ہے کہ حضرت اسماءؓ بنتِ یزید نے ایک بار بارگاہِ نبوی میں آکر عرض کیا کہ میں عورتوں کی طرف سے یہ دریافت کرنے حاضر ہوئی ہوں کہ مرد جمعہ اور ثوابِ جماعت، عیادۃِ مریض، نمازِ جنازہ و دفنِ میت، جہاد اور حفاظتِ سرحدِ اسلامی وغیرہ طاعات کی بدولت ہم پر فوقیت لے گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا اپنے شوہر کے لئے (جائز طریقہ سے) بناؤ سنگار کرنا، اس کی رضا جوئی میں کوشش کرنا، اس کی مرضی کے موافق چلنا یہ سب باتیں مردوں کے ان اعمال کے برابر ہیں"۔ اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اللہ و رسولؐ کے نزدیک شوہر کی خدمت و رضا جوئی کا کس قدر بڑا ثواب ہے کہ جمعہ و جماعات اور جہاد کی برابری کرتا ہے۔ نیز دوسری حدیث[۲] میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ "کسی عورت کو اپنے کام میں لگا رہنا جہاد کرنے والوں کے برابر ہے"۔

سبحان اللہ! کتنی زبردست فضیلت ہے، لیکن شوہر کی اطاعت صرف ان کاموں میں کرنی چاہیئے جو شریعت میں جائز ہوں۔ خلافِ شرع کام میں شوہر کی

ع[۱] عربی عبارت بوجہِ خوفِ طوالت اکثر جگہ نہیں لکھی گئی ۱۲ ع[۲] بہشتی زیور صد ۶ ۱۲

بھی اطاعت کرنا جائز نہیں، بلکہ بہت بڑا گناہ ہے، مثلاً شوہر اگر نماز یا زکوٰۃ و قربانی سے منع کرے یا بے پردگی پر اصرار کرے تو اس قسم کی باتوں میں نافرمانی کرنا ہی ضروری ہے۔ اطاعت جائز نہیں۔

(۳) تیسرا حق یہ ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے گھر اور اس کے اسباب کی حتی الامکان حفاظت کرے، یعنے نوکروں اور غلاموں کے ہاتھ برباد نہ ہونے دے اور بیجا طور پر گھر کا غلّہ اسباب یا روپیہ صرف ہونے یا کرنے سے بچائے۔ جس طرح خود اپنے مال اور چیزوں کی حفاظت کرتی ہے۔ حفاظتِ خانہ کی سینکڑوں جزئیات ہیں، جن کو غور کر کے آپ خود معلوم کر سکتی ہیں۔

(۴) چوتھا حق یہ ہے کہ شوہر کی رضا میں راضی رہے۔ اس کی رضا جوئی میں مصروف رہے۔ حدیثِ شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمام عورتوں سے اچھی عورت وہ ہے کہ جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کو مسرور کرے اور جب کوئی حکم دے تو پورا کرے اور اپنے جان و مال میں اس کو ناخوش اور اس کی مخالفت نہ کرے۔

(۵) پانچواں حق یہ ہے کہ اپنے شوہر سے قلبی محبت رکھے اور اپنی نظر میں اس سے اچھا کسی کو نہ سمجھے۔ اگرچہ کوئی شخص کتنا ہی خوبصورت، مالدار اور جامع صفات کیوں نہ ہو بلکہ یہ سمجھے کہ میرے حق میں میرے شوہر سے زیادہ کوئی مفید نہیں۔ حدیثِ شریف میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ تمہاری بیویوں میں سب سے اچھی وہ ہے جو اپنی آبرو کے بارے میں پارسا ہو اور اپنے شوہر پر عاشق ہو۔

(۶) چھٹا حق یہ ہے کہ شوہر کی امانت میں خیانت نہ کرے کہ اس میں دوگنا گناہ ہے۔ اسی لئے محصنہ کو سنگساری کا حکم ہے۔ حضرت عمارؓ بن یاسر سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ جو عورت اپنے خاوند کے پیچھے میں خیانت کرے، اسے اس

ساری اُمت کے برابر عذاب بھگتنا پڑے گا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عورت اللہ کے حقوق سے سبکدوش نہیں ہوتی، جب تک کہ وہ اپنے شوہر کے حقوق ادا نہ کرلے۔ بناؤ سنگھار اور زینت بھی صرف شوہر کا حق ہے۔ اس میں خیانت کرنا یہ ہے کہ دوسروں کو اپنی زینت دکھائے۔ اسی لئے پردہ میں رہنا واجب ہے۔ دراصل عورتوں کیلئے پردہ بڑی رحمت ہے کہ ہزاروں زحمتوں سے بچاتا ہے اور یہ حجاب دراصل عذابِ الٰہی سے حجاب ہے۔ جس نے پردہ چاک کیا اس نے اپنے آپ کو عذابِ الٰہی میں ہلاک کیا۔ اسی لئے قرآنِ کریم میں بار بار متعدد جگہ اور احادیث میں بکثرت اس کی تاکید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ یعنی عورتیں اپنی زینت سوائے شوہر کے اور کسی پر ظاہر نہ کریں۔ پس بے پردگی کی خواہش بھی حقِ شوہر میں خیانت ہے۔ اس سے ہر مسلمان عورت کو بچنا چاہیئے۔

(۷) ساتواں حق یہ ہے کہ شوہر کے بچوں کی تربیت کرے خواہ وہ اس کے ہوں یا سوتیلے۔ یہ خدمت بیوی کے لئے بہت عُمدہ ہے کہ اپنا تقاضائے محبت پُورا ہونے کے علاوہ اس کا بہت بڑا ثواب بھی ملتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو بیوہ عورت خاندانی اور مالدار ہونے کے باوجود شوہر کے بچوں کی خدمت و پرورش میں لگ کر اپنا رنگ میلا کرلے (یعنی خوب خدمت کرے) یہاں تک کہ بچے بڑے ہو کر الگ رہنے لگیں یا مر جائیں تو ایسی عورت بہشت میں مجھ سے ایسی نزدیک ہوگی جیسے شہادت کی انگلی بیچ کی انگلی سے قریب ہے۔ بڑی خوش نصیب ہے وہ عورت جو اپنے شوہر کے بچوں کی پرورش کر کے بارگاہِ رسالت تک اپنی رسائی حاصل کرے۔

معزز خواتین! شوہر کے بہت سے حقوق ہیں، جن میں چند آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ ان حقوق کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف ہو کر اپنے شوہر کی نظر میں محبوب اور اللہ و رسولؐ کے نزدیک مقبول بندی

بن کر جنّت الفردوس حاصل کرنے کی کوشش کریں گی۔

برادرانِ ملّت! اسلام نے جس طرح شوہر کے حقوق ازواج پر عائد کئے ہیں، اسی طرح بیویوں کے حقوق شوہروں کے ذمہ ضروری قرار دئے ہیں، ہمیں بھی نکاح کرتے وقت ان کے حقوق کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ازواج کے حقوق پر بھی مختصر سا تبصرہ کر دیا جائے۔

بیوی کا پہلا حق مہر ہے

جس کا ادا کرنا ازواج کے ذمہ ضروری ہے، خواہ جلد ادا کرے یا بدیر، لیکن ادائیگی کی نیّت رکھنا ضروری ہے۔ ہاں اگر بیوی معاف کر دے تو یہ اس کا احسان ہے۔ بیوی کا دوسرا حق مرد کے ذمہ اس کا نفقہ ہے جو اس کے متقید رہنے کا معاوضہ ہے جس کا ادا کرنا واجب ہے لیکن شریعت کی مہربانی دیکھئے کہ اس میں بھی ہمیں اجر و ثواب عطا کیا گیا ہے۔ جناب حضرت امام اعظمؒ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ تم اللہ کی رضا جوئی کیلئے بیوی پر جتنا بھی خرچ کروگے (خواہ تھوڑا ہو یا بہت) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکا اجر عطا فرمائے گا، یہاں تک کہ اس لقمہ کا بھی جو تم نے اپنی بیوی کے مُنہ میں دیا اس کا بھی اجر دیا جائے گا نیز آپؒ نے روایت کیا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ ایک شخص کا اپنے اہل و عیال کے نفقہ کی فکر میں رات گذارنا ان ہزاروں تلواروں کے واروں سے افضل ہے جو جہاد میں کئے گئے ہوں۔ شوہر کو چاہیئے کہ بیوی کے نفقہ میں تنگی نہ کرے۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیّت فرمائی ہے کہ وَسِّعْ عَلٰی عَیَالِكَ وَاَھْلِكَ یعنے تم اپنے اہل و عیال کے نفقہ میں وسعت کیا کرو۔ معلوم ہُوا کہ باوجود استطاعت کے خرچ میں تنگی کرنا وصیّتِ حضور صلعم کی صریح خلاف ورزی ہے۔ تیسرا حق یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے۔ بات بات پر اسکی غلطی نہ نکالی جائے۔ حتی الامکان اسکی غلطیوں کو برداشت کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی

تم نیکی اور بھلائی سے ان کے ساتھ معاشرت کیا کرو۔ نرمی سے جس قدر اصلاح ہو سکتی ہے کرو لیکن سختی نہ کرو۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ استوصوا بالنساء خیرا فان المراۃ خلقت من ضلع اعوج فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لاتزال اعوج "میری وصیت عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی قبول کرو اس لئے کہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اگر زیادہ سیدھا کرنا چاہوگے تو توڑ ڈالوگے اور اگر بالکل چھوڑ دوگے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی"۔ مطلب یہ کہ مناسب طریقہ سے اصلاح کرنے میں مضائقہ نہیں لیکن زیادہ سختی سے اصلاح کرنے میں مزید فسادات پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ چوتھا حق یہ ہے کہ امورِ خانگی میں بیوی کی امداد کی جائے۔ سردارِ دوعالم صلعم بھی امورِ خانگی میں اپنی ازواجِ مطہرات کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ پانچواں حق یہ ہے کہ بیوی کی طرف سے جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرے۔ اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔ حضور صلعم نے فرمایا ہے کہ ایمان اس شخص کا کامل ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور (اخلاقی لحاظ سے) سب میں اچھے (لوگ) وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہوں۔ چھٹا حق یہ ہے کہ بیوی کی دلجوئی کرے۔ اس سے بات چیت کرے۔ اسکی تکلیف وراحت کی باتیں سُنے اور تکالیف کا حتی الامکان تدارک کرے۔ ساتواں حق یہ ہے کہ اگر بیوی دیندار نہ ہو تو اس کو دیندار بنائے اور دین کی تمام ضروری باتیں سکھائے۔ عبادت کا عادی بنائے۔ شوہر سے جہاں خود اس کے اعمال کی پرسش ہوگی، ساتھ ہی بیوی کے اعمال کے متعلق بھی بازپرس ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (الی ان قال) والرجل راع علی اھل بیتہ ومسئول عن رعیتہ یعنی مرد محافظ ہے اپنے اہلِ بیت کا، اور وہ اپنے ماتحتوں کے بارے میں بازپرس کیا جائیگا لہٰذا شوہر کو اپنی بیوی کے دین سے بھی غافل نہ ہونا چاہیئے۔ معزز حاضرین ومعزز خواتین! یہ ہیں وہ حقوق جو نکاح ہوتے ہی ایک دوسرے پر عائد ہو جاتے ہیں ہمیں انکی ادائیگی کے متعلق خوفِ خدا رکھنا چاہیئے۔ یہی خلاصہ ہے اس خطبۂ نکاح کا جو اس باہمی مبارک معاہدہ کے وقت آپکے سامنے پڑھا گیا۔ اب دعا

فرمائیے کہ اے خدائے قدوس آج تیرے ایک ضعیف بندے اور ایک ناتوان بندی کے درمیان تیرے ہی حکم و ہدایت کے مطابق وہ رشتہ قائم ہو رہا ہے جو آدم و حوا علیہما السلام سے لیکر آج تک بیشمار مرد و عورت کے درمیان قائم ہو چکا ہے۔ اے رحمٰن و رحیم تو اپنے حبیبِ پاک کے صدقہ میں ان کے نفوس کو پاک کردے۔ ان کے قلوب میں باہمی الفت و محبت راسخ کردے۔ ان کو اپنے احکام پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ باہمی حقوق کی ادائیگی پر مستعد بنا۔ ان کی دنیا و دین سدھار دے۔ ان کو صحت و سلامتی عطا فرما۔ ان کی نسل میں برکت عطا فرما۔ ان کی خطاؤں سے درگذر کر اور اپنے فضل و کرم کا سایہ ان کے سروں پر قائم رکھ۔ اے غفور الرحیم ان کے اور ہم سب مسلمانوں کے گناہوں کو بخش دے۔ دینِ اسلام پر زندہ رکھ اور اسی پر خاتمہ فرما۔ آمین یارب العالمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

دعاءِ عقیقہ

عقیقہ کا جانور ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔ ضروری نہیں۔

اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عَقِيْقَةُ فلان بن فلان (اس جگہ بچہ کا نام لے) دَمُهَا بِدَمِهٖ وَلَحْمُهَا بِلَحْمِهٖ وَعَظْمُهَا بِعَظْمِهٖ وَجِلْدُهَا بِجِلْدِهٖ وَشَعْرُهَا بِشَعْرِهٖ (اگر لڑکی ہو تو سب ہٖ کی بجائے ھا کہے)

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ۔ پھر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر ذبح کرے۔

خطباتِ موعظت کے متعلق ملک کے بلند پایہ رسائل و مؤقر جرائد کی آراء

رائے گرامی ماہرِ علومِ عقلیہ و نقلیہ جناب حضرت مولٰنا شاہ معین الدین احمد ندوی صاحب

مدیر ماہنامۂ علمی "معارف" اعظم گڈھ (از معارف جمادی الاول سنہ ۱۳۷۱ھ)

جمعہ کا خطبہ مخلوط عربی اور اُردو میں پڑھنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے، مگر نمازِ جمعہ ہی کا ایک ایسا موقعہ ہوتا ہے، جس کے ذریعہ بغیر کسی اہتمام کے مسلمانوں کے کانوں تک مذہبی مسائل اور دینی ضروریات کی باتیں پہنچائی جا سکتی ہیں، مگر سامعین عموماً عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ان دونوں مقاصد کے حصول کے لئے فاضل مؤلف مولٰنا ابوالناصر ذاکر حسن صاحب پھلتی مظاہری نے خطباتِ موعظت کے نام سے عربی کے خطبات اور اُردو کے مواعظ تالیف کئے ہیں جن کو عربی کے خطبہ سے پہلے یا نمازِ جمعہ کے بعد پڑھ کر سنایا جاسکتا ہے۔ اس طرح خطبہ کے لئے عربی زبان کی شرط بھی پوری ہوجاتی ہے اور مسلمانوں کی اصلاح اور وعظ و تذکیر کا مقصد بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ عربی خطبوں میں ہر مہینہ کے مناسب مسائل کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے اور اُردو کے مواعظ میں عقائد و عبادات سے لے کر معاملات و اخلاق تک دین کے اُن تمام ضروری مسائل اور اوامر و نواہی کو بیان کیا گیا ہے، جن کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اندازِ بیان مؤثر و دل نشین ہے۔ خطبات کے شروع میں ایک مبسوط مقدمہ ہے، جس میں مساجد کے ائمہ، اُن کے اوقاف اور متولیوں کے متعلق ضروری مسائل اور وعظ و تذکیر کے مؤثر طریقے تجویز کئے گئے ہیں اور فقہی حیثیت سے خطبۂ جمعہ کی زبان کی تحقیق کی گئی ہے۔ اس قسم کے اور خطبات بھی مرتب کئے گئے ہیں مگر ان خطبات میں بڑی جامعیت ہے اور وہ مسلمانوں کی جملہ دینی ضروریات پر حاوی ہیں۔ اس لئے ائمۂ مساجد کو اُن سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔

رائے گرامی ماہرِ علومِ جدیدہ و قدیمہ جناب مولٰنا سعید احمد صاحب اکبر آبادی
مُدیرِ علمی ماہنامہ "بُرہان" دہلی

مُسلمانوں کو دینی تعلیمات و مسائل سے باخبر کرنے کا وقت نمازِ جمعہ کے خطبہ کا وقت ہے، کیونکہ جس مُسلمان میں ذرا بھی دینی حمیت ہے اور اسلامی اوامر و نواہی کا پاس ہے وہ کچھ اور نہیں تو کم از کم نمازِ جمعہ ضرور پڑھتا ہے، لیکن افسوس کہ اس راہ میں ایک بڑی رُکاوٹ تو یہ ہے کہ خطبہ کی زبان عربی ہوتی ہے اور امام صاحب خود اس کے معنی سمجھے بغیر اسے جوں کا توں پڑھ دیتے ہیں۔ چنانچہ اکثر مساجد میں دیکھنے میں آیا ہے کہ امام صاحب نے وہی خطبہ پڑھا جس میں سلطانِ ترکی کا نام آیا ہے اور ان کی سلطنت کی بقاء کے لئے دُعا کی گئی ہے۔ پھر چونکہ بعض علماء کے نزدیک غیر عربی میں خُطبہ پڑھنا ممنوع ہے، اس لئے اگر کوئی صاحب وعظ وارشاد کی باتیں خطبہ میں بیان کرنا بھی چاہیں تو لامحالہ عربی ہی میں بیان کریں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام مسلمانوں کو اس سے ذرا فائدہ نہ ہوگا۔ اس خلا کو پُر کرنے کے لئے مولٰنا ابوالناصر ذاکر حسن صاحب عبیدی پُھلتی نے "خطباتِ موعظت" کے نام سے خطباتِ جمعہ کا مجموعہ تیار کیا ہے، جس کے ہر خطبہ میں مہینہ اور دن کی مناسبت سے دین کے مختلف احکام دلائل و براہین کے ساتھ دلچسپ اور عام فہم اردو زبان میں لکھے ہیں۔ پیشِ نظر خطبات میں دین کے مہمات مسائل مثلاً فضائلِ یومِ عاشورا و ترغیبِ اتباعِ سُنّت و تقبیحِ بدعات، علمِ دین کی فضیلت، عقائدِ اسلام کی مختصر تشریح، احکامِ طہارۃ، جمعہ و جماعات کی اہمیت، اولاد، زوجین اور والدین کے حقوق، نماز، روزہ، زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت، آدابِ معاشرۃ وغیرہ، یہ سب زیرِ گفتگو آگئے ہیں، جن سے سُننے اور پڑھنے والے کو کافی فائدہ اور دینی بصیرۃ حاصل ہوسکتی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ متوسط درجہ کی اُردو جاننے والے کیلئے یہ کتاب بہت مفید ہے۔

(از "برہان" جمادی الاول سنہ ۱۳۷۱ھ)

ایک ضروری گذارش

جو اصحاب اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں ان کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ از راہِ کرم اپنے حلقۂ احباب میں اس تبلیغی اور اصلاحی کتاب کو زیادہ سے زیادہ رائج کرنے کی کوشش فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں اور اپنا نام اور ڈاک کا مکمل پتہ لکھ بھیجیں تاکہ ہم ان کی خدمت میں مکمل فہرستِ کتب اور وقتاً فوقتاً جو نئی کتابیں شائع ہوتی ہیں، ان کی اطلاع بھیجتے رہیں!

فقط

مینجر

مُسلم بُک ڈپو

سٹی نیو مارکٹ، بنگلور ۲

خاتمۃ الطبع

الحمدللہ والمنتہ کہ باوجود بے حد مشکلات حائل ہونے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے خطباتِ موعظت جلد اول و دُوم کی طباعت ساتویں مرتبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا دی ہے جو کافی محنت اور اہتمامِ صحت کے ساتھ طبع ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مسلمانوں کے لئے نافع بنائے۔ کتاب نایاب ہے۔ شائقین جلد طلب فرمائیں۔

از ناشران

ایم۔ نور محمد اقبال عفی عنہ، **و ایم۔ ضیاء الرحمٰن** کان اللہ لہٗ

مالکانِ مُسلم بُک ڈپو، بنگلور ۲

یہ کتاب حکومتِ ہند سے رعایتی قیمت پر حاصل کئے ہوئے کاغذ پر طبع کی گئی ہے۔

تسہیل القرآن پارۂ عمّ

بہت جلد قرآن کا پڑھنا اور سمجھنا سکھانے والا پارہ

عربی کا قاعدہ پڑھنے کے بعد بچوں کے لئے پارہ عمّ ہی پہلا زینہ ہے جس میں سے گزر جانے کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت بالکل آسان ہو جانی چاہیئے۔ اسی کو مدنظر رکھ کر قرآن شریف کو بالکل آسان طریق پر پڑھانے اور سمجھانے کے لئے یہ پارہ تیار کیا گیا ہے۔ اس پارہ میں ہر لفظ اور اس کے معنی علیحدہ علیحدہ خانوں میں بنا کر پھر سے جلی حروف میں عبارت (آیت) لکھی گئی ہے اور اس کے نیچے اس کا سہل تر ترجمہ دیا گیا ہے۔ عبارت کو سمجھنے کے لئے ضروری عربی قواعد کو بالکل آسان طریقہ پر ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اُردو قواعد سے معمولی درک رکھنے والے افراد بڑی آسانی سے اس میں لکھے ہوئے عربی قواعد کو خود سمجھ سکتے ہیں۔ مستورات اور لڑکیاں گھر بیٹھے اس پارے کے ذریعہ عربی کو آسانی سے پڑھ بھی سکتی ہیں اور سمجھ بھی سکتی ہیں۔ اگر کوئی اس پارہ کو سمجھ کر ایک بار پڑھ لے تو سارا قرآن سمجھ کر پڑھا جائے گا۔

مسلم بکڈپو سٹی نیو مارکیٹ بنگلور ۲